سیرتِ اُمّہات المومنین رضی اللہ عنہن

تألیف
مولانا محمد عبد المعبود

اُمّہات المومنین کی عبادت وریاضت، جود وسخا، زہد وقناعت
اور ازدواجی زندگی کا روح پرور تذکرہ، مستشرقین کے الزامات کے
دندان شکن جوابات، تشریح آیہ تطہیر، مصداق اہل بیت،
تحقیق عمر عائشہ رض، مہر کی اسلامی حیثیت اور پردۂ نسواں
پر معرکۃ الآراء مباحث

مکتبہ رحمانیہ
اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 042-7224228-7221395

قال اللہ تعالیٰ

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ

سیرت

امہات المومنین رضی اللہ عنہن

امہات المومنین کی عبادت وریاضت، جود وسخا، زہد وقناعت
اور ازدواجی زندگی کا روح پرور تذکرہ، مستشرقین کے الزامات کے
دندان شکن جوابات، تشریح آیۂ تطہیر، مصداق اہل بیت،
تحقیق عمر عائشہؓ، مہر کی اسلامی حیثیت اور پردۂ نسواں
پر معرکۃ الآراء مباحث

تالیف

مولانا محمد عبدالمعبود

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ، اردو بازار۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب ـــــ سیرت امہات المومنینؓ

مصنف ـــــ محمد عبد المعبود

ناشر ـــــ مکتبہ رحمانیہ لاہور

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرما دیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

انتساب

اپنی اس حقیر سی کاوش کو
سرورِ کون و مکاں، سلطانِ زمین و زمن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیک سیرت، عزت مآب ازواج مطہرات سلام اللہ علیہن کے نام منسوب کرتا ہوں۔
جن کے سر پر "یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ" کا تاج مکلل شرو قباں اور چہرہ کا جھومر "وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ" اور جن کا غازہ آیتِ تطہیر ہے اور جن کی قدموں کے تلے عرشِ بریں بچھے۔
جنہوں نے "حبِ رسول" کی لازوال دولت کے حصول کے لیے، رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر فدائیت، فنائیت اور وارفتگی کا بھرپور اظہار کیا، جس کی مثال تاریخِ انسانیت پیش کرنے سے قاصر ہے۔

محمد عبدالمعبود عفا اللہ عنہ
۲۸ ذوالقعدہ ۱۴۲۴ھ
۲۱ جنوری ۲۰۰۴ء

تعلیقات

مؤلف علام کی دیگر تعلیقات جو عالمی شہرت کی حامل ہیں

(۱) تاریخ مکۃ المکرمہ
(۲) تاریخ مدینۃ المنورہ
(۳) شمائل و خصائل نبوی ﷺ
(۴) عمدۃ المناسک
(۵) سوانح شیخ القرآن
(۶) نماز کی مکمل کتاب
(۷) خواتین کی نماز
(۸) خواتین کا فقہی انسائیکلوپیڈیا
(۹) خواتین کا حج و عمرہ
(۱۰) مسائل میت
(۱۱) ایصال ثواب کی شرعی حیثیت
(۱۲) مسلک السادات فی الدعاء بعد المکتوبات
(۱۳) عہد نبوی ﷺ میں نظام تعلیم

کتاب نما

(۱) ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

(۳) ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ

تحقیق عمر عائشہؓ

مکارمِ اخلاق

علومِ نبوت اور مقامِ عائشہؓ

(۳) ام المومنین سیدہ سودہؓ

(۴) ام المومنین سیدہ حفصہؓ

(۵) ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہؓ

(۶) ام المومنین سیدہ سلمہؓ

(۷) ام المومنین سیدہ زینب بنت جحشؓ

حجاب نسواں

(۸) ام المومنین سیدہ جویریہؓ

(۹) ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ

(۱۰) ام المومنین سیدہ صفیہؓ

(۱۱) ام المومنین سیدہ میمونہؓ

ام المومنین سیدہ ماریہ قبطیہؓ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سخن ہائے گفتنی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ۔

بعد: انبیاء علیہم السلام کی ذوات مقدسہ سیرت و کردار اور اخلاق و گفتار کے اعتبار سے پاکیزہ بے عیب اور قابل رشک اوصاف کے حامل ہوتے ہیں۔ جبکہ سرور دو عالم سردار انبیاء سیدنا محمد مصطفی ﷺ ہر لحاظ سے سب انبیاء سے فائق، معظم اور قدسی صفات سے متصف اور محاسن کا معدن تھے جن کے نطق کی تقدیس و تحفظ پہ کلام الٰہی وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى شاہد ہے ہر ایک قول رضائے الٰہی کا مظہر اور ہر فعل مشیت ایزدی کا آئینہ دار تھا۔ آپ کی ذات والا صفات نفسانی خواہشات سے پاک و منزہ تھی، اگر عبادات سے تقرب خداوندی مقصود تھا تو ازدواجی زندگی محض تسکین خاطر کے لئے نہیں، بلکہ دین اسلام کی نشر و اشاعت کی عکاسی کرتی ہے آپ کا ارشاد ہے میں نے اپنا اور نہ ہی اپنی بیٹیوں کا نکاح اپنی مرضی اور خواہش سے کیا بلکہ امر ربی سے ہوا۔

یہی وجہ ہے کہ رب کبریا نے اپنے حبیب لبیبؐ کے لئے جن عورتوں کا چناؤ فرمایا، ان کی توصیف میں ہفت افلاک سے یہ ندا آتی ہے۔ "لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ" اور انہیں وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ جیسے یگانہ و فرزانہ خطاب سے نوازا گیا۔ اور ان کی پاکدامنی، نزاہت اور عفت و عصمت کو "يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا" سے آشکارا کیا۔

گئی ہے۔

ازواج مطہرات کے مقدس تذکرہ سے قرآنی اوراق بھی مزین ہیں۔ محدثین کرام نے بڑے ذوق و اہتمام کے ساتھ ان کا ذکر خیر کیا ہے۔ مورخین، مفسرین سیرت نگاروں اور تذکرہ نویسوں نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ ان کی سوانح کو بیان کیا ہے۔

اردو زبان میں بھی امہات المومنین کی سیرت و کردار پر متعدد کتابیں موجود ہیں۔ لیکن ان میں بعض اہم مباحث مفقود ہیں یا ان کی صراحت و وضاحت نہیں۔ توفیق سے اس موضوع پر لکھنے کا عزم ہوا۔ حسب ذیل مباحث اس کتاب کا طغرٰی امتیاز ہیں۔

۱۔ تعدد ازدواج کو ایشو بنا کر کفار و فجار و ملحدین نے امام الانبیاء حبیب کبریا سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات مقدسہ و صفات محمودہ کو مورد الزام ٹھہرایا۔ چنانچہ کتب مقدسہ، تاریخی شواہد اور مستشرقین کی کتابوں ہی سے ان کے مفصل، مدلل اور مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔

۲۔ حدیث میں جن چار عورتوں کو "افضل النساء" کہا گیا ہے۔ ان میں سے افضل ترین کون ہے؟ اس پر محدثین اور مفسرین کی دقیق آراء۔

۳۔ حالت احرام میں نکاح اور سیدہ میمونہ کے نکاح کی تحقیق۔

۴۔ قرآن و حدیث کے تناظر میں آیت تطہیر اور اہل بیت کے مصداق کی تشریح۔

۵۔ ازواج مطہرات اور بنات الرسول کے حق مہر کی مقدار اور شرعی مہر کی تفصیلات۔

۶۔ پردہ نسواں کے احکام و مسائل شرح و بسط کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

۷۔ ام المومنین سیدہ عائشہ کی نکاح کے وقت ۶ اور ۹ سال عمر مبارک کی صحیح مرفوع اور متفق علیہ احادیث پر بعض لوگوں نے عدم اعتماد کر کے ایک باطل نظریہ قائم کر لیا ہے۔ بنابریں اس موضوع پر ہم نے مفصل بحث کر کے اس حقیقت کو روز روشن کی

طرح آشکارا کر دیا گیا ہے کہ رخصتی کے وقت عمر مبارک نو سال ہی تھی۔ اور اس پر معتمد علماء کی توضیحات و تصدیقات بھی شامل ہیں۔

اس موضوع پر علامہ سید سلیمان ندوی کی ایک معرکۃ الآراء بحث "حضرت عائشہؓ کی عمر پر ایک تحقیقی نظر" کے عنوان سے مقالہ کتاب میں شامل کر لیا ہے۔ جو بیحد قابل ستائش اور لائق صد تحسین ہے۔

علاوہ ازیں امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے حب رسولؐ کے محیر العقول واقعات سید عالم ﷺ پر جذبہ فدائیت و وارفتگی، سیرت و کردار، عبادت و ریاضت، فضائل و مناقب، جود و سخا اور علوم نبوی کی ترویج و اشاعت کا روح پرور اور ایمان افروز تذکرہ ہے۔

اس کتاب کی تدوین میں جہاں احادیث اور تاریخ کی مستند اور قابل اعتماد کتب سے استفادہ کیا ہے۔ وہاں بالخصوص امام محمد بن یوسف الصالحی الدمشقی المتوفی ۹۴۲ھ کی شہرۂ آفاق تصنیف "ازواج النبیؐ" سے بھرپور رہنمائی حاصل کی گئی ہے۔ امام موصوف کی کتاب مختصر ہونے کے باوجود اپنے موضوع پر جامع و مانع اور انتہائی معلومات افزا ہے۔

ممکن ہے اہل علم حضرات بعض مباحث سے اتفاق نہ فرمائیں۔ تو ان سے گذارش ہے کہ اصلاحی انداز میں ضرور رہنمائی فرمادیں تاکہ اصلاح کر دی جائے۔

احقر کو اپنی علمی استعداد کی کمزوری کا ہمیشہ اعتراف رہا، انشاء پردازی کا ملکہ بھی نہیں۔ اور پھر "امہات المومنینؓ" کی سیرت و حیات پر اجلہ علماء کرام کی معرکۃ الآراء کتابوں کی موجودگی میں کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ لیکن اس امید سے کہ امہات المومنینؓ کے تذکرہ نویسوں کے ساتھ نسبت ہی ابر کرم بن جائے اور قیامت کے دن شفیع المذنبین ﷺ کی شفاعت نصیب ہو جائے۔ اس بنا پر "خون لگا کر شہیدوں" میں نام لکھوانے کی ٹھان لی۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ اس محنت کو شرف قبولیت سے نوازے اور اسے مفید عام بنائے اور احقر کی نجات کا ذریعہ بنائے۔

محمد عبد المعبود عفا اللہ عنہ

جامع مسجد پھولوں والی رحمٰن پورہ، راولپنڈی

۲۸ ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ (۳۱ جنوری ۲۰۰۳ء)

ملکہ انسانیت کی ولادت

سیدنا آدم علی نبینا علیہ الصلاۃ والسلام جنت میں تشریف لاتے ہیں۔ باغ جنت کا چپہ چپہ انوار الٰہی سے معمور' الطاف کبریائی کا قدم قدم پر ظہور' ہر سو نعمتوں کی بارش' ہر طرف انوار کی تابش' اس پر بھی اپنے دل کا ایک گوشہ خالی پاتے ہیں۔ کسی چیز کی کمی محسوس کرتے ہیں۔ لیکن نوازشوں اور بخششوں کی تکمیل جب ہی جا کر ہوئی اور آدم علیہ السلام کے حق میں جنت جب ہی حقیقی معنی میں جنت ثابت ہوئی۔ جب مرد کے لئے عورت کی تخلیق ہوئی اور شوہر کے لئے بیوی کی ہستی سامنے آئی۔

ایک خوبصورت مہکنے والے پھول کو دیکھ کر طبیعت میں تراوت اور تازگی پیدا ہوتی ہے۔ کلیوں کے تبسم اور چنبیلی کی مہک جس طرح موتیا' اور رات کی رانی کے غنچوں کی عطر آمیز خوشبو سے طبیعت جھوم اٹھتی ہے۔ گلاب کی خوشبو اور خوش نمائی' لالہ کی رنگینی' شبنم کی خنکی' شفق کی سرخی' کوئل کی کوک' پرندوں کے نغمے' مینا کا چہچہانا' تتلیوں کا البیلا پن' غرض یہ سارے مناظر قدرت دلوں کو لبھاتے اور مردہ دلوں میں زندگی کی امنگیں پیدا کر دیتے ہیں۔

مگر فطرت کی یہ ساری رنگینیاں' قدرت کی یہ ساری رعنائیاں' اور چمن زاروں کا یہ سارا حسن و نکھار ایک وجود کے بغیر ناقص و نامکمل ہے۔ وہ گراں قدر وجود و قدرت کا شاہکار کیا ہے؟۔

وہ ہے عورت کی ہستی جس میں فطرت کی مذکورہ بالا ساری رعنائیاں پوری طرح سمو دی گئی ہیں۔ عورت کے وجود کے بغیر فطرت کی یہ ساری گل کاریاں اور اس کے سارے نغمے سونے ہیں۔ عورت کے بغیر زندگی ویران اور بے کیف ہے۔ دنیا کی ساری رنگینی اور دل جمعی عورت ہی کے دم سے ہے۔

عورت زندگی میں قسم قسم کے رنگ بھرنے والی اور زندگی کو رنگین و مسرت بخش بنانے والی ہے۔ عورت اس کائنات کا حسن اصلی ہے۔ مرد کے لئے مایۂ تسکین اور سرمایۂ راحت ہے۔ بزم کائنات کی شمع عورت ہی کے دم سے روشن ہے۔

اگر عورت نہ ہوتو پورا کارخانہ تمدن اجڑ کر رہ جائے۔ عورت تمدن انسانی کا مرکز اور محور اور باغ انسانیت کی زینت ہے۔ اس کے بغیر مرد کی زندگی بالکل سونی سونی اور بے مزہ سی ہے اگر عورت نہ ہوتو پھر سارا معاشرہ اور سارا تمدن منتشر و پراگندہ ہو جائے گا۔ اور پوری انسانی تہذیب اجڑ کر رہ جائے گی۔

عورت ہی کے دم سے زندگی کی گاڑی رواں دواں ہے۔ عورت ہی کے دم سے زندگی کی بہار ہے۔ عورت ہی کے وجود سے زندگی کے خوبصورت نغمے پھوٹتے ہیں اور مردہ دلوں میں زندگی کے نئے ولولے پیدا ہوتے ہیں۔ عورت ہی کی بدولت مرد ہر آن اور ہر لمحے مصروف رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے تہذیب و تمدن کے نئے نئے میدان کھلتے ہیں اور نئی نئی منزلیں سامنے آتی ہیں۔

عورت ہی کے دم سے زندگی کی بہار ہے۔ عورت ہی مرد کی زندگی نکھارنے والی اور اس کی زندگی میں تمہا گہمی پیدا کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو حسن و جمال اور سوز و گداز سے نوازا ہے۔ جو مرد کے لئے تسکین قلب کا باعث اور اس کی تنہائیوں کو دور کر کے روحانی سکون کا ذریعہ ہے۔ یہی اس کا دل لبھا کر اسے سکون و تازگی بخشتی ہے۔ تاکہ وہ جہد مسلسل میں برابر لگا رہے اور اپنے وظیفہ حیات سے اکتا نہ جائے۔ ورنہ تمدن انسانی کی گاڑی رواں دواں رہنے کے بجائے بالکل ٹھپ ہو کر رہ جائے گی۔...

ل تحفۃ العروس ص ۲۱ تا ۲۳ ۔

منہاج نبوت اور تعدد ازواج

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی عورتوں سے رغبت رکھتے تھے اور یہ بات لوازمات بشریت میں سے ہے۔ جو کمال روحانی کے منافی نہیں۔ بلکہ توکل اور فروتنی آدمی کو اسی سے آتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً [1]

ترجمہ: اور بھیج چکے ہیں ہم کتنے رسول تجھ سے پہلے اور ہم نے دی تھیں ان کو بیویاں اور اولاد۔

انجیل کی تصریحات کے مطابق سابقہ انبیاء علیہم السلام کے ہاں متعدد بیویاں تھیں۔

سیدنا ابراہیم: علیہ الصلوۃ والسلام کی تین بیویاں تھیں۔

۱۔ سیدہ ہاجرہؓ والدہ حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ [2]

۲۔ سیدہ سارہؓ والدہ حضرت اسحاق علیہ السلام۔ [3]

۳۔ قطورہ خاتونؓ والدہ زمران۔ [4]

سیدنا یعقوب: علیہ السلام جن کا نام اسرائیل بھی ہے کی چار بیویاں تھیں۔

۱۔ لیاہؓ ان کے بطن سے روبن، شمعون، لاوی، یہودہ، اشکار اور زبلون پیدا ہوئے۔ [5]

۲۔ زلفہؓ ان سے آشر اور جد پیدا ہوئے۔

---

۱ سورہ رعد: ۳۸۔ ۲ کتاب پیدائش ۱۶/۱۰ ۳ کتاب پیدائش ۱۸/۱۵
۴ پیدائش ۲۵/۱ ۵ کتاب پیدائش ۲۹/۳۲ ۶ رحمۃ للعالمین ج۲ ص ۱۳۹
۷ کتاب پیدائش ۲۹/۳۴

ازواج کا الزام عائد نہیں کرتے اور نہیں امام الانبیاء ﷺ کی ذات پاک پر بھی الزام تراشی کا حق ہرگز نہیں۔

مفتی اعظم مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

عرب، ہندوستان، ایران، مصر، بابل وغیرہ ممالک کی ہر قوم میں کثرت ازدواج کی رسم جاری تھی اور اس کی فطری ضرورتوں سے آج بھی کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ دور حاضر میں یورپ نے اپنے متقدمین کے خلاف تعدد ازواج کو ناجائز کرنے کی کوشش کی۔ تو اس کا نتیجہ بے نکاحی داشتاؤں کی صورت میں برآمد ہوا۔ بالآخر فطری قانون غالب آیا اور اب وہاں کے اہل بصیرت حکماء خود اس کو رواج دینے کے حق میں ہیں۔

مسٹر ڈیون پورٹ جو ایک مشہور عیسائی فاضل ہے تعدد ازواج کی حمایت میں انجیل کی بہت سی آیتیں نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے۔

ان آیتوں سے یہ پایا جاتا ہے کہ تعدد ازواج صرف پسندیدہ ہی نہیں۔ بلکہ خدا نے اس میں خاص برکت دی ہے۔[1]

تعدد ازواج کی مصلحت:

شیخ عبدالحق حقانی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقمطراز ہیں۔

آج کل عیسائی اور ملحد منش لوگوں کا اسلام پر ایک یہ بھی اعتراض ہے کہ پیغمبر اسلام نے نو عورتوں سے نکاح کیا۔ کثرت ازواج شہوانی زوجیت پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن یہ بات ہر عقلمند پر ظاہر ہے کہ انسان جب تک اس جامۂ انسانی میں ہے۔ خواہ کوئی کیوں نہ ہو۔ ولی ہو نبی ہو۔ اس کو تمام انسانی حاجتیں پیش آتی ہیں۔ اسے بھوک پیاس بھی لگتی ہے۔ اس کے بعد نیند بھی آتی ہے۔ پاخانہ پیشاب بھی آتا ہے۔ اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اسی طرح اس کے کسی عضو میں فتور نہیں تو منی بھی پیدا ہو کر نکلتا چاہتی ہے۔ اس لئے خواہ مخواہ عورت کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ یہ طبعی بات ہے۔

---

[1] معارف القرآن ج ۲ ص ۲۹۲ سورۃ نساء آیت ۳۔

صرف اتنا فرق ہے کہ اچھے لوگ اس کو اس کے محل پر صرف کرتے ہیں۔ برے لوگ بے محل کام میں لاتے ہیں۔ اگر ملنگ بنا سکھایا جاتا تو قطع نسل انسانی کے علاوہ ہزاروں مصیبتیں پیش آتیں۔ حرامکاری کا پل ٹوٹ جاتا۔ دیکھئے باوجود تقدس کے جب جرمن نے وہ تالاب صاف کرایا، جو اس کلیسا کے متعلق تھا۔ جس میں مجرد مرد اور عورتیں رہتے تھے، تو سینکڑوں کھوپڑیاں حرامی بچوں کی نکلیں اور جو ادھر ادھر پھینک دیئے گئے یا حمل گرائے گئے ان کا تو کوئی حساب ہی نہیں ہے۔[1]

رسول اللہ کی تعدد ازواج کی مصلحت:

شیخ عبدالحق حقانی دہلوی لکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو متعدد عورتوں سے نکاح کرنے میں چند مصالح تھے۔

اوّل۔ عدالت آپ کا شیوہ ذاتی تھا اور معصوم تھے۔

دوئم۔ آنحضرت ﷺ کو یاد جو کسی آمدنی مقرر شدہ ہونے کے متعدد بیویاں رکھ کر صفت توکل اور استقلال کی تعلیم دینا منظور تھا۔

سوئم۔ متعدد عورتوں کی معرفت عورتوں کے متعلق خلوت اور جلوت میں بے شمار مسائل شریعت کی تعلیم کرنا منظور تھا۔[2]

کثرت ازواج برائے تبلیغ دین:

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور انور ﷺ نے متعدد عورتوں سے نکاح اس لئے فرمایا تھا۔ تاکہ عورتوں کے متعلق تمام احکامات امت تک پہنچ جائیں موصوف لکھتے ہیں۔

حضرت اقدس ﷺ کی ذات والا صفات سراپا رحمت و برکت ہے۔ تبلیغ احکام اور تزکیہ نفوس اور ابلاغ قرآن آپ کا سب سے بڑا مقصد بعثت تھا۔ آپ نے اسلام کی تعلیمات کو قولاً و عملاً دنیا میں پھیلا دیا۔ یعنی آپ بتاتے بھی تھے اور کرتے بھی تھے۔ پھر چونکہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے، جس میں نبی کی رہبری کی

---

[1] تفسیر حقانی ج ۳ ص ۱۹۶۔ [2] تفسیر حقانی ج ۳ ص ۱۹۷۔

ضرورت نہ تھی۔ نماز باجماعت سے لے کر بیویوں کے تعلقات' آل اولاد کی پرورش اور پاخانہ و پیشاب اور طہارت تک کے بارے میں آپ کی قولی اور فعلی ہدایات سے کتب حدیث بھرپور ہیں' اندرون خانہ کیا کیا کام کیا۔ بیویوں سے کیسے میل جول رکھا اور گھر میں آ کر مسائل پوچھنے والی خواتین کو کیا کیا جواب دیا۔ اسی طرح سینکڑوں مسائل ہیں۔ جن سے ازواج مطہراتؓ کے ذریعہ ہی امت کو رہنمائی ملی ہے۔

تعلیم و تبلیغ کی دینی ضرورت کے پیش نظر حضور اقدس ﷺ کے لئے کثرت ازواج ایک ضروری امر تھا۔ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے احکام و مسائل اخلاق و آداب اور سیرت نبویؐ سے متعلق دو ہزار دو سو دس ۲۲۱۰ روایات مروی ہیں۔ جو کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مرویات کی تعداد تین سو اٹھتر تک پہنچی ہے۔ حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں ۹ ج ۱ میں لکھا ہے کہ اگر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فتاویٰ جمع کئے جائیں۔ جو انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی وفات کے بعد دیئے ہیں۔ تو ایک رسالہ مرتب ہو سکتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا روایت و درایت اور فقہ و فتاویٰ میں جو مرتبہ ہے' وہ محتاج بیان نہیں۔ ان کے شاگردوں کی تعداد دو سو ۲۰۰ کے لگ بھگ ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی وفات کے بعد مسلسل اڑتالیس ۴۸ سال تک علم دین پھیلایا۔

بطور مثال دو مقدس بیویوں کا مجمل حال لکھ دیا ہے۔ دیگر ازواج مطہراتؓ کی روایات بھی مجموعی حیثیت سے کافی تعداد میں موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس تعلیم و تبلیغ کا نفع صرف ازواج سے پہنچا۔[1]

شیخ عبدالحق حقانی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

حضرت جس طرح خاتم المرسلین بنائے گئے تھے' اسی طرح آپ کے دین میں حلت و حرمت' طہارت و نجاست مرد و عورت کے سب احکام تھے۔ مردوں میں سے تو علم

---

[1] تفسیر معارف القرآن ج ۷ ص ۱۸۹۔

دین سیکھنے کے لئے ایک جماعت اس کام کی ہو کر در دولت پر آ پڑی تھی۔ جن کو اصحاب الصفہ کہتے ہیں۔ اسی طرح عورتوں کی جماعت بھی اس کام کے لئے ضروری تھی۔ کہ وہ عورتوں کو تعلیم دیا کریں۔ خصوصاً وہ مسائل جو عورتوں سے متعلق ہیں اور جن کا ذکر غیر مرد سے سننا شرم کی بات ہے۔

اب اگر یہ جماعت نساء اگر محض شاگردوں کے سلسلہ میں ہوتی۔ اول تو آپ ان اجنبی عورتوں سے وہ شرع کے متعلق مسائل حیض ونفاس، غسل و جنابت بیان کرتے شرم کرتے اور وہ بھی ان کے دریافت کرنے سے شرم کرتیں۔ مقصود فوت ہو جاتا۔

دوم: شاگردوں کا خلوت و جلوت میں رہنا ضروری بات ہے۔ جو قولاً وفعلاً ہر قسم کی تعلیم پا سکیں اور اگر ایسا ہوتا تو لوگوں کو اجنبی عورتوں کے ساتھ حضور کے رہنے سے بدگمانی پیدا ہوتی۔

سوم مردوں کی جماعت تعلیم پانے کے وقت صبر اور محنت کشی سے اپنے رزق کا فی الجملہ آپ بندوبست کر سکتے ہیں اور کچھ نہیں تو لکڑیوں کا گٹھا لا کر بیچ سکتے ہیں۔ بخلاف عورتوں ضعیف البنیان کے۔ اس لئے ان کے بندوبست رزق و حاجات بھی حضرت ہی کے ذمہ ٹھہرا۔

اس لئے ان کا مدد کو سلسلہ نکاح میں داخل کرنا پڑا۔ اگر غیر کی بیویاں ہوتیں تو ان کے خاوند ان کو اس قدر مہلت کیوں دیتے۔ نیز اس میں یہ بھی مقصود تھا کہ آپ لوگوں کو صفت توکل کی تعلیم کریں۔ کہ عورتوں کی کج خلقی پر برداشت کرنے کے عرب عادی ہو جائیں۔ جو بے رحمانہ برتاؤ کیا کرتے تھے۔ اور لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ آنحضرت ﷺ اس عیالداری پر کسی کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔

مشہور ہے کہ ایک بیوی کر کے ۱۰۰ سو کا غلام بننا پڑتا ہے اور بہت باتوں میں حق سے چشم پوشی کرنی پڑتی ہے۔ لہٰذا اس لئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان نیک بیویوں کی جو دینی مدرسہ (رسول اللہ ﷺ کے گھر والیاں) کی طالب علم تھیں اور مذکورہ وجوہ سے بضرورت ان کو سلسلہ زوجیت میں لایا گیا تھا۔ بیہ سنا دیا۔

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ۔
کہ تم اور عورتوں جیسی عورتیں نہیں ہو۔

تم خاص دین کے لئے اس بیت المعصوم میں داخل کی گئی ہو اور اسی لئے وہ زوجیت معمولی سمجھ کر اور عورتوں کی طرح آرائش و تجمل کے سوالات کر کے حضرت کو تکلیف دیتی تھیں۔ ان کو اختیار دیا گیا۔ جس پر وہ سمجھ گئیں۔

جب یہ بات تھی تو پھر آپؐ کے اس مدرسہ بیت اعظم میں داخل ہونے کے لئے کس لئے تعداد مقرر ہوتی؟ پھر کس قدر آدمی بشر ما صلاحیت لیتا ہی پڑتا تھا اور اسی لئے اس داخلے کے لئے نکاح کا لفظ خاص نہ ہوا۔[1]

عنفوان جوانی میں بوڑھی عورت:

شیخ عبدالحق حقانی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

تمام اہل تاریخ کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عین جوش جوانی کے وقت جو الف لی تو لی کے مونچھیں مارنے کا زمانہ ہوتا ہے۔ ایک بوڑھی عورت سے نکاح کیا جو عمر میں آپ سے بہت زیادہ بڑی تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد ایک اور عمر رسیدہ سیاہ فام عورت "سودہ" سے نکاح کیا۔ جن کی عمر باون ۵۲ برس کی تھی۔

جوش جوانی کے اس زمانہ میں آپؐ نے ان ہی بوڑھی عورتوں کے ساتھ زندگانی بسر کی اس کے باوجود کے آپ خاندانی آدمی بھی تھے۔ اور نہایت حسین و جمیل بھی اور قریش آپ کو حسین سے حسین عورتوں کا لالچ بھی دیتے تھے۔ اور عرب کے دستور کے موافق مکہ جو آپ کا وطن تھا۔ متعدد حسین نوجوان عورتوں کا میسر آ جانا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ معمولی مرتبہ کے آدمیوں کے پاس مکہ میں متعدد عورتیں ہوتی تھیں اور عربوں کے نزدیک تعدد ازدواج کوئی عیب کی بات نہ تھی۔[2]

---

[1] تفسیر حقانی ج ۶ ص ۷۸ ابعد تفسیر یا نساء النبی۔
[2] تفسیر حقانی ج ۶ ص ۹۹۔

مفتی اعظم مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: پچیس سال کی عمر سے لے کر پچاس سال کی عمر شریف ہونے تک تنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کی زوجہ رہیں ان کی وفات کے بعد حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے نکاح ہوا۔ مگر حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو آپ کے گھر تشریف لے آئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صغر سنی کی وجہ سے اپنے والد کے گھر ہی رہیں۔

پھر چند سال بعد ۲ھ میں مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ کی رخصتی عمل میں آئی۔ اس وقت آپؐ کی عمر چون ۵۴ سال ہو چکی ہے اور دو بیویاں اس عمر میں آ کر جمع ہوئی ہیں۔ یہاں سے تعدد ازواج کا معاملہ شروع ہوا۔

اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا۔ پھر کچھ ماہ بعد حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا اور صرف اٹھارہ ماہ آپ کے نکاح میں رہ کر وفات پائی۔ ایک قول کے مطابق تین ماہ آپؐ کے نکاح میں زندہ رہیں۔

پھر ۴ھ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا۔ پھر ۵ھ میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف اٹھاون ۵۸ سال ہو چکی تھی اور اتنی بڑی عمر میں آ کر چار بیویاں جمع ہوئیں۔ حالانکہ امت کو جس وقت چار بیویوں کی اجازت ملی تھی اس وقت ہی آپ کم از کم چار نکاح کر سکتے تھے۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔

ان کے بعد ۶ھ میں حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور ۷ھ میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور پھر ۷ھ میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور پھر اسی سال حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا۔

خلاصہ:

یہ کہ چون ۵۴ سال کی عمر تک آپؐ نے صرف ایک بیوی کے ساتھ گزارہ کیا۔ یعنی پچیس سال حضرت خدیجہؓ کے ساتھ اور چار پانچ سال حضرت سودہؓ کے ساتھ

گذارے۔ پھر اٹھاون سال کی عمر میں چار بیویاں جمع ہوئیں اور باقی ازواج مطہرات دو تین سال کے اندر حرم نبوت میں آئیں[1]

تعدد ازواج کے مصالح جمیلہ:

قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

حضور انور ﷺ کا ارشاد گرامی۔

مالی فی النساء من حاجۃ۔[2]

مجھے عورتوں کی کوئی حاجت نہیں۔

غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا۔ کہ نبی ﷺ نے جس قدر نکاح کیے ان کی بنیاد فوائد کثیرہ دین اور مصالح جمیلہ ملک اور مقاصد حسنہ قوم پر قائم تھی اور ان فوائد و مصالح و مقاصد کا اس قدیم ترین زمانہ اور عرب جیسے جمود پسند ملک میں حاصل ہونا تزویج کے بغیر ممکن ہی نہ تھا۔[3]

مفتی اعظم مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے شوہر کے ساتھ ابتداء اسلام ہی میں مکہ میں اسلام قبول کیا تھا اور پھر دونوں میاں بیوی ہجرت کر کے قافلہ کے دوسرے افراد کے ساتھ حبشہ چلے گئے تھے۔ وہاں ان کا شوہر نصرانی ہو گیا اور چند دن کے بعد مر گیا۔ آنحضرت ﷺ نے نجاشی کے واسطے سے ان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔ جسے انہوں نے قبول کر لیا اور وہیں حبشہ میں نجاشی ہی نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور حضرت ابوسفیان اس وقت اس گروہ کے سرخیل تھے جس نے اسلام دشمنی کو اپنا سب سے بڑا مقصد قرار دیا تھا اور وہ مسلمانوں کو اور پیغمبر خدا ﷺ کو اذیت دینے اور انہیں قتل کے گھاٹ اتار دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ جب ان کو

---

[1] تفسیر معارف القرآن ج ۷ ص ۲۹۰۔
[2] داری بروایت کلبی بن سعد۔
[3] رحمۃ للعالمین ج ۲ ص ۱۳۹۔

اس نکاح کی اطلاع ہوئی تو بلا اختیار ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

هو الفحل لا یجدع انفه۔ یعنی محمد ﷺ جوانمرد ہیں۔ ان کی ناک نہیں کاٹی جا سکتی مطلب یہ کہ وہ بلند ناک والے معزز ہیں۔ ان کو ذلیل کرنا آسان نہیں۔ ادھر تو ہم ان کو ذلیل کرنے کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں اور ادھر ہماری لڑکی ان کے نکاح میں چلی گئی۔

غرض اس نکاح نے ایک نفسیاتی جنگ کا اثر کیا اور اسلام کے مقابلہ میں کفر کے قائد کے حوصلے پست ہو گئے۔ اس نکاح کی وجہ سے جو سیاسی فائدہ اسلام اور مسلمانوں کو پہنچا اس کی اہمیت اور ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور یقین سے کہا جا سکتا ہے۔ خدا کے مدبر اور حکیم رسول ﷺ نے اس فائدہ کو ضرور پیش نظر رکھا ہوگا[1]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر حضرت ابو سلمہؓ کی وفات کے بعد آپ نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔ وہ اپنے سابق شوہر کے بچوں کے ساتھ آپ کے گھر تشریف لائیں۔ ان کے بچوں کی آپ نے پرورش کی اور اپنے عمل سے بتا دیا کہ کس پیار و محبت سے سوتیلی اولاد کی پرورش کرنی چاہئے۔ آپ کی بیویوں میں صرف یہی ایک بیوی ہیں جو بچوں کے ساتھ آئیں۔

اگر کوئی بھی بیوی اس طرح کی نہ ہوتی تو عملی طور پر سوتیلی اولاد کی پرورش کا خانہ خالی رہ جاتا اور امت کو اس سلسلے میں کوئی ہدایت نہ ملتی۔

ان کے بیٹے حضرت عمر بن ابی سلمہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی گود میں پرورش پاتا تھا۔ ایک بار آپ کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے پیالے میں ہر جگہ ہاتھ ڈالتا تھا۔ آپ نے فرمایا:

سمّ اللہ وکل بیمینک وکل مما یلیک۔

اللہ کا نام لے کر کھا۔ داہنے ہاتھ سے کھا اور سامنے سے کھا۔

(بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۳۶۳)[2]

---

[1] معارف القرآن ج ۲ ص ۲۹۳۔ [2] معارف القرآن ج ۲ ص ۲۹۳۔

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک جہاد میں قید ہو کر آئی تھیں۔ دوسرے قیدیوں کی طرح یہ بھی تقسیم میں آ گئیں اور ثابت بن قیس یا ان کے چچا زاد بھائی کے حصہ میں ان کو لگا دیا گیا۔ لیکن انہوں نے اپنے آقا سے اس طرح معاملہ کر لیا کہ اتنا اتنا مال تم کو دیدوں گی مجھے آزاد کر دو۔ یہ معاملہ کر کے حضور ﷺ کے پاس آئیں اور مالی امداد چاہتی۔ آپ نے فرمایا اس سے بہتر بات نہ بتا دوں؟ وہ یہ کہ میں تمہاری طرف سے مال ادا کر دوں اور تم سے نکاح کر لوں۔ انہوں نے بخوشی منظور کر لیا۔ تب آپ نے ان کی طرف سے مال ادا کر کے نکاح فرما لیا۔

ان کی قوم کے سینکڑوں افراد حضرات صحابہ کی ملکیت میں آ چکے تھے۔ کیونکہ وہ سب لوگ قیدی ہو کر آئے تھے۔ جب صحابہ کو پتہ چلا کہ جویریہؓ آپؐ کے نکاح میں آ گئی ہیں۔ تو آنحضرت ﷺ کے احترام کے پیش نظر سب نے اپنے اپنے غلام باندی آزاد کر دیئے۔

سبحان اللہ! حضرات صحابہ کرام کے ادب کی کیا شان تھی' اس جذبے کے پیش نظر کہ یہ لوگ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سسرال والے ہو گئے' ان کو غلام بنا کر کیسے رکھیں۔ سب کو آزاد کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس واقعہ کے متعلق فرماتی ہیں۔

فلقد اعتق بتزویجہ ایاھا مائۃ اھل بیت من بنی المصطلق۔
فما اعلم امراۃ اعظم برکۃ علی قومھا منھا۔

ترجمہ۔ آنحضرت ﷺ کے جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لینے سے بنو المصطلق کے سو ۱۰۰ گھرانے آزاد ہوئے۔ میں نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو جویریہؓ سے بڑھ کر اپنی قوم کے لئے بڑی برکت والی ثابت ہوئی ہو۔[1]

---

[1] معارف القرآن ج ۶ ص ۲۹۳۔

ڈاکٹر ثانی کا محاکمہ

سید عالم ﷺ کی ازواج مطہرات کے سلسلہ میں مستشرقین اور لادین عناصر کے پادریوں کے لچر الزامات کا علمی و تحقیقی محاکمہ محترم جناب ڈاکٹر حافظ محمد ثانی زید مجدہ کے قلم فیض رقم سے ”ازواج مطہرات حیات و خدمات“ میں بطور دیباچہ مرقوم ہے۔ انتہائی موثر اور مفید ہونے کی بنا پر مکمل شامل کتاب کیا جاتا ہے۔

●●●

ازواج مطہرات

اور

غیر مسلم حلقوں کے اعتراضات وشبہات

پیش نظر کتاب ''ازواج مطہرات حیات و خدمات'' پر تبصرہ سے قبل ازواج مطہرات کے حوالہ سے مستشرقین اور غیر مسلم حلقوں کے اعتراضات وشبہات ’خرافات واتہامات‘ اس حوالہ سے اٹھائے گئے ’خرافات‘ اور رسالت مآب ﷺ کی ایک سے زائد شادیوں کے حقائق و اسباب اور ان کے نتائج واثرات پر بحث ضروری ہے۔

ازواج مطہرات یا تعدد ازواج کے حوالے سے پیکر خلق عظیم ﷺ کے دامن عفت وعصمت پر شہوت پرستی اور جنسی جنون کے شرمناک الزامات عائد کرنے والوں میں مستشرقین کے یہ باطن زدہ ہیں۔

سر ولیم میور (Muir, Sir William)

(Muir, Sir William/ Muhammad and Islam London, 1986.17.148)

ایڈورڈ گبن (Gibbon, Edward)

(Gibbon, Edward/ The Decline and Fall of the Roman Empire New York, Vol II, P.694)

آر اے نکلسن (Nicholson,Renald Alleyne)

(Nicholson,R.A/A Literary History of The Arabs

(Cambridge University Press., 1914, P 167)

فلپ شاف (Philip Schaff)

(Philip Schaff/ History of The Christian Church New york, 1888, Vol. IV P 169)

ایرک بیتھمن (Erich Bethman)

(Bethman, Erich/ Bridge To Islam, London, 1953, P 33)

گستاؤ ویل (Gustave Weil)

(Gustave Weil/ History of The Islamic Peoples, India, 1914, P. 18, 19)

ول ڈیورنٹ (Will Durant)

(Will Durant/ The Age of Faith, New york, 1950, P 172, 173)

جیمز کرٹزک (James Kritizeck)

(Kritizeck, James/ Pater The Venerable and Islam, Princeton University Press, 1964 P 137)

کے علاوہ ہلڈی برٹ (Hilde Bert) آرچ بشپ آف ٹورز، فرانسس بیکن (Francis Bacon)، راہب یولوجیس (Euliogius)، پادری جے لیوگیٹ (J.Liogate) اور عصر حاضر کے گستاخ اور رسوائے زمانہ سلمان رشدی کے نام بطور نمونہ قابل ذکر ہیں جو کہ آپ ﷺ کی ذات بابرکات کو تنقید و توہین (نعوذ باللہ) کے حوالے سے ہدف تنقید بناتے رہے ہیں۔

رشدی ملعون جس کی بدنام زمانہ انگریزی ناول (Satanic Verses) (شیطانی آیات) ۱۹۸۸ء میں بین الاقوامی سطح پر اور دیگر کئی زبانوں میں شائع کیا

مذکورہ ناول میں رشدی نے تعدد ازواج کے حوالے سے رسالت مآب ﷺ کی شان میں اس قسم کے شرمناک، نازیبا اور بے ہودہ الفاظ استعمال کئے ہیں جنہیں نقل کرنا بھی کفر کے مترادف ہے۔ نبی اکرم ﷺ پر غیر مسلم حلقوں نے تعدد ازواج کے حوالے سے بے شمار اعتراضات کئے ہیں۔ لیکن رشدی تمام معترضین اور ناقدین کا پیشوا نظر آتا ہے۔ رشدی نے تنقید نہیں کی بلکہ انتہائی بدتمیزی، دریدہ دہنی واہیات طریقوں سے فحش الفاظ میں شان رسالت مآب ﷺ میں گستاخی کی ہے۔

قبل اس کے کہ نبی اکرم ﷺ کی متعدد شادیوں کے حقائق، اسباب اور وجوہات کو بیان کر کے اعتراضات وشبہات کا ازالہ کیا جائے۔ مسئلہ تعدد ازواج کا تاریخی اور علمی مطالعہ ضروری ہے۔

تعدد ازواج کا مسئلہ دین اسلام کا پیدا کردہ نہیں، نہ ہی رسالت مآب ﷺ نے (معترض حلقوں کے بقول) تعدد ازواج کا راستہ کھول کر دین اسلام کی اشاعت اور جنسیت کو فروغ دیا۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

مختلف مذاہب اور اقوام کی مذہبی قانونی اور تاریخی سند اس امر کی بین دلیل ہے کہ تعدد ازواج کی رسم اسلام سے قبل بھی مختلف مذاہب اور اقوام میں رائج تھی۔ چنانچہ معروف فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاؤلی بان اپنی تصنیف (Civilization De Arabs) میں "تعدد ازواج" پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مورخین یورپ کی نظروں میں تعدد ازواج گویا عمارت اسلام کی بنیاد کا پتھر اور اشاعت دین اسلام کا بڑا سبب ہے"

مزید لکھتے ہیں۔

"تعدد ازواج کی رسم اسلام سے بالکل الگ ہے۔ کیونکہ یہ قبل آنحضرت ﷺ کے کل اقوام مشرق، یہود، ایرانی، عربوں وغیرہ میں موجود تھی۔ اور جن اقوام نے مذہب اسلام قبول کیا انہیں خاص اس مسئلہ میں کوئی فائدہ نہیں ہوا" (ڈاکٹر گستاؤلی بان: تمدن عرب صفحہ ۳۷۰)

واے ۳۔ مترجم سید علی بلگرامی، مطبع مفید عام آگرہ ۱۸۹۹ء)
انسائیکلو پیڈیا برٹینکا کے مطابق مشہور ماہر انسانیات جارج مرڈاک (Murdock) کی رپورٹ ۱۹۴۹ء کے مطابق دنیا کی ۲۳۸ قوموں میں سے ۱۹۵ میں تعدد ازدواج کا رواج پایا جاتا ہے۔
(Encyclopaedia Britannica,1983 Vol.7,P-155)
جارج مرڈاک ہی کی ایک اور رپورٹ کے مطابق ۲۵۰ قبیلوں پر مشتمل میں سے ۱۹۳ میں تعدد ازدواج (Poly gamy) کا رواج پایا گیا ہے۔ (حوالہ سابقہ)

مذاہب عالم کی تاریخ اور ذخیرہ کتب اس حقیقت پر شاہد عدل ہیں کہ تعدد ازدواج تمام مذاہب میں خواہ وہ الہامی ہوں یا غیر الہامی ہمیشہ رائج اور جائز رہا ہے۔ اسے صرف اسلام یا پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف منسوب کر کے دین اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے دامن عفت و عصمت کو ہدف تنقید بنانا واقعیت کی تکذیب ہے۔
غیر الہامی مذاہب میں سب سے زیادہ معروف اور قابل ذکر حیثیت کا حامل "ہندومت" ہے اس مذہب کا ذخیرہ کتب اور تاریخ اس حقیقت کا اعتراف کرتی نظر آتی ہے کہ تعدد ازدواج "ہندومت" میں ہمیشہ رائج رہی ہے۔ ہندو دھرم میں زمانہ قدیم سے نہ صرف اس کی اجازت رہی ہے بلکہ آج بھی ہندوستان میں مسلمانوں کی نسبت ہندوؤں میں اس کا رواج زیادہ ہے۔ "The Position of Women in Hindu Civilization" کے مصنف ڈاکٹر التیکر (Dr.A.S.Altekar) اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
"ویدک لٹریچر میں تعدد ازدواج (Poly Gamy) کے حوالے عملی طور پر زیادہ ہیں۔ دیکھئے! (کتاب مذکور صفحہ ۱۰۳ مطبوعہ دہلی ۱۹۸۳ء)
ذیل میں ہندومت کی قابل احترام مذہبی و تاریخی شخصیات کی فہرست دی جاتی ہے جس سے ہندومت میں تعدد ازدواج کی اجازت اور عملاً رواج کا پتہ چلتا ہے۔"

ہندو دھرم کے ہیرو "رام چندر جی" کو اپنا بھگوان تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ ان کے والد راجہ دسرتھ کی متعدد بیویاں تھیں۔

(۱)........پٹ رانی کوشلیا .... والدہ رام چندر جی۔

(۲)........رانی سمترا .... والدہ لچھمن جی۔

(۳)........رانی کیکئی .... والدہ بھرت جی۔

سری کرشن جی کی جو اوتاروں میں سولہ کلاں سپورن تھے سینکڑوں بیویاں تھیں۔

راجا پانڈو مشہور پانڈوں کا جد اعلیٰ ہے اس کی دو بیویاں تھیں۔

(۱) کنتی .... والدہ یدھشٹر و بھیم سین و ارجن۔

(۲) مادری .... والدہ نکل و سہدیو۔

راجا شنتن کی دو بیویاں تھیں۔

(۱) گنگا .... والدہ بھیکم۔

(۲) ستیہ وتی .... والدہ چترانگد و وچتر۔

بچتر ابرج کی دو بیویاں اور ایک لونڈی تھی۔

(۱) امبیکا .... والدہ دھرتراشٹر۔ پسر بیاس جی۔

(۲) امبالکا .... والدہ پانڈو پسر بیاس جی۔

(۳) لونڈی .... والدہ بدر۔ بن بیاس جی۔

بحوالہ (قاضی محمد سلیمان منصور پوری / رحمۃ للعالمین ﷺ جلد دوم ص ۱۳۸۔ ۱۳۹ دار الاشاعت کراچی ۱۴۱۱ھ)

علاوہ ازیں پدمنو کی دس بیویاں مانی جاتی ہیں، جبکہ آکاریا برہمن کے رعب ہریش چندرا کی سو بیویاں تھیں۔ ملاحظہ ہو۔

(The Positon of Women in Hindu Civilization.P-105)

ڈاکٹر السٹیکر نے سنسکرت کے معتبر حوالوں سے لکھا ہے کہ موخر ویدک لٹریچر میں متعدد شہادتیں ملتی ہیں کہ تعدد ازدواج کا رواج معاشرے کے بعض طبقات میں پوری

حسرت سرایت کیے ہوئے تھی۔ (حوالہ سابقہ)

معروف مسلمان مؤرخ اور جغرافیہ دان ابوریحان البیرونی جنہوں نے کئی سالوں تک ہندوستان میں مقیم رہ کر سنسکرت زبان سیکھی اور یہاں کے علوم وفنون اور رسم ورواج کا مشاہدہ کر کے مستند ترین کتاب ہندی تہذیب وثقافت پر "تحقیق ماللہند" نامی تصنیف کی موصوف مذکورہ کتاب میں لکھتے ہیں

"اہل ہند میں سے بعض کی نظر میں طبقاتی اعتبار سے متعدد عورتیں ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ برہمن کے لئے چار، چھتری (کشتر) کے لئے تین، ویش کے لیے دو اور شودر کے لئے ایک بیوی ہوگی۔"

(البیرونی، کتاب الہند، صفحہ ۲۸۷، حیدرآباد دکن، ۱۹۵۸ء)

جدید ہندو معاشرے میں تعدد ازدواج کے اعداد وشمار مولانا محمد شہاب الدین ندوی کی کتاب "تعدد ازدواج کے اعداد وشمار" مولانا محمد شہاب الدین ندوی کی کتاب "تعدد ازدواج پر ایک نظر" صفحہ ۲۲ وصفحہ ۲۳ (مطبوعہ مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۹۳ء) پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

یہ تو غیر الہامی مذہب ہندومت میں تعدد ازدواج کا تاریخی اور عملی مطالعہ تھا۔ غیر الہامی مذاہب میں قابل ذکر حیثیت کا حامل ہندومت ہی ایسا مذہب ہے جس کے یہاں ازواج بھی بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

الہامی مذاہب میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام تینوں تعدد ازدواج کے جواز کے قائل ہیں اور تینوں مذاہب کی دینی ومذہبی تاریخ تعدد ازدواج کے جواز پر عامل نظر آتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام ومرتبہ یہودیت، عیسائیت اور اسلام تینوں مذاہب میں مسلم اور قابل احترام ہے مذکورہ تینوں مذاہب سماوی آپ کو اپنا روحانی پیشوا اور ابو الانبیاء مانتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ازواج حضرت سیدہ ہاجرہ اور سیدہ سارہ پر تینوں مذاہب متفق ہیں۔

یورپی مصنف ویسٹر مارک (Wester Marck) لکھتا ہے:

"بہت سے مواقع پر لوتھر نے کثرت ازدواج کی بابت کافی نرم رویہ اپنایا، خدا نے اس سے منع نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت ابراہیم کی جو ایک کامل انسان تھے دو بیویاں تھیں، خدا نے عہد نامہ قدیم کے بعض لوگوں کو خاص حالات میں ایسی شادیوں کی اجازت دے رکھی تھی۔

(Wester Marc/ The Future Marrage in Western Civilization London, 1936.P-173)

یہودی مصنف ابراہیم لیون "تاریخ یہود" میں لکھتا ہے کہ تعدد ازدواج کی کوئی قانونی ممانعت نہ تھی، یہاں تک کہ قرون وسطی میں "Rabbi Gershom" نے فتویٰ جاری کر دیا جس کے مطابق ایک شخص اتنی بیویاں رکھ سکتا تھا جتنی کہ اس کے بس میں ہوتی تھیں۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ "Gideon" کی ستر بیویاں تھیں، اور ہم داؤد کی بیویوں میں کم از کم سات کے نام جانتے ہیں۔ یہودی تاریخ میں سب سے بڑا حرم غالباً سلیمان کا ہی تھا۔

(Abram Leon Sachar/ A History of The Jews, New York,1972.P.94)

ہارپر (Horper's) کی بائبل ڈکشنری میں لکھا ہے کہ:

"عہد نامہ قدیم کے زمانہ میں تعدد ازدواج کی اجازت تھی، اور توریتی قانون نے بھی اس کی ممانعت نہیں کی۔ داشتاؤں، کنیزوں اور دوسری بیویوں کی کثرت ایک معمول تھا، حضرت ابراہیمؑ یعقوبؑ اور یوسفؑ ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے تھے۔ بادشاہوں کی بہت سی بیویاں ہوتی تھیں، جیسے داؤد اور سلیمان نے سیاسی اتحادوں کے لئے کیں۔ بحوالہ (Horper's Bible Dicitoonary By Madeleine Smiller Etc P.421)

بنی اسرائیل کے انبیاء تعدد ازدواج کے جواز پر عملاً عامل رہے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں۔

(۱) صفورہ خاتون۔ (کتاب خروج ۲۱/۲)

(۲) حبشیہ

(۳) قینی۔ (قاضیون ۱۶/۱)

(۴) حباب۔ (قاضیون ۴/۱۱)

علاوہ ازیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے لاتعداد بیویوں کے جواز کا پتہ ذیل کے حوالہ جات سے چلتا ہے:

"جب تو لڑائی کے لئے اپنے دشمنوں پر خروج کرے اور تیرا خدا ان کو تیرے ہاتھوں سے گرفتار کرے اور تو انہیں اسیر کر لائے۔"

۱۱۔ اور ان اسیروں میں خوبصورت عورت دیکھے اور تیرا جی چاہے کہ تو اسے اپنی جورو بنائے ۱۲۔ تو تو اسے اپنے گھر لا اس کا سر منڈوا اور ناخن کٹوا ۱۳۔ تو وہ اپنی اسیری کا لباس اتار کے تیرے گھر میں رہے اور ایک مہینہ بھر اپنے باپ اور اپنی ماں کے سوگ میں بیٹھے بعد اس کے ساتھ تو خلوت کر اور اس کا خصم بن اور وہ تیری جورو بنے۔ (کتاب استثناء ۱۰ تا ۲۱/۱۳)

انجیل کے زمانہ نزول میں تعدد ازدواج یا کثیر الازدواج قبول عام کا درجہ رکھتی تھی اور اس کا عام رواج تھا اور اسے مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی طور پر تصرف تسلیم کیا جاتا تھا بلکہ اس پر کسی قسم کی تنقید یا اعتراض وارد نہ ہوتا تھا۔ اسی بناء پر انجیل میں اس موضوع سے بحث نہیں کی گئی۔ کیونکہ یہ اس وقت امر واقعہ تھا اور اسے بالکل درست اور فطرت سمجھا جاتا تھا۔ انجیل نے نہ اسے ممنوع قرار دیا اور نہ اسے ضابطہ بند کیا اور نہ اس پر کوئی پابندی عائد کی گئی۔

عیسائیت میں اس امر کی گواہی ملتی ہے کہ دس کنواریاں اپنے ہونے والے دولہا سے ملنے گئی تھیں اور انجیل کی بہت سی تفاسیر میں ہونے والے دولہا سے مراد خود مسیح ہی لئے گئے ہیں۔

جبکہ انجیل متی باب ۲۵ کے مطابق حضرت مسیح نے اپنی آمد کی خبر میں دس

کنواریوں کا ذکر کیا ہے کہ پانچ نے دولہا کے ساتھ شادی کی۔ گھر میں گئیں اور پانچ جو پیچھے رہ گئی تھیں ان کے لئے دروازہ نہ کھولا گیا۔

یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کبھی یہ تمثیل بیان کو زبان پر نہ لاتے اگر ان کے نزدیک ایک سے زیادہ بیوی کا ہونا ناپسندیدہ ہوتا۔

عیسائیت کے بعد کئی سو برس تک کلیسا کی کسی مجلس نے تعدد ازدواج کی مخالفت نہیں کی اور کئی عیسائی امراء اور سلاطین نے ایک سے زیادہ بیویاں رکھیں۔ لیکن کلیسا نے کبھی اس پر اعتراض نہیں کیا' چنانچہ شارلیمن نے دو عورتوں سے بیک وقت نکاح کرنے کے علاوہ کئی ایک داشتہ عورتیں رکھی ہوئی تھیں۔

یوروپین مصنف ویسٹر مارک (Wester Marck) کے مطابق بعض عیسائی فرقے تعدد ازدواج کی شدت سے وکالت کرتے رہے ہیں۔ ۱۵۳۱ء میں عیسائیوں کے ایک فرقہ نے اس بات کی تبلیغ کی کہ جو سچا عیسائی بننا چاہتا ہے اس کی بہت سی بیویاں ہونی چاہئیں' ایک دوسرے فرقے میں معاشی حالات کی اجازت رہنے کی صورت میں کثرت ازدواج فرض تھی' تاکہ آخرت اور دنیا میں بھلائی پاسکے۔

ملاحظہ ہو۔

(Wester Marck/ The Future of Marrage in Western Civilization P-173)

انبیائے سابقین کی عظمت وتقدس پر تینوں آسمانی مذاہب یہودیت' عیسائیت اور اسلام متفق ہیں۔ ان کی سوانحی تاریخ تعدد ازدواج کے جواز اور اس پر عامل رہنے کی گواہ ہے اور تعدد ازدواج کے عدم جواز پر کسی پیغمبر یا نبی کی جانب سے اس کی ممانعت یا عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ انبیائے سابقین میں معروف انبیاء تعدد ازدواج پر عامل رہے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سوانحی تاریخ تعدد ازدواج پر عامل رہنے کی بین دلیل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام و مرتبہ یہودیت، عیسائیت اور اسلام تینوں مذاہب میں مسلّم ہے اور مذکورہ تینوں مذاہب میں آپ ابو الانبیاء اور روحانی پیشوا مانے جاتے ہیں۔ تینوں مذاہب کا سلسلہ آپ ہی پر ختم ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیویاں حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ معروف ہیں۔ حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے جن سے بنی اسرائیل کی نسل چلی اور دوسری بیوی حضرت ہاجرہ سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی جو عربوں کے جد امجد ہیں۔

(۱)۔ سیدہ ہاجرہ (کتاب پیدائش ۱۶/۳) والدہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام۔

(۲)۔ سیدہ سارہ (کتاب پیدائش ۱۸/۱۵) والدہ اسحاق علیہ السلام۔

(۳)۔ قطورہ قنطورا (کتاب پیدائش ۲۵/۱) والدہ زمران۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی مندرجہ ذیل بیویوں کا پتہ چلتا ہے۔

(۱)۔ لیاہ (کتاب پیدائش ۲۹/۲۳) والدہ روبن، شمعون، لاوی، یہوداہ، اشکار، زبلون۔

(۲)۔ زلفہ (کتاب پیدائش ۲۹/۲۴) والدہ جد آشر۔

(۳)۔ راخل (ایضاً کتاب پیدائش ۲۹/۲۸) والدہ یوسف علیہ السلام و بنیامین۔

(۴)۔ بلہہ (کتاب پیدائش ۲۹/۲۹) والدہ دان و نفتالی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چار بیویوں کے نام ملتے ہیں۔

(۱)۔ صفورہ خاتون (کتاب خروج ۲/۲۱) والدہ جیرسوم الیعزر۔

(۲)۔ حبشیہ

(۳)۔ ان کے والد کا نام قینی تھا۔ (قاضیوں ۱/۱۶)

(۴)۔ ان کے والد کا نام حباب تھا۔ (قاضیوں ۴/۱۱)

علاوہ ازیں (کتاب گنتی ۱۰، ۱۲تا ۲۱/۱) سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعدد ازدواج کا بھی پتہ چلتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی درج ذیل بیویاں تھیں۔

(۱) اخنوعم (ا۔ سموئیل ۲۲،۲۳/۲۶) والدہ امنون۔

(۲) ابی جیل والدہ کلیاب۔

(۳) میکل بنت ساؤ و شاہ اسرائیل (ا۔ سموئیل ۲۷، ۱۸/۱)

(۴) معکہ بنت تلمی شاہ جسور (۲۔ سموئیل ۳ باب) والدہ ابسلوم۔

(۵) حجیت۔ والدہ ادنیاہ۔

(۶) ابیطال۔ والدہ سفطیاہ۔

(۷) عجلاہ۔ والدہ یترعام۔

(۸) بنت سبع دختر ایلیعام۔ (۲۔ سموئیل ۳، ۲۴/۱۱) والدہ سلیمان علیہ السلام۔

(۹) ابی شاگ۔ (۲۔ سموئیل)

(۱۰) دس حرمیں۔ (۲۔ سموئیل ۳۰،۲۰/۱) علاوہ ازیں دیگر حرمیں وجود ہیں۔ (۲۔ سموئیل ۳/۵)

انبیائے سابقین میں تعدد ازدواج کے حوالے سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دیگر تمام انبیاء پر فوقیت حاصل تھی' آپ کی سات سو بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں۔ (سلاطین ۳/۱۱) جبکہ آپ کے بڑے بیٹے رحعام کی ۱۸ بیویاں اور ۶۰ حرمیں تھیں۔ (تواریخ ۲۱/۱۱)

خلاصہ بحث

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ انبیاء مرسلین سابقین تعدد ازواج کے جواز کے قائل اور اس پر عمل پیرا تھے۔ تینوں الہامی مذاہب یعنی یہودیت' عیسائیت اور اسلام مذکورہ تمام انبیاء کی عفت وعصمت اور عظمت و تقدس کے قائل ہیں اور ان کی شان میں گستاخی اور کسی قسم کا اہانت آمیز کلمہ نا جائز اور ناقابل برداشت تصور کرتے ہیں۔ اب اگر مذکورہ انبیاء سابقین کی تعدد ازواج عفت و

عصمت' پاکدامنی اور پرہیز گاری کا ذریعہ تھیں تو نبی عفت و عصمت' پیغمبر رحمت صاحب خلق عظیم ﷺ کی تعدد ازدواج پر غیر مسلم حلقوں بالخصوص عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے کیا جواز ہے کہ وہ آپ ﷺ کے دامن عفت و عصمت کو شہوت پرستی اور جنسی جنون کے نام پر داغدار کریں اگر وہ انبیائے سابقین کا عمل باوجود تعدد ازدواج کے جائز اور عفت و عصمت پر مبنی قرار دیتے ہیں تو رسالت مآب ﷺ بھی تو گروہ انبیاء کے سردار و امام ہیں' اگر ان کا عمل تعدد ازدواج ہدف تنقید قرار نہیں پاتا تو نبی صادق و امین خاتم المرسلین ﷺ کی حیات طیبہ اور ذات مقدسہ کو کیوں داغدار کیا جاتا ہے یہ ضد اور ہٹ دھرمی سراسر مبنی برناانصافی ہے۔ اگر تعدد ازدواج شہوت پرستی اور جنسی جنونیت کا نام ہے تو نعوذ باللہ صرف پیغمبر ﷺ شہوت پرست اور جنسی جنونی قرار نہیں پائیں گے بلکہ تمام انبیائے سابقین تعدد ازدواج پر عامل رہے اور الہامی و غیر الہامی مذاہب جن کی مذہبی کتب تعدد ازدواج کے جواز و استحسان کے دلائل و براہین فراہم کرتے ہیں وہ سب انبیاء اور مذاہب کے بانی شہوت پرست جنسی جنونی اور شہوت و جنسیت کے علمبردار تصور کئے جائیں گے۔ (نعوذ باللہ)

پیغمبر اسلام ﷺ اور تعدد ازدواج:

نبی اکرم ﷺ کی ایک سے زائد شادیاں (تعدد ازدواج) امت مسلمہ کے لئے جو آپ ﷺ کی عفت و عصمت زہد پرور زندگی اور حیات طیبہ کے ہر دور سے واقفیت رکھتے ہیں وہ آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اس امر کے معترف ہیں کہ آپ ﷺ کی شادیاں پیغمبرانہ زندگی کا حصہ تھیں۔ جس میں لذات نفسانی کا شائبہ تک نہ تھا۔

لیکن غیر مسلم حلقوں کے لئے رسالت مآب ﷺ کی شادیاں قابل بحث قرار پاتی ہیں۔ غیر مسلم معترضین مستشرقین نبی اکرم ﷺ کی شادیوں کے حقائق و اسباب کو مسخ کر کے آپ ﷺ کی سیرت و کردار کو تعدد ازدواج (Poly Gamy) کے حوالے سے ہدف تنقید بناتے ہوئے شہوت پرستی اور لذات نفسانی کے شرمناک بے بنیاد

الزامات عائد کرتے ہیں۔

حقائق:

ذیل میں ہم نبی اکرم ﷺ کی تعددِ ازدواج کے حقائق پیش کرتے ہیں۔ جن سے قارئین پر واضح ہو جائے گا کہ آپ ﷺ کی ایک سے زائد شادیاں کن وجوہات کے تحت عمل میں آئیں۔

۱۔ آپ ﷺ عرب کے اس گرم خطہ زمین سے تعلق رکھتے تھے جہاں فطری خواہشات انسان پر غالب ہوتی ہیں۔ جہاں لوگ کم عمری میں جسمانی پختگی کو پہنچ جاتے ہیں اور جہاں خواہشات جسمانی کی آزادانہ تسکین بڑھاپے کے لوگوں میں عام تھی اس کے باوجود محمد ﷺ نے پچیس برس کی عمر تک جب آپ ﷺ نے پہلی شادی کی کسی عورت کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ سارے عرب میں آپ ﷺ بلند کردار اور اعلیٰ اخلاق کی بنا پر "الامین" کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ جس سے آپ ﷺ کی اخلاقی زندگی کا اعلیٰ معیار واضح ہوتا ہے۔

۲۔ آپ ﷺ کی پہلی شادی اس گرم آب و ہوا میں اتنی غیر معمولی تاخیر سے حضرت خدیجہؓ سے ہوئی جو دوبار بیوہ ہونے والی تھیں اور ایک عمر رسیدہ خاتون تھیں جو عمر میں بھی آپ ﷺ سے پندرہ برس بڑی تھیں۔ شادی کا پیغام بھی خود حضرت خدیجہؓ نے دیا اور آپ ﷺ نے باوجود عمر کے اس واضح فرق اور دوبار بیوہ ہونے کے قبول کر لیا۔ اس وقت اگر آپ ﷺ چاہتے تو آپ ﷺ کو ان سے کہیں زیادہ حسین و جمیل اور نوعمر لڑکیاں شادی کے لئے مل جاتیں اگر نعوذ باللہ آپ ﷺ پر شہوت پرستی یا لذات نفسانی کا غلبہ ہوتا۔

۳۔ جس مقدس ہستی نے ۲۵ سے ۵۰ سال تک عین شباب کا عرصہ ایک ایسی خاتون کے ساتھ بسر کیا ہو جو عمر میں آپ ﷺ سے ۱۵ سال بڑی اور آپ ﷺ سے قبل دو شوہروں کی بیوی رہ کر کئی بچوں کی ماں بن کر معمر ہو چکی ہو اور پھر اس رنج صدی کے زمانہ میں حضور اکرم ﷺ کی دلجمعی و محبت میں ذرا کمی نہ آئی ہو بلکہ ان کے وفات پا

جانے کے بعد بھی ہمیشہ ان کی یاد کو تازہ رکھا ہو گیا اس مقدس ہستی کی نسبت کسی کے دل میں گمان بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ ان کی شادی کی وجہ وہی تھی جو عام طور پر پرستاران حسن کی شادیوں میں پائی جاتی ہے۔

انہی سے آپ ﷺ کی تمام اولادیں ہوئیں سوائے ایک صاحبزادے حضرت ابراہیم کے۔ وہ آپ ﷺ کے ساتھ زندگی بسر کرتی رہیں حتیٰ کہ ان کی عمر ۶۵ سال سے تجاوز ہو گئی ان کی زندگی میں نہ آپ ﷺ نے کوئی شادی کی اور نہ اپنی اس بیوی کے سوا کسی اور سے تعلق رکھا۔

رسوائے زمانہ آریہ سماج لیڈر راج پال جس نے پیغمبر اسلام ﷺ سے عصبیت اور جنون نوازی کے اظہار کے لئے بدنام زمانہ کتاب لکھی۔ جس کا نام نقل کرنا بھی کلمہ کفر ہے۔ اپنی زہر افشانیوں اور فتنہ انگیزیوں کے باوجود حضور ﷺ کی عائلی زندگی کے بارے میں اس اعتراف سے باز نہ رہ سکا۔

''محمد ﷺ کا پہلا نکاح پچیس سال کی عمر میں ہوا' یہاں تو آریہ ناجیوں کو ماننا پڑے گا کہ محمد ﷺ نے شاستر کے مطابق زندگی کا پہلا حصہ مجرد رہ کر گزارا وہ برہم چاری تھے اور ان کا حق تھا کہ شادی کریں' معیار خانہ داری کے پچیس برس وہ ایک ہی بیوی پر قانع رہے اور وہ بھی دو خاوندوں کی بیوہ جو نکاح کے وقت چالیس برس اور انتقال کے وقت پینسٹھ برس کی تھیں۔ اس بوڑھی عورت سے اس جوان مرد نے نباہ کی' یہ بات محمد ﷺ کی پاکیزہ زندگی پر دلالت کرتی ہے۔'' (محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ' ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت صفحہ ۷۲' مطبوعہ الفیصل لاہور ۱۹۹۴ء)

معروف یورپی دانشور جان ڈیون پورٹ (John Daven Port) اپنی کتاب اپالوجی فار محمد ﷺ اینڈ قرآن (Apology for Muhammad and The Kuran) میں اعتراف حقیقت کے طور پر لکھتا ہے:

''کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بی بی خدیجہؓ کی وفات کے بعد گیارہ یا بارہ نکاح کئے۔ اس بناء پر بعض مخالف مؤرخ آپ ﷺ پر بہت اعتراض کرتے ہیں اور

۵۔ پچپن سال سے اکسٹھ سال کی عمر تک آپ ﷺ نے آٹھ شادیاں کیں جبکہ حیات طیبہ کے آخری چار سالوں میں آپ ﷺ نے کسی عورت سے نکاح نہیں کیا آپ ﷺ کی بیشتر شادیاں ان پانچ سالوں میں ہوئیں۔ جو کہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا آخری اور اسلام کی تاریخ کا اہم ترین دور تھا۔ یہ دور آپ ﷺ کے پیغمبرانہ مشن کا مشکل ترین اور آزمائشی دور تھا۔ دوسری طرف آپ ﷺ غزوات میں صحابہ کرام کی قیادت فرما رہے تھے۔ یہی وہ وقت تھا جبکہ اسلامی قانون سازی جاری تھی اور اسلامی معاشرے کی بنیادیں رکھی جا رہی تھیں آپ ﷺ نے بیشتر نکاح اسی مخصوص دور میں کیے۔

ان حالات میں آپ ﷺ کی شادیوں کی تعبیر محض شہوانی جذبات اور جسمانی کشش کی اصطلاحات کے تحت کرنا واقعیت کی تکذیب ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے غیر مسلم سیرت نگار جان بیگٹ (المعروف جنرل گلپ پاشا)(John Bagot) نے اپنی کتاب "The Life and Times of Muhammad" میں خاتم الانبیا ﷺ کی ۵۵ سے ۵۹ سال تک کے عرصہ میں کی گئیں شادیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آپ ﷺ نے اس وقت اپنی ازدواج میں اضافہ کیا جبکہ آپ ﷺ کی عمر ۵۵ برس کی تھی۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ سوائے بی بی عائشہؓ کے آپ ﷺ کی تمام بیویاں بیوہ تھیں۔ اور ان میں سے بھی کئی ایک ادھیڑ عمر و حسن سے عاری تھیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضور کو نرینہ اولاد کی خواہش تھی۔ اس لئے آپ ﷺ ایک کے بعد دوسری شادی کرتے رہے۔ اگر لوگوں کا یہ خیال صحیح تھا تو حضور ﷺ بجائے ادھیڑ عمر کی عورتوں سے شادی کرنے کے نوجوان لڑکیوں سے شادی کرتے تاکہ اولاد نرینہ کی تکمیل بہتر طریقے پر ہوسکتی۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ شادیاں سیاسی مصلحت کی بناء پر کیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا منشاء ان عورتوں اور بچوں کی سرپرستی کرنا تھا۔ جن کے خاوند جنگوں میں مارے گئے۔"

موصوف مزید لکھتے ہیں:

''یہاں ایک بات قابل توجہ ہے کہ حضور ﷺ جب جوان تھے' بی بی خدیجہؓ کے بطن سے آپ ﷺ کے چھ بچے پیدا ہوئے' یہاں بارہ بیویوں سے ایک بھی بچہ پیدا نہیں ہوا' صرف مصری لڑکی ماریہ کے بطن سے ایک لڑکا تولد ہوا' حضور ﷺ کی بیویوں میں اکثریت اگرچہ جوان نہیں تھیں پھر بھی تولید کے قابل تھیں' مدینہ میں حضور ﷺ کو اتنا وقت بھی نہیں ملتا تھا کہ آپ ﷺ زندگی کے اس پہلو پر زیادہ توجہ دیتے۔ یوں بھی جب آپ ﷺ کی عمر مبارک پچاس برس سے تجاوز کر گئی تھی آپ ﷺ ذہنی اور جسمانی طور پر اپنے آپ کو امت کے لئے وقف کر چکے تھے۔ جہاں انسان وقت کی اہم ترین گتھیوں کو سلجھا رہا ہو اور مختلف قسم کے نازک حالات میں گھرا ہوا ہو وہاں جنسی خواہشات کی تکمیل جو بچوں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جان بوجھ کر ادھوری چھوڑ دی جاتی ہے اور یہ امت کے لئے ایک قسم کی قربانی ہے''۔

مزید لکھتے ہیں:

''حضور ﷺ کا انتقال ۶۳ سال کی عمر میں ہوا' وفات کے وقت حضور ﷺ کی گیارہ بیویاں تھیں' ان بیویوں کی تعداد کو دیکھ کر آپ ﷺ پر نفس پرستی کا الزام لگانا سراسر زیادتی ہے۔ (محمد رسول اللہ ﷺ ص ۳۰۷' ۳۰۸' ترجمہ کتاب مذکور سیکنن پبلشرز کراچی)

۶- آپ ﷺ کی حیات طیبہ جس سادگی اور تنگی میں بسر ہوتی تھی وہ نعوذ باللہ کسی تعیش پسند اور شہوت پرست انسان کی زندگی نہیں ہو سکتی' ام المومنین حضرت عائشہؓ کے بیان کے مطابق جب رسالت مآب ﷺ نے وفات پائی تو تھوڑے سے جو کے سوا گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔''

چنانچہ دشمن بھی اس امر کے معترف نظر آتے ہیں۔

لین پول "Life of Muhammad"(Lane Poole) میں لکھتے ہیں!

یہ کہنا کہ محمد ﷺ بندہ ہوس تھے' غلط ہے' ان کی روزمرہ کی زندگی' ان کا تخت' بوریا جس

پر دہ ہوتے تھے ان کی معمولی غذا' کثرت سے کمتر کام اپنے ہاتھ سے سرانجام دینا ظاہر کرتا ہے کہ وہ نفسانی خواہشات سے بلند و بالا تھے۔

(Lane Pool, Stanley/ Studies in a Mosque, 1966,P.77)

یورپ کا مشہور دانشور تھامس کارلائل (Thomas Carlyle) اعتراف حقیقت کے طور پر کہتا ہے۔

''محمد ﷺ عیش و عشرت اور شہوانیت کے دلدادہ نہ تھے۔ یہ وہ الزام ہے جو آپ ﷺ پر ان نا عاقبت اندیش افراد نے لگایا جن کے ضمیر تاریک ہو چکے تھے۔ یہ بہت بڑی گمراہی ہوگی کہ اس شخص کو ایک بندہ ہوس تصور کیا جائے۔ آپ ﷺ کا گھریلو ساز و سامان معمولی اور خوراک بہت سادہ اور عام قسم کی تھی' بعض اوقات ایسا بھی رہا کہ مہینوں آپ ﷺ کے گھر میں چولہا روشن نہ ہو سکا' وہ جو آپ ﷺ کے جاں نثار اور پیروکار تھے۔ آپ ﷺ کو سچے دل سے خدا کا نبی تسلیم کرتے تھے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کی زندگی ان کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح تھی۔ کوئی راز اور اسرار آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ وابستہ نہیں تھا۔

بحوالہ: (On Heroes, Hero- Worship and Heroic in History, London,1965)

۷۔ وہ ازواج مطہرات جنہیں آپ ﷺ نے نکاح میں قبول فرمایا سوائے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سب کی سب بیوائیں یا مطلقہ تھیں' ان بیواؤں میں سے کوئی بھی کسی خاص دلکش یا حسن صورت کی حامل نہ تھیں' ان میں سے بعض عمر میں بڑی تھیں اور بیشتر نے آپ ﷺ کو پیغام نکاح دیا۔

یہ ہے نبی اکرم ﷺ کی تعدد ازواج (متعدد شادیوں) کا عمومی پس منظر اس سے بھی یہ تاثر قائم نہیں ہو سکتا کہ یہ شادیاں جسمانی ضروریات کی آسودگی کی غرض سے یا حیاتیاتی تقاضوں کے تحت عمل میں آئی تھیں۔ یہ بات نا قابل فہم ہے کہ

آپ ﷺ نے بیویوں کی اتنی بڑی تعداد ذاتی اغراض اور جسمانی ضروریات کی آسودگی کے لیے رکھ چھوڑی تھی۔

معترضین جواب دیں:

دوست یا دشمن جو بھی نبی اکرم ﷺ کی اخلاقی سالمیت یا روحانی برتری میں آپ ﷺ کی شادیوں کی بناء پر شک کرتا ہے اس پر متعدد ذیلی سوالات کے اطمینان بخش جوابات دینے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

۱۔ آپ ﷺ نے دوبار بیوہ ہونے والی معمر خاتون کو جو آپ ﷺ سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ اپنی زوجیت کے لئے کیوں پسند فرمایا۔

۲۔ آپ ﷺ اپنی پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ کی تاحیات رفاقت پر جو پچیس برس کے طویل عرصہ پر محیط ہے اور جو آپ ﷺ کا عین عرصہ شباب کا دور تھا کس طرح قانع اور مطمئن رہے اور دوسری شادی کا خیال تک ذہن میں نہ آیا۔

۳۔ آپ ﷺ نے ان بے سہارا بیوہ اور مطلقہ عورتوں سے جو کوئی خاص دلکش حسن صورت کی حامل نہ تھیں کیوں شادیاں کیں۔ جبکہ آپ ﷺ قبائل عرب کی حسین ترین کنواری دوشیزاؤں سے شادی کر سکتے تھے۔

۴۔ آپ ﷺ نے اتنی عسرت اور تنگی کی زندگی کیوں بسر کی جبکہ آپ ﷺ خاصی آسودہ حالی اور آرام کی زندگی گزار سکتے تھے۔

۵۔ آپ ﷺ نے بیشتر نکاح حیات طیبہ کے آخری دور میں کیوں کئے جو کہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا مصروف ترین دور تھا۔

۶۔ اگر نعوذ باللہ آپ ﷺ پر نفسانی خواہشات کا غلبہ ہوتا تو آپ ﷺ کی اعلیٰ حیثیت اور اخلاقی برتری کا معیاری مقام کس طرح قائم رہ سکتا تھا' اور بھی بہت سے سوالات اٹھائے جا سکتے تھے۔

بہر حال یہ معاملہ اتنا سادہ نہیں کہ اسے شہوت پرستی اور خواہشات نفسانی کے بے بنیاد الزامات اٹھا کر حل کیا جا سکے' یہ سنجیدہ اور دیانت دارانہ غور و فکر کا مستحق ہے۔

اسباب:

ذیل میں ان اسباب و وجوہات کو بیان کیا جاتا ہے۔ جن کی بناء پر نبی اکرم ﷺ نے ایک سے زائد شادیاں کیں۔

۱- نبی اکرم ﷺ کی متعدد شادیوں رتعدد ازواج کے اسباب و وجوہات اور حکمتوں کے متعلق حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اپنے علمی رسالہ "کثرت الازواج لصاحب المعراج" میں جو خاص اسی موضوع سے متعلق ہے نہایت مدلل انداز میں معترضین کے اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہر انسان کی زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں' کسی کی عملی حالت کا اندازہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان دونوں رخوں کو بے نقاب کیا جائے ورنہ اس کے متعلق کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی امید کرنا امر لا حاصل ہوا کرتا ہے۔

وہ دو پہلو یہ ہیں بیرونی زندگی' یہ زندگی کا وہ حصہ ہے جو انسان لوگوں کے سامنے بسر کرتا ہے۔ اس حصہ کے متعلق ہر انسان کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لئے بکثرت شواہد دستیاب ہو سکتے ہیں۔ دوسرا پہلو انسانی زندگی کا وہ پہلو ہے جسے خانگی زندگی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے یہ حیات انسانی کا وہ حصہ ہے جس سے ایک انسان کی اخلاقی حالت کا صحیح پتہ چل سکتا ہے۔ ہر فرد چار دیواری کے حالات' خانہ داری کے نشیب و فراز خانگی تعلقات' اور دیگر راز و نیاز کی باتوں کو پردہ راز میں رکھنا چاہتا ہے کس وجہ سے؟

اس لئے کہ وہ انسانی کمزوریوں کا نقشہ پیش کرنے سے خائف ہے اور اس کی زندگی کا یہ پہلو افراط و تفریط کا ایک کمزور مجموعہ ہوا کرتا ہے۔ پس ایسی صورت میں دنیا کے ہر انسان کی صحیح زندگی کا اندازہ کرنے کے لئے جو سب سے بہتر کسوٹی ہو سکتی ہے۔ وہ یہی ہے کہ اس کے خانگی حالات بھی دنیا کے سامنے اسی آب و تاب کے ساتھ پیش ہو سکیں جس طرح اس کی عام زندگی عوام کے روبرو موجود ہو۔

بس یہی وجہ تھی کہ دنیا کے انسان کامل اللہ کے برگزیدہ رسول ﷺ

نبیوں کے سردار اور کائنات عالم کے مختار کی حیات طیبہ کا ہر لمحہ بہ تمام و کمال دنیا کے روبرو پیش کیا گیا' آپ ﷺ کی عام اور خانگی زندگی دنیا کو معلوم ہو جائے تاکہ عاشقان حق کے قلوب پر آپ ﷺ کی عظمت و صداقت کا سکہ جم جائے۔ عاشقین صادق اپنی زندگی کے لمحوں کو اس الہی سانچے میں ڈھال سکیں اور آنے والی نسلیں آپ ﷺ کی عملی زندگی کو اپنا دستور العمل بنا سکیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کی زندگی کے حالات من و عن اس زبردست تحقیق و صحت کے ساتھ دنیا کے سامنے آئے کہ جس کی نظیر دنیا کا کوئی مذہب کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔

انبیائے سابقین میں سے بھی کسی کی زندگی کے حالات اس تفصیل و تدقیق کے ساتھ دنیا کے سامنے نہیں آئے کہ انسانی زندگی ہر انجمن اور شعبہ حیات کے ہر مسئلہ میں ان سے سبق حاصل کر سکے۔

یہ صرف پیغمبر آخر الزماں علیہ الصلاۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ ہی تھا جس نے مسلمانوں کو ہر انسانی فلسفہ سے مستغنی بنا دیا' آنحضرت ﷺ کی بیرونی اور خانگی زندگی کے عمل کو سرانجام دینے کے لئے خداوند قدوس نے خاص خاص وسائل اور اسباب مہیا کر دئیے' چنانچہ ایسی دو جماعتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے اس ضروری امر اور فرض کو ایسی خوش اسلوبی اور احتیاط کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچایا کہ دنیا کے دانشور دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ پہلی جماعت صحابہ کرامؓ کی تھی اور دوسری حضرات امہات المومنینؓ کی۔

حکیم الامت مزید لکھتے ہیں:۔

''حضرات صحابہ کرامؓ کی مقدس جماعت نے صرف آپ ﷺ کی بیرونی زندگی کو بالتفصیل دنیا کے سامنے پیش کیا' لیکن خانگی حالات کا ضروری حصہ دنیا کے روبرو پیش ہونا باقی رہ گیا تھا۔ جس کے بغیر آپ ﷺ کی سیرت ادھوری اور نامکمل رہنے کا اندیشہ تھا اور معترضین کے لئے اعتراضات کی گنجائش باقی رہتی۔ اس کام کے لئے ایسی جماعت کی ضرورت تھی جو تنہائی کے اوقات میں آپ ﷺ کی رفیق ہوتی' جو راتوں کی تاریکیوں میں آپ ﷺ کا ساتھ دیتی۔ چنانچہ ازواج مطہرات نے اس سلسلہ میں وہ

خدمت انجام دیں جو خداوند کریم کو اپنے محبوب پاک ﷺ کے اس شعبہ زندگی کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے مناسب معلوم ہوئیں اس مبارک جماعت کی بدولت سیرت نبوی ﷺ کا وہ مکمل اور ضروری ذخیرہ دستیاب ہوا جس نے آپ ﷺ کی عظمت اور صداقت پر چار چاند لگا دیئے اور حقیقت میں تعدد ازواج کے لئے سب سے بڑا موجب یہی ضرورت تھی۔ کس کو کیا معلوم ہوتا کہ اللہ کے سچے مرسل اور توحید کے علمبردار اوقات تنہائی کن مشاغل میں گزارتے ہیں' خلوت کی گھڑیاں کن کاموں میں بسر ہوتی ہیں۔ (مولانا اشرف علی تھانویؒ رکثرت الازواج لصاحب المعراج صفحہ ۳ ر۵' مطبوعہ دہلی)

ازواج مطہرات نے خاتم النبیین ﷺ کی حیات طیبہ کے اہم حصہ خانگی زندگی کو امت کے سامنے پیش کر کے درحقیقت دین کے نصف حصہ کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا اگر نبی اکرم ﷺ ایک سے زائد نکاح نہ فرماتے تو دین نامکمل رہ جاتا' ازواج مطہرات کے حجرے درحقیقت امت کی دینی تربیت گاہ اور ازواج مطہرات امت کی امہات اور معلمات تھیں۔ جنہوں نے رسالت مآب ﷺ کی خانگی زندگی آپ ﷺ کی سیرت و کردار اور دینی تعلیمات کا وہ شعبہ جو خاص عورتوں سے متعلق تھا بہ تمام و کمال محفوظ کر کے امت کے سامنے پیش کر کے تعلیمات نبوی ﷺ کی ترویج و اشاعت میں قابل ذکر اور اہم کردار ادا کیا۔

۲۔ آپ ﷺ کے تعدد ازواج رایک سے زائد شادیوں کا ایک سبب ان عورتوں کو جن کے شوہر غزوات یا تبلیغ اسلام کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے جام شہادت نوش کر چکے تھے یا دیگر اسباب کی بناء پر وہ عورتیں بیوہ یا مطلقہ ہو گئی تھیں۔ ان کی دلداری' انہیں تحفظ فراہم کرنا تھا' ان کی دلجوئی کی خاطر آپ ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا جس میں سے بیشتر نے خود آپ ﷺ کے دامن عفت و عصمت میں تحفظ اور پناہ کی خواہش ظاہر کر کے آپ ﷺ کو نکاح کی پیشکش کی تھی۔

۳۔ نبی اکرم ﷺ نے بعض نکاح سیاسی اسباب کی بناء پر کئے جن کا مقصد دین

اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی راہ میں حائل رکاوٹوں کا خاتمہ، اسلام اور مسلمانوں کے دشمن و حریف طبقوں کو اپنا حلیف بنا کر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے ہر ممکن اقدامات کرنا تھا۔

مشہور عیسائی متعصب سیرت نگار مارگولیتھ (Margolioth D.S) جو سیرت طیبہ پر تنقید اور نکتہ چینی کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا اسے بھی اعتراف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زائد شادیوں میں کئی مصلحتیں اور سیاسی وجوہات غالب تھیں۔

(Margolioth D.S/ Encyclo-padia of Religion and Ethics. Edenburg,1967, Vol. viii.P.878.)

☆.......ام المومنین حضرت صفیہؓ مشہور یہودی قبیلہ بنو نضیر کے سردار حیی ابن اخطب کی بیٹی تھیں۔ حضرت صفیہؓ کی پہلی شادی سلام بن مشکم قرظی سے ہوئی اس نے طلاق دیدی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں' کنانہ جنگ خیبر ۷ھ میں مقتول ہوا اور یہ گرفتار ہو کر آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا' ام المومنین حضرت صفیہؓ سے نکاح سے قبل اسلام اور کفر کے مابین بیشتر جنگوں میں یہود کفار کا ساتھ دیتے رہے تھے۔ لیکن ام المومنین حضرت صفیہؓ کے نبی اکرم ﷺ کے نکاح میں آجانے کے بعد اسلام اور مسلمانوں سے سخت بغض و عناد اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہر قسم کی سازشوں میں مصروف عمل یہودیوں کا ایک بڑا حصہ غیر جانبدار ہو گیا اور یہود مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شریک و منظم نہ ہوئے۔

ام المومنین حضرت صفیہؓ سے رسالت مآب ﷺ کے اس نکاح کے فوائد اور سیاسی اثرات کا اعتراف مشہور متعصب مستشرق منٹگمری واٹ (Montgomery Watt) کو بھی ہے۔

(Warr. W. Montgomery/ Mohammed at Madina Oxford. 1956,P288)

☆ ...... ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ابوسفیان بن حرب اموی قریش کے مشہور سردار کی صاحبزادی تھیں۔

ابتدائی دعوت اسلام کے موقع پر اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش کے ہمراہ دعوت اسلام پر لبیک کہتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں اور حبشہ کی جانب ہجرت ثانیہ کی۔ ان کا شوہر عبید اللہ بن جحش اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی بن گیا۔ مگر ام حبیبہؓ برابر دین اسلام پر قائم رہیں۔ اختلاف مذہب کی بناء پر عبید اللہ بن جحش سے علیحدگی ہوئی۔ اور بعد ازاں رسالت مآب ﷺ سے نکاح ہوا۔

ام المومنین ام حبیبہؓ کے والد ابوسفیان بن حرب اموی قریش کے مشہور سردار تھے۔ اسلام سے قبل قریش کے تین اشخاص بہت ذی اثر اور صاحب الرائے تھے عتبہ، ابو جہل اور ابوسفیان، قریش کا قومی علم "عقاب" ابوسفیان کے پاس رہتا تھا۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مشہور جنگوں میں مشرکین و کفار مکہ کے امیر الجیش و امیر العسکر کے طور پر شریک ہوئے۔

ابن سعد کی روایت کے مطابق ام حبیبہؓ کے نکاح کی خبر ابوسفیان کو مکہ میں ملی اس وقت وہ رسول اللہ ﷺ کے محارب اور دشمن تھے مگر اس نکاح کو ناپسند نہیں کیا۔

ام حبیبہؓ اور رسول اللہ ﷺ کے نکاح کے بعد ابوسفیان مسلمانوں کے خلاف فوج کشی کرتے نظر نہیں آتے اور تھوڑے ہی عرصہ بعد دائرہ اسلام میں داخل ہو کر "من دخل دار ابو سفیان فھو امن" کے الفاظ رسالت مآب ﷺ کی زبان مبارک سے ان کے لیے ادا ہوتے ہیں۔

"The Life and Times of Muhammad" کا مصنف غیر مسلم سیرت نگار جان بیگٹ (John Bagot) حضرت ام حبیبہؓ کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی شادی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

یہ واقعہ ہمارے ذہنوں پر عجیب و غریب اثر کرتا ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے مختلف خاندان کی لڑکیوں سے شادیاں محض اس لئے کیں کہ ان خاندان

والوں سے حضور ﷺ کے تعلقات استوار ہوں۔ آپ ﷺ نے خاص طور پر حبشہ کے شہنشاہ کو لکھ کر ام حبیبہؓ کو مدینہ بلوایا۔ اگر آپ ﷺ کا مقصد صرف ایک عورت کا حصول ہی تھا تو ایک سے بڑھ کر ایک حسین وجمیل اور خوبصورت سے خوبصورت لڑکی عرب ہی میں آپ ﷺ کو مل سکتی تھی۔ سینکڑوں خوبصورت لڑکیاں عرب ہی میں موجود تھیں۔ ان ساری پری پیکروں کو چھوڑ کر خاص طور سے ام حبیبہؓ کو جو بیوہ بھی تھیں' حبشہ سے بلوا کر حضور ﷺ کا شادی کرنا' اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضور ﷺ غالباً ام حبیبہؓ کے توسط سے ابو سفیان سے اپنے تعلقات بہتر بنانا چاہتے تھے۔

محمد رسول اللہ ﷺ ص ۳۰۲' ترجمہ: (The Life and Times of Muhammad)

اس حقیقت کا اعتراف سر ولیم میور کو بھی ہے وہ لکھتا ہے!

''پیغمبر اسلام ﷺ کو توقع تھی کہ ام حبیبہ کے والد ابو سفیان اس طرح (نکاح) سے آپ ﷺ کے مقصد کے قریب تر ہو جائیں گے۔

(Muir, Sir William/ The Life of Mahomet, London,1861,Vol iv, P.59)

☆......ام المومنین حضرت جویریہؓ قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی صاحبزادی تھیں۔ ان کا خاوند مسافع بن صفوان غزوہ مریسیع / بنو مصطلق ۵ ھ میں قتل ہوا۔ اس غزوہ میں بکثرت لونڈیاں اور غلام مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ آئے' نبی اکرم ﷺ نے انہیں آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ ان کا قبیلہ بنو مصطلق (جس کے سرداران کے والد حارث بن ضرار تھے) انتہائی جنگ جو' طاقتور اور رہزنی اور لوٹ مار میں غیر معمولی شہرت رکھتا تھا۔ اسلام اور کفر کے درمیان معرکہ آرائیوں میں یہ قبیلہ ہمیشہ کفار کے حلیف کے طور پر مسلمانوں کے خلاف دشمنوں کی صف میں شریک رہا۔

غزوۂ بنو مصطلق شعبان ۵ ھ بذات خود اس قبیلہ کے ساتھ پیش آیا' نبی

اکرم ﷺ سے ام المومنین حضرت جویریہؓ کے نکاح کے بعد صورتحال یکسر بدل جاتی ہے۔ قبیلے کے بیشتر افراد بشمول سردار قبیلہ حارث بن ضرار کے دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں' ڈاکہ زنی اور رہزنی سے تائب ہو جاتے ہیں اور قبیلہ بنو مصطلق اور اس کے حلیف قبائل کی حمایت اسلام کے لئے حاصل ہو جاتی ہے اور پھر کبھی یہ قبیلہ مسلمانوں کے خلاف صف آرا نظر نہیں آتا۔

جان بیگٹ (John Bagot) اس نکاح کے سیاسی فوائد اور ثمرات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے!

اس (نکاح) نے بنی مصطلق کو جنگ سے بڑھ کر کامیابی سے اسلام کے لئے جیت لیا۔

(John Bagot/ The Life and Times of Muhammad, New York, 1971,P.283)

☆......ام المومنین حضرت میمونہؓ رسالت مآب ﷺ سے نکاح سے قبل مسعود بن عمرو بن عمیر الثقفی کے نکاح میں تھیں اس سے طلاق کے بعد ابورہم بن عبدالعزی کے نکاح میں آئیں اس کے انتقال کے بعد نبی اکرم ﷺ سے نکاح ہوا۔

ام المومنین حضرت میمونہؓ سردار نجد کی بیوی کی بہن تھیں۔ نبی اکرم ﷺ کے حضرت میمونہؓ سے نکاح کی بدولت مسلمانوں کے اہل نجد سے بہتر تعلقات قائم اور نجد کی سرزمین میں دعوت اسلام کی راہ ہموار ہوئی' جبکہ نجد ہی وہ علاقہ تھا جہاں کے لوگوں نے نبی اکرم ﷺ سے نجد کی سرزمین میں دعوت اسلام کے لئے مبلغین ستر (۷۰) حفاظ قرآن لے جا کر دھوکہ سے ان تمام کو شہید کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں اسلام اور مسلمانوں کو اہل نجد سے متعدد مواقع پر فتنہ و فساد کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ لیکن حضرت میمونہؓ سے نکاح کے بعد رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو امن ہو گیا اور نجد کی سرزمین میں اشاعت اسلام کا آغاز ہوا۔

اس نکاح کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ اسلامی تاریخ کے دو عظیم سپہ سالار

حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر اسلامی فتوحات اور اشاعت اسلام کا ہر اول دستہ اور اسلامی تاریخ کے مثالی کردار قرار پائے۔ مغربی سیرت نگار واشنگٹن ارونگ (Washington Irving) اس نکاح کے فوائد اور اثرات پر تبصرہ یوں کرتا ہے!

"یہ نکاح بھی بلاشبہ مصلحتوں پہ مبنی تھا' جبکہ میمونہ اکیاون سال کی بیوہ تھیں۔ مگر اس تعلق سے آپ ﷺ کو دو طاقتور جانثار مل گئے' ایک ان بیوہ کے بھانجے اور بہادر سپہ سالار خالد بن ولیدؓ اور دوسرے جاں نثار خالد کے دوست عمرو بن عاصؓ"۔

(Irving. Washington/ The Life of Mahomet London,1949,P.160,161)

۳۔ نبی اکرم ﷺ کی ایک سے زائد شادیوں کا ایک سبب خاندانی' علاقائی' نسلی اور قبائلی عصبیت کا عملاً خاتمہ تھا' چنانچہ آپ ﷺ نے مختلف قبائل اور خاندان کی عورتوں سے شادی کر کے امت کے سامنے عملی نمونہ پیش کر کے ان تمام لعنتوں کا جو عرب کا سرمایہ افتخار سمجھی جاتی تھیں خاتمہ فرما دیا۔

آپ ﷺ نے بڑائی اور تفرقہ کے تصور پارینہ کو پارہ پارہ اور نسلی اور قومی احساس برتری کے بتوں کو پاش پاش کر دیا' مروجہ امتیازات مٹ گئے' اختلاف قومیت' تعصب رنگ و نسل' خاندانی و قبائلی بت ڈھ گئے۔

آپ ﷺ نے جاہلی کبر و نخوت پر ضرب کاری لگاتے ہوئے انسانی غرور و عصبیت کو نکال کر بیخ و بن اکھاڑ پھینکا۔

"وہ قومیں جو اپنے مردہ آباؤ اجداد پر فخر کرتی ہیں ان کو اس سے باز آ جانا چاہئے وہ جہنم کے کوئلے بن چکے ہیں۔ ورنہ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نجاست کے ان کیڑوں سے بھی ذلیل تر ہوں گے جو اپنی ناک سے نجاست کو دھکیلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم سے مکمل طور پر جاہلیت کی عصبیت اور باپ دادا پر فخر کرنے کو مٹا چکے ہیں۔

(مشکوۃ باب المفاخرۃ صفحہ ۴۱۷ قدیمی کراچی المطابع)

ظہور اسلام کے وقت مذاہب عالم اور اقوام و امم پر عصبیت، قومیت اور علاقائی و قبائلی اثرات چھائے ہوئے تھے جو انسان کے فکر و نظر پر غالب اور اس کے شعبہ حیات پر حاوی اور اس کی زندگی کا لازمی عنصر بن کر رہ گئے تھے۔

یہودی اور نصرانی خود کو خدا کی حقیقی اولاد قرار دیتے تھے، فراعنہ مصر سورج دیوتا کے اوتار کی صورت اختیار کئے ہوئے تھے، شاہان ایران اپنی رگوں میں خدائی خون کے دعویدار تھے، چینی اپنے شہنشاہ کو آسمان کا فرزند تصور کرتے تھے اور ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں کی نسبت سورج اور چاند سے قائم کی گئی تھی۔ ایرانی اپنے رنگ کے فخر سے اتنے مغلوب تھے کہ وہ حبشیوں اور ہندوؤں کو کوے کہتے تھے۔ عرب اپنی نخوت اور شوکت کے مدنظر ساری دنیا کو عجم یا بے زبان کہتے تھے اور ہندوؤں نے طبقاتی تفریق کے لئے ذات پات کا نظام وضع کر رکھا تھا۔

جہاں تک عرب کا تعلق تھا وہاں بھی یہی صورتحال پوری شدت کے ساتھ نظر آتی ہے، عدنانی اور قحطانی قبائل کا باہمی تعصب کچھ اتنا شدید تھا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں بھی اس کے اثرات گہرے تھے، پھر عدنانیوں میں مضر اور ربیعہ کی کشمکش اتنی ہی شدید تھی۔ اسی طرح قریش اور غیر قریش کی کشمکش ایک مستقل مسئلہ تھا اور خود قریش کے اندر بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رقابتیں قدیم تھیں۔

اس باہمی تعصب نے نہ صرف آپس کی جنگ و خونریزی کو روا رکھا تھا بلکہ نفرت و حقارت کا ایک ایسا سیلاب جاری کیا ہوا تھا جو تھمتا تھا اور نہ رکتا تھا، اس حالت نے عربی قبائل کے اندر انفرادیت پسندی اتنی بڑھا دی تھی کہ ازدواجی تعلقات عموماً قبیلہ کے اندر ہی قائم کئے جاتے تھے۔

رسالت مآب ﷺ نے صدیوں سے جاری مذاہب و اقوام کی ان بے عملی اور خود ساختہ اقدار و روایات کا مختلف قبائل و اقوام میں شادیاں کر کے عصبیت کا قدیم حصار خاک آلود کر دیا۔

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں!

"عربوں میں چونکہ قبیلہ داری نظام عام طور پر رائج تھا لہذا رشتہ دامادی سے زیادہ مؤثر کوئی اور وجہ دوستی اور حلیفی کی نہیں ہو سکتی تھی' چاہے خود یہ بھی کتنی ہی کمزور چیز کیوں نہ ہو۔ لیکن اور اسباب کے مقابلے میں یہ بہر حال زیادہ مستحکم و مستقل امر تھا۔(ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص ۳۱۶)

نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات جغرافیائی اعتبار سے جزیرہ نمائے عرب کے مختلف قبائل کی نمائندگی کر رہی تھیں۔ ساتھ ہی اعلیٰ نسب اور بڑے رتبے والے خاندانوں کے فرد ہونے کی حیثیت سے اہم اقتدار و اثرات کی حامل تھیں۔

چنانچہ مکہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا تعلق بنو تیم سے حضرت حفصہؓ کا تعلق بنو عدی سے۔ حضرت ام سلمہؓ کا تعلق بنو مخزوم سے۔ حضرت زینبؓ بنت جحش کا تعلق بنو اسد بن خزیمہ سے۔ حضرت ام حبیبہؓ کا تعلق بنو امیہ سے تھا۔ اور مکہ میں ان سے زیادہ با اثر کوئی خاندان نہ تھا۔

مکہ سے باہر ام المومنین حضرت زینبؓ بنت خزیمہ اور حضرت میمونہؓ دونوں کا تعلق یمن کے طاقتور قبیلہ صعصعہ سے تھا۔ حضرت جویریہؓ وسط عرب کے بنی مصطلق کے سردار کی اور حضرت صفیہؓ شمالی عرب کے بنو نضیر کے سردار کی بڑی صاحبزادی تھیں۔

مذکورہ بالا حقائق سے یہ بات سامنے آتی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سے زائد شادیاں قبائلی عصبیت کے خاتمہ اور پوری عرب اور مسلمان قوم کو وحدت اسلامی کی لڑی میں پرو کر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے راہیں ہموار کرنے کے لئے کیں اور آپ ﷺ کی یہ کوششیں پوری طرح بار آور ثابت ہوئیں۔

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی

فاضل علوم اسلامی

ایم اے۔ ایل ایل ایم۔ پی ایچ ڈی

ازواج مطہرات کی تعداد

حرم نبویؐ میں داخل ہونے والی مقدس عورتوں کی تعداد کیا تھی؟ جنہیں امہات المومنین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۷۷۴ھ اس ارشاد ربانی سے استدلال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۔ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۔ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۔[1]

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضور ﷺ کا جب وصال ہوا اس وقت نو بیویاں زندہ تھیں۔

حضرت عائشہؓ بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ التمیمیہ۔ حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمر بن الخطاب العدویہ، حضرت ام حبیبہؓ رملہ بنت حضرت ابوسفیان بن حرب بن امیہ الاموییہ۔ حضرت زینب بنت جحشؓ الاسدیہ۔ حضرت ام سلمہؓ ہند بنت ابی امیہ المخزومیہ حضرت میمونہؓ بنت الحارث الہلالیہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ العامریہ حضرت جویریہؓ بنت الحارث المصطلقیہ حضرت صفیہؓ بنت حیی بن اخطب الیہودیہ رضی اللہ عنہن وارضاہن ہیں۔[2]

---

[1] سورۃ الاحزاب پ۲۲، آیت نمبر ۳۲ تا ۳۴

[2] البدایہ والنہایہ ج۵ ص ۲۹۱، ۲۹۲؛ سیرت ابن ہشام ج ۴ ص ۲۹۶۔

آپ کی دو باندیاں بھی تھیں۔ حضرت ماریہؓ بنت شمعون القبطیہ جو آپ کے فرزند دلبند حضرت ابراہیمؑ کی والدہ تھیں۔ ریحانہ بنت شمعون۔ انتہیٰ[1]

علامہ ابن ہشام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۲۱۸ھ فرماتے ہیں۔ نو بیویاں آپؐ کے وصال کے وقت زندہ تھیں دو کا انتقال آپ کے حیات طیبہ میں ہو گیا تھا۔ جبکہ اسماء بنت نعمان کندیہ اور عمرہ بنت یزید کلابیہ سے صحبت نہیں فرمائی۔[2]

امام ابو بکر بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۴۵۸ھ حضرت قتادہؓ کی روایت بیان کرتے ہیں۔ کہ حضور انور ﷺ نے پندرہ عورتوں سے نکاح فرمایا۔ ان میں سے تیرہ کو گھر لائے۔ اور گیارہ آپ کے پاس اکٹھی رہیں اور نو کو چھوڑ کر آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔[3]

امام حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری اور ابو عبیدہ بن معمر بن المثنی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اٹھارہ عورتوں سے نکاح کیا تھا اور ان میں اشعث بن قیس کی بہن قتیلہ بنت قیس کا بھی ذکر ہے۔ فاطمہ بنت شریح اور سباء بنت اسماء بن الصلت اور ملیکہ بنت کعب بھی شامل تھیں۔[4]

مورخ حلبی المتوفی ۱۰۴۴ھ لکھتے ہیں۔

"ایسی عورتوں کی کل تعداد تیس ہے جو آنحضرت ﷺ سے کسی طرح یعنی بیوی کے طور پر یا کنیز کی حیثیت سے متعلق رہیں۔ ان میں وہ بھی شامل ہیں جن سے آپ نے عقد فرمایا اور وہ بھی جن سے عقد نہیں فرمایا (یعنی کنیز کے طور پر آپؐ سے وابستہ رہیں) اسی قسم میں وہ عورتیں بھی شامل ہیں جن کے ساتھ آپ ہم بستر ہوئے اور وہ بھی ہیں جن سے ہم بستر نہیں ہوئے۔"[5]

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۹۲۔ [2] ابن ہشام ج ۳ ص ۲۴۴

[3] البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۹۲، فتح الباری ج ۹ ص ۱۴۷۔

[4] البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۹۸۔ [5] سیرت حلبیہ ازواج ج ۶ ص ۳۳۴۔

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں:

''جن عورتوں کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ ہم بستر ہوئے۔ یا جن سے صرف نکاح ہوا۔ یا ہم بستری سے پہلے ہی طلاق دے دی۔ یا جن کو صرف پیغام نکاح دیا نکاح نہیں کیا۔ ان سب کی تعداد تیس تک پہنچتی ہے۔ لیکن اس پر علامہ ابن القیم نے تنقید کی ہے۔ کہ یہ روایت صحیح نہیں[1]

قریشی ازواج مطہرات:

سید دو عالم ﷺ کی ازواج مطہرات مختلف قبائل سے تعلق رکھتی تھیں۔ البتہ ان میں ہاشمی کوئی ایک بھی نہ تھی۔

(۱) سیدہ خدیجہؓ بنت خویلد۔ (۲) سیدہ عائشہؓ بنت ابوبکر الصدیقؓ۔ (۳) سیدہ حفصہؓ بنت عمرؓ بن الخطاب۔ (۴) سیدہ ام حبیبہؓ بنت ابوسفیانؓ۔ (۵) سیدہ ام سلمہ بنت ابوامیہ۔ (۶) سیدہ سودہ بنت زمعہ[2]

غیر قریشی ازواج:

حضور اقدس ﷺ کی چار بیویاں غیر قریشی تھیں اور ان کے قبائل قریش کے حلیف تھے۔

۱۔ سیدہ زینبؓ بنت جحش ۲۔ سیدہ میمونہؓ بنت الحارث ۳۔ سیدہ زینبؓ بنت خزیمہ۔
۴۔ سیدہ جویریہؓ بنت الحارث۔

سیدہ صفیہؓ بنت حی بن اخطب بھی غیر قریشی زوجہ مکرمہ تھیں جن کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا۔[3]

ازواج مطہرات کی ترتیب نکاح:

حضور انور ﷺ کے ساتھ ازواج مطہرات کے نکاح کی ترتیب محدثین و

---

[1] فتح الباری ج ۹ ص ۸ ۵ کتاب الغسل۔

[2] طبرانی کبیر ج ۲۲ ص ۲۵ ۴ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۰۰ سیرۃ ابن ہشام ج ۴ ص ۲۹۶۔

[3] سیرۃ ابن ہشام ج ۴ ص ۲۹۸۔

مورخین نے مختلف بیان فرمائی ہے۔ ان میں سے ایک ترتیب یہ ہے۔

ابن شہاب الزہریؒ سے عقیل اس کی ترتیب نکاح یوں بیان کرتے ہیں۔

سیدہ خدیجہؓ پھر سیدہ سودہؓ، پھر سیدہ عائشہؓ، پھر سیدہ ام حبیبہؓ، پھر سیدہ حفصہؓ، پھر سیدہ ام سلمہؓ، پھر سیدہ زینبؓ بنت جحش، پھر سیدہ جویریہؓ، پھر سیدہ میمونہؓ اور پھر سیدہ صفیہؓ۔

اور یونس امام زہریؒ سے اس کی ترتیب کو یوں روایت کرتے ہیں۔

سیدہ خدیجہؓ، پھر سیدہ عائشہؓ، پھر سیدہ سودہؓ، پھر سیدہ حفصہؓ، پھر سیدہ ام حبیبہؓ، پھر سیدہ ام سلمہؓ، پھر سیدہ زینبؓ بنت جحش، پھر سیدہ میمونہؓ، پھر سیدہ جویریہؓ، پھر سیدہ صفیہؓ۔

طبرانی کی روایت کے مطابق یونسؒ ابن زہریؒ سے اس طرح ترتیب بیان کرتے ہیں۔

سیدہ خدیجہؓ، پھر سیدہ عائشہؓ، پھر سیدہ حفصہؓ، پھر سیدہ سودہؓ، پھر ام حبیبہؓ، پھر ام سلمہؓ، پھر زینب بنت جحشؓ، پھر میمونہؓ، پھر جویریہؓ، پھر صفیہؓ۔[1]

علامہ ابن ہشام وغیرہ کی روایت کے مطابق ترتیب اس طرح ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا۔ پھر سیدہ عائشہؓ سے چار سو درہم میں نکاح فرمایا۔ یہ نکاح ان کے والد ابوبکرؓ نے کیا تھا۔ پھر سیدہ سودہؓ سے آپ نے چار سو درہم مہر پر نکاح فرمایا۔ ان کا نکاح ایک روایت کے مطابق ان کے بھائی وقدان بن قیس نے کیا۔ جبکہ ایک روایت میں ہے کہ سلیط بن عمرو نے نکاح کر دیا تھا۔

پھر سیدہ حفصہ سے ان کے والد عمرؓ بن خطاب نے کیا۔ پھر سیدہ زینبؓ بنت خزیمہ سے نکاح فرمایا۔ اور یہ نکاح قبیصہ بن عمرو الہلالی نے کیا۔ پھر آپ نے سیدہ ام سلمہؓ سے نکاح فرمایا۔ اور یہ نکاح ان کے صاحبزادے سلمہؓ نے کیا۔

پھر آپ نے سیدہ زینبؓ بنت جحش سے نکاح کیا۔ یہ نکاح آپ کے بھائی

---

[1] معجم طبرانی کبیر ج ۲۴ ص ۸۵ حدیث نمبر ۵۵۸۸۔

ابو احمد بن جحش نے چار سو درہم حق مہر پر کیا۔ پھر آپ نے سیدہ جویریہؓ پھر سیدہ ریحانہؓ پھر سیدہ ام حبیبہ سے نکاح فرمایا۔ سیدہ ام حبیبہ کا نکاح خالد بن سعید بن العاص نے کیا اور شاہ حبشہ نجاشی نے اپنے پاس سے چار سو دینار حق مہر ادا کیا۔

اس کے بعد سیدہ صفیہؓ سے آپ نے نکاح فرمایا۔ پھر سیدہ میمونہؓ سے سیدہ میمونہؓ کا نکاح سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حق مہر بھی خود ادا کیا۔[1]

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۸۵۲ھ یہ ترتیب یوں رقم فرماتے ہیں۔

جب آپ مدینہ منورہ ہجرت فرما کر تشریف لے گئے۔ تو آپ کے حبالہ عقد میں اس وقت سیدہ سودہؓ تھیں، پھر مدینہ میں سیدہ عائشہؓ آپ کے حرم میں داخل ہوئیں۔ پھر آپ نے تین اور چار ہجری میں سیدہ ام سلمہؓ سیدہ حفصہؓ اور سیدہ زینب بنت خزیمہ سے نکاح فرمایا۔ پھر پانچواں سال آپ نے سیدہ زینب بنت جحشؓ سے نکاح کیا۔ پھر چھٹے سال سیدہ جویریہؓ سے پھر ساتویں سال سیدہ صفیہؓ سیدہ ام حبیبہؓ اور سیدہ میمونہؓ سے نکاح فرمایا۔[2]

علامہ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ نے ایک ترتیب اس طرح بیان کی ہے۔

حضرت خدیجہ، حضرت سودہ، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت زینب بنت خزیمہ ام المساکین۔ حضرت ام حبیبہ، حضرت ام سلمہ، حضرت زینب بنت جحش، حضرت جویریہ، حضرت صفیہ اور حضرت میمونہ فھذا الترتیب احسن و اقرب مما رتبہ الزہری، واللہ اعلم۔[3]

---

1. سیرۃ ابن ہشام ج ۴ ص ۲۹۳، ۲۹۴ و روض الانف ج ۲ ص ۲۹۸، ۳۰۰ تا ۳۰۲۔
2. فتح الباری ج ۹ ص ۱۲۷ کتاب الفضل باب ازواج النبی ﷺ۔
3. سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۴۱۵۔

ازواج کی فضیلت پر قرآنی شواہد

امہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ علیھن کا مبارک و مقدس تذکرہ قرآن مجید میں مختلف انداز سے پایا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ قرآنی شہادت سے بڑھ کر تصدیق و تائید کے لیے اور کون سی شہادت ہو سکتی ہے۔

امت کی حقیقی مائیں:

اگر نبی تمام امت کا باپ ہے تو نبی کی بیویاں یقیناً تمام امت کی مائیں ہیں۔ اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں اور اختلاف کیسے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ تو قرآنی فیصلہ ہے۔ قرآن مجید جس واشگاف الفاظ میں اس کی شہادت پیش کرتا ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ۔[1]

نبی مومنوں کے ساتھ خود ان کی جان سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

حضور انور ﷺ نے جن خوش نصیب، خوش بخت عورتوں کو اپنے حبالۂ عقد میں لیا، انہیں اپنی مرضی سے رشتہ ازدواج میں منسلک نہیں فرمایا۔ بلکہ یہ انتخاب اللہ جل مجدہ نے اپنی منشاء سے فرمایا اور اللہ کے حکم سے آپ نے ان سے نکاح کیا۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ نطق نبوی اگر اپنی خواہش سے نہیں ہوتا تھا۔ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی زبان کی جنبش بھی تھم خداوندی کی پابند تھی۔ پھر رفیقہ حیات کا انتخاب جو حرم نبوی اور عصمت کی زینت کا انتخاب؟ علاوہ ازیں اِنَّا اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ کی صراحت نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے کہ

---

[1] سورۃ الاحزاب آیت ۶

ازواج کا انتخاب اللہ جل شانہ نے اپنی پسند سے فرمایا تھا۔

جن پاک باز عفت مآب عورتوں سے آپؐ نے نکاح فرمالیا ان میں دوسری قابل رشک خصوصیت یہ پیدا ہوگئی کہ وہ جنتی ہوگئیں۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے جن مردوں سے اپنی شہزادیوں کا نکاح کیا۔ وہ سب جنتی تھے۔ اسی طرح جن عورتوں کو آپ نے شرف زوجیت سے نوازا وہ سب جنتی تھیں۔ کوئی بھی غیر جنتی عورت آپ کی حرم سرا میں داخل نہیں ہوئی۔ چنانچہ سرور دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

ان اللہ ابی لی ان اتزوج او ازوج الا اهل الجنة[1]

بیشک اللہ تعالیٰ انکار فرماتے ہیں۔ مگر یہ کہ جن عورتوں سے میں نکاح کروں یا جن مردوں سے میں اپنی بیٹیوں کا نکاح کردوں۔ وہ جنتی ہیں۔

اس حدیث کی تائید وتوثیق حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ موصوف فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

سالت ربی عزوجل ان لا ازوج احدا منی امتی، ولا اتزوج الا کان معی فی الجنة فاعطانی[2]

(ترجمہ) میں نے اللہ جل شانہ سے سوال کیا کہ میں اپنی بیویوں میں سے کسی سے نہ نکاح کروں اور نہ جس کے نکاح میں اپنی بیٹی دوں، مگر یہ کہ وہ میرے ساتھ جنت میں ہو۔ پس اللہ جل شانہ نے میرے سوال کو شرف قبولیت بخشا۔

ما تزوجت شیئا من نسائی ولا زوجت شیئا من بناتی الا باذن جاء نی به جبریل عن اللہ عزوجل۔[3]

---

[1] جمہرۃ الانساب العرب ۲۱۰۔ زرقانی شرح مواہب ج ۳ ص ۲۵۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ ترجمہ ہند بن ابی ہالہ بحوالہ ازواج النبی ص ۲۵

[2] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۳۷، الطبرانی فی الاوسط ص ۳۸۴۲، ص ۵۷۰، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۵۳۶ حدیث نمبر ۱۹۳۸۸، ص ۱۹۳۸۹۔

[3] حلیۃ الاولیاء ابی نعیم ج ۱ ص ۱۵۱، عیون الاثر ابن سید الناس ج ۲ ص ۳۹۳ بحوالہ ازواج النبی ص ۲۹۔

ترجمہ: میں نے اپنی ازواج میں سے کسی عورت سے نکاح نہیں کیا اور نہ ہی اپنی کوئی بیٹی کسی کے نکاح میں دی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت سے جو بذریعہ جبرئیل امین مجھے دی گئی۔ (یعنی میں نے کوئی نکاح بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہیں کیا۔)

قرآنی تناظر میں امہات المومنین کی شان:

اللہ جل شانہ نے اپنی مقدس کتاب قرآن مجید فرقان حمید میں جا بجا امہات المومنین کی شان فضیلت اور خصائل و فضائل اور مناقب بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ۔[1]

ترجمہ۔ نبی ﷺ مومنوں کے ساتھ خود ان کی جان سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس و مطہر بیویاں مسلمانوں کی روحانی مائیں ہیں۔ ماؤں سے بڑھ کر ان کی تعظیم فرض ہے اور یہ حکم ادب و احترام کے اعتبار سے ہے، پردہ اور میراث کے اعتبار سے نہیں۔ ازواج مطہرات کا مائیں ہونا صرف ادب اور احترام اور حرمت نکاح کے اعتبار سے ہے۔ باقی اور امور میں وہ بالکل اجنبی عورتوں کی مانند ہیں۔[2]

حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ۔

اور آپ کی بیبیاں ان (مومنین) کی مائیں ہیں۔ (یعنی مذکورہ تقریر سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ مومنین کے لئے روحانی باپ ہیں۔ جو ان کی اپنی ذات سے بھی زیادہ ان پر شفیق و مہربان ہیں۔ اسی مناسبت سے آپ کی ازواج مطہرات امت کی

---

1. سورۃ الاحزاب آیت ۶۔
2. تفسیر [illegible] القرآن [illegible] ج ۵ ص ۲۹۹۔

مائیں ہو گئیں یعنی تعظیم و تکریم میں ان کا حق ماؤں کی طرح ہیں[1]

مفتی اعظم مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ۔ ازواج مطہرات کو امت کی مائیں فرمانے سے مراد تعظیم و تکریم کے اعتبار سے مائیں ہونا ہے۔ ماں اور اولاد کے دوسرے احکام حرمت نکاح اور محرم ہونے کی وجہ سے باہم پردہ نہ ہونا اور میراث میں حصہ دار ہونا وغیرہ یہ احکام اس سے متعلق نہیں۔

مسئلہ:

آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ ازواج مطہرات میں سے کسی کی شان میں کوئی بے ادبی اس لئے بھی حرام ہے۔ کہ وہ امت کی مائیں ہیں اور اس لئے بھی کہ ان کی ایذا سے رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچے گی۔ جو اشد درجہ کا حرام ہے[2]

ازواج مطہرات کی شان میں ارشاد ربانی ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔[3]

ترجمہ: اے نبی کی عورتو! تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

امام بغوی المتوفی ۵۱۶ھ فرماتے ہیں۔

تعظیم اور حرمت اور ہمیشہ کے لئے ان سے نکاح حرام کے لحاظ سے وہ امہات المومنین ہیں۔ نہ کہ ان کو دیکھنا اور ان کے ساتھ خلوت میں بیٹھنا جیسا کہ حقیقی ماں کے ساتھ آدمی خلوت میں بیٹھ سکتا ہے۔ یہ سب ان کے حق میں حرام ہیں اور اس لحاظ سے وہ اجنبیوں کی طرح ہیں۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ ان کی بیٹیوں کو "اخوات المومنین" نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی ان کی بہنوں اور بھائیوں کو "اخوال المومنین" اور "خالات المومنین" کہا جا سکتا ہے[4]

---

[1] معارف القرآن ج ۷ ص ۸۰ خلاصہ تفسیر۔ [2] معارف القرآن ج ۷ ص ۸۵، ۸۸۔
[3] سورۃ احزاب آیت ۳۲۔ [4] معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۰۷۔

جیسا کہ سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدہ اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ جو کہ سیدہ عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن تھیں۔ اسی طرح حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو کہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمشیرہ تھیں' سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حبالہ عقد میں تھیں۔ لیکن ان دونوں کو امہات المومنین کی ''ہمشیرگان'' ہونے کے نا طے ''مومنوں کی خالہ'' نہیں کہا جا سکتا ہے[1]

اس بحث پر ایک اور سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا امہات المومنین صرف مومن مردوں کی مائیں ہیں۔ تو کیا مومنات عورتوں کی بھی مائیں ہیں؟ امت کے بعض متقدم علماء کرام کا قول ہے کہ جس طرح وہ مومن مردوں کی مائیں ہیں اسی طرح مومن عورتوں کی بھی مائیں ہیں۔ جبکہ اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ وہ صرف مومن مردوں کی مائیں ہیں اور وہ حضرات حضرت مسروقؒ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ ایک عورت نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا۔

''اے اماں'' سیدہؓ نے فرمایا۔ میں تیری ماں نہیں ہوں۔ بلکہ میں تمہارے مردوں کی ماں ہوں[2]

قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ازواج مطہرات کا قرآنی تذکرہ اپنے دلربا انداز میں پیش فرماتے ہیں۔

ازواج النبی ﷺ کی فضیلت خود نبی مکرم ﷺ کی شرف وفضیلت کا ایک شعبہ ہے۔

فضیلت اوّل:

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ازواج النبی ﷺ کے خطاب عالی سے یاد فرمایا ہے۔ زبان عرب میں لفظ ''زوج'' کا استعمال متشابہ متماثل اور متساوی اشیاء پر کیا

---

[1] معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۰۸۔

[2] تفسیر بغوی ج ۳ ص ۵۰۸' روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۵۱' زرقانی شرح مواہب لدنیہ ج ۳ ص ۲۲۳۔

جاتا ہے۔ مثلاً زوجا خف۔ جراب کے دونوں پاؤں۔

قرآن مجید میں ہے۔

اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ۔(۳۷-۲۲)

یعنی ظالموں کو اور جو ان جیسے تھے جمع کرو۔

دوسرے مقام پر ہے۔

وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ۔(۸۱-۷)

یعنی جب ہر ایک گروہ کو قسم وار کیا جائے گا۔ صالح کو صالح کے ساتھ فاجر کو فاجر کے ساتھ ملایا جائے گا۔

پس جب ازواج نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام صدق التیام میں ازواج النبیؐ فرمایا تو یہ خطاب فی الواقع ان کے لیے نبی ﷺ کے ساتھ اتصال دوام اور تشاکل تام کا مظہر ہو گیا۔

اس نکتہ کے مزید انشراح کے لیے آپ تمام قرآن مجید پر تدبر فرمائیں کہ ایک بھی مثال ایسی نہیں ملے گی کہ کسی عورت کو کسی مرد کا یا کسی مرد کو کسی عورت کا زوج بتایا گیا ہو اور دونوں میں اتحاد ظاہری و باطنی اور وحدت ازدواجی و ایمانی پائی نہ جاتی ہو۔

اس نکتہ کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن پاک نے لفظ مراۃ کے استعمال میں یہ تقید نہیں کیا بلکہ اس کا استعمال ہر سہ صورت ہائے ذیل میں ہوا ہے:

۱- جب زن و شوہر ہر دو کافر ہوں۔ ابولہب اور اس کی عورت کے لیے فرمایا:

وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ۔(۱۱۱:۴)

اس کی عورت لکڑیوں کے چننے والی۔

۲- جب شوہر مومن اور عورت کافر ہوں۔ فرمایا:

اِمْرَاَةَ نُوْحٍ وَّامْرَاَةَ لُوْطٍ۔(۶۶:۱۰)

نوح اور لوط کی عورتیں۔

۳- جب عورت مومنہ اور شوہر کافر ہو۔ فرمایا:

امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ۔ (۶۶:۱۱)

فرعون کی عورت۔

۳۔ جب زوجین مومن نہ ہوں۔

حضرت زکریا علیہ السلام اپنی بیوی کی بابت فرماتے ہیں:۔

وَكَانَتِ امْرَاَتِي عَاقِرًا (۱۹:۵)

میری عورت بانجھ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں ہے:

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهُ فِي صَرَّةٍ۔ (۵۱:۲۹)

اس کی عورت جماعت میں آئی۔

صورت اول کی وجہ یہ ہے کہ لفظ زوج عزت کا خطاب ہے۔ ابولہب اور اس کی عورت کو یہ خطاب نہیں مل سکتا تھا۔

صورت دوم وسوم کی وجہ یہ ہے کہ لفظ زوج میں تشاکل وتساوی ہوتا ہے۔ نہ کافر عورت مسلمان شوہر سے مشاکلت رکھتی ہے اور نہ مسلمان عورت کافر شوہر سے۔ اس لیے لفظ "امراۃ" پر اکتفا ہوا۔

صورت چہارم کی وجہ یہ ہے کہ حضرت زکریا اور حضرت ابراہیم کی بیویوں کے حمل وولادت کا ذکر تھا اور یہ ذکر "امراۃ" کے ساتھ کیا جانا زیادہ بلیغ تھا۔ کیونکہ لفظ زوج کا اطلاق مرد اور عورت ہر دو پر نافذ ہوتا ہے۔

البتہ جب تمام اشکال کے زائل ہونے کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان کیا کہ حضرت زکریا کی بیوی کا ذکر دوسری آیت میں لفظ زوج سے بھی فرمایا:

وَاَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ۔ (۲۱:۹۰)

یعنی ہم نے اس کی بیوی کے مرض کی اصلاح کر دی۔

اور حضرت ابراہیم کی بیوی کی بابت زبان ملائکہ سے یوں فرمایا:

رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ (۱۱:۷۳)

اے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں۔

غرض لفظ زوج کے استعمال کی بابت اللہ تعالیٰ کا یہ التزام اور لفظ امراۃ کے استعمال میں یہ عدم التزام ہماری دلیل کو خوب مستحکم کرتا ہے۔

اب یاد رکھنا چاہیے کہ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ تحریم میں دو دفعہ اور سورۃ احزاب میں چار دفعہ ازواج النبیؐ فرمایا گیا ہے اسی سے ان کا شرف اور فضیلت آشکار ہے۔

فضیلت دوم:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔ (۳۲:۳۳)

تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو۔

النساء میں جنس النوعیہ کا ہر ایک فرد شامل ہے اور کوئی عورت ذات بھی اس سے باہر نہیں جاتی پھر لفظ احد بھی موجود ہے اور جب نفی کے لیے لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے تو اس وقت نفی بدرجہ اتم ہوتی ہے غور کرو۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ (خدا کا کوئی بھی کفو نہیں) غرض نفی میں احد کا استعمال کسی استثناء کا موقع نہیں رہنے دیتا۔ اس لیے ثابت ہو گیا کہ ازواج النبی کا درجہ ہر ایک عورت سے بالاتر متمیز اور شان خاص کا ہے۔

فضیلت سوم:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ۔ (۵۰:۳۳)

ہم نے تیری ازواج کو تیرے لیے حلال رکھا۔

زن و مرد تزویج کے بعد زن و شوہر بن جاتے ہیں۔ خواہ یہ تزویج اسلام کے مطابق ہو یا مذہب غیر اسلام کے مطابق ہو جس کے پابند یہ زن و مرد اس وقت تھے لیکن کوئی زن و شوہر دعویٰ سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس عقد کا درگاہ رب العزت میں کیا درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ازواج النبیؐ کے متعلق اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ کا حکم فرقانی

دیگر اعلان فرما دیا کہ نبی کی بیویوں کا ازواج النبی ہونا بمنظوری رب العالمین ہے اور ظاہر ہے کہ یہ منظوری فی الواقع ان کے لیے فضیلت عظیم ہے۔

فضیلت چہارم:

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے حسن معاشرت یا ازواج کی اطلاع ان الفاظ میں دی ہے۔

تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ۔(۶۶:۱)

- نبی اپنی ازواج کے مرضاۃ کی ابتغا کرتے یعنی بیویوں کی خوشنودی کا اہتمام کیا کرتا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کے افعال غلطی کے شائبہ سے بالاتر ہیں۔ پس جب حضور ﷺ ان پاک بیویوں کی خوشنودی کے جویا رہتے تھے تو یہ امر ان کی فضیلت پر ثبت ہوا۔

کسی شخص کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس سے پہلے یہ الفاظ موجود ہیں۔ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ کیونکہ ان الفاظ میں لم کا اثر تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک پر اس کا ذرا بھی اثر نہیں۔ مگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا یاایھا النبی لم تبتغی مرضات ازواجک۔ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں فرمایا گیا۔ پس آیت کی تفسیر یہ ہوئی کہ آپ ازواج کی خوشی کے لیے ہر ایک بات کرنے پر آمادہ رہتے ہیں۔ ہاں اس کے لیے ایک حد ہونی چاہیے۔ حد یہ ہوگی کہ آپ ان کی خوشی کے لیے سب کچھ کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ کسی حلال چیز کو حرام ٹھہرانے کی نوبت نہ آئے۔ جیسا کہ حضورؐ نے شہد کے استعمال کو ترک کرنے کا ارادہ صرف اس گمان سے فرمالیا تھا کہ ایک بیوی کو شہد کی بو گوارا نہیں۔

اس تفسیر سے صاف طور پر واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی نبی ﷺ کو مرضاۃ ازواج کی اجازت فرما دی ہے اور فی الواقع یہ اجازت تدبیر منزل اور حسن معاشرت زوجین کی جان ہے اور جو حد قائم فرما دی گئی ہے وہ بھی اسی قدر ضروری ہے۔ تاکہ کوئی

شخص صرف خوشنودی زوج کے لیے تحریم حلال میں نہ پڑ جائے اور یہ ظاہر ہے کہ جب تحریم حلال کی اجازت نہیں دی گئی تو تحلیل حرام کی اجازت تو قطعاً نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ایک عظیم الشان مسئلہ بھی طے ہو گیا۔ اور دنیا کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نبی ﷺ کا بہترین سلوک اپنی بیویوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم اور حکم کے ساتھ کیسا اعلیٰ تھا کہ ہر ایک شوہر کو اس نمونہ پر چلنا چاہیے۔ لیکن یہ آیت فی الواقع ازواج النبی ﷺ کی فضیلت میں ہے۔

فضیلت پنجم:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ (۳۰:۲۱)

یہ بھی خدا تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارا جوڑا بنایا تا کہ اس سے تسکین پاؤ اور تم دونوں کے درمیان محبت اور پیار پیدا کر دیا۔ اس نشانی میں فکر کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

اس آیت میں جب عام طور پر زوجین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے تو بالضرور نبی ﷺ اور ازواج النبی ﷺ بھی اس صفت کے مظہر تھے اور حسب الحکم علام الغیوب یہ ثابت ہو گیا کہ ازواج النبی حضور ﷺ کے لیے سکینۂ قلب تھیں اور ان کے دلوں میں حضورؐ کی محبت و مودت بھری ہوئی تھی۔ جیسا کہ حضورؐ کے قلب پاک میں ان کے لیے وُد اور رحمت موجود تھی۔ اس سے صاف طور پر ازواج النبی ﷺ کی فضیلت آشکار ہو گئی۔

فضیلت ششم:

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازواج النبی ﷺ کا امتحان لیا اور ان کے سامنے دو چیزوں کو رکھ دیا اور اختیار دیا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو پسند کر لیں۔ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ (۳۳:۲۸،۲۹)

اے نبی! اپنی ازواج سے کہہ دیجیے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور زینت چاہتی ہو تو آؤ کہ میں تمہیں بہت کچھ دے دلا کر اچھی طرح رخصت کر دوں اور اگر تم خدا اور رسول اور دار آخرت کو پسند کرتی ہو۔ تب تم کو بتایا جاتا ہے کہ خدا نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

ازواج محمد ﷺ کے لیے	ایک جانب	دوسری جانب
	حیات و زینت دنیا	خدا، رسول اور دار آخرت
شق اول کی صورت میں رسول اللہ کا کام	ان کی ازواج کو اپنے سے علیحدہ کر دینا تھا	
شق دوم کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا کام		ازواج کو اجر عظیم کا عطا کرنا ہے

یہ حکم تبلیغی تھا اور یہ بھی شک نہیں کہ نبی ﷺ نے اس حکم کو ضرور ازواج پاک تک پہنچایا۔ اب نتیجہ کی تلاش کرنا چاہیے کہ کیا ازواج نے حیوۃ دنیا اور زینت دنیا کو پسند کیا تھا؟ اگر ایسا ہوا ہوتا تو ضرور تھا کہ نبی ﷺ اس فرض کو جو خدا نے حضور پر عائد کیا تھا پورا کرتے اور ایسی بیویوں کو یا ایسی بیوی کو اپنے سے الگ کر دیتے۔ اس بارہ میں شہادات اور اسلامی فرقوں کی معتقد کتب تاریخ سب کی سب متفق ہیں کہ نبی ﷺ نے کسی ایک بیوی کو بھی ترک نہیں کیا۔ اس لیے ثابت ہو گیا کہ وہ شق دوم کی بشارت میں داخل ہیں۔ اس کا ثبوت ایک اور آیت سے بھی ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ۔ (۳۳:۵۲)

تجھے ان ازواج کے بعد اور عورتیں حلال نہیں' تجھے یہ بھی حلال نہیں کہ
ان ازواج میں سے کسی کے بدلے کسی کو اپنا زوج بنائے گو اس کا حسن
تجھے پسند بھی ہو۔

پہلی آیت میں نبی ﷺ کو ازواج کے چھوڑ دینے کا اختیار دیا گیا تھا اور اس
پچھلی آیت میں وہ اختیار واپس لیا گیا کہ ازواج موجودہ کا تبدیل کرنا بھی نبی کو حلال نہ
ہوگا۔ مطلب صاف ظاہر ہے کہ ازواج النبی ﷺ کی بابت جب امتحان میں ثابت ہو
گیا کہ وہ خدا اور رسولؐ اور دار آخرت ہی کی خواستگار ہیں تو اب ان کو دوام کے لیے
خدا نے اپنے رسولؐ کے واسطے پسند کر لیا اور پھر ان کی تبدیلی کا اختیار بھی رسولؐ کو نہیں
رہا۔ دونوں آیتوں سے ازواج النبی ﷺ کے معاملات متعلق عقائد و کیفیات قلبی و
قبولیت ربانی بخوبی ظاہر ہو گئے ہیں۔

اس دلیل کے زیادہ روشن کرنے کے لیے آیت ذیل کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ
بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا۔ [۳۳: ۵۳]

اے ایمان والو! تمہیں یہ شایان نہیں کہ رسول اللہ کو ایذا دو اور تمہیں یہ
بھی شایان نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کی ازواج سے نکاح
کرو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو یہ گناہ عظیم ہے۔

پہلی آیت میں چونکہ ازواج النبی ﷺ کا اتصال نبی ﷺ سے دوام کے لیے
ظاہر کیا گیا تھا اور اسی لیے نبی ﷺ سے بھی اختیار تبادلہ لے لیا گیا تھا۔ اس لیے اس
آیت میں امت پر ان کی حرمت دوام کا اعلان کیا گیا۔

آخری آیت میں قابل غور بات یہ ہے کہ مومنین کو پہلے تو ایذائے رسولؐ سے
روکا گیا ہے اور پھر خصوصیت کے ساتھ حقوق ازواج النبی ﷺ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس
سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ ایذائے رسولؐ کی جس قدر اقسام ہو سکتی ہیں۔ ان
سب میں سے زیادہ سخت وہ صورت ہوگی جس میں ازواج النبی ﷺ کی شان کے

طلاق کوئی روپیہ اختیار کیا گیا ہو۔ کیونکہ قرآن پاک نے خدا کے رسول اللہ کے تحت میں خصوصیت سے اسی جزئیہ کا ذکر فرمایا ہے۔

فضیلت ہفتم:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ۔

(۳۳:۳۴)

اے بیبیو! تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور حکمت الہیہ کی جو تلاوت کی جاتی ہے۔ تم اس کا ذکر کرتی رہو۔

اس آیت میں "بیوت" کو ضمیر جمع مونث "کن" سے مضاف کیا گیا ہے اور اسی سورت کے رکوع ۷ میں لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ فرما کر ان بیوت کو نبی ﷺ کی جانب مضاف فرمایا گیا ہے اور یہ امر اتحاد زوجین مطہرین پر دلیل صریح ہے کہ ایک دفعہ ان گھروں کو نبی کے گھر بتایا اور ایک دفعہ انہی گھروں کو ازواج کے گھر فرمایا:

اب آیت بالا پر غور کرو کہ ازواج نبیؐ کے بیوت (گھروں) کی اللہ پاک نے کس قدر عظمت و ثنا فرمائی ہے۔ ان گھروں کو مہبط وحی الہی بتایا۔ ان گھروں کو حکمت ربانی کا گہوارہ ٹھہرایا۔ سب جانتے ہیں کہ مکان کی عزت مکین سے ہوتی ہے۔ اب ازواج النبی ﷺ کی عزت، رتبہ اور حرمت اسی کا قیاس خود ہی کر لیجئے بیشک یہ بڑی فضیلت ہے۔

فضیلت ہشتم:

اللہ تعالیٰ نے ازواج النبی ﷺ کی شان بلند میں آیت تطہیر کو نازل کیا اور وحی متلو میں فرمایا:

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا وَاذْكُرْنَ

مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا۔ (۳۳: ۳۳ تا ۳۴)

اے ازواج نبیؐ! تم اپنے گھروں میں ٹھہرو اور جاہلیت اول کی طرح باہر مت پھرو نماز کو قائم کرو۔ زکوۃ کو ادا کرو۔ اور خدا اور رسول کی اطاعت کرو۔ اے گھروالو! خدا یہ چاہتا ہے کہ رجس کو تم سے دور کرے اور تم کو بالکل پاک بنا دے اور تمہارے گھروں میں جو آیات اللہ کی اور حکمت کی باتیں پڑھی جاتی ہیں انہیں یاد رکھو۔ خدا لطیف و خبیر ہے۔

اول سے اخیر تک تمام کلام کی مخاطب ازواج النبی ﷺ ہیں اور اس لیے اہل البیت کے لفظ کا خطاب بھی انہیں کے لیے ہے جیسا کہ بیوتکن کا خطاب بھی ان کے لیے ہے۔ اس کی مزید تائید قرآن پاک کے کلام معجز نظام کے سیاق سے بھی ہوتی ہے اور عرف عام سے بھی کیونکہ صاحب خانہ یا گھروالی ہمیشہ بیوی کو کہا جاتا ہے اور اہل البیت گھروالی کا لفظی ترجمہ ہے' مگر احقاق حق کے لیے ہم پھر قرآن مجید کی جانب رجوع کرتے ہیں کیا اس لفظ کا استعمال کسی دوسرے مقام پر بھی کسی نبی کی زوجہ کے لیے ہوا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں ہے اور چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابراہیمؑ سے بحکم إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرٰهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ۔ مشابہت تامہ ہے۔ اس لیے ان کے قصہ کا حوالہ زیادہ خصوصیت بخش ہے۔

وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِإِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ إِسْحٰقَ يَعْقُوبَ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰى ءَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَّهٰذَا بَعْلِي شَيْخًا۔ إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ۔ قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ۔ (۱۱: ۷۱ تا ۷۳)

ابراہیمؑ کی بیوی کھڑی تھی۔ وہ ہنس پڑی۔ ہم نے اسے اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی۔ وہ بولی ہائے اب میں جنوں

گی۔ جب میں بوڑھی ہوگئی اور میرا شوہر بوڑھا ہوگیا ہے تو عجیب بات
ہے۔ فرشتوں نے کہا تو خدا کے حکم سے تعجب کرتی ہے۔ گھر والو۔ تم پر
خدا کی رحمت اور برکتیں ہیں اور خدا حمد و مجد والا ہے۔
اس جگہ نبی کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام کو اہل البیت کے لفظ سے مخاطب کیا
گیا۔

پس آیت سے معلوم ہوا کہ ازواج النبی ﷺ کو یہ فضیلت بزرگ حاصل ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدۂ تطہیر فرمایا ہے۔
یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آل اور اہل دونوں لفظ ایک ہی ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے
کہ لفظ آل کی تصغیر اھیل آتی ہے۔ قرآن مجید کی آیت مذکورہ بالا میں اگرچہ اہل البیت
سے مراد بالخصوص ازواج النبی ﷺ ہیں۔ لیکن احادیث صحیحہ میں لفظ اہل یا آل زیادہ
وسیع معنی میں آیا ہے۔
(الف) یہ لفظ ازواج کے لیے بھی آیا ہے۔ (دیکھو ابو نعیم مجمر کی حدیث میں اللھم
صل علی محمد و علی ال محمد ہے اور ابو سعید ساعدی کی حدیث میں اللھم
صل علی محمد و علی ازواجه ہے۔
یعنی حدیث دوم حدیث اول کی تفسیر کرتی ہے۔
(ب) یہ لفظ جملہ بنو ہاشم و بنو مطلب کے لیے آیا ہے جن پر صدقہ کا لینا حرام ہے۔
حدیث میں ہے:

انها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد۔
صدقہ تو محمد اور آل محمد کو حلال نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسنین علیہما السلام کو بلایا اور ان کو
اپنی رانوں پر بٹھایا۔ پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے شوہر علی مرتضیٰ عنہ کو
اپنی گود سے قریب کیا اور ان پر چادر ڈال کر فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلِیْ۔ الٰہی یہ میرے
اہل ہیں۔“ پس تتبع آثار و احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے واضح ہوتا ہے

کہ بنو ہاشم و بنو مطلب بھی زیادہ وسیع معنی میں اور آل عباس بھی خاص معنی میں بروئے ارشادات نبوی داخل اہل بیت ہیں جیسا کہ ازواج النبی بروئے قرآن پاک مخاطبہ اہل بیت ہیں ان میں سے کسی ایک امر کا انکار احادیث سے ناواقفیت یا منطوق قرآن سے عدم مہارت پر دال ہے۔

فضیلت ہفتم:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَ اَزْوَاجُہٗ اُمَّہٰتُہُمْ (۳۳:۶)

مومنین پر نبی ان کی جانوں سے بڑھ کر ہے اور نبی کی ازواج مومنین کی مائیں ہیں۔

یہ روشن ہے کہ اَنْفُسِہِمْ اور اُمَّہٰتُہُمْ کی ضمیروں کا مرجع مومنین ہیں اور اسی لیے ازواج النبی ﷺ کا لقب امہات المومنین ہے نہ کہ امہات الامت وغیرہ[1] لفظ مومنین کے استعمال کا راز یہ ہے کہ مومن کے تمیز و مشخص کرنے کی علامات کو واضح کر دیا جائے۔ چنانچہ اس آیت میں دو علامتیں بتائیں۔

اول:۔ مومن وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی جان شیریں سے زیادہ محبوب رکھتا ہو اور حضور ﷺ کو جان سے بڑھ کر اولیٰ سمجھتا ہو۔

دوم:۔ مومن وہ ہے جو ازواج نبی ﷺ کو ماں جانتا ہو۔ وہ ماں نہیں جس سے جسم عنصری کا ظہور ہوا۔ بلکہ وہ ماں جس کی فرزندی کا شرف اس وقت نصیب ہوتا ہے۔ جب ولاء نبوی اور ایمان میں کمال حاصل ہوتا ہے۔

الغرض اس آیت میں ازواج مطہرات نبوی کی بہت بڑی فضیلت کا بیان ہے۔ ذرا غور کرو کہ کس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف و تعظیم کے ساتھ ساتھ ازواج النبی کی تجلیل و تکریم کو بیان فرمایا اور تکمیل ایمان کے لیے محض اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی

---

[1] امت میں شریر و منافق سب ہی شامل ہیں۔ ازواج مطہرات کو اس لیے امہات مومنین کہا کہ اشرار کو ان کی فرزندی کا شرف نہیں مل سکتا۔

بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ پر اختصار کر کے وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ کے اخبار واظہار کو حقوق نبی اور شرائط ایمان کے ساتھ مختتم کیا ہے۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

ماں کی فضیلت کے متعلق صحیح نسائی میں حدیث ہے۔

ان جابر رضی الله تعالیٰ عنه اتی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله اردت الغزو وقد جئت استشیرك فقال هل لك من ام قال نعم قال فالزمها فان الجنة عند رجلیها۔

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ارادہ جہاد کرنے کا ہے۔ میں اس بارہ میں حضور سے مشورہ لینے آیا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تیری کوئی ماں ہے وہ بولا ہاں فرمایا جا اس کی خدمت میں لگا رہ اس کے پاؤں کے ساتھ جنت ہے۔

فَاِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلَيْهَا۔ کا ترجمہ میرانیس نے کیا ہے:

کہتے ہیں ماں کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے

میرزا دبیر نے ترجمہ کیا:

تحت قدم والدہ فردوس بریں ہے

حدیث شریف کے درج کرنے کا مدعا یہ ہے کہ جب جسمانی ماں کی خدمت کا اس قدر اجر جلیل ہے تو ایمان کی خدمت کا اجر عظیم ہونا بھی یقینی ہو سکتا ہے۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

سچ ہے کہ ماں کا درجہ جاننے والے اور ماں کی خدمت کرنے والے تھوڑے ہیں۔

اس فصل کو اس وقت فضائل صدیقی پر ختم کیا جاتا ہے۔ تکمیل پھر کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

فصل سوم

ازواج مطہرات کے ساتھ نبی ﷺ کا حسن سلوک

حدیث میں ہے خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ بِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ بِاَھْلِیْ۔ سب لوگوں میں اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی (کنبہ) کے ساتھ اچھا ہے اور میں تم سب سے بڑھ کر اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک شوہر کے لیے ضروری بتایا کرتے تھے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ خوش مذاق ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول یہ تھا کہ جب گھر میں داخل ہوتے تو السلام علیکم خود فرمایا کرتے، رات کے وقت سلام ایسی آہستگی سے فرماتے کہ بیوی جاگتی ہو تو سن لے اور سوگئی ہو تو جاگ نہ پڑے۔

کھانے، پینے، مکان اور گذارا اور ملاقات میں ہر ایک بیوی کے ساتھ مساوی سلوک فرمایا کرتے عموماً بعد عصر ہر ایک کے مکان پر تشریف لے جا کر ان کی ضروریات کو معلوم فرماتے اور بعد نماز مغرب سب بیویاں سے ایک مکان میں مختصر ملاقات فرماتے۔ شب کو نوبت بہ نوبت ہر ایک کے گھر میں استراحت فرمایا کرتے۔

بیویوں کی سہیلیوں کی عزت فرمایا کرتے اور ان کے عزیز و اقارب کو حسن سلوک سے شاد کام رکھتے۔ سفر میں روانہ ہونے کے وقت قرعہ اندازی کی جاتی۔ جس بیوی کا نام نکلتا اسی کو ساتھ لیتے۔ ہر ایک بیوی کے رہنے کا مکان الگ تھا اور یہ سب مکان جن کو اللہ پاک نے حجرات اور بیوت النبی اور بیوتکن فرمایا ہے۔ باہم پیوستہ تھے مکان نہایت مختصر تھے۔ مثلاً عائشہ طیبہؓ کا حجرہ جس کا دریچہ مسجد نبوی کے اس حصہ پر کھلتا ہے جسے روضۃ من ریاض الجنۃ۔ خیابان جنت میں سے ایک چمن فرمایا گیا ہے۔ اس قدر تھا کہ جب نماز جنازہ مطہر کے لیے لوگ اندر داخل ہونے لگے تو دس

آدمیوں سے زیادہ کی اس میں گنجائش نہ تھی حجرات کے اندر سامان برائے نام ہوتا تھا۔ مثلاً حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں حضورؐ کے آرام فرمانے کے لیے ایک ٹاٹ کا ٹکڑا تھا جسے دوتہہ کر کے بچھا دیا گیا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر میں حضورؐ کا بستر چمڑے کا تھا۔ جس کے اندر کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔

ام سلمہؓ کو ام المومنین ہونے کے بعد ام المساکین زینبؓ کا گھر ملا تھا۔ ان کو اس گھر میں جو اثاث البیت نظر آیا وہ ایک چکی اور چند سیر جو تھے۔ ابن عباسؓ نے بتایا ہے کہ ان کی خالہ ام المومنین میمونہؓ کے گھر میں پانی ایک مشک میں ہوتا تھا۔ انسؓ نے نبی ﷺ کے ایک پیالہ چوبی کا ذکر کیا ہے۔ جسے مختلف اشربہ میں برتا جاتا تھا۔ فتح خیبر کے بعد نبی ﷺ نے ہر ایک بیوی کے لیے ۸۰ وسق کھجور کے اور ۲۰ وسق جو کے سالانہ مقرر کر دیے تھے۔ دودھ کے واسطے عموماً ہر ایک بیوی کو ایک ایک ناقہ شیر دار ملا کرتی تھی۔ ازواج مطہرات بھی ہر ایک شے میں مایحتاج رکھ کر باقی سب چیزوں کو رانڈوں، یتیموں پر خیرات کر دیا کرتی تھیں۔

باوجود اس قدر زہد و دنداری اور عطوفت کے نبی ﷺ کو یہ گوارا نہ تھا کہ کسی بیوی کے منہ سے اپنی سوت کی نسبت کوئی ایسا لفظ بھی نکلے جو ان کی شان بلند سے گرا ہوا ہو۔

ام المومنین زینبؓ بنت جحشؓ نے ایک بار ام المومنین صفیہؓ کو یہودن کہہ دیا۔ کچھ شک نہیں کہ ان کا نسب یہود ابن یعقوب تک منتہی ہوتا تھا۔ مگر کہنے کا انداز اور لہجہ حقارت آمیز تھا۔ اتنی بات پر حضورؐ کچھ عرصہ تک ام المومنین زینبؓ کے گھر نہ گئے۔ جب انہوں نے توبہ کی تو خطا بخشی ہوئی۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ چھوٹی سی بات یہودن کہنا بھی مرویات میں نقل کی گئی ہے تو ہم کو ازواج النبی ﷺ کی پاک زندگی کا صحیح تصور بندھ جاتا ہے۔ کیونکہ اس سے زیادہ کوئی بات سچ مچ بھی کہی گئی ہوتی تو وہ بھی ضرور روایت میں آ جاتی۔ الغرض یہ نبی ﷺ کے فیضان عالیہ کا اثر تھا کہ زوجات کو تاثرات طبعی وجنسی سے ارفع و اعلیٰ بنا کر

محبت صادقہ ایمانیہ میں منتقل وتحصر بنادیا تھا۔

اس راز کے سمجھنے سے وہ افراد قاصر ہیں جو تعلقات زوجین کی حقیقت صرف خواہشات طبعی کے نفاذ کو سمجھا کرتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں نے بہشت میں زن وشوہر کے زن وشوہر ہو کر رہنے سے انکار کیا ہے۔

ازواج النبیؐ کے نسب ناموں کا نسب نامہ نبویؐ سے قریب تر ہونا

چونکہ اکثر ازواج مطہرات کو نبی ﷺ کے ساتھ بہ اعتبار نسب بھی قرابت حاصل ہے اس لیے ایک نقشہ بنادیا گیا ہے تاکہ ہر ایک ام المومنین کی قرابت نسب کا حال بخوبی واضح ہو سکے۔

نقشہ عمود نسب نبی ﷺ اور اس کے ساتھ انساب امہات المومنین کا اتصال

				۲۰۔ معد بن عدنان				
				۱۹۔ نزار				
....	....	....	....	.... ۱۸۔ مضر				
عیلان				۱۷۔ الیاس				
قیس				۱۶۔ مدرکہ				
خصفہ				۱۵۔ خزیمہ				
عکرمہ				۱۴۔ کنانہ				
منصور				۱۳۔ نضر				
ہوازن				۱۲۔ مالک				
بکر				۱۱۔ فہر				
معاویہ				۱۰۔ غالب				
صعصعہ	عامر			۱۔ لؤی		....	....	عدی

حفصہؓ	عائشہؓ	خدیجۃ الکبریٰؓ	ام حبیبہؓ	محمد رسول اللہ ﷺ	ام سلمہؓ	سودہؓ	زینبؓ	میمونہؓ
رزاح			....	۸-کعب		عامر	دودان	عامر
قرط	تیم ..	.	.	۷-مرہ		حسل	غنم	ہلال
عبداللہ	سعد			۶-کلاب	یقظہ	مالک	کبیر	عبداللہ
ریاح	کعب	......	....	۵-قصی	مخزوم	نصر	مرہ	رویبہ
عبدالعزیٰ	عمرو		عبدشمس	۴-عبدمناف	عمرو	عبدود	صبرہ	ہزم
نفیل	عامر	عبدالعزیٰ	امیہ	۳-ہاشم	عبداللہ	عبدشمس	یعمر	بجیر
خطاب	ابوقحافہ عثمان	اسد	حرب	۲-عبدالمطلب	مغیرہ	قیس	رئاب	حزن
عمر	ابوبکر صدیق	خویلد	ابوسفیان صخر	۱-عبداللہ	ابوامیہ	زمعہ	جحش	حارث
حفصہؓ	عائشہؓ	خدیجۃ الکبریٰؓ	ام حبیبہؓ	محمد رسول اللہ ﷺ	ام سلمہؓ	سودہؓ	زینبؓ	میمونہؓ

امہات المومنینؓ کا مہر:

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

"کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ نہیں تھا۔"[2]

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن کہتے ہیں میں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کا مہر کتنا تھا۔ انہوں نے فرمایا:

ثنتي عشرة اوقية ونشا۔

یعنی ۱۲ اوقیہ اور نش۔

فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ نش کیا ہے؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ سیدہ نے فرمایا نصف اوقیہ۔ پس یہ پانچ سو درہم رسول اللہ ﷺ کی ازواج کا مہر تھا۔[3]

۱۔ رحمۃ للعالمین ج ۲ ص ۱۲۱ تا ص ۱۲۴۔

۲۔ ترمذی شریف ج ۱ ص ۲۱۳، دارمی ج ۲ ص ۹۵، ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۸۔

۳۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۸ کتاب النکاح باب الصداق، سنن دارمی ج ۲ ص ۹۵، ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۹ کتاب النکاح باب الصداق۔

مفتی رشید احمدؒ لکھتے ہیں۔

"امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے مہر سے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک میں ۴۸۰ درہم ۱۳۴۴۶ و اکنو چاندی سے زیادہ کی نفی ہے اور دوسری میں ۵۰۰ درہم ۱۵۰۰ و اکنو چاندی کا اثبات ہے۔ دونوں روایتوں میں صورت تطبیق یہ ہے کہ دراصل ساڑھے بارہ اوقیہ تھا ہے۔ اسی کو پہلی روایت میں نصف اوقیہ کی کسر حذف کرکے بارہ اوقیہ کہا گیا ہے۔ بصورت ترجیح بھی بوجوہ ذیل ساڑھے بارہ اوقیہ ۵۰۰ درہم کی روایت راجح ہے۔[1]

امام نوویؒ المتوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں۔

حدیث کی رو سے پانچ سو درہم حق مہر مستحب ہے۔ بشرطیکہ اس کی ادائیگی کی استطاعت حاصل ہو۔[2]

علامہ شوکانی المتوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی تمام ازواج کا مہر پانچ سو درہم نہیں تھا۔ جیسا کہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر شاہ حبشہ نے آپ کی طرف سے ادا کیا جس کی مقدار ابن اسحاق نے ابو جعفر کی روایت کے مطابق چار سو دینار بیان کی ہے اور طبرانی نے حضرت انسؓ کی روایت سے دو سو دینار بتاتے ہیں لیکن اس کی اسناد ضعیف ہیں۔[3]

محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے۔

ان صداقه لا كثر ازواجه اربع مائة درهم۔[4]

رسول اللہ ﷺ کی اکثر بیویوں کا مہر چار سو درہم تھا۔

سیدہ ام حبیبہؓ کا مہر:

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۵ ص ۳۴ [2] حاشیہ مسلم ج ۱ ص ۴۵۸۔

[3] نیل الاوطار ج ۶ ص ۳۱۲۔ فتح الملہم ج ۳ ص ۴۸۴۔

[4] سیرۃ الحلبیہ ج ۳ ص ۴۲۳، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۴۶۰ بحوالہ ازواج النبی ص ۲۱

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزوج ام حبیبۃ وانہا بارض الحبشۃ زوجہا ایاہ النجاشی و مہرہا اربعۃ الاف ثم جہزہا من عندہ وبعث بہا الی رسول اللہ ﷺ مع شرحبیل ابن حسنۃ وجہازہا کلہ من عند النجاشی ولم یرسل الیہا رسول اللہ ﷺ بشیء وکان مہور ازواج النبی ﷺ اربعمائۃ درھم۔[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ام حبیبہؓ سے نکاح کیا۔ جبکہ وہ ملک حبشہ میں تھیں شاہ حبشہ نے ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا وہ چار ہزار حق مہر انہیں ادا کیا' پھر ان کو رخصت کرنے کے لئے سامان تیار کیا اور شرحبیل بن حسنہ کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیں اور سارا جہیز وسامان نجاشی نے اپنی طرف سے دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف کوئی چیز نہیں بھیجی۔ اور رسول اللہ ﷺ کی باقی بیویوں کا مہر چار سو درہم تھا۔

امام ابی بکر احمد بن الحسین ابن علی البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ اس طرح روایت نقل کرتے ہیں۔

عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت ما اصدق رسول اللہ ﷺ احدا من نسائہ ولا بناتہ فوق اثنتی عشر اوقیۃ الا ام حبیبۃ فان النجاشی زوجہ ایاہا واصدقہا اربعۃ الاف ونقد عنہ۔ ودخل بہا النبی ﷺ ولم یعطہا شیئا۔[2]

ترجمہ: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بھی بیوی اور کسی بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ نہیں تھا۔ لیکن ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح نجاشی نے

---

[1] مسند امام احمد ج ۶ ص ۴۲۷۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۱۲
[2] سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۳۴

رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا۔ بادشاہ نے چار ہزار نقد اپنے پاس سے ادا کئے تھے اور سیدہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آ گئیں اور آپ نے انہیں کچھ بھی نہیں دیا تھا (یعنی مہر آپ نے نہیں دیا)

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بادشاہ نجاشی نے سیدہ ام حبیبہؓ کا مہر دو سو دینار ادا کئے تھے۔[1]

ابوداؤد ج ا ص ۲۰۹ کتاب النکاح باب الصداق میں بھی یہ الفاظ ہیں۔

" وامهرها عنه اربعة الاف"

یعنی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے انہیں چار ہزار درہم مہر دیا۔

البتہ زہری کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔

"ان النجاشي زوج ام حبيبة بنت ابي سفيان من رسول الله ﷺ على صداق اربعة الاف درهم۔[2]

محمد بن اسحاق ابوجعفر سے روایت کرتے ہیں کہ نجاشی نے ام حبیبہؓ کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے چار سو دینار پر کیا تھا۔[3]

علامہ شوکانی المتوفی ۱۲۵۵ھ

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

" ظاهر ان زوجات النبي ﷺ كلهن كان صداقهن ذلك المقدار' وليس الامر كذلك۔ وانما هو محمول على الاكثر۔ فان ام حبيبة اصدقها النجاشي عن النبي ﷺ المقدار المتقدم۔ وقال ابن اسحق عن ابي جعفر اصدقها اربعمائة دينار' اخرجه ابن ابي شيبة من طريقه۔ واخرج

---

[1] مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۸۴ باب الصداق۔ حدیث نمبر ۷۴۹۳ کا طبرانی اسناد حدیث نمبر ۱۴۵۰۔

[2] ابوداؤد ج ا ص ۲۰۹۔

[3] مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۱۹ کتاب النکاح باب من کان یجعل المال۔

طبرانی عن انس انه اصدقها مائتی دینار۔ واسنادہ ضعیف۔ وصفیةؓ کان عتقها صداقها وخدیجةؓ وجویریةؓ لم یکونا کذلک کما قال الحافظ۔[1]

ترجمہ: ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تمام بیویوں کا مہر پانچ سو درہم اور یکساں نہیں تھا۔ البتہ زیادہ تر ازواج کا مہر یہی تھا۔ پس ام حبیبہؓ کا مہر شاہ نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے خود ادا کیا تھا۔ اور ابن اسحاق ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ ام حبیبہؓ کا مہر چار سو دینار تھا اسے ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے۔ اور طبرانی نے حضرت انسؓ سے دو سو دینار مہر بیان کیا ہے۔ لیکن وہ روایت ضعیف ہے اور حضرت صفیہؓ کا مہر ان کی آزادی تھی۔ اسی طرح حضرت خدیجہؓ اور حضرت جویریہؓ کا مہر بھی پانچ سو درہم میں تھا۔

امام حاکم المتوفی ۴۰۵ھ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی روایت ازواج مطہرات کے مہر کے متعلق نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

هذا حدیث صحیح الاسناد و علیه العمل وانما اصدق النجاشی ام حبیبة اربعمائة دینار استعمالا لاخلاق الملوک فی المبالغة فی الصنائع لا ستعانة النبی ﷺ به فی ذالک۔[2]

ترجمہ: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور اسی پر عمل بھی ہے اور جو نجاشی نے سیدہ ام حبیبہ کا چار سو دینار مہر ادا کیا۔ وہ بادشاہوں کے بلند اخلاق کے اور ان کے کارناموں میں مبالغہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہ سب کچھ حضور انور ﷺ کی عزت افزائی اور تعاون کے لئے کیا ہے۔

علامہ خلیل احمد سہارنپوری المتوفی ۱۳۴۶ھ ابوداؤد شریف کی روایت کی تشریح

---

[1] بذل المجہود ج ۳ ص ۳۱۲، ص ۳۱۳۔

[2] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۸۲۔

میں لکھتے ہیں۔

واما مہرام حبیبة بنت سفیانؓ فکان اربعة الاف درھم او اربعة مائة دینار' ولکن ما اصدقہا رسول اللہ ﷺ بل اصدقہا النجاشی واداھا من عندہ[1]

ترجمہ: ام حبیبہ بنت ابوسفیانؓ کا مہر چار ہزار درہم یا چار سو دینار تو یہ مہر رسول اللہ ﷺ نے مقرر نہیں فرمایا تھا۔ بلکہ بادشاہ نجاشی نے مقرر کیا اور خود ادا کیا تھا۔

علامہ موصوف مزید لکھتے ہیں۔

ان صداق ام حبیبةؓ کانت اربعة الاف درھم' فانہ مستثنی من قول عمرؓ لانہ اصدقہا النجاشی بارض الحبشة من غیر تعین النبی ﷺ[2]

ترجمہ: حضرت ام حبیبہؓ کا مہر چار ہزار درہم تھا۔ مگر یہ مقدار حضرت عمرؓ کی بیان کردہ مقدار (پانچ سو درہم) سے مستثنیٰ ہے۔ اس لئے کہ یہ مقدار مہر بادشاہ حبشہ نے ملک حبشہ میں رسول اللہ ﷺ کی تعین کے بغیر خود مقرر کی تھی۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ المتوفی ۱۳۶۹ھ شرح مسلم میں لکھتے ہیں۔

ان ھذا المقدار تبرع بہ النجاشی من مالہ' اکراماً للنبی ﷺ لا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اداہ او عقد بہ' واللہ اعلم۔[3]

ترجمہ: مہر کی یہ مقدار بادشاہ نجاشی نے اپنے مال میں سے ایک ہدیہ پیش کیا تھا۔ جو رسول اللہ ﷺ کی عزت افزائی اور تکریم کے لئے تھا'

---

[1] بذل المجہود ج ۳ ص ۱۰۔ [2] بذل المجہود ج ۳ ص ۱۰۔
[3] فتح الملہم ج ۳ ص ۴۶۸۔

رسول اللہ ﷺ نے نہ تو مہر کی مذکورہ رقم ادا فرمائی اور نہ ہی اس مہر کے عوض نکاح فرمایا تھا۔

مذکورہ روایات میں مہر کی جو مقدار بیان ہوئی ہے وہ بادشاہ حبشہ نے اپنی خوشی سے مقرر کی اور خود ادا کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ مقدار نہ تو خود مقرر فرمائی تھی اور نہ ہی اس پر اعتراض فرمایا' اس لئے سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ فرمان کہ ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کا مہر بارہ یا ساڑھے بارہ اوقیہ سے زیادہ نہیں۔ اس مقدار کی نفی پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ سیدہ ام حبیبہ کا مہر اس سے مستثنیٰ ہے۔

مہر کی شرعی مقدار:

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی المتوفی ۱۳۶۹ھ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ سے نقل کرتے ہیں۔

"زمانہ جاہلیت میں لوگ مہر کے بغیر نکاح نہیں کرتے تھے' اس میں کئی مصلحتیں تھیں ایک یہ کہ نکاح کا فائدہ تب ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک دائمی معاونت و رفاقت کے لئے دل سے آمادہ ہو۔ عورت کی طرف سے یہ چیز اپنی عصمت کی سپردگی سے حاصل ہوتی ہے' اور مرد کا ہاتھ نکاح میں چونکہ بعید اوپر ہوتا ہے لہذا لازم آیا کہ وہ مال خرچ کر کے اپنی آمادگی ثابت و ظاہر کرے۔ مرد کے ہاتھ میں مال ہی ایک ایسی چیز ہے جو شدید حرص و بخل کا باعث ہے۔ جب وہ اسے فراخ دلی سے حسب توفیق دے ڈالے' تو گویا اس نے بخوشی اس عورت کے ساتھ زندگی گزارنے اور معاشرتی مصالح کے حصول کے لئے اپنی آمادگی ظاہر کر دی۔ اس سے عورت کے اولیاء کی خوش دلی کا بھی سامان ہو جاتا ہے۔ جنہوں نے اپنے لخت جگر اور عصمت کو اس مرد کے حوالے کیا ہوتا ہے۔ یہی سبب تھا کہ حضور انور ﷺ نے اس رسم مہر کو علی حالہ باقی رکھا[1]

[1] فتح الملہم ج ۳ ص ۴۸۲۔

اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے۔

اِنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ۔

اس آیت مبارکہ میں مہر کو لازمی قرار دیا گیا ہے اور اس سے عورت کی عظمت و شرافت کو اجاگر کرتا ہے۔ثم المهر واجب شرعاً لشرف المحل۔ (البحرالرائق ج ۳ ص ۱۵۲)[1]

اگرچہ مہر کی قلیل اور کثیر مقدار کا تعین نہ تو حضور انور ﷺ نے فرمایا ہے اور نہ ہی اسلامی اصولوں کے مطابق اس کا تعین ممکن ہے۔ البتہ احادیث و آثار کی روشنی میں بعض ائمہ مذاہب کے نزدیک اقل مقدار دس درہم قرار پائی ہے لیکن زیادہ سے زیادہ کی مقدار کوئی بھی مقرر نہیں۔

چنانچہ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ کم از کم مہر کی مقدار دس درہم ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا مهر اقل من عشرة دراهم۔[2]

ترجمہ: دس درہم سے کم مہر نہیں ہوتا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا صداق دون عشرة دراهم۔[3]

ترجمہ: مہر دس درہم سے کم نہیں ہے۔

اور ارشاد ربانی ہے:

واتيتم احداهن قنطارا[4]

"اور اگر تم نے انہیں خزانہ دیا۔"

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۶ ص ۲۰۹۔

[2] دارقطنی ج ۳ ص ۲۴۵ کتاب النکاح باب المہر۔

[3] دارقطنی ج ۳ ص ۲۴۵۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جتنی حیثیت ہو یا عرف کے مطابق زیادہ مقرر کرنا بھی جائز ہے۔

امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا اور چالیس ہزار درہم مہر ادا کیا گیا۔

عن زید بن اسلم عن ابیہ ان عمر اصدق ام کلثوم ابنة علی اربعین الف درہم۔[1]

حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عورت سے بیس ہزار درہم میں نکاح فرمایا۔[2]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے بھائی حضرت عبید اللہؓ کے بیٹوں کے نکاح دس ہزار درہم میں کئے۔[3]

حضرت حسن بن علی نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اسے مہر میں ایک سو لونڈیاں دیں اور ہر ایک لونڈی کے پاس ایک ایک ہزار درہم تھے۔

پھر اس عورت کو طلاق دے دی اور بنی تمیم کی ایک عورت سے نکاح کیا اور اسے ایک لاکھ درہم مہر ادا کیا۔[4]

اسی طرح مصعب بن الزبیر نے عائشہ بنت طلحہ سے ایک لاکھ درہم مہر کے عوض نکاح کیا تھا۔[5]

سیدنا عمرؓ کی تقریر:

امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

”خبردار۔ عورتوں کے مہر میں غلو نہ کرو کیونکہ اگر وہ دنیا میں عزت کا باعث

---

1. سنن الکبریٰ بیہقی ج ۷ ص ۲۳۳ ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۸۹۔
2. سنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۳۳ شرح مہذب ج ۱۸ ص ۸۔
3. شرح مہذب ج ۱۸ ص ۸۔ 4. ایضاً 5. ایضاً

ہوتا یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ کا سبب ہوتا۔ تو تم سب سے زیادہ اس کے حقدار حضور انور ﷺ تھے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں میں سے کسی کا حق مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ نہیں دیا اور آپ کی بیٹیوں میں سے کسی کو اس سے زیادہ مہر نہ دیا گیا۔[1]

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد مہر میں غلو اختیار کرنے سے روکنا تھا اور ان کا نظریہ بالکل درست تھا اور دلیل بھی برمحل اور عمدہ تھی۔[2]

امام ابوبکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ اس طرح روایت کرتے ہیں۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

لوگو! عورتوں کے مہر بہت زیادہ نہ مقرر کرو۔ تحقیق رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ چار سو درہم مہر رکھتے تھے۔ مجھے معلوم نہیں کہ کسی نے اس سے زیادہ مہر ادا کیا ہو۔ اگر زیادہ مہر مقرر کرنا کوئی تقویٰ یا عزت کی بات ہوتی تو تم لوگ ان حضرات سے سبقت نہ لے جا سکتے۔

اس پر ایک قریشی خاتون نے کہا اے امیر المومنین! کیا آپ نے لوگوں کو منع کیا ہے کہ چار سو درہم سے زیادہ مہر مقرر نہ کریں؟ انہوں نے فرمایا۔ جی ہاں۔ اس خاتون نے کہا۔ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا فرمان جو قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔ نہیں سنا؟ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ وہ حکم کون سا ہے؟ اس خاتون نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۚ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا[3]

ترجمہ: اور اگر تم نے کسی بیوی کو مہر میں خزانہ دے دیا۔ تو دیا ہوا مال واپس نہ لو۔ کیا اس مال کو باطل طور پر اور کھلے گناہ کا ارتکاب کر کے لو گے۔

---

[1] ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۸ کتاب النکاح باب الصداق۔ مسند امام احمد ج ۱ ص ۴۱۔ سنن کبریٰ بیہقی ج ۷ ص ۲۳۴۔

[2] فتح المعبود شرح سنن ابی داؤد ج ۳ ص ۳۰۶۔ [3] سورۂ نساء ۲۰

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اللہ معاف فرمائے۔ تمام لوگ عمر سے زیادہ سمجھدار ہیں۔ آپ دوبارہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا:

لوگو! میں نے تمہیں کہا تھا کہ عورتوں کا مہر چار سو درہم سے زیادہ مقرر نہ کرو لیکن جو آدمی جتنا ادا کر سکتا ہے مقرر کرے۔[1]

علامہ شوکانیؒ المتوفی ۱۲۵۵ھ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأۃ میں ہے۔

فقال عمر امرأۃ خاصمت عمر فخصمتہ۔

اور زبیر بن بکار کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔

"امرأۃ اصابت و رجل اخطأ"[2]

مفتی عزیز الرحمٰنؒ لکھتے ہیں۔

"مہر شرعی کی کم از کم مقدار دس درہم ہیں۔ جو قریب پونے تین تولے کے ہوتے ہیں۔ اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ مفتی علامؒ نے پونے تین تولے دس درہم کی قیمت ۱۳۳۲ھ میں لکھی تھی۔ جبکہ ۱۳۹۱ھ میں چاندی سات روپے تولہ ہے۔ اس حساب سے دس درہم کی قیمت اٹھارہ سوا اٹھارہ روپے ہوگی۔ جس طرح چاندی کی قیمت بڑھے گی روپے کی مقدار بھی زیادہ ہوگی۔"[3] اس زمانہ میں ۱۴۲۲ھ چاندی تقریباً ایک سو روپیہ تولہ ہے۔ تو اس طرح مہر شرعی تقریباً پونے تین سو روپیہ ہوگا۔ (مولف)

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ:

مفتی عزیز الرحمٰنؒ مفتی دارالعلوم دیوبند ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

اس میں شک نہیں ہے کہ مہر کا کم ہونا بہتر ہے اور حیثیت سے زیادہ ہونا تو کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

---

[1] مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۸۳ حدیث نمبر ۷۵۰۱۔

[2] نیل الاوطار ج ۶ ص ۳۱۴۔

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۸ ص ۳۰۸۔

حضرت عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں۔

الا لا تغالوا صداقة النساء فانها لو كانت مكرمة في الدنيا و تقوى عند الله لكان اولكم بها نبي الله ﷺ ما علمت رسول الله ﷺ نكح شيئا من نسائه ولا انكح من بناته على اكثر من اثنتي عشرة اوقية۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ ازواج مطہرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مہر بارہ اوقیہ یعنی ۴۸۰ درہم ہونا معلوم ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں ساڑھے بارہ اوقیہ وارد ہیں۔ جس کے پانچ سو درہم ہوتے ہیں۔ اور یہ باعتبار اکثر ازواج کے ہے۔ کیونکہ حضرت ام حبیبہ زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مہر چار ہزار درہم تھا۔

حضرت ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرمایا۔ کہ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ حضرت عمرؓ کا مہر کی مقدار زیادہ بڑھانے سے منع فرمانا آیت کریمہ و اٰتیتم احدٰھن قنطاراً کے منافی معلوم ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت سے جواز مہر کی زیادتی کا معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو یہاں تک کہ خزانہ ہو اور حضرت عمرؓ کے ارشاد سے فضیلت کمی مہر کی معلوم ہوتی ہے۔ پس کچھ تعارض نہ رہا کیونکہ حاصل یہ ہوا کہ اگرچہ مقدار کثیر مہر کی مقرر کرنا جائز اور درست ہے لیکن افضل اور بہتر یہ ہے کہ مقدار مہر کی کم ہو۔

پس یہی جواب صورت مسئولہ میں ہے کہ چالیس ہزار روپیہ یا اس سے بھی زیادہ مہر مقرر کرنا جائز ہے اگرچہ حیثیت شوہر اس قدر نہ ہو اور ادا کرنا دشوار معلوم ہو اور نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ لیکن افضل اور بہتر اور موافق سنت کے یہ ہے کہ مہر کی مقدار کم ہو اور حیثیت سے زیادہ تو کسی طرح نہ ہو۔[۱]

---

۱ ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ، بحث ج ۶ ص ۲۷۶، ص ۲۷۷۔

مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔ لہٰذا چار سو مثقال چاندی کی مقدار ایک سو پچاس تولہ چاندی ہوتی ہے۔

مظاہر حق میں ہے "اور مہر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا چار سو مثقال چاندی کا ہے جس کے ڈیڑھ سو روپیہ (یعنی تولہ) ہوئے۔" (مظاہر حق ج ۳ ص ۱۲۵ کتاب النکاح باب الصداق)

(اس زمانہ میں روپیہ چاندی کا ہوتا تھا اور اس کا وزن تقریباً ایک تولہ ہوتا تھا اس لئے ڈیڑھ سو روپیہ یعنی ڈیڑھ سو تولہ ہوا)۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مدظلہم کا فتویٰ

سوال: حضرت فاطمہؓ کا مہر کتنا تھا جس کو مہر فاطمی کہتے ہیں؟

جواب: ۴۰۰ مثقال جو کہ ہمارے حساب سے ڈیڑھ سو تولہ چاندی ہے۔

(ماہنامہ نظام جولائی ۱۹۶۵ء مطابق ربیع الاول ۱۳۸۵ھ ص ۴۰ باب الاستفسار)

حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری مدظلہ تحریر فرماتے ہیں۔

"مہر فاطمی کی مقدار چار سو مثقال وارد ہے' مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہے لہٰذا کل وزن ۱۵۰ تولہ ہوا' اور اتنی چاندی کی قیمت مروجہ دیکھنی چاہئے۔" (انوار الباری شرح صحیح بخاری اردو ج ۴ ص ۹۱)

حضرت مولانا صدیق احمد باندوی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت فاطمہؓ کا مہر ڈیڑھ سو تولہ چاندی تھی۔" (فضائل نکاح ص ۳۱ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ ہتھورہ ضلع باندہ)

حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی مدظلہ' استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت فاطمہؓ کے مہر کی صحیح مقدار:

"حضرت فاطمہؓ کا مہر راجح یہ ہے کہ چار سو مثقال چاندی مقرر کیا گیا

تو ا جس کا وزن تقریباً ۱۵۰ تولہ ہوتے ہیں۔'' (معاشرتی مسائل دین فطرت کی روشنی میں ص ۳۰۵ مطبوعہ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ)

مہر فاطمی کی مقدار میں (تولہ کے اعتبار سے) دیگر اقوال بھی ہیں چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

''اور مہر فاطمی جس کی مقدار منقول پانچ سو درہم (کما فی عامۃ روایات الحدیث) اس کی مقدار تولہ کے حساب سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ ہوتی ہے۔'' (اوزان شرعیہ ص ۱۰ (جواہر الفقہ ج ۱ ص ۴۲۳)

اور آپ ہی کا دوسرا فتوی یہ ہے۔

''مہر فاطمی کی مقدار پانچ سو درہم ہے جس کا وزن رائج الوقت ایک سو چھیالیس تولہ دس ماشہ ہوا۔'' (فتاویٰ دارالعلوم امداد المفتین ج ۳-۴ ص ۲۰۰ تحت الا صورتی مقدار المہور) مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند۔

یہ تین اقوال ہیں ان میں سے جس پر عمل کرنا چاہے کر سکتا ہے مگر بہتر اور احتیاط اس میں ہے کہ ایک سو بچاس تولہ چاندی مہر مقرر کی جائے (اور آج کل کے نئے تول کے اعتبار سے ایک تولہ ۱۱.۶۶۳ گرام کا ہوتا ہے تو ۱۵۰ تولہ کے تقریباً ۱۷۰۰ گرام ۹.۴۹ گرام ہوتے ہیں جسے پورا کر کے ۱۷۵۰ گرام شمار کئے جائیں) اگر مہر میں ۱۵۰ تولہ چاندی (یا آج کے نئے تول کے اعتبار سے ۱۷۵۰ گرام چاندی) مقرر کی جائے تو بہتر ہے۔

علامہ لدھیانوی شہید کی توضیح

علامہ محمد یوسف لدھیانوی شہید نے مہر کے مسئلہ کو تفصیل سے ذکر فرمایا اور اس سلسلہ میں پائی جانے والی کوتاہیوں کو اچھی طرح اجاگر کیا ہے۔ جسے اختصار کے ساتھ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

بیوی کے حقوق میں سب سے پہلا حق مہر ہے۔ جو شوہر کے ذمہ لازم ہوتا

۱۔ فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۲۹۲ تا ص ۲۹۵

ہے۔ ہمارے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم (تقریباً دو تولے ساڑھے سات ماشے چاندی) ہے۔ اور زیادہ مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں۔ حسب حیثیت جتنا مہر چاہیں رکھ سکتے ہیں۔ یوں تو کوئی نکاح مہر کے بغیر نہیں ہوتا لیکن اس بارے میں بہت سی کوتاہیاں اور بے احتیاطیاں سرزد ہوتی ہیں۔

۱۔ ایک کوتاہی لڑکی کے والدین اور اس کے عزیز و اقارب کی جانب سے ہوتی ہے کہ مہر مقرر کرتے وقت لڑکے کی حیثیت کا لحاظ نہیں رکھتے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ مقدار مقرر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بسا اوقات اس میں تنازع اور جھگڑے کی شکل بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر بعض موقعوں پر یہ بھی دیکھا گیا ہے۔ کہ اسی جھگڑے میں شادی رک جاتی ہے۔ لوگ زیادہ مہر مقرر کرنے کو فخر کی چیز سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ جاہلیت کا فخر ہے۔ جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ ورنہ اگر مہر کا زیادہ ہونا شرف وسیادت کی بات ہوتی۔ تو آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات اور آپ کی صاحب زادیوں کا مہر زیادہ ہوتا۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اپنی کسی بیوی کا اور کسی صاحب زادی کا مہر پانچ سو درہم سے زیادہ مقرر نہیں کیا۔ پانچ سو درہم کی ایک سو اکتیس تولے تین ماشے (۱۳۱-۱/۴) چاندی بنتی ہے۔ اگر چاندی کا بھاؤ پچاس روپے تولہ ہو تو پانچ سو درہم یعنی ۱۳۱-۱/۴ تولے چاندی کے چھ ہزار پانچ سو ترسٹھ (۶۵۶۳) روپے بنتے ہیں۔ (بھاؤ کی کمی بیشی کے مطابق اس مقدار میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ بہرحال ۱۳۱-۱/۴ تولے چاندی کا حساب رکھنا چاہئے) اسی کو "مہر فاطمی" کہا جاتا ہے۔ بعض اکابر کا معمول رہا ہے کہ اگر ان سے نکاح پڑھانے کی فرمائش کی جاتی تو فرماتے کہ اگر "مہر فاطمی" رکھو تو نکاح پڑھائیں گے ورنہ کسی اور سے پڑھوالو۔ الغرض مسلمانوں کے لئے آنحضرت ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہی لائق فخر ہونا چاہئے اور مہر کی مقدار اتنی رکھنی چاہئے جتنی آنحضرت ﷺ نے اپنی مقدس ازواج اور پیاری صاحب زادیوں کے لئے رکھی۔ آپ ﷺ سے بڑھ کر کس کی عزت ہے؟ گو اس سے زیادہ مہر رکھنے میں بھی کوئی گناہ نہیں لیکن زیادتی کو فخر کی چیز سمجھنا، اس پر جھگڑے کھڑے کرنا

اور باہمی رنجش کی بنیاد بنالینا جاہلیت کے جراثیم ہیں جن سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے۔

۲- ایک کوتاہی بعض دیہاتی علاقوں میں ہوتی ہے کہ سوا بتیس روپے مہر کو "شرع محمدی" سمجھتے ہیں حالانکہ یہ مقدار آج کل مہر کی کم سے کم مقدار بھی نہیں بنتی۔ مگر لوگ اسی مقدار کو "شرع محمدی" سمجھتے ہیں جو بالکل غلط ہے۔ خدا جانے یہ غلطی کہاں سے چلی ہے لیکن افسوس ہے کہ "میاں جی" صاحبان بھی لوگوں کو مسئلہ سے آگاہ نہیں کرتے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم یعنی ۲ تولے ۱/۲-۷ ماشے چاندی ہے۔ جس کے آج کے حساب سے تقریباً ایک سو اکتیس (۱۳۱) روپے بنتے ہیں۔ اس سے کم مہر مقرر کرنا صحیح نہیں اور اگر کسی نے اس سے کم مقرر کرلیا تو دس درہم کی مالیت مہر واجب ہوگا۔

۳- ایک زبردست کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ مہر ادا کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ بلکہ رواج یہی بن گیا ہے کہ بیویاں حق مہر معاف کردیا کرتی ہیں۔ یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ بیوی کا مہر بھی شوہر کے ذمہ اسی طرح کا ایک قرض ہے جس طرح دوسرے قرض واجب الادا ہوتے ہیں۔ یوں تو اگر بیوی کل مہر یا اس کا کچھ حصہ شوہر کو معاف کردے تو صحیح ہے لیکن شروع ہی سے اس کو واجب الاداء نہ سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ "جو شخص نکاح کرے اور مہر ادا کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو وہ زانی ہے۔"

۴- ہمارے معاشرے میں جو اور بہت سی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ عورتوں کے لئے مہر لینا بھی عیب سمجھا جاتا ہے۔ اور میراث کا حصہ لینا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے وہ چاروناچار معاف کردینا ہی ضروری سمجھتی ہیں۔ اگر نہ کریں تو معاشرے میں "نکو" سمجھی جاتی ہیں۔ دیندار طبقے کا فرض ہے کہ اس معاشرتی برائی کو مٹائیں اور لڑکیوں کو مہر بھی دلوائیں اور میراث کا حصہ بھی دلوائیں۔ اگر وہ معاف کرنا چاہیں تو ان سے کہہ دیا جائے کہ وہ پہلے حق وصول کرلیں اور کچھ عرصہ تک اپنے تصرف میں رکھنے کے بعد اگر چاہیں تو واپس لوٹا دیں۔ اس سلسلے میں ان پر قطعاً

جبر نہ کیا جائے۔

۵- مہر کے بارے میں ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے اگر بیوی مر جائے اور اس کا مہر ادا نہ کیا ہو تو اس کو ہضم کر جاتے ہیں۔ حالانکہ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر خانہ آبادی سے اور میاں بیوی کی یکجائی سے پہلے بیوی کا انتقال ہو جائے تو نصف مہر واجب الادا ہوگا اور اگر میاں بیوی کی خلوت صحیحہ کے بعد اس کا انتقال ہوا ہو تو پورا مہر ادا کرنا واجب ہوگا اور یہ مہر بھی اس کے ترکہ میں شامل ہو کر اس کے جائز ورثاء پر تقسیم ہوگا۔ اس کا مسئلہ علماء سے دریافت کر لینا چاہئے۔

ہمارے یہاں یہ ہوتا ہے کہ اگر لڑکی کا انتقال سسرال میں ہوا تو اس کا سارا اثاثہ ان کے قبضہ میں آ جاتا ہے اور وہ لڑکی کے وارثوں کو کچھ نہیں دیتے اور اگر اس کا انتقال میکے میں ہو تو وہ قابض ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور شوہر کا حق دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ حالانکہ مردے کے مال پر ناجائز قبضہ جمالینا بڑی بُری ہوتی بات بھی ہے اور ناجائز مال ہمیشہ نحوست اور بے برکتی کا سبب بنتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات دوسرے مال کو بھی ساتھ لے ڈوبتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عقل و ایمان نصیب فرمائے اور جاہلیت کے غلط رسوم و رواج سے محفوظ رکھے۔[1]

بتیس روپے مہر بے اصل ہے:

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید فرماتے ہیں بتیس روپے مہر شرعی نہیں ہے۔

س: جب محفل نکاح منعقد ہوتی ہے تو مولوی صاحب جو نکاح خواں ہوتے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ حق مہر کتنا مقرر کیا جائے؟ اس وقت حاضرین ورثاء عموماً یہ کہتے ہیں کہ مہر شرعی مقرر کر دو تو مہر شرعی محمدی بتیس روپے دس آنے دس پیسے مقرر کیا جاتا ہے۔ کیا شرعی مہر اتنا ہی ہوتا ہے؟

ج: بتیس روپے کو شرعی مہر سمجھنا بالکل غلط ہے۔ مہر کی کم سے کم مقدار دو تولے

---

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۵ ص ۱۴۹ تا ص ۱۵۱۔

ہو، جس سے سرقہ والی شے چرائی ہے۔ اس قدر قلیل سے کم مہر رکھنا درست نہیں۔[1]

مہر معجل اور مؤجل کی تصریح:

مفتی اعظم مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مہر معجل اور مؤجل کے جو معنی لغوی ہیں وہی شرعی ہیں۔ یعنی مہر معجل وہ ہے جو فی الحال دیا جائے۔ یا فی الحال دیا جانا اس کا مقرر کیا جائے اور مؤجل وہ ہے کہ اس کی کچھ مدت معین ہو۔

مہر مؤجل کے وصول کا وقت فقہاء نے موت یا طلاق لکھی ہے۔ یعنی جبکہ مہر مؤجل کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کیا گیا۔ تو بوقت فرقت (جدائی) وصول ہو سکتا ہے۔ خواہ فرقت طلاق سے ہو یا موت سے۔[2]

اگر مہر معجل ہے تو عورت فی الحال اس کا مطالبہ کر سکتی ہے اور شوہر کو وطی سے منع بھی کر سکتی ہے۔

اگر شوہر مہر معجل یکمشت دینے کی طاقت نہیں رکھتا تو بالاقساط ادا کیا جائے گا۔[3]

مفتی اعظم ہند مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۷۲ھ (۱۹۵۲ء) لکھتے ہیں:

۱۔ مہر معجل وہ ہے کہ بوقت نکاح فوراً ادا کر دیا جائے یا فوراً ادائیگی کی شرط کر لی جائے۔

۲۔ مہر مؤجل وہ ہے کہ اس کی ادائیگی کی کوئی اجل یعنی مدت مانی گئی ہو۔ اگر مدت معین معلوم ہو تو تاریخ مثلاً اس برس میں ادا کیا جائے گا۔ یا اس برس میں ایک دفعہ یا قسط وار۔

۳۔ مہر عند الطلب درحقیقت کوئی قسم نہیں ہے۔ بلکہ یہ مہر معجل میں داخل ہے۔

1۔ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۴ ص ۱۵۵ بحوالہ فتاویٰ ج ۲ ص ۲۸۲

2۔ فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۸ ص ۲۱۹

3۔ فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۸ ص ۲۲۲

جس کے مطالبہ کو فوراً عمل میں لانے سے زوراً ڈھیلا کر کے مطالبہ کرنے تک ملتوی کر دیا گیا ہے۔

۴۔ مہر معجل قرار پائے تو عورت فوراً مطالبہ کر سکتی ہے اور اپنے نفس کو روک بھی سکتی ہے اور شوہر جبراً بغیر ادائیگی مہر عورت کے لے جانے کا حق نہیں رکھتا۔ ہاں عورت اپنی خوشی سے خاوند کے ساتھ چلی جائے تو اسے اختیار ہے۔

۵۔ اگر مہر معجل قرار پائے تو شوہر کو لازم ہے کہ فوراً ادا کر دے لیکن اگر وہ ادا نہ کرے یا ادا نہ کر سکتا ہو۔ تو عورت کو یہ حق ہے کہ جب تک مہر وصول نہ کرے خاوند کو اپنے اوپر قدرت نہ دے۔ لیکن اگر عورت مطالبہ نہ کرے اور خود بغیر وصول کئے ہوئے خاوند کے پاس چلی جائے۔ یا اپنے گھر رہے دونوں صورتوں میں نکاح کے اندر کوئی نقصان اور خرابی نہیں آتی۔ مرد کے ذمہ یہ لازم ہے کہ مہر معجل فوراً ادا کر دے۔ عورت مطالبہ کرے یا نہ کرے مرد پر ادا کر دینا ضروری ہے۔[1]

شوہر کے ترکہ سے مہر کی ادائیگی:

اگر کسی شخص نے اپنی زندگی میں بیوی کا مہر ادا نہ کیا ہو تو اس کے انتقال کے بعد ترکہ سے بیوی کا مہر ادا کرنا ضروری ہوگا جس طرح اس شخص کے ذمہ کسی آدمی کا قرض ہو جسے وہ زندگی میں ادا نہ کر سکا ہو تو وصال کے بعد اس کے ترکہ سے قرض ادا کرنے کے بعد باقی ماندہ ترکہ وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ اسی طرح بیوی کا مہر ترکہ سے ادا کرنے کے بعد باقی ترکہ ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔ چنانچہ مفتی اعظم مفتی عزیز الرحمٰنؒ لکھتے ہیں۔

"جس قدر مہر عقد نکاح میں باہمی طرفین (دونوں فریق کی رضا مندی سے) سے مقرر ہو جائے خواہ وہ مقدار کتنی ہی زیادہ ہو مثلاً سوا لاکھ روپیہ اور سوا اشرفی یا اس سے بھی زیادہ ہو۔ وہ مقدار مہر کی شوہر کے ذمہ واجب اور لازم ہو جاتی ہے

---

[1] کفایت المفتی ج۵ ص ۱۳۷ ص ۱۳۹۔

اور اس کا ادا کرنا بذمہ شوہر واجب اور ضروری ہوتا ہے۔

مثل دیگر دیون (قرضوں) کے خواہ نیت لینے دینے کی ہو یا قانوناً یہ معاہدہ باطل ہو یا نہ ہو۔ لیکن شرعاً یہ معاہدہ صحیح اور یہ دین واجب الادا ہے اور اس معاہدہ کے ساتھ اور اس مقدار مہر پر نکاح شرعاً بلاشبہ صحیح ہو گیا۔ اور رقم دین مہر کا ادا کرنا شوہر کے ذمہ واجب تھا۔ جب کہ اس نے اپنی زندگی میں ادا نہیں کیا تو اس کے مرنے پر اس کے ترکہ میں سے بیوی کا مہر ادا کرنا واجب ہے اور تجہیز و تکفین کے علاوہ دیگر حقوق سے مقدم ہے (یعنی پہلے مہر ادا کرنا ہے)

لہٰذا زید کے ترکہ میں سے بعد اخراجات تجہیز و تکفین کے اول بیوی کا مہر ادا کیا جائے۔ اس کے بعد اگر کچھ باقی بچے تو اس کو ورثاء شرعی پر حسب حصص شرعیہ تقسیم کیا جاوے۔[1]

بیوی کے انتقال کے بعد مہر کا مستحق؟

زوجہ کا مہر اگر ادا نہ ہوا تھا اور وہ انتقال کر گئی تو اس کے مرنے کے بعد وہ مہر اس کے ورثہ کو پہنچتا ہے ان وارثوں میں شوہر بھی ہے۔ اگر کچھ اولاد متوفیہ کے نہ تھی تو مہر کی نصف رقم شوہر کو پہنچے گی اور نصف باقی ورثہ ذوی الفروض یا عصبات یا ذوی الارحام تو جو بھی کوئی ان میں دور و نزدیک کا قرابت دار موجود ہو اس کو دیا جائے اگر کوئی بھی نہ ہو تو پھر تمام مہر شوہر کو ملے گا۔[1]

اگر مہر ادا کئے یا ساقط کرائے بغیر بیوی کا انتقال ہو گیا ہو۔ تو شوہر دین مہر سے سبکدوش نہیں ہوتا۔ اور دین مہر اس کے ذمہ مثل تمام دیون (قرضوں) کے باقی رہتا ہے کوئی وجہ ساقط ہونے کی نہیں۔[2]

اب وہ مہر متوفیہ کے ورثاء کو ملے۔ اگر اس کی اولاد ہے تو خاوند کو چوتھا حصہ اور

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۸ ص ۲۵۶۔

[2] فتاویٰ دارالعلوم ج ۶ ص ۱۸۸۔

باقی اس کی اولاد وغیرہ کو ملے گا۔[1]

مہر کی معافی:

بالغہ عورت کو اپنی خوشی سے مہر معاف کرنا جائز ہے۔ مفتی عزیز الرحمٰنؒ لکھتے ہیں۔

عورت نے کسی وجہ سے بھی معاف کیا ہو بغیر زبردستی و اکراہ کے معاف کیا۔ اگرچہ شوہر کے کہنے سے معاف کیا۔ یا زکوٰۃ کے خوف سے معاف کیا۔ بہر صورت مہر معاف ہو گیا۔ اب وہ عورت عند اللہ مہر کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں رکھتی۔[2]

البتہ مرض الموت میں شوہر معاف کرائے تو وہ معافی معتبر نہ ہوگی۔

مفتی عزیز الرحمٰنؒ لکھتے ہیں۔

''مرض الموت میں ہبہ کرنا یا دین (قرض) معاف کرنا بحکم وصیت ہے اور وصیت وارث کے لئے درست نہیں ہے اس لئے مرض الموت میں مہر کا معاف کرنا معتبر نہ ہوگا۔[3]

زوجہ کے مرنے کے بعد زوجہ کے وارثوں سے اگر مہر معاف کرائے گا مہر معاف ہو جائے گا۔ عام اس سے کہ ادائے مہر کی استطاعت ہو یا نہ ہو۔[4]

اگرچہ بیوی کے معاف کرنے سے مہر معاف ہو جاتا ہے۔ لیکن معاف کرانے کے بجائے ادا کرنا زیادہ بہتر ہے۔ جیسے کہ حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۶۲ھ (۱۹۴۳ء) فرماتے ہیں۔

''ظاہراً تو معاف کر دینا بہتر ہے۔ لیکن نظر غائر سے لینا افضل ہے۔ کیونکہ اس معافی چاہنے کا منشا حرص ہے جو کہ مذموم ہے اور معاف کرنا اعانت ہے اس مذموم کی۔''[5]

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم ج۹ ص۲۷۵۔
[2] فتاویٰ دارالعلوم ج۹ ص۳۰۰۔
[3] فتاویٰ دارالعلوم ج۸ ص۲۷۳۔
[4] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۸ ص۳۴۴۔
[5] امداد الفتاویٰ ج۲ ص۳۷۲۔

مہر ادا نہ کرنے پر وعید:

بعض لوگ رسم و رواج پورا کرنے کی خاطر مہر مقرر کر دیتے ہیں۔ لیکن ادا کرنے کی نیت ہوتی ہے اور نہ ہی ادا کیا جاتا ہے۔ پنجابی میں یہ مثل مشہور ہے ''کس لینا کس دینا'' لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس پر سخت وعید بیان فرمائی ہے۔ مہر ادا نہ کرنا سنگین جرم ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

ایما رجل تزوج امراۃ علی صداق و لا یرید ان یعطیہ فھو زان۔[1]

ترجمہ: جس آدمی نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر بھی مقرر کیا۔ لیکن مہر ادا کرنے کی نیت نہیں ہے۔ تو وہ زناکار ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس آدمی نے کسی عورت کا مہر مقرر کیا اور اللہ جانتا ہے۔ اس شخص کا ارادہ ادا کرنے کا نہیں ہے۔ گویا اس نے اللہ تعالیٰ کو دھوکا دیا اور عورت کی شرمگاہ کو ناجائز طریقہ سے حلال کروایا۔ تو وہ شخص قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ملاقات زانی ہونے کے حال میں کرے گا۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ایما رجل تزوج امراۃ علی ماقل من المھر او کثر لیس فی نفسہ ان یودی الیھا حقھا خدعھا فمات ولم یود الیھا حقھا لقی اللہ یوم القیامۃ وھو زان۔[3]

ترجمہ: جس شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کا تھوڑا یا زیادہ مہر مقرر کیا۔ اس کے دل میں ادا کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ تو اس نے

---

[1] سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۴۱۔

[2] سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۴۲ مسند امام احمد ج ۴ ص ۳۳۲ طبرانی کبیر حدیث نمبر ۳۰۸۔

[3] مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۸۴ حدیث نمبر ۵۵۸ طبرانی الصغیر ج ۱ ص ۴۴۔

بھوکا رکھا، اور مرتے دم تک بیمار ہوا بھی نہ کیا، تو قیامت کے دن زانی ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔

محسن انسانیت کی حسن معاشرت:

رحمت عالم، محسن انسانیت، شفیق و رحیم آقا ﷺ اپنے بیگانے، دوست و دشمن، مسلم و غیر مسلم، مرد و زن، غلاموں اور بیکسوں بلکہ جانوروں کے ساتھ بھی حسن سلوک، حسن مروت اور خوش اخلاقی سے پیش آیا کرتے تھے۔ آپ نے تکمیل ایمان جیسی عظیم المرتبت نعمت کا حصول حسن اخلاق اور بیوی سے لطف و محبت کا مرہون قرار دیا ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے۔

ان من اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقا و الطفھم باھلہ۔[1]

ترجمہ: مسلمانوں میں اس آدمی کا ایمان زیادہ کامل ہے، جس کا اخلاقی برتاؤ (سب کے ساتھ) بہت اچھا ہو۔ (اور خاص کر) بیوی کے ساتھ جس کا رویہ لطف و محبت کا ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقاً و خیارکم خیارکم لنسائھم۔[2]

ترجمہ: مسلمانوں میں زیادہ کامل الایمان وہ ہیں جن کے اخلاق بہتر ہیں اور (واقعی میں اور اللہ کی نگاہ میں) تم میں اچھے اور خیر کے زیادہ حامل وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں زیادہ اچھے ہیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور انور ﷺ

---

[1] ترمذی ج ۲ ص ۵ ابواب الایمان باب ماجاء فی استکمال الایمان۔

[2] ترمذی ج ۱ ص ۱۳۸ ابواب الرضاع، مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۵۰، ۴۷۲۔

نے فرمایا:

خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی۔ [1]

ترجمہ: وہ آدمی تم میں زیادہ بھلا اور اچھا ہے۔ جو اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو۔

نبی امی محمد ﷺ کا سلوک ازواج مطہرات کے ساتھ نہایت مشفقانہ اور نرم تھا۔ حضرت ابو عبد اللہ جدلی فرماتے ہیں کہ میں نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا۔ کہ نبی کریم ﷺ کا اپنے اہل خانہ کے ساتھ کیسا سلوک تھا؟

سیدہ نے یوں گوہرفشانی فرمائی۔

آپ اخلاق کے لحاظ سے سب سے بہتر تھے۔ نہ فحش بات کہنے والے تھے نہ فحش کام کرنے والے تھے اور نہ بازاروں میں آواز نکالنے والے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے بلکہ آپ عفوو درگزر سے کام لیتے تھے۔ [2]

حضرت عمرؓ یوں نقل کرتے ہیں کہ میں نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا کہ رحمۃ للعالمین آقا ﷺ جب اپنی ازواج کے ساتھ خلوت میں ہوتے تو آپ کا ان سے کیسا سلوک ہوتا تھا؟ ام المومنین نے فرمایا

حضور اقدس سراپا رحمت ﷺ تم آدمیوں کی طرح ایک آدمی تھے۔ لیکن آپ تمام لوگوں سے زیادہ کریم اور اخلاق کے لحاظ سے سب سے بہتر تھے اور نہایت نرم مزاج اور شفیق تھے اور ہمیشہ خندہ رو تھے۔ ہنسی مسکراہٹ آپ کے چہرہ انور پر نمایاں ہوتی تھی۔ [3]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت دو عالم ﷺ اپنی ایک زوجہ

۱۔ مجمع الزوائد ج۴ ص۳۰۳ ... [illegible]

۲۔ مسند امام احمد ج۶ ص ۲۳۶ ... ترمذی ج۲ ص۱۲۱ ... باب خلق النبی ﷺ

۳۔ اخلاق النبی ... ص۱۹۹

مکرمہ کے ہاں تشریف فرما تھے اتنے میں ایک دوسری بیوی نے ایک برتن میں کچھ کھانا بھیجا' چنانچہ اس بیوی نے خادم کے ہاتھ پر ہاتھ مارا' اور برتن گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ حضور اقدس ﷺ اس برتن کے ٹکڑوں کو جوڑنے لگے اور کھانا سمیٹنے لگے۔

رحمت دو عالم ﷺ نے حاضرین سے فرمایا ''تمہاری ماں کو غیرت آ گئی'' پھر آپؐ نے اس خادم کو روک لیا۔ جس بیوی نے وہ برتن توڑا تھا۔ اس کے گھر سے ثابت برتن لا کر اس خادم کے حوالے کیا اور ٹوٹا ہوا برتن اس کے گھر رہنے دیا جس نے یہ توڑا تھا۔[1]

بعض روایت میں ہے آپ نے ارشاد فرمایا:

طعام بطعام و اناء باناء۔[2]

ترجمہ: کھانے کے بدلے کھانا اور برتن کے بدلے برتن۔

امام احمد کی ایک روایت میں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس زوجہ مکرمہ کے ہاں تشریف فرما تھے۔ میرے خیال میں وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔[3]

سنن نسائی کی روایت میں کھانا بھیجنے والی زوجہ مکرمہ کا نام سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور جن کے گھر رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے ان کا اسم گرامی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مذکور ہے۔[4]

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں جن کے گھر یہ واقعہ پیش آیا وہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ تھیں اور کھانا بھیجنے والی سیدہ زینب بنت جحش

---

[1] بخاری کتاب النکاح باب الغیرۃ ج ۲ ص ۷۸۶ ـ ابن ماجہ ص ۱۶۹ ج ۲ ـ کتاب الاحکام باب الحکم فیمن کسر شیئا ـ مسند امام احمد ج ۳ ص ۲۶۳ ـ نسائی ج ۲ ص ۷۲ کتاب عشرۃ النساء باب الغیرۃ ـ ابوداؤد ج ۲ ص ۱۴۹ کتاب البیوع باب فیمن افسد شیئا یغرم مثلہ۔

[2] نسائی ج ۲ ص ۷۲۔ [3] مسند امام احمد ج ۳ ص ۱۰۵۔

[4] سنن نسائی ج ۲ ص ۷۲ کتاب عشرۃ النساء۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی نام بیان کئے گئے ہیں۔[1]

حضور اقدس ﷺ کے حسن اخلاق کا یہ حیرت انگیز واقعہ ہے کہ زوجہ محترمہ کی اس غلطی پر نہ تو آپ برہم ہوئے۔ نہ زجر و توبیخ سے کام لیا نہ زبانی کلامی ڈانٹ ڈپٹ کی نہ خفگی و ناراضگی کا اظہار فرمایا بلکہ زوجہ محترمہ کی ایک گونہ نازبرداری کرتے ہوئے یوں شگفتہ دہن ہوتے ہیں۔ "غارت امکم" تمہاری ماں کو غیرت آ گئی۔ یہ تھا آپ کا اپنی نیک سرشت مقدس بیویوں کے ساتھ حسن سلوک۔

سنن داری کی روایت میں ہے کہ آپ کی خدمت میں ثرید پیش کیا گیا تھا جسے آپ نے اکٹھا کر کے برتن میں ڈالا اور سب کے ساتھ مل کر تناول فرما لیا۔[2]

اسی مضمون کی ایک اور حدیث میں ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ میں نے سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہتر کھانا بنانے والی اور کوئی نہیں دیکھی۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں کھانا بھیجا۔ مجھ پر کپکپی کی کیفیت طاری ہوئی اور برتن توڑ کر ٹوٹ گیا۔

میں نے بارگاہ رسالت مآب میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جو کچھ مجھ سے ہوا ہے۔ اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

اناء کاناء و طعام کطعام۔[3]

برتن کی مثل برتن اور کھانے کی مثل کھانا۔

ابن ماجہ کی روایت میں ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کیا گیا کہ آپ رسول رحمت ﷺ کے اخلاق کے متعلق کچھ بیان فرمائیں۔ انہوں نے فرمایا کیا تم

---

[1] فتح الباری ج ۹ ص ۳۲۴۔

[2] سنن داری ج ۲ ص ۱۷۰ کتاب البیع باب من کسر شیئا فعلیہ مثلہ۔

[3] مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۴۸ نسائی ج ۲ ص ۱۷۵ کتاب عشرۃ النساء۔

قرآن مجید نہیں پڑھتے ہو۔ قرآن مجید میں ہے۔ وانک لعلی خلق عظیم۔

ام المومنین نے فرمایا ایک مرتبہ رحمت عالم ﷺ اپنے جانثاروں کے پاس تھے میں نے آپ کے لئے کھانا تیار کیا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی آپ کے لئے کھانا بنایا۔ اور مجھ سے پہلے کھانا لے آئیں۔ میں نے اپنی چھوکری سے کہا۔ جا کر حفصہؓ کے کھانے کا پیالہ الٹ دو۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیالہ الٹ دیا اور برتن ٹوٹ گیا۔ اور کھانا بکھر گیا۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے کھانا دسترخوان پر اکٹھا کیا پھر سب نے کھایا۔ پھر میں نے اپنے کھانے کا پیالہ بھیجا۔ آپؐ نے وہ پیالہ حفصہؓ کو دے دیا (ان کے پیالے کے بدلے) اور فرمایا برتن تو اپنے برتن کے بدلے اور جو اس میں کھانا ہے وہ کھا لو۔

قالت فما رأیت ذلک فی وجه رسول الله صلی الله علیه وسلم[1]

ترجمہ۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں میں رسول اللہ اکرم ﷺ کا چہرۂ انور پڑھ رہی تھی۔ آپ کے چہرہ پر ناراضگی یا ناگواری کے اثرات ہرگز نہیں تھے۔

ازواج کے ساتھ خوش طبعی:

خوش طبعی اور مزاح بھی حسن سلوک کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس سے دوسرے آدمی کا دل خوشی و مسرت سے اچھلنے لگتا ہے اور زندگی کی مسرتیں دوبالا ہو جاتی ہیں اور کدورتوں کے گھٹا ٹوپ بادل چھٹ جاتے ہیں۔

رحمت دو عالم ﷺ بھی کبھی اپنی ازواج مطہرات سے بلیغ مزاح بھی فرماتے اور اس طریقے سے ان کے دلوں کو گدگداتے۔ چنانچہ حضرت کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس ﷺ کا سر مبارک دیکھ رہی تھیں۔ آپ کے پاس اس وقت سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

---

[1] سنن ابن ماجہ ص ۱۶۸، باب الاحکام باب الحکم فیمن کسر شیئاً۔

زوجہ محترمہ اور مہاجرین کی کچھ عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ جو اپنے اپنے گھروں کے متعلق بارگاہ رسالت مآب میں شکایات کر رہی تھیں۔ اسی اثناء میں سیدہ زینبؓ بھی بات کرنے لگیں اور رسول اکرم ﷺ کا سر مبارک دیکھنا چھوڑ دیا۔ آپؐ نے یہ دیکھ کر الفت اور محبت بھرے لہجے میں فرمایا۔

"زینب! تم آنکھ سے تو بات نہیں کر رہی۔ زبان سے بات بھی کرو اور
بنا کا سر بھی کرتی جاؤ۔"[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں۔ ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ایک روز ہمیں ملنے آئیں۔ پس حضور اکرم ﷺ اس کے اور میرے درمیان بیٹھ گئے۔ آپ کا ایک پاؤں مبارک میری گود میں اور دوسرا سیدہ سودہؓ کی گود میں تھا۔ میں نے نبی مکرم ﷺ کے لئے خزیرہ (جو کھجور سے بنتا ہے) یا حریرہ (جو دودھ سے بنایا جاتا ہے) پیش کیا۔ اور سیدہ سودہؓ سے بھی کہا آپ بھی کھائیں۔ لیکن انہوں نے کھانے سے انکار کیا۔

میں نے (ازراہ تفنن) پلیٹ میں سے تھوڑا سا لے کر سیدہ سودہؓ کے چہرے پر مل دیا۔ یہ دیکھ کر حضور انور ﷺ خوب ہنسے۔ مجھے روکنے کے لئے آپؐ نے اپنا پاؤں ان کی گود سے اٹھالیا۔ اور سیدہ سودہؓ سے فرمایا تم بھی اس کے چہرے پر ملو۔ پس انہوں نے بھی رکابی سے لے کر میرے چہرے پر مل دیا۔ یہ حالت دیکھ کر حضور انور ﷺ خوشی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔[2]

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ آپ کاشانۂ نبوت میں داخل ہوئے تو آپ نے سیدہ عائشہؓ کو اونچی آواز سے بولتے

---

[1] مسند ابو یعلیٰ ج ۱ ص ۴۹۳، ابو داؤد ج ۲ ص ۳۰ کتاب الخراج والامارة۔

[2] نسائی فی عشرة النساء حدیث نمبر ۱۳، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۱۶ حدیث نمبر ۷۶۸۵ کتاب النکاح باب عشرة النساء۔

ہوئے دیکھا' حضرت صدیقؓ، سیدہؓ کو تھپڑ مارنے کے لئے آگے بڑھے اور فرمایا اے فلاں کی بیٹی! تو رسول اللہ ﷺ کے سامنے اونچی آواز سے بولتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکرؓ کو تھپڑ مارنے سے روکا اور فوراً آگے بڑھے۔ ابوبکرؓ غیظ و غضب سے بھرے ہوئے باہر نکل گئے۔ بعد میں رسول رحمت ﷺ نے سیدہ سے (مزاح کے انداز میں) فرمایا۔ اے عائشہؓ! میں نے اس آدمی سے تجھے کیسے بچالیا۔ جب کچھ دیر بعد سیدہؓ اور رسول اللہ کی شکر رنجی دور ہوگئی' تو سیدنا صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر کاشانہ رحمت میں آنے کی اجازت طلب کی، جب صدیقؓ اندر تشریف لائے تو عرض کی اس صلح میں مجھے بھی شریک فرمالیں۔ جس طرح آپ نے مجھے لڑائی میں شامل کیا۔ جناب رسالتماب ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہم نے آپ کو صلح میں شریک کرلیا۔[1]

گھریلو کام میں حسن کردار:

حضور انور سراپا رحمت ﷺ باہر کی دنیا سے جب گھر کی چار دیواری میں تشریف لاتے' تو اپنی ازواج مطہرات کی دل جوئی کے لئے گھر کے تمام کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹاتے' ان سے مزاح فرماتے اور گھر کا ماحول ہر طرح سے خوشگوار اور پرکیف بنانے کی بھرپور کوشش فرماتے۔

چنانچہ حضرت اسود بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اکرم ﷺ اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟۔ سیدہؓ نے فرمایا' آپ انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ آپ اپنی بکری کا دودھ دوھ لیتے۔ کپڑے کو پیوند لگا لیتے۔ جوتا گانٹھ لیتے اور ہر وہ کام کرتے جو لوگ اپنے گھروں میں کرتے ہیں اور اپنے گھر والوں کی خدمت کرتے تھے۔

لیکن جونہی آپ موذن کی آواز سنتے تو نماز کے لئے مسجد تشریف لے جاتے۔[2]

حضرت ہشام بن عروہ سے روایت ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی

---

[1] مسند امام احمد ج ۴ ص ۲۷۱ ابوداؤد ج ۲ ص ۶۹۱ کتاب الادب باب ماجاء فی المزاح۔

[2] فتح الباری ج ۲ ص ۱۱۰ بخاری ج ۱ ص ۹۳ مسند امام احمد ج ۶ ص ۴۹

اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضور انور ﷺ اپنے گھر میں کس طرح بسر کرتے تھے؟

تو انہوں نے فرمایا وہ بھی تمہاری طرح اپنے گھر کے کام کاج میں مصروف رہتے تھے۔ اپنا کپڑا خود سیتے اپنا جوتا خود گانٹھ لیتے تھے۔[1]

زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کا اپنے گھر میں کیا برتاؤ تھا؟ انہوں نے فرمایا جس طرح تم میں سے کوئی آدمی کیا کرتا ہے کہ ایک چیز کو اٹھاتا اور دوسری کو رکھتا ہے اور آپ کو سینا پرونا سب کاموں میں زیادہ پسند تھا۔[2]

سیدنا خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند حضرت حبہ اور حضرت سواء رضی اللہ تعالیٰ عنہما دو صحابی تھے ان کا کہنا ہے کہ ہم دونوں بھائی ایک مرتبہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ اس وقت کوئی چیز مرمت کر رہے تھے (یا ایک روایت کے مطابق کوئی تعمیر کا کام کر رہے تھے) ہم نے اس کام میں آپ کا ہاتھ بٹایا۔ آپ بہت خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا تم دونوں رزق سے مایوس نہ ہونا جب تک تم دونوں کے سر ہلتے ہیں جب انسان کو ماں نے جنم دیا تو اس پر چھلکا بھی نہیں تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے رزق عطا فرمایا۔[3]

امہات المومنین کا نفقہ:

حضور انور ﷺ کی قوت لایموت ہی پر بسر تھی مہینوں چولہے میں آگ جلانے کی نوبت بھی نہیں آتی تھی۔ پھر بھی ازواج مطہرات کے اخراجات کا انتظام بھی فرماتے تھے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو نضیر کی کھجوریں فروخت کرتے اور اپنی ازواج کے لئے ایک سال کا نان و نفقہ خرید کر رکھ لیتے تھے۔[4]

---

[1] اخلاق النبی مترجم ص ۱۳۰۔ [2] ایضاً

[3] مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۱ بحوالہ مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۹۔

[4] بخاری ج ۲ ص ۸۰۶، مسلم ج ۲ ص ۹۱۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے تھے۔ پھر اس مقدار میں سے دوسری ضروریات بھی پوری فرماتے تھے۔ جب آپ اس دارفانی سے دار بقا کو رحلت فرما ہوئے تو اس وقت بھی اپنی ازواج کے لئے درعہ رہن رکھ کر جو حاصل کئے تھے۔ علاوہ ازیں اہل و عیال کے خورد ونوش کا اس طرح انتظام کرنا توکل کے خلاف بھی نہیں ہے۔[۱]

امام نوویؒ نے بھی اس حدیث کی تشریح یوں ہی کی ہے۔[۲]

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

سرکار دو عالم ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے لئے ہر سال ۲۰ وسق جو اور ۸۰ وسق کھجوریں بطور نان ونفقہ رکھتے یہ مقدار ان میں سے ہر زوجہ محترمہ کے لئے ہوتی۔

یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ ہر زوجہ محترمہ کے پاس غلام اور لونڈیاں بھی ہوتیں۔ یہ نفقہ وہ ان پر بھی خرچ فرماتیں۔ (موارد الظمآن حدیث نمبر ۱۲۹۷)[۳]

فائدہ:

وسق کا وزن ۸۰ تولہ کے سیر کے حساب سے ۵ من ۱/۲-۲ سیر بنتا ہے۔ اور درہم کے وزن کے مطابق ۵ من پونے ۵ سیر۔[۴]

۵ من ۵ سیر جنس سال بھر کے دنوں پر تقسیم کی جائے تو تقریباً ۹ چھٹانک یومیہ بنتی ہے۔ گویا کہ اگر ساری خوراک سال بھر محفوظ بھی رہے تو ہر ایک زوجہ مکرمہ بمعہ لونڈی غلام کے یومیہ صرف ۹ چھٹانک خوراک پر گزارہ کرتی تھیں۔

شہنشاہ دو عالم کی گزر اوقات:

سید سلیمان ندویؒ المتوفی ۱۹۵۳ء شہنشاہ دو عالم ﷺ کی گذر بسر کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں۔

''گھر کی کل کائنات ایک چارپائی۔ ایک چٹائی' ایک بستر' ایک تکیہ' جس میں چھال بھری تھی۔ آٹا اور کھجور رکھنے کے ایک دو مٹکے' پانی کے ایک برتن اور پانی پینے

۱۔ فتح الباری ج ۹ ص ۵۰۳۔ ۲۔ حاشیہ مسلم ج ۲ ص ۹۸۔

۳۔ امہات المومنین محمد ظفر ص ۴۵ ۴۔ اوزان شرعیہ ص ۲۰۔

کے ایک پیالہ سے زیادہ نہ تھی۔ مسکن مبارک کو منبع الانوار تھا۔ لیکن راتوں کو چراغ جلانا بھی صاحب مسکن کی استطاعت سے باہر تھا۔[۱]

سیدہ عائشہؓ کہتی ہیں چالیس چالیس راتیں گزر جاتی تھیں اور گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا۔[۲]

گھر میں کل آدمی دو تھے۔ حضرت عائشہؓ اور رسول اللہ ﷺ۔ کچھ دن کے بعد بریرہؓ نامی لونڈی کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔[۳]

جب تک حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ صرف دو بیویاں رہیں۔ آنحضرت ﷺ ایک روز بیچ دے کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں شب باش ہوتے تھے۔ اس کے بعد جب اور ازواج بھی اس شرف سے ممتاز ہوئیں تو حضرت سودہؓ نے اپنی کبرسنی کے سبب اپنی باری حضرت عائشہؓ کو ایثار دے دی۔ اس بنا پر نو دن میں دو دن آپ حضرت عائشہؓ کے گھر مقیم رہتے۔ گھر کے کاروبار کے لئے بہت اہتمام و انتظام کی ضرورت نہ تھی۔ کھانا پکنے کی بہت کم نوبت آتی تھی۔ خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کبھی تین دن متصل ایسے نہیں گزرے کہ خاندان نبوت نے سیر ہو کر کھانا کھایا ہو۔[۴]

سیدہؓ فرماتی تھیں۔ گھر میں مہینہ مہینہ بھر آگ نہیں جلتی تھی۔[۵] چھوہارے اور پانی پر گزارہ تھا۔[۶] فتح خیبر کے بعد آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات کے سالانہ مصارف کے لئے وظائف مقرر کر دیئے تھے۔[۷] اسی وسق (بار شتر) چھوہارے اور ۲۰ وسق جو۔[۸] لیکن اس فیاضی کی بدولت سال بھر کے لئے یہ سامان بھی کافی نہ ہوا۔[۹]

۱۔ بخاری ج ۱ ص ۲۷ باب التطوع خلف المرأۃ۔ ۲۔ مسند طیالسی ص ۲۰۷۔

۳۔ بخاری ج ۱ ص ۳۲۸ باب استعانۃ المکاتب و[illegible] باب صدقہ۔

۴۔ بخاری [illegible]، مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۵۔

۵۔ مسند احمد ج ۶ ص ۲۱۷، ص ۲۳۷، مسند طیالسی ص ۲۰۳، صحیح بخاری کتاب الاطعمہ۔

۶۔ بخاری باب کیف کان عیش النبی ﷺ۔ ۷۔ ابوداؤد حکم ارض خیبر۔

۸۔ ابوداؤد حکم ارض خیبر۔ ۹۔ سیرت عائشہ صدیقہؓ ص ۳۴ ص ۲۷۔

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ۔ (القرآن)

﴿۱﴾

ام المومنین

سیدہ

خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا:

حضرت جبریل امین تشریف لائے اور فرمایا کہ خدیجہ جنت

خو یعنی تو اللہ جل شانہ اور میری طرف سے سلام پیش فرما دیں اور

انہیں ہیرے جواہرات سے مزین جنت کی خوشخبری سنا دیں۔

جس میں نہ تو شور شرابہ ہے اور نہ ہی کوئی تھکاوٹ۔ (الحدیث)

ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا

پاک دامن خاتون:

پاکیزگی اور برکت کے دامن میں خلوص اور ایثار کی چوٹی پر ہم اپنی عفت مآب ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیرت مقدسہ کے عمل عاطفت میں خوش بختی کے ساتھ زندہ ہیں۔ یہ سرور دو عالم ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔

اگرچہ ان کے احسانات کا بدلہ ادا کرنا کسی کے بس کا روگ نہیں۔ پھر بھی ہم کوشش کریں گے کہ تاریخ و سیر کے گم گشتہ اوراق سے برکت اور بھلائی کی باتیں اور ان کی سخاوت بھری زندگی کے احوال کو اجاگر کریں۔

ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فضائل کے ساتھ آراستہ و پیراستہ اور آداب کے ساتھ مزین ہو کر پرورش پائی اور عفت' شرف' مجد اور کمال سے متصف ہوئیں۔ حتیٰ کہ اپنے زمانہ میں مکہ کی خواتین میں ''طاہرہ'' جیسے پاکیزہ لقب سے معروف ہوئیں۔

نام نامی/ اسم گرامی:

نام' خدیجہؓ کنیت' ام ہند اور لقب طاہرہ تھا۔ سیدہؓ 'طاہرہ' جیسے مبارک لقب سے اس زمانہ میں سرفراز ہوئیں' جب جاہلیت کا سمندر موجیں مار رہا تھا اور عورتوں کی کوئی قیمت لگائی جاتی تھی۔[1]

ولادت باسعادت:

ام القریٰ یعنی مکہ میں پاکدامن خدیجہ سن ۶۸ قبل الہجرت میں پیدا ہوئیں۔ اور یہ عام الفیل سے تقریباً پندرہ سال قبل کا وقت جبکہ سن عیسوی ۵۵۶ تھا۔[1]

سیدہ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ۔[2]

قصی پر پہنچ کر آپ کا نسب حضور انور ﷺ سے مل جاتا ہے۔ نسب کے لحاظ سے آپ رسول اکرم ﷺ سے دیگر ازواج مطہرات کے مقابلہ میں سب سے زیادہ قریب ہیں۔ آپؐ نے قصی کی اولاد میں سے ان کے علاوہ صرف ام حبیبہؓ سے نکاح فرمایا تھا۔[3]

والدہ کی جانب سے نسب اس طرح ہے۔

سیدہ خدیجہ بنت فاطمہ بنت زاہد بن الاصم ابن رواحہ حجر بن عبد بن معیص بن عامر بن لوئی بن غالب بن فہر۔[4]

بعض مورخین و محدثین نے والدہ کی طرف سے نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے۔

فاطمہ بنت زاہدہ بن جندب (یعنی الاصم) بن حجر بن عبد معیص بن عامر۔[5]

فاطمہ بنت زاہدہ بن الاصم' اصم کا نام جندب ہے۔ بن ہرم بن رواحہ بن حجر بن

---

1. جنت کی بشارت پانے والی خواتین ص ۱۰۔
2. سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۹۹، ۲۰۱۔
3. فتح الباری ج ۷ ص ۱۳۲۔
4. سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۰۱۔
5. مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲۵ کتاب المناقب باب فضل خدیجہ حدیث نمبر ۱۵۲۶۵۔

عبد بن معیص بن عامر۔[۱]

سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد بزرگوار اپنے قبیلہ میں ایک نہایت اعلیٰ حیثیت کے مالک تھے۔ مکہ معظمہ میں اقامت گزیں ہوئے۔ عبدالدار بن قصی جو ان کے چچا زاد بھائی تھے۔ کے حلیف بنے۔ کچھ عرصہ بعد فاطمہ بنت زائدہ سے شادی کی۔ اور عام الفیل سے پندرہ سال قبل ان کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے وہ بیٹی عطا فرمائی جس کے مقدر میں امت مسلمہ کی پہلی "ام المومنین" لکھا جا چکا تھا۔[۲]

سیدہ خدیجہؓ جب سن شعور کو پہنچیں تو اپنے پاکیزہ اخلاق کی بنا پر "طاہرہ" کے لقب سے مشہور ہوئیں۔[۳]

<u>نکاح:</u>

سرور دو عالم ﷺ کی ذات والا صفات کے ساتھ نکاح سے قبل آپ کے دو نکاح ہو چکے تھے۔ سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شروع ہی سے اعلیٰ صفات کی حامل تھیں۔ ذہانت و فطانت کے ساتھ عصمت و عظمت اور پاکدامنی کی صفات جمیلہ سے حق تعالیٰ سبحانہ نے نوازا تھا۔ سن بلوغت کو پہنچیں تو اپنے پاکیزہ اور جمیلہ اخلاق کی بدولت پورے معاشرے میں "طاہرہ" کے لقب سے مشہور ہوگئیں۔[۴]

سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد گرامی قدر نے اپنی پاکیزہ اخلاق بیٹی کی صفات جمیلہ کا لحاظ رکھتے ہوئے سب سے پہلے شادی کے لئے ان کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل، جو تورات و انجیل کے بہت بڑے عالم تھے اور عیسائیت اختیار کر لی تھی کو منتخب کیا۔ لیکن پھر بادجوہ وجوہ کی بنا پر یہ نکاح پروان نہ چڑھ سکا۔ اور سیدہ خدیجہؓ کی شادی عتیق بن عابد سے ہوگئی۔ ان سے ایک بیٹی "ہند" پیدا ہوئی۔

۱۔ استیعاب بر حاشیہ الاصابہ ج ۴ ص ۲۷۹۔

۲۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۰۔

۳۔ الاصابہ ج ۴ ص ۲۸۱، الاستیعاب ج ۴ ص ۲۷۹ بر حاشیہ الاصابہ۔

۴۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۳۴۔

دوسرا نکاح:

ابوہالہ مالک بن نباش بن زرارہ بن وقدان بن حبیب بن سلامہ بن عدی بن اسید بن عمرو بن تمیم، جو بنو عبدالدار کے حلیف تھے سے دوسرا نکاح ہوا اور ان سے ایک بیٹی "ہند" اور ایک بیٹا "ہالہ" پیدا ہوئے۔ یہ دونوں حضور انور ﷺ کی اولاد کے ماں کی طرف سے بھائی تھے۔[1]

بعض مورخین کے نزدیک آپ کا پہلا نکاح عتیق بن عائذ سے ہوا ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ پہلا نکاح ابوہالہ مالک بن نباش سے ہوا ہے علامہ ابن اثیرؒ نے دونوں اقوال پر متعدد راہ بیان فرمائی ہیں۔[2]

اسی زمانہ میں جنگ "الفجار" چھڑ گئی جس میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد بھی شریک کارزار ہوئے اور مارے گئے۔ یہ واقعہ عام الفیل سے بیس سال بعد کا ہے۔[3]

تجارت:

سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد محترم بھی انتقال کر گئے اور شوہر بھی داغ مفارقت دے چکے تھے۔ جس کے باعث سیدہؓ کو کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس وقت کے عرب معاشرہ میں ایک عورت کے لئے تجارت کرنا نہایت مشکل تھا۔ چونکہ سیدہ خدیجہؓ کے خاندان کا ذریعہ معاش تجارت تھا، اس لئے آپ نے اپنی تجارت کی خود نگرانی کی اور اپنے اعزہ و اقارب کو معاوضہ دے کر مال تجارت کے لئے بھیجتی تھیں۔

سیدہ خدیجہؓ کی دولت و ثروت اور شریفانہ و کریمانہ اخلاق نے تمام قریش کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا، ہر شخص ان سے نکاح کا خواہاں تھا۔ لیکن کارکنان قضا و قدر کی نگاہ

---

1. مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۵۷ حدیث نمبر ۱۵۲۵۰، کتاب المناقب، اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۳۴ زیر مادہ ہند۔
2. اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۳۴۔
3. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱، ج ۱ ص ۱۰۔

انتخاب کسی اور پر پڑ چکی تھی۔ نوشتہ ازلی پردۂ غیب سے نمودار ہوا اور سیدہ خدیجہؓ کو "اشرف الخلائق" ﷺ کے نکاح پر فلاح میں آنا نصیب ہوا اور "ام المومنین" کے مکرم و معظم لقب سے سرفراز ہوئیں۔

سید عالم ﷺ کی راست بازی حسن معاملت صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاق کا ہر شخص نہ صرف قائل تھا بلکہ مداح بھی تھا۔ آپؐ کے چچا ابوطالب نے آپ سے کہا میں صاحب حیثیت اور مالدار آدمی نہیں کہ آپ کو مال دے کر تجارت کراؤں۔ چونکہ یہ ایام تنگی سے گزر رہے ہیں۔ اس لئے کسب معاش کی ضرورت ہے۔ لہٰذا تم ایسا کرو کہ جس طرح دوسرے لوگ حضرت خدیجہؓ کا مال شام لے جا کر فروخت کر کے نفع کماتے ہیں۔ اسی طرح تم بھی ان کا مال لے جا کر فروخت کرو اور نفع حاصل کرو۔

جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معلوم ہوا کہ محمد بن عبداللہ الامین ﷺ کو ان کے چچا میرا مال شام لے جا کر فروخت کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ سیدہ کو بھی ایسے آدمی کی سخت ضرورت تھی۔ حضور اقدس سراپا رحمت ﷺ کی دیانت و امانت راست بازی اور معاملہ فہمی کے پیش نظر سیدہ نے خود آپ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر شام جائیں۔ جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں۔ آپؐ کو اس کا دوگنا دوں گی۔ سید عالم ﷺ نے اس پیش کش کو قبول فرمالیا اور سیدہؓ کا مال تجارت لے کر سیدہ کے غلام میسرہ کے ساتھ شام تشریف لے گئے۔

دوران سفر میں میسرہ نے سید عالم ﷺ کی بہت سی ایسی چیزیں مشاہدہ کیں جو عام آدمیوں میں نہیں پائی جاتیں۔ جنہیں عربی میں "خوارق العادۃ" کہا جاتا ہے دوران سفر میں یہ واقعہ بھی پیش آیا۔ کہ جب آپؐ نے شام کے سفر میں ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا تو وہاں ایک راہب بھی موجود تھا اس نے میسرہ سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ میسرہ نے کہا یہ مکہ کے باشندے ہو قریشی جوان ہیں راہب کہنے لگا۔ اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کوئی دوسرا آدمی کبھی قیام پذیر ہو نہیں سکتا آپ

میں بھی آج تک اس مال کی وہ علامات پائی جاتی ہیں۔ جو پہلی کتابوں میں لکھی ہوئی تھیں۔

سرورِ دوعالم ﷺ شام سے واپس ہو کر جب مکہ معظمہ میں داخل ہو رہے تھے۔ تو دوپہر کا وقت تھا اور فرشتے آپؐ پر سایہ کیے ہوئے تھے۔ سیدہ خدیجہ نے جب بالا خانے سے آپ کو اس شان سے آتے دیکھا تو پاس کی تمام عورتوں کو بھی دکھایا۔ تمام خواتین حیرت و استعجاب سے اس حیرت افزا واقعہ کا نظارہ کرنے لگیں۔

سید عالم ﷺ اپنی پیشہ ورانہ مہارت اور دیانت داری کے باعث سیدہ خدیجہؓ کی توقعات سے دوگنا زائد منافع کما کر مکہ واپس پہنچے۔ سیدہ بھی ایک دیانت دار خاتون تھیں' انہوں نے حضور انور ﷺ سے اس سفر کے عوض جو معاوضہ طے کیا تھا۔ اس سے دوگنا رقم انہیں ادا کی۔ دونوں کی یہ روشناسی احساسِ رفاقت سیدہ خدیجہؓ کے لئے جذبات کا روپ دھار گئی۔[1]

حریمِ نبوت میں آمد!

سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان تمام حالات و واقعات سے اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کو آگاہ کیا۔ ورقہ نے کہا۔ خدیجہ! اگر یہ واقعات سچے اور صحیح ہیں تو پھر یقیناً محمد (ﷺ) اس امت کے نبی ہیں اور میں خوب جانتا ہوں کہ اس امت میں ایک نبی آنے والے ہیں۔ جن کا ہم کو انتظار ہے اور ان کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔[2]

ان حالات سے متاثر ہو کر سیدہ خدیجہؓ کے دل میں سید عالم ﷺ سے نکاح کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ سفرِ شام سے دو ماہ ۲۵ دن بعد خود سیدہ نے آپؐ کو نکاح کا پیغام بھجوایا۔ جسے آپؐ نے اپنے چچا کے مشورہ سے قبول فرمایا۔[3]

اسی اثناء میں یہ واقعہ پیش آیا کہ جاہلیت کے ایک عہد میں مکہ کی مدنی عورتیں

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۹۱-۹۲ تزویج خدیجہ۔ خصائص کبریٰ ابن ج ۱ ص ۶۶۔ شرح زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲۰۰۔

[2] عیون الاثر ج ۱ ص ۴۰۔

[3] زرقانی ج ۱ ص ۱۹۹۔ زرقانی جدید ج ۱ ص ۳۷۲۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۔

ایک مقام پر جمع تھیں ان میں سیدہ خدیجہؓ بھی تھیں۔ دیکھتی کیا ہیں کہ یکا یک ایک آدمی نمودار ہوا۔ اور بآواز بلند ندا دی۔

''اے عورتو! تمہارے شہر میں عنقریب ایک نبی ظاہر ہوگا۔ جس کا نام ''احمد'' ہوگا۔ تم میں سے جو عورت اس کی بیوی بننے کا شرف حاصل کر سکے۔ تو وہ ایسا ضرور کر گزرے۔ تمام عورتوں نے اس ندا دینے والے کو کنکر پتھر مارے۔ مگر سیدہ خدیجہؓ نے کوئی کنکر پتھر نہیں مارا۔ بلکہ سن کر خاموش ہو گئیں۔[1]

سیدہ کا حق مہر

سیدہ خدیجہ طاہرہؓ سے سید عالم ﷺ نے نکاح کیا تو ان کا مہر بیس (۲۰) جوان اونٹ قرار پایا۔ جنہیں ذبح کر کے لوگوں کو کھلا دیا گیا۔ چنانچہ علامہ بوصیریؒ اس واقعہ کو اشعار میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

ورأته خديجة والتقى والزهد فيه سجية والحياء

اور خدیجہؓ نے ان میں تقویٰ، زہد اور حیاء جبلی دیکھی۔

وأتاها أن الغمامة والسرح أظلته منهما أفياء

اور اسے معلوم ہوا کہ بادل اور سرح کے درخت دونوں ان پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔

وأحاديث أن وعد رسول الله بالبعث حان منه الوفاء

اور رسول اللہ کے مبعوث ہونے کا جو وعدہ کیا گیا ہے اس کے پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

فدعته إلى الزواج وما أحسن أن يبلغ المنى الأذكياء

تو انہوں نے ازدواج کی دعوت دے دی۔ اور کیا ہی اچھا ہوا کہ آرزو میں اچھے لوگ پہنچیں۔[2]

---

۱ زرقانی ج ۳ ص ۲۲۳ زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲۰۵۔
۲ جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین ص ۲۱۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے۔

كانت خديجة امرأة حازمة شريفة لبيبة مع ما اراد الله بها من كرامته۔

فلما اخبرها ميسرة بما اخبرها به بعثت الى رسول الله ﷺ فقالت له فيما يزعمون۔ يا ابن عم اني قد رغبت فيك لقرابتك وسطتك في قومك۔ وامانتك وحسن خلقك وصدق حديثك ثم عرضت عليه نفسها وكانت خديجة يومئذ اوسط نساء قريش نسبا واعظمهن شرفا۔ واكثرهن مالا كل قومها كان حريصا على ذلك منها لو يقدر عليه۔[1]

ترجمہ: چونکہ خدیجہؓ ایک نہایت ذی عقل، شریف اور شرافت پسند پاک نفس اور پاک عورت تھیں۔ اس لئے ان واقعات کو سن کر اسی بات کی متمنی ہوئیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنی زوجیت میں قبول کریں۔ اور انہوں نے اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ اے میرے چچا زاد! چونکہ آپ مجھ سے قرابت قوی رکھتے ہیں۔ اور امانت و صدق اور اخلاق حسنہ کے ساتھ موصوف ہیں۔ لہٰذا مجھ کو آپ کے ساتھ رغبت ہے اور حضرت خدیجہ قریش کی سب عورتوں میں شریف اور بزرگ اور ساری قوم سے زیادہ مالدار تھیں اور ہر ایک شخص ان سے شادی کرنے پر حریص تھا (ترجمہ سیرت ابن ہشام اردو ج ۱ ص ۱۲۱)

علامہ ابن سعد بیان کرتے ہیں۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۰۰، اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۳۵، شرح زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲۰۰

سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیوہ مالدار صاحب ثروت سلیقہ شعار اور شریف خاتون تھیں اللہ جل مجدہ نے وافر مال و دولت سے نوازا تھا۔ شرف و عظمت کے لحاظ سے آپ خاص مقام کی حامل تھیں۔ لہذا ہر شخص ان سے نکاح کا خواہشمند تھا اور وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھیں۔ لیکن مقدر کا ستارہ کسی اور سے مل چکا تھا۔ وہ سید و رحمت عالم ﷺ پر دل فدا کر چکی تھیں چنانچہ نفیسہ بنت منیہ کی معرفت آپ کی خدمت میں پیغام نکاح بھجوایا اور آپ کے راضی ہونے پر نکاح کی تاریخ مقرر ہوگئی۔[1] اور آپ کے چچا حمزہ اور ابو طالب نے بھی بخوشی اسے پسند کیا۔

نکاح کے لئے حمزہ ابو طالب اور دیگر معززین خاندان سیدہ خدیجہؓ کے مکان پر آئے ابو طالب جو عمر میں بزرگ تر تھے۔ خطبہ نکاح پڑھا اور ۵۰۰ درہم مہر مقرر ہوا۔ اس وقت سیدہ خدیجہؓ کے والد انتقال کر چکے تھے۔ اس لئے ان کا نکاح ان کے چچا عمرو بن اسد نے کرایا۔[2]

بعض روایات میں ہے کہ یہ رشتہ سیدہ خدیجہؓ کے والد خویلد نے کیا تھا۔ جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے۔ لیکن مبرد اور دوسرے مورخین فرماتے ہیں کہ سیدہ کے والد تو جنگ فجار میں یا اس سے پہلے ہی انتقال کر گئے تھے۔ اس لئے نکاح کے وقت آپ کے چچا عمرو بن اسد موجود تھے۔

امام سہیلی فرماتے ہیں کہ مبرد وغیرہ کا قول ہی درست اور صحیح ہے اور یہی سیدنا جبیر بن مطعم سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک روایت میں منقول ہے۔ آپ کے چچا ابو طالب نے جو خطبہ نکاح پڑھا تھا اس کے آخری الفاظ یہ تھے۔

اما بعد! فان محمدا ممن لا یوزن به فتی من قریش الا رجح به شرفا ونبلا وفضلا وعقلا وان کان فی المال قل فانما المال ظل زائل وعاریة مسترجعة وله فی

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۳۲۔ [2] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۰۰۔

خدیجۃ بنت خویلد رغبۃ ولہا فیہ مثل ذالک[1]

ترجمہ: اما بعد محمد (ﷺ) وہ ہیں کہ قریش کا کوئی نوجوان بھی شرف و رفعت اور عقل و فضیلت میں آپ کے ساتھ تولا جائے تو آپؐ ہی بھاری رہیں گے۔ اگرچہ آپ مال کے لحاظ سے کم ہیں۔ لیکن مال تو ایک زائل ہونے والا سایہ ہے اور ایک مستعار چیز ہے جو واپس کی جانے والی ہے۔ یہ خدیجہؓ بنت خویلد کے ساتھ نکاح کی طرف مائل ہیں اور اسی طرح خدیجہؓ بھی آپ سے نکاح کی رغبت رکھتی ہے۔

ابو طالب نے خطبہ نکاح کی ابتداء میں فرمایا۔

"سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ جس نے ہمیں سیدنا ابراہیمؑ کی ذریت، سیدنا اسماعیلؑ کی نسل، معد کی اصل اور مضر کے عنصر سے پیدا فرمایا اور ہمارے لئے ایسا گھر مقرر کیا جس کا قصد کر کے لوگ دور دراز سے آتے ہیں اور اس کی چار دیواری کو امن والا بنایا اور ہم کو اپنے گھر کا امین اور محافظ مقرر کیا۔ پھر ہمیں اور لوگوں پر حاکم بنایا۔"[2]

جناب ابو طالب کے خطبہ نکاح کے ختم ہوتے ہی سیدہ خدیجہ کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل اٹھے اور بحیثیت ولی یوں گویا ہوئے۔

سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ جس نے ہمیں ایسا ہی بنایا۔ جیسا کہ آپ (ابو طالب) نے فرمایا اور ہمیں ویسی ہی فضیلتیں عطاء فرمائیں جیسی کہ آپ نے شمار کیں۔

ہم عرب کے سردار اور رہنما ہیں اور آپ سب بھی۔ کوئی قبیلہ اور کوئی شخص آپ کے فضائل اور فخر و شرف کا انکار نہیں کر سکتا اور ہمیں آپ کی شرافت اور نجابت اور قومیت سے تعلق پیدا کرنے کی رغبت ہوئی ہے۔ پس اے قبائل قریش! گواہ رہو کہ

1۔ روض الانف ج ۱ ص ۱۲۲۔ شرح زرقانی طبع مصر ج ۱ ص ۲۰۴

2۔ اسد الغابہ ص ۵ و زرقانی ج ۱ ص ۲۰۴۔

میں نے خدیجہ بنت خویلد کا نکاح محمد بن عبداللہ (ﷺ) سے کر دیا ہے۔

جب ورقہ بن نوفل خاموش ہوئے تو جناب ابو طالب کہنے لگے کہ بہتر ہوگا کہ عمرو بن اسد (سیدہ کے حقیقی چچا) بھی اس کی توثیق کریں۔ اس پر عمرو بن اسد کھڑے ہوئے اور کہا۔

"اے قریش! گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کو محمد بن عبداللہ (ﷺ) کے نکاح میں دے دیا ہے۔"

ایجاب وقبول اور نکاح سے فارغ ہو کر سرداران قریش نے ابو طالب اور دیگر عمائدین بنو ہاشم کو مبارک باد دی اور اس طرح سے نکاح اختتام پذیر ہوا۔[1]

نکاح کے وقت عمر:

فخر دو عالم ﷺ نے جس وقت سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا۔ آپ کی عمر مبارک ۲۵ سال اور سیدہ کی عمر ۴۰ سال تھی۔ سیدہ کی ولادت واقعہ فیل سے پندرہ سال پہلے ہوئی تھی۔[2]

علامہ ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں۔

آپ سے نکاح کے وقت سیدہ کی عمر ۴۰ سال تھی، آپ کے ساتھ ۲۴ سال بسر کئے اور وصال کے وقت سیدہ کی عمر ۶۴ سال ۶ ماہ تھی۔[3]

امام زہری کی روایت میں ہے کہ نکاح کے وقت سیدہ کی عمر ۲۸ سال تھی اور بعض نے ۲۵ سال بیان کی ہے اور ایک روایت میں ۳۰ سال بھی مذکور ہے۔[4] امام محب الدین طبری فرماتے ہیں۔ اکثر علماء کے نزدیک آپ کی عمر ۲۵ سال تھی۔ (السمط الثمین ص ۱۷)

---

[1] شرح زرقانی طبع جدید ج۱ ص ۳۷۷

[2] طبقات ابن سعد ج۸ ص ۲۹۔ سمط النجوم ج۵ ص ۲۳۵ زرقانی ج۳ ص ۲۲۰ السمط الثمین محب الطبری ص ۱۵ سیر اعلام النبلاء ج۲ ص ۱۱۱

[3] الاستیعاب ج۴ ص ۲۸۰ بر حاشیہ الاصابہ السمط الثمین ص ۱۷

[4] طبرانی کبیر ج۲۳ ص ۹۰

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے مطابق نکاح کے وقت سیدہ کی عمر ۲۸ سال تھی۔[1]

علامہ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ رقمطراز ہیں۔

حکیم بن حزام کی روایت میں نکاح کے وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک ۲۵ سال اور سیدہ کی ۴۰ سال مذکور ہے۔ ابن جریج بیان کرتے ہیں اس وقت آپ ﷺ کی عمر ۳۷ سال تھی جبکہ ابن عباسؓ کی روایت میں سیدہ کی عمر ۲۸ سال بیان ہوئی ہے۔ آپ نے یہ نکاح اس وقت کیا جب قریش بیت اللہ شریف تعمیر کر رہے تھے۔[2]

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں۔

جمہور کے قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک نکاح کے وقت ۲۵ سال تھی اور صحیح قول کی رو سے سیدہ خدیجہؓ نے پچیس سال آپ کی زوجیت میں بسر کئے اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے دس سال بعد رمضان المبارک میں انتقال فرمایا جیسا کہ صحیح روایت میں ہے کہ ہجرت سے تین سال پہلے رحلت فرمائی۔ اس حساب سے سانحہ ارتحال بعثت سے دس سال بعد ہی صحیح ثابت ہوتا ہے۔[3]

علامہ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ فرماتے ہیں۔

سیدہ خدیجہؓ کی نکاح کے وقت ۲۸ سال عمر کی روایت ''الکلبی'' کی ہے (اور یہ روایت ضعیف ہے حاشیہ) علامہ ذہبی کہتے ہیں سیدہ خدیجہ عمر میں آپ سے پندرہ سال بڑی تھیں۔[4]

روحانی رفعت کا نقش اولیں:

سیدہ خدیجہؓ طاہرہ کا تمام اشراف اور رؤساء مکہ کو باوجود ان کی تمنا اور آرزو کے

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۹۳۔

[2] البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۹۳۔

[3] فتح الباری ج ۷ ص ۱۳۳ کتاب المناقب باب تزویج خدیجہ۔

[4] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۱۱۔

چھوڑ کر بے یارو مددگار' پاکباز و پاک سرشت' یتیم مکہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مائل ہونا۔ یہ سیدہ کی طہارت اور نزاہت کی روشن دلیل ہے۔ اور اسی سے سیدہ خدیجہؓ کے فہم اور فراست کا اندازہ ہو سکتا ہے' پیغمبر کی زوجیت کی خواہش اور تمنا کرنا معمولی عقل کا کرشمہ نہیں انتہائی دوربین اور دور اندیش عقل ہی اس تمنا پر آمادہ کر سکتی ہے۔

کیونکہ عقل بتلاتی ہے کہ پیغمبر کی زوجیت میں جانے کے لئے یہ شرط ہے کہ دنیا سے ہاتھ دھوئے اور فقر و فاقہ کے لحاف اور بچھونے کو کمخواب اور زربفت کے لحاف بچھونے سے زیادہ بہتر سمجھے' پیغمبر کی زوجیت کی تمنا' فقر و فاقہ اور مصائب و آلام کو دعوت دینا ہے۔

بہر حال سیدہ خدیجہ طاہرہؓ کا ثمرآرزو بار آور ہوا۔ نکاح کے ساتھ ابتدائی مرحلہ طے ہوا۔ تاہم منزل مقصود (یعنی بعثت نبوی) ہنوز دور ہے اور امید و بیم کی کشمکش اور انتظار کی بے چینی ابھی بدستور باقی ہے۔ چنانچہ ایک روز کا واقعہ ہے۔ سید عالم ﷺ سیدہ کے پاس تشریف لائے۔ تو سیدہ دیکھتے ہی آپ سے لپٹ گئیں اور سینہ سے لگا لیا اور یوں گویا ہوئیں۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اس فعل سے میری کوئی غرض نہیں۔ مگر یہ کہ مجھے امید ہے کہ شاید آپ ہی وہ نبی ہوں' جو عنقریب مبعوث ہونے والے ہیں۔ لہذا اگر آپ ہی وہ ہوئے تو بعثت کے بعد میرے حق کو فراموش نہ فرمانا اور جو خدا آپ کو نبوت سے سرفراز فرمائے۔ اس سے میرے لئے دعا فرمائیں۔

آپ نے جواباً ارشاد فرمایا اگر میں وہ نبی ہوا تو یقین کر لے کہ تو نے میرے ساتھ وہ احسان کیا ہے۔ کہ جسے میں کبھی بھول ہی نہیں سکتا۔ اور اگر میرے سوا کوئی اور ہوا۔ تو سمجھ لے کہ تو جس خدا کے لئے یہ عمل کر رہی ہے۔ وہ کبھی تیرے عمل کو ضائع نہ کرے گا۔ [1]

زبیر بن بکار راوی ہیں کہ سیدہ خدیجہ طاہرہؓ بار بار ورقہ بن نوفل کی خدمت میں جاتیں اور حضور انور ﷺ کی بعثت کے متعلق دریافت کرتیں اور ورقہ یہ جواب دیتے۔

[1] فتح الباری ج ۷ ص ۱۰۳'۱۰۴ باب تزویج النبی ﷺ خدیجہ و فضلہا۔

ما اراہ الا نبی ھذہ الامۃ الذی بشر بہ موسیٰ و عیسیٰ۔[1]

ترجمہ: میرا گمان ہے کہ یہ وہی نبی ہیں۔ جن کی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے بشارت دی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ سیدہ خدیجہ طاہرہؓ نے ورقہ بن نوفل سے آپ کا حال بیان کیا تو اس پر ورقہ نے ایک قصیدہ کہا۔ جس کے بعض اشعار یہ ہیں۔

ھدی خدیجۃ تاتینی لاخبرھا | وما لنا بخفی الغیب من خبر
بان احمد یاتیہ فیخبرہ | جبریل انک مبعوث الی البشر
فقلت علی الذی ترجین ینجزہ | لک الالہ فرجی الخیر وانتظری[2]

ترجمہ: (۱) یہ خدیجہ دوبارہ میرے پاس آئی ہے۔ کہ میں اسے خبر دوں۔ اور مجھے تو غیب کی خبر نہیں ہے۔

(۲) کہ جبرئیل آپ کے پاس اللہ کا پیغام لے کر آئیں گے کہ آپ لوگوں کی طرف اللہ کے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

(۳) ورقہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدہ کو جواب دیا کہ عجب نہیں تم جس کی توامید رکھتی ہو اللہ اسے پورا کرے تو اللہ سے خیر کی امید لگائے رکھو اور اس کی منتظر رہو۔

سیدہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا مبارک گھر:

ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مبارک گھر کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس گھر سے اسلام کا نور چمکا اور ساری دنیا کو منور کر دیا اور یہ گھر پھلدار زرخیز اور مبارک مرکز قرار پایا۔ اس گھر کی برکات میں سے ایک یہ تھی کہ سیدہ خدیجہ طاہرہؓ خود اور ان کی چار صاحبزادیاں یعنی بعثت رسول ﷺ سب سے پہلے اسلام لائیں۔ یعنی اس گھر کے جملہ افراد نے اسلام قبول کرنے میں پہل کی۔

---

۱ الاصابہ ج۴ ص۲۸۳۔

۲ الاصابہ ج۴ ص۲۸۲۔

سیدہ خدیجہؓ کے اس گھر کو بڑا رتبہ اور مبارک فضیلت حاصل ہے۔

علامہ محب طبریؒ نے لکھا ہے:

"سیدہ خدیجہؓ کا گھر مکہ معظمہ میں مسجد حرام کے بعد سب سے زیادہ افضل جگہ ہے۔"

اس کی وجہ یہ ہے کہ سید عالم ﷺ طویل عرصہ تک اس گھر میں اقامت پذیر رہے اور اس گھر میں آپ پر وحی نازل ہوتی رہی۔

امام الفاسیؒ نے ذکر کیا ہے:

مکہ مکرمہ کے گھروں میں سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر بڑا ہی مبارک تھا۔ کیونکہ اس گھر میں سارے جہانوں کی خواتین کی سردار "فاطمۃ الزہراءؓ" اور ان کی بہنیں پیدا ہوئیں۔

اور اسی گھر میں سرور دو عالم ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے ساتھ زندگی گزاری۔ اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال بھی اسی گھر میں ہوا اور حضور انور ﷺ اسی میں ہمیشہ رہے یہاں تک کہ مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔

بعد میں یہ گھر عقیل بن ابی طالب نے لے لیا۔ پھر ان سے سیدنا معاویہؓ نے اپنے عہد خلافت میں خرید کر یہاں مسجد بنا دی۔ جس میں لوگ نماز پڑھتے ہیں۔[۲]

بعثت نبوی:

حضرات انبیاء اللہ نبی ہونے سے پہلے بھی کفر اور شرک اور ہر قسم کے فحش اور منکرات سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں۔ ابتداء ہی سے ان حضرات کے قلوب مطہرہ توحید و تفرید خشیت و معرفت سے لبریز ہوتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ جو کفر و شرک مٹانے اور ہر فحش اور منکر سے بچانے کے لئے اور خیر کی دعوت دینے کے لئے من جانب اللہ مبعوث ہونے والے ہیں اور خدا کے مجتبیٰ اور مصطفیٰ، برگزیدہ اور پسندیدہ بندے بنتے

۱۔ شفاء الغرام ج۱ ص۳۲۸ بحوالہ جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین ص۲۰۔

۲۔ ایضاً۔

والے ہیں معاذ اللہ وہ خود ہی منصب نبوت و رسالت اور خلعت اجتباء و اصطفاء کی سرفرازی سے پیشتر کفر اور شرک کی نجاست میں ملوث اور خواہش و منکرات کی گندگی سے آلودہ ہوں۔ حاشا ثم حاشا۔ قطعاً ناممکن اور محال ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام اعلان نبوت سے پہلے بھی کامل و اکمل ولی اور صدیق ہوتے ہیں۔ بڑے سے بڑا ولی اور صدیق ان کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ حضور انور ﷺ بھی ابتداء ہی سے شرک و بدعت پرستی سے منزہ تھے۔ آپ کی زندگی ہر ایک گوشہ کفر و ضلالت اور سوء و فحشا کی غلاظتوں سے پاک و صاف تھا۔

جیسا علامہ ابن ہشام رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

سید عالم ﷺ اس حال میں جوان ہوئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت اور نگرانی فرماتے تھے۔ اور جاہلیت کی تمام گندگیوں اور غلاظتوں سے آپ کو محفوظ و مصئون رکھتے تھے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہو چکا تھا کہ آپ کو نبوت و رسالت اور ہر قسم کی عزت و کرامت سے سرفراز فرمائے۔ یہاں تک کہ آپ مرد کامل ہو گئے اور مروت، حسن خلق، حسب نسب، حلم و بردباری، راست بازی و صداقت، دیانت و امانت میں سب سے بڑھ گئے اور فحش اور اخلاق رذیلہ سے غایت درجہ دور ہو گئے۔ یہاں تک کہ آپ "امین" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔[1]

انبیاء و رسل اعلان نبوت و رسالت سے پہلے بھی صفات خداوندی سے نا آشنا نہیں ہوتے اور نہ ہی انہیں کسی وقت صفات خداوندی میں کسی قسم کا دھوکہ اور مغالطہ ہوتا ہے اور نہ ہی کسی طرح کا شک و اشتباہ ہوتا ہے۔ اللہ جل مجدہ فرماتے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ[2]

ترجمہ: اور تحقیق ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ان کی شان کے مطابق رشد عطا کیا تھا اور ہم ان کو اور ان کی استعداد کو پہلے سے ہی خوب جانتے تھے۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۱ ص ۱۴۱)

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۹۴۔ [2] سورۃ انبیاء۔ ۵۱

یہ ''رشد'' کیا ہے؟ جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مرحمت کیا تھا۔ ''رشد'' قلب میں ایمان و اطاعت خداوندی کی محبت اور کفر و فسق اور معصیت کی نفرت و کراہت کے راسخ ہو جانے کا نام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ۔ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔[1]

ترجمہ: اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں (بالفرض واتقدیر) اگر بہت سی باتوں میں تمہارا کہنا ماننے لگیں تو بلاشبہ تم مشقت میں پڑ جاؤ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو اس مشقت سے اس طرح بچایا کہ ایمان اور اطاعت کو تمہارے دلوں میں محبوب اور مرغوب بنا دیا اور کفر اور فسق اور معصیت کی نفرت تمہارے دلوں میں ڈال دی۔ ایسے لوگ کہ جن کے دلوں میں ایمان و اطاعت کی محبت اور کفر و معصیت کی نفرت راسخ ہو چکی ہو۔ اللہ کے فضل و انعام سے رشد و ہدایت والے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی علیم و حکیم ہیں۔ (سیرت مصطفیٰ ج ۱ ص ۱۲۱)۔

سید دو عالم ﷺ فرماتے ہیں۔

''جب میرا نشو ونما شروع ہوا۔ اسی وقت سے بت پرستی سے شدید نفرت اور عداوت اور اشعار سے سخت نفرت میرے دل میں ڈال دی گئی۔''[2]

جب زمانہ بعثت قریب تر ہوتا گیا آپ کے مزاج میں خلوت گزینی کی عادت بڑھتی گئی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

---

[1] سورۃ حجرات آیت نمبر ۷

[2] ...اعلیٰ ج ۱ ص ۳۰۵ بحوالہ امہات المومنین (حکیم) ص ۹۵۔

ثُمَّ حُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءٍ۔

ترجمہ: پھر آپ کو خلوت اور تنہائی محبوب بنا دی گئی۔ آپ غار حرا میں جا کر خلوت فرماتے۔

ام المومنین نے حُبِّبَ کو بصیغہ مجہول بظاہر اس لئے ذکر فرمایا کہ یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ وہ کیا سبب اور کیا داعی تھا کہ جس نے خلوت اور عزلت کو آپ کے لئے محبوب بنا دیا۔ وہ کوئی امر باطنی اور غیبی تھا کہ جس نے خلوت وتنہائی پر آپ کو مجبور کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ وہ کیا تھا۔ دوسروں کے حق میں وہ سراسر مجہول ہے۔ اس لئے ام المومنین نے اس کو بصیغہ مجہول ذکر فرمایا۔[1]

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں۔

جوں جوں نبی مکرم ﷺ کی عمر مبارک ۴۰ سال کے قریب پہنچ رہی تھی۔ اعلان نبوت کا وقت قریب آ رہا تھا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی روایت کے مطابق "آپ کو خلوت اور تنہائی محبوب بنا دی گئی۔ اور آپ غار حرا میں جا کر خلوت فرماتے تھے۔"[2]

ایک مغربی مورخ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے۔

سفر وحضر میں ہر جگہ محمد (ﷺ) کے دل میں ہزاروں سوال پیدا ہوتے تھے۔ میں کیا ہوں؟ یہ غیر متناہی عالم کیا ہے؟ نبوت کیا شے ہے؟ میں کن چیزوں کا اعتقاد کروں؟ کیا کوہ حرا کی چٹانیں، کوہ طور کی سر بفلک چوٹیاں، کھنڈر اور میدان۔ کسی نے ان سوالوں کا جواب دیا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ گنبد گرداں، گردش لیل ونہار، چمکتے ہوئے ستارے، برستے ہوئے بادل کوئی ان سوالوں کا جواب نہ دے سکا۔[3]

آپ آبادی سے دور جبل نور کے سنسان علاقہ میں غار حرا کے اندر عبادت و

---

1. سیرت المصطفیٰ ج ۱ ص ۱۴۱۔
2. فتح الباری ج ۱۲ بحوالہ سیرت المصطفیٰ ج ۱ ص ۱۴۳۔
3. سیرت النبی ج ۱ ص ۱۲۵۔
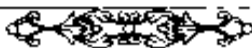
ریاضت میں مشغول ہو جاتے۔ خدا وند قدوس کی تحمید و تقدیس کا ذکر اور قدرت الٰہی پر تدبر و تفکر فرماتے تھے۔ جب کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا تو شہر سے آ کر لے جاتے[1] یا سیدہ خدیجہؓ پہنچا دیتی تھیں۔

جب سید عالم ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال ایک دن قمری حساب پوری ہو گئی تو ۹ ربیع الاول ۴۱ میلاد مطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء بروز شنبہ روح الامین خدا کا حکم نبوت لے کر آپ کے پاس آئے۔ اس وقت آپ غار حرا میں تھے۔[2]

فرشتہ غار کے اندر آیا اور آپ کی خدمت اقدس میں سلام پیش کیا۔ پھر کہا "اقراء" پڑھیے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ما انا بقاری میں پڑھ نہیں سکتا۔ اس پر فرشتہ نے پکڑ کر آپ کو اس شدت سے دبایا کہ آپ کی مشقت کی کوئی انتہا نہ رہی اور پھر چھوڑ دیا اور پھر کہا "اقراء" آپؐ نے پھر وہی جواب دیا۔ فرشتہ نے آپ کو پھر اسی شدت کے ساتھ دبایا اور چھوڑ دیا۔ اور پھر کہا:

اقراء باسم ربك الذي خلق۔ خلق الانسان من علق۔ اقراء وربك الاكرم الذي علم بالقلم۔ علم الانسان مالم يعلم۔[3]

ترجمہ: آپ اپنے پروردگار کے نام کی مدد سے پڑھئے جو خالق ہے تمام کائنات کا۔ خصوصاً انسان کا۔ کہ جس کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ آپ پڑھیے کہ آپ کا رب بہت ہی کریم ہے۔ جس نے قلم سے علم سکھایا۔ اور انسان کو وہ چیزیں بتلائیں۔ جن کو وہ نہیں جانتا تھا۔[4]

کیسا روح پرور تصور ہے۔ ایک امی کو نہایت دیانت دار اور پاکیزہ تاجر کو علم و فضل کا پیغمبر قرار دیا جاتا تھا اور منکشف کر رہا تھا کہ ہر تہذیب اور ثقافت کی ترقی اور بقا کا راز قلم اور تحریر میں مضمر ہے۔

پہلی وحی کا نزول ۲۷ رمضان المبارک کو ہوا۔ لیکن حضور انور ﷺ کے ایک عظیم

---

1 رحمۃ للعالمین ج ۳ص ۔ ۳ زرقانی ج ۱ ص ۲۱۱۔ شرح زرقانی مع ہدیہ ج ۱ ص ۲۴۳
2 ایضاً۔ ۴ ترجمہ سیرۃ المصطفیٰ ج ۱ ص ۱۲۵۔

سوانح نگار "السہیلی" نے جس روایت کو ترجیح دی ہے۔ اس کے مطابق اول نزول وحی پیر ۱۷ رمضان المبارک ۱۳ ق۔ھ۔ بمطابق ۲۲ دسمبر ۶۰۹ء کو ہوا۔

نبی کی غمگساری:

بعد ازاں آپ گھر تشریف لائے اور بدن مبارک پر لرزہ اور کپکپی تھی۔ گھر لوٹتے ہی اپنی زوجہ مطہرہ سیدہ خدیجہؓ سے فرمایا۔ "مجھ پر کمبل ڈال دو۔ مجھ پر کمبل ڈال دو" جب کچھ دیر بعد گھبراہٹ اور پریشانی دور ہوئی۔ تو غار میں پیش آنے والے تمام واقعات سے اپنی اہلیہ کو آگاہ کیا اور فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میری جان نہ نکل جائے۔

وفا شعار و غمگسار زوجہ مکرمہ نے محبت بھرے ایسے سنہرے الفاظ سے آپ کو دلاسہ دیا اور ڈھارس بندھائی اندیشہ و گھبراہٹ کا پسینہ پونچھا۔

كلا والله إلا يخزيك الله ابدا۔ انك لتصل الرحم۔ وتحمل الكل' وتكسب المعدوم۔ وتقرى الضيف۔ وتعين على نوائب الحق۔[2]

ترجمہ: ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ذلیل و رسوا نہ کرے گا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں۔ آپ لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ آپ کنبہ پرور ہیں بے کسوں اور فقیروں کے معاون اور محتاجوں کا سہارا ہیں۔ مہمانوں کی ضیافت کا حق ادا کرتے ہیں اور راہ حق کے مصیبت زدوں کے کام آتے ہیں۔

ابن حجرؒ یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ اس روایت سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپ پر سب سے پہلے سیدہ خدیجہؓ ایمان لائی تھیں۔[3]

---

[1] نقوش رسول نمبر ج ۲ ص ۱۵۳۔

[2] بخاری ج ۱ ص ۳ کتاب بدء الوحی۔ مسلم ج ۱ ص ۸۹ باب بدء الوحی کتاب الایمان۔

[3] فتح الباری ج ۷ ص ۱۰۵۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے۔

سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کو تسلی دی اور یہ کہا۔

فوالذی نفس خدیجۃ بیدہ انی لا رجو ان تکون نبی ھذہ الامۃ۔[1]

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں خدیجہ کی جان ہے۔ میں قوی امید رکھتی ہوں کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے۔

یہ ہیں اس خاتون جنت کے مبارک الفاظ' جس نے اپنا تن' من' دھن سب کچھ سید عالم ﷺ پر نچھاور کر دیا تھا' یہ اظہار تھا شوہر کی سچی محبت اور وفاداری و جاں سپاری کا۔ ذرا تصور کی دنیا میں چودہ سو سال پیچھے چلے جایئے۔ مکہ کے پہاڑوں' عرب کے ریگستانوں میں پلنے والی ایک عورت' جہاں نہ کوئی مدرسہ ہے نہ یونیورسٹی۔ جہاں آج جیسی کوئی ظاہری نام نہاد تہذیب و ترقی والی جلا دیا دیا نہیں۔ لیکن اس کے باوجود کس طرح حکیمانہ' عالمانہ اور کس قدر پیارے الفاظ میں اپنے جذبات کی ترجمانی کی۔

اگلی صبح سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو ساتھ لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں اور کہا اے چچا کے بیٹے ذرا اپنے بھتیجے کا حال ان کی زبان سے سنئے۔ ورقہ نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے بھتیجے! بتاؤ کیا دیکھا ہے۔ آپ نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔

ورقہ کو آپ کا کلام سنتے ہی حق کا یقین آ گیا۔ کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں بالکل حق ہے اور ورقہ نے اس حق کا اعتراف کیا اور اس کو تسلیم کیا۔[2]

ورقہ بن نوفل تمام ماجرا سن کر کہنے لگا۔ یہ وہی "ناموس" فرشتہ ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر اترتا تھا۔ کاش کہ میں تمہارے زمانہ پیغمبری میں قوی اور توانا ہوتا۔ جب تمہاری قوم تمہیں وطن سے نکال دے گی۔ یا اس وقت تک زندگی وفا کرے۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۵۴ عنوان بحث علی خدیجہ کان من امر جبریل۔

[2] صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۳۵۴ کتاب التعبیر۔

آپ نے انتہائی تعجب انگیز لہجہ میں فرمایا "کیا وہ مجھے نکالیں گے؟" ورقہ نے کہا ایک تم ہی پر موقوف نہیں جو شخص بھی پیغمبر ہو کر اللہ کا کلام اور اس کا پیغام لے کر آیا۔ لوگ اس کے دشمن بن گئے۔ اگر مجھے آپ کا وہ زمانہ نصیب ہو گیا تو پوری قوت سے آپ کی مدد کروں گا۔ لیکن کچھ زیادہ دن نہ گزرنے پائے تھے۔ ورقہ کا انتقال ہو گیا۔[1]

ایک روایت میں ہے ورقہ نے کہا

ابشر فانا اشهد انك الذي بشربه ابن مريم و انك على مثل ناموس موسى، و انك نبي مرسل و انك تومر بالجهاد۔[2]

ترجمہ: آپ کو بشارت ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی نبی ہیں۔ جن کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے اور آپ مثل موسیٰ علیہ السلام کے نبی مرسل ہیں اور آپ کو عنقریب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

علامہ ابن ہشام رحمہ اللہ نے ایک روایت اس طرح ذکر کی ہے۔

سید عالم ﷺ ایک مرتبہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے دوران طواف ورقہ بن نوفل بھی انہیں مل گئے۔ وہ بھی کعبہ شریف کا طواف کر رہے تھے انہوں نے آپ سے کہا اے بھتیجے! مجھے بتائیں کہ آپ نے (غار حراء میں) کیا دیکھا اور کیا سنا تھا۔ آپ نے تمام واقعہ کہہ سنایا۔

ورقہ نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ تم اس امت کے نبی ہو۔ اور جو آپ کے پاس آیا تھا وہ ناموس اکبر ہے۔ جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا۔ بیشک قوم آپ کی تکذیب کرے گی۔ آپ کو اذیت دی جائے گی اور آپ کے ساتھ جنگ کی جائے گی۔ اگر میں اس دن تک زندہ رہا تو آپ کی بھرپور مدد کروں گا۔ پھر ورقہ نے سر جھکایا اور آپ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ پھر سید

---

[1] بخاری ج ۲ کتاب التفسیر سورۃ اقرا باسم ربک الذی۔

[2] فتح الباری ج ۸ ص ۲۰ کتاب التفسیر، سورۃ اقرا باسم ربک الذی۔

عالم ﷺ اپنے مکان پر واپس آ گئے۔[1]

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ الشوق ؒ لکھتے ہیں۔

چونکہ سید عالم ﷺ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرح نبی الجہاد ہیں اور شریعت موسویہ کی طرح آپ کی شریعت بھی حدود و تعزیرات، جہاد و قصاص اور حلال و حرام کے احکام پر علی وجہ الاتم مشتمل ہے۔ اس لئے ورقہ بن نوفل نے نصرانی ہونے کے باوجود یہ کہا کہ یہ وہی ناموس ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا۔

اور پہلی مرتبہ جب سیدہ خدیجہؓ نے آپ کی معیت میں ورقہ سے آپ کا حال بیان کیا تو اس وقت اس نے نصرانی ہونے کے باعث آپ کے ناموس (فرشتہ) کو ناموس عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی تھی۔[2]

اس واقعہ کے بعد چند روز کے لئے وحی کا آنا رک گیا یعنی قرآن مجید کا نازل ہونا چند روز کے لئے بند ہو گیا۔ لیکن جبرئیل کی آمد و رفت برابر جاری رہی۔[3]

چند روز کے لئے جب وحی رک گئی تو سید عالم ﷺ کو اس سے بے حد قلق ہوا۔ دھیرے دھیرے حضور اکرم ﷺ کو سکون ہونے لگا۔ پھر غار حرا کے تجربے کے متعلق غور و فکر ان کے لئے باعث مسرت بن گیا۔ پھر آپ کو جبرئیل کی آمد کا انتظار رہنے لگا۔ وہ اس واردات کو پھر محسوس کرنا چاہتے تھے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ ان کا اشتیاق تشویش کا روپ دھارنے لگا۔ تین سال کا طویل عرصہ بیت گیا۔ تو مایوسی نے انہیں گھیر لیا۔

مخالفین و معاندین طعن و تشنیع سے زخموں پر نمک چھڑکنے لگے۔ ایک معمر عورت نے جو رحمت عالم ﷺ سے نفرت کرتی تھی، اور جو آپ کے چچا ابولہب کی اہلیہ تھی۔ یہاں تک کہہ دیا کہ "تمہارے شیطان نے تمہیں ٹھکرا دیا ہے اور وہ تم سے ناراض ہو گیا ہے۔"

---

[1] سیرت نبویہ ج ۱ ص ۱۴۳ بعنوان خدیجہ کی پہلی ورقہ کے پاس حاضری ...

[2] فتح الباری ج ۱ ص ۲۶ بدء الوحی۔ [3] عمدۃ القاری ج ۱ ص ۶۲۔

یہ پہلا اور آخری موقع تھا کہ صبر کا دامن حضور اقدس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ جذبات کی رو میں بہہ گئے اور گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور ایک پہاڑ کی بلند چوٹی پر چڑھ گئے۔ تاکہ ناقابل برداشت حد تک دکھی زندگی کا خاتمہ کر سکیں۔ عین اس وقت جبرئیل ظاہر ہوئے اور کہا کہ آپ خداوند قدوس کے پیغمبر ہیں۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھولے نہیں۔

پھر یہ آیات جبرئیل نے تلاوت کیں۔

وَالضُّحٰی۔ وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی۔ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی[1]

ترجمہ: قسم دن چڑھے کی۔ اور رات کی جب وہ ڈھانپ لے۔ نہیں چھوڑا یا تیرے رب نے تجھے اور نہ ہی تجھ سے نفرت کرتا ہے۔

اس مشکل وقت میں بھی سیدہ خدیجہ طاہرہؓ آپ کو تسلی دیتیں اور آپ کے حزن و ملال کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی تھیں۔ ابن ہشام نے سیدہ طاہرہ کی ایک صفت یہ بھی بیان کی ہے۔

وکانت له وزیر صدق علی الاسلام[2]

ترجمہ: وہ اسلام کے متعلق حضور اقدس ﷺ کی سچی مشیر و کار تھیں۔

ایک مرتبہ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سید عالم ﷺ سے عرض کیا۔ کہ اگر ممکن ہو تو جس وقت وہ ناموس آپ کے پاس آئے تو مجھے ضرور مطلع فرمائیں۔ چنانچہ اس کے بعد جب جبرئیل امین آپ کے پاس آئے تو آپؐ نے سیدہ خدیجہ کو اطلاع دی۔

سیدہ نے عرض کیا کہ آپ میری آغوش میں آجائیں۔ جب آپ سیدہ کی آغوش میں آئے تو سیدہ نے اپنا سر کھول دیا اور آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ اس وقت بھی جبرئیل کو دیکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ سیدہ نے کہا! آپ کو بشارت

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۷۳۳۔

[2] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۵۷ عنوان وفات خدیجہ۔

ہو۔ خدا کی قسم یہ فرشتہ ہے شیطان نہیں ہے[1]

سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ تمام تدابیر سید عالم ﷺ کی پریشانی اور حزن و ملال کو دور کرنے کے لئے تھیں۔ ورنہ اپنے دل میں بے انتہا شاداں و فرحاں تھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب سیدہ نے سر کھول دیا' سر سے ننگی ہو گئیں۔ دوپٹہ بھی اتار دیا اور آپ سے پوچھا کیا اب بھی وہ نظر آ رہا ہے۔ تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اب نظر نہیں آ رہا۔ سیدہؓ نے عرض کیا۔ مبارک ہو یہ فرشتہ ہی ہے۔ شیطان نہیں ہے۔ اگر شیطان ہوتا تو میرے کھلے سر سے شرم و حیا نہ کرتا' بلکہ اور زیادہ خوش ہوتا۔[2]

اسلام کی خاتون اول:

رحمت عالم محسن انسانیت سید الاولین والآخرین۔ امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد ﷺ نے جب نبوت کا اعلان فرمایا۔ تو اقصائے عالم سے ایک آواز بھی آپ کی تائید و تصدیق میں نہ اٹھی۔ تمام جزیرۂ عرب خاموش تھا۔ لیکن اس عالمگیر خاموشی میں صرف ایک آواز تھی جو فضائے مکہ میں گونج رہی تھی' اور یہ دل آویز آواز سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قلب مبارک سے بلند ہوئی تھی۔ جو اس ظلمت کدہ اور کفر و ضلالت کے گڑھے میں انوار الٰہی کی گویا تجلی تھی اور ان ہی کو صدائے نبوت پر سب سے پہلے لبیک کہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مکہ مکرمہ میں ہجرت سے تین سال پہلے انتقال ہوا اور مردوں اور عورتوں میں وہ سید عالم ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والی تھیں ان کی زندگی میں رسول اکرم ﷺ نے کسی

---

[1] الاستیعاب ج ۴ ص ۲۸۲ برحاشیہ الاصابہ' سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۵۵' فتح الباری ج ۸ ص ۷۲۰ کتاب التفسیر' سورۃ اقرء' خصائص کبریٰ اردو ج ۱ ص ۲۸۳۔

[2] اصابہ ج ۴ ص ۲۸۱' البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۵۔

عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان ہی سے آپ کو اولاد عنایت فرمائی تھی۔[1]

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ پر سب سے پہلے سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے تھے۔[2]

رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والوں میں سیدہ خدیجہ طاہرہؓ سب سے پہلے ہیں۔[3]

ابن شہاب الزہریؒ سے روایت ہے۔ سید عالم ﷺ پر نزول وحی سے پہلے سیدہ خدیجہ آپؐ کے پاس تھیں۔ پھر ان کی موجودگی میں قرآن کا نزول ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں اور آپ کی تصدیق کرنے والوں میں سیدہ پہلی خاتون ہیں۔[4]

طبرانی کی روایت میں ہے کہ نماز فرض ہونے سے پہلے سیدہ آپ پر ایمان لائیں۔[5]

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں۔

علماء کی ایک جماعت کے نزدیک سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مردوں اور عورتوں میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں۔

اور ابو عبیدہ کتاب المسلمین میں لکھتے ہیں۔ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مردوں اور عورتوں میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائی ہیں۔

---

[1] طبرانی کبیر ج ۲۲ ص ۴۵۰ حدیث نمبر ۱۰۹۱، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۵۹ حدیث نمبر ۱۵۲۶۱ کتاب المناقب۔

[2] طبرانی کبیر ج ۲۲ ص ۴۵۲ حدیث نمبر ۱۱۰۲، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۵۸ حدیث نمبر ۱۵۲۵۷۔

[3] طبرانی ج ۲۲ ص ۴۵۲۔

[4] طبرانی کبیر ج ۲۲ ص ۴۵۱ حدیث نمبر ۱۰۹۹، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۵۸ حدیث نمبر ۱۵۲۵۶

[5] طبرانی ج ۲۲ ص ۴۵۲۔

اور قتادہ، الزہری، عبداللہ بن محمد بن عقیل، ابن اسحاق اور ایک جماعت کا یہی قول ہے کہ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے پہلے ایمان لائی ہیں۔[۱]

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۶۳۰ھ یوں لکھتے ہیں۔

وکانت خدیجۃ اول من آمن باللہ ورسولہ وتصدق بما جاء بہ۔[۲]

ترجمہ: سیدہ خدیجہؓ اللہ اور رسول اللہ پر ایمان لانے والوں اور تصدیق کرنے والوں میں سب سے پہلی خاتون ہیں۔

صاحب اکمال فرماتے ہیں۔

ھی اول من امن من کافۃ الناس ذکرھم واناثھم۔[۳]

ترجمہ: تمام انسانوں سے پہلے سیدہ خدیجہ طاہرہؓ اسلام لائیں۔ تمام مردوں سے بھی اور تمام عورتوں سے بھی پہلے۔

محمد بن کعب سے روایت ہے۔

اول من اسلم من ھذہ الامۃ خدیجۃ و اول رجلین اسلما ابو بکر و علی۔[۴]

ترجمہ: اس امت میں سب سے پہلے سیدہ خدیجہؓ نے اسلام قبول کیا۔ اور مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے حضرت ابو بکر صدیق اور علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ مختلف روایات نقل کرنے کے بعد یوں فیصلہ کرتے ہیں۔ آزاد مردوں میں سب سے پہلے ابو بکرؓ ایمان لائے۔ عورتوں میں سیدہ خدیجہؓ غلاموں میں زید بن حارثہ اور بچوں میں سیدنا علی المرتضیٰؓ ایمان لائے تھے۔[۵]

---

۱ الاستیعاب ج ۲ ص ۲۸۲ بر حاشیہ الاصابہ۔
۲ اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۳۸۔
۳ الاکمال فی اسماء الرجال۔
۴ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۶۔
۵ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۹۔

رحمت عالم ﷺ اپنی وفا شعار اور جاں نثار زوجہ مکرمہ کے اوصاف کی اس طرح تعریف فرماتے ہیں۔

"وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائی۔ جب لوگ میری رسالت کے منکر تھے اور انہوں نے میری تصدیق کی جبکہ لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور انہوں نے اپنے مال سے میری ہمدردی کی جبکہ لوگوں نے مجھے اپنے مالوں سے محروم رکھا اور ان سے اللہ تعالیٰ نے مجھے صاحب اولاد بنایا۔"[1]

نبی کی جاں نثار:

ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہ صرف نبوت کی تصدیق کی اور سب سے پہلے مسلمان ہونے کا اعزاز حاصل کیا' بلکہ اسلام کے روز اول ہی سے سید عالم ﷺ کی بہت بڑی معین و مددگار اور آپ کے اشاروں پر جان نثار کرنے والی تھیں۔ نزول وحی کے وقت رحمت عالم ﷺ کی زبان پاک پر یہ الفاظ تھے۔

لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میری جان نہ نکل جائے تو اسی غم گسار زوجہ محترمہ نے عرض کیا تھا۔

خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ آپ بے کس و بے بس کا خرچ برداشت کرتے ہیں؟ عاجز اور محتاج کی مدد کرتے ہیں۔ لوگوں کی امانتیں ادا کرتے اور مہمانوں کی ضیافت کا حق ادا کرتے ہیں۔[2]

سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فہم و فراست اور اخلاق کریمانہ کی مالک ہونے کے ساتھ ساتھ عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کی حامل بھی تھیں۔ ہر موقع پر رحمت عالم ﷺ کی پشت پناہی اور حمایت کرتیں۔ مشکلات و آلام میں دل جوئی سے آپ کا دل بہلاتیں۔ آپ کے غم کو ہلکا کرنے کی کوشش کرتیں۔ آپ کی ہمت بندھواتیں تھیں۔ حضور انور سراپا رحمت ﷺ کو تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں جب مشرکین مکہ نے

---

[1] مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۱۸۔ [2] بخاری ج ۱ ص ۳ کتاب بدء الوحی۔

طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائیں تو سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھرپور تسلی و تشفی دیتی رہتی تھیں۔ سیدہ انتہائی غم خوار تھیں آپ کی طمانیت و تسکین قلبی کا موجب بنتی تھیں۔ مورخین اسلام لکھتے ہیں۔

فکان لا یسمع من المشرکین شیئا یکرہ من رد علیہ وتکذیب لہ الافرج اللہ عنہ بھا تثبتہ وتصدقہ وتخفف عنہ وتھون علیہ ما یلقی من قومہ۔[1]

ترجمہ: رسول اکرم ﷺ کو مشرکین کی تردید یا تکذیب سے جو کچھ صدمہ پہنچا' وہ سیدہ خدیجہؓ کے پاس آ کر دور ہو جاتا تھا۔ کیونکہ وہ آپ کی باتوں کی دل آویز انداز میں تصدیق کرتی تھیں اور مشرکین کے معاملہ کو آپ کے سامنے ہلکا کر کے پیش کرتی تھیں۔

سیدہ خدیجہؓ آپ کو اطمینان دلاتیں اور کہتیں۔

"اللہ کی پناہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ایسا ویسا نہیں کرے گا۔ خدا کی قسم! آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں۔ امانت کو حفاظت سے لوٹاتے ہیں اور سچ بولتے ہیں۔ (الحدیث)

سیدہ طاہرہؓ کے یہ الفاظ ان کی الہامی فراست کی طرز کے تھے اور آپؐ پر ٹھنڈک اور سلامتی بنتے' اور اس سے خوف کے آثار ہلکے ہو جاتے تھے۔

علاوہ ازیں سیدہ خدیجہؓ کے یہ نورانی الفاظ' ان کی سید عالم ﷺ کے اخلاق کی معرفت سے پیدا ہوتے تھے جو وہ اپنے تجربات اور فراست سے ہر میدان کار میں دیکھ چکی تھیں۔

قریش کا اذیتناک مقاطعہ:

جب قریش نے دیکھا کہ ہماری ہر طرح کی رکاوٹ کے باوجود اسلام رو بترقی ہے۔ عمر بن خطاب اور حمزہؓ جیسے جلیل القدر اور معزز لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں۔ نجاشی شاہ حبشہ نے مسلمانوں کو اکرام کے ساتھ پناہ دی۔ قریش کے سفراء بے نیل و مرام

[1] الاستیعاب ج ۴ ص ۲۸۲ بر حاشیہ الاصابہ' سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۵۸ عنوان اسلام خدیجہ۔

واپس آئے۔ مسلمانوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس لئے تمام قبائل نے حضور انور ﷺ اور آپؐ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دینے کا تہیہ کر لیا۔

محرم الحرام ۷ نبوی قریش نے متفقہ طور پر ایک تحریری معاہدہ لکھ کر سید عالم ﷺ بنو ہاشم اور ان کے ہمنوا سب نے تعلقات منقطع کر لئے۔ اور بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے شعب ابو طالب (اصل میں شعب بنو ہاشم ہے) میں محصور کر دیا گیا۔ بنو ہاشم میں سوائے ابولہب کے ہر شخص اس گھاٹی میں محصور ہو گیا۔ ابولہب نے قریش کا ساتھ دیا۔

"کوئی شخص بنو ہاشم سے رشتہ ناطہ نہ کرے گا۔ ان کے ہاتھ خرید و فروخت نہ کرے گا۔ ان سے میل جول نہ رکھے گا۔ ان کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہ جانے دے گا' جب تک کہ وہ محمد ﷺ کو قتل کے لئے حوالہ نہ کر دیں۔"[1]

یہ ظالمانہ اور سفاکانہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور اسے کعبہ کے اندر آویزاں کر دیا گیا۔ یہ تحریر لکھنے والے ظالم کو اللہ کی جانب سے فی الفور یہ سزا ملی کہ اس کا ہاتھ شل ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے ہاتھ لکھنے سے بیکار ہو گیا۔[2]

یہ محاصرہ تین سال تک رہا۔ حصار سخت تکلیف دہ اور جان لیوا تھا۔ یہاں تک کہ بھوک کی شدت سے بچے بلبلانے لگے' اور ان کی کرب ناک آوازیں باہر سے سنائی دینے لگی۔ سنگ دل کافر پھول جیسے بلبلاتے بچوں کی دل دوز آوازیں سن کر خوش ہوتے۔ لیکن کچھ نوجوانوں میں رحم دل بھی تھے' جنہیں یہ ظلم و بربریت ناگوار گذری اور معاہدہ توڑنے پر کمر بستہ ہو گئے۔[3]

محاصرہ کا یہ زمانہ انتہائی روح فرسا اور جاں گداز تھا' مسلمان کیکر کے پتے کھا

---

1. طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۰۹ مواہب اللدنیہ۔
2. سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۷۶۔ شرح زرقانی طبع جدید ج ۲ ص ۱۳۔
3. طبقات ابن سعد ج ص ۱۰۱۔ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۲۱ برحاشیہ روض الانف۔

کھا کر وقت گذارتے' خشک چمڑے کھا کر بسر کرتے۔ تاہم مصیبت و آزمائش کی اس نازک گھڑی میں بھی سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رحمت عالم ﷺ کے دامن رحمت سے وابستہ رہیں' آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ ابن ہشام کی روایت یہ ہے۔

وھی عند رسول اللہ ﷺ ومعہ فی الشعب[1]

ترجمہ: خدیجہؓ بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شعب ابی طالب میں تھیں۔

ان حالات میں بھی رسول اللہ ﷺ اپنی قوم میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ سراً و علانیۃً ہر طریقہ سے انجام دیتے اور بنو ہاشم اور سیدہ خدیجہ طاہرہؓ صبر اور اجر کی امید کے ساتھ ان تمام تکالیف و مصائب کو برداشت کرتیں۔ کبھی زبان سے اف تک نہ کہا اور نہ یہ کہا کہ آپ کی اور آپ کی تبلیغ کی وجہ سے یہ مصیبت آئی ہے ہم کیسے صبر کریں۔ کیسے برداشت کریں؟

ایک دو ماہ نہیں تین سال کا طویل عرصہ اسی طرح گذر گیا۔ جو ان جوکھوں میں ڈال کر جاں نثاری اور وفا داری کا ثبوت دیے۔

امام سہیلی المتوفی اس طرح رقمطراز ہیں۔

جب کوئی تجارتی قافلہ مکہ آتا تو بنو ہاشم اور ابولہب قافلہ والوں کو کہتے کوئی تاجر محمد (ﷺ) کو کوئی چیز بھی عام نرخوں پر فروخت نہ کرے' بلکہ ان سے دگنی تگنی قیمت وصول کرے۔ اور اگر کوئی نقصان یا خسارہ ہوا تو ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ صحابہؓ خریدنے آتے لیکن نرخ کی گرانی کا یہ عالم دیکھ کر خالی ہاتھ واپس لوٹ جاتے تھے۔ ایک طرف صحابہ کرام کی تہی دستی اور دشمنوں کی چیرہ دستی تھی اور دوسری جانب معصوم بچوں کا بھوک سے بلبلانا اور تڑپنا تھا۔[2]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھوک سے بیتاب

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۶۰۔

[2] روض الانف ج ۱ ص ۲۳۲۔

تھا۔ اتفاق سے رات کی تاریکی میں کسی تر چیز پر میرا پاؤں پڑا۔ میں نے اسے فوراً اٹھا کر نگل لیا۔ اب تک مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیا چیز تھی۔[1]

تاہم اس زمانہ میں بھی سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اثر و رسوخ سے کبھی کبھی کھانا پہنچ جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دن حکیم بن حزام اپنی پھوپھی سیدہ خدیجہؓ کے لئے غلام کو ساتھ لے کر کچھ غلہ لے جا رہے تھے۔ اتفاق سے ابوجہل نے دیکھ لیا۔ اور کہا کہ تم بنو ہاشم کے لئے غلہ لے جا رہے ہو۔ اگر اس حرکت سے باز نہ آئے تو میں تمہیں سب کے سامنے رسوا کروں گا۔

حسن اتفاق سے ابوالبختری آ گیا' جب اسے ابوجہل کی بات کا علم ہوا تو ابوجہل سے کہنے لگا' ایک شخص اپنی پھوپھی کے لئے خورد و نوش کا سامان بھیجتا ہے تو تم اس میں رکاوٹ کیوں بنتے ہو۔ ابوجہل غصہ سے لال پیلا ہو گیا اور سخت سست کہنے لگا۔ ابوالبختری نے اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے ابوجہل کو ماری کہ اس کا سر پھاڑ دیا۔ یہ نظارہ سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شعب کے اندر سے دیکھ رہے تھے۔[2]

نصرت غیبی:

متواتر تین سال یہ اذیتناک تکالیف جھیلتے گذر گئے۔ تو اللہ جل شانہ نے غیبی نصرت فرمائی کہ وہ ایسے واقعات رونما ہوئے جو رحمت عالم ﷺ اور تمام مسلمانوں کی رہائی کا موجب ثابت ہوئے۔

۱۔ ہشام عامری جو خاندان بنو ہاشم کا قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلے میں ممتاز تھا' چوری چھپے محصورین بنی ہاشم کو خورد و نوش کا سامان بھیجتا رہتا تھا۔ ایک دن وہ عبدالمطلب کے نواسے زہیر کے پاس گیا۔ اور کہا۔

زہیر! کیا تم کو یہ بات پسند ہے کہ تم کھاؤ پیو اور مزے اڑاؤ۔ اور ہر طرح کے لطف اٹھاؤ اور تمہارے ماموں کو ایک دانہ بھی نصیب نہ ہو۔ زہیر نے کہا میں تنہا کیا کر

---

[1] روض الانف ج ۱ ص ۲۳۲
[2] ابن ہشام ج ۱ ص ۲۱۰

سکتا ہوں۔ ایک شخص بھی میرا ساتھ دے۔ تو میں اس ظالمانہ معاہدہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں۔

ہشام نے کہا میں اس معاملہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ دونوں مل کر مطعم بن عدی کے پاس گئے۔ پھر ابوالبختری' ابن ہشام اور زمعہ بن الاسود بھی ساتھ مل گئے۔ ان لوگوں کے عزم و ہمت اور باہمی اتفاق نے ابوجہل وغیرہ کو بے بس کر دیا اور معاہدہ کی خلاف ورزی پر ڈٹ گئے۔[1]

اسی دوران قدرت خداوندی سے معاہدہ والے کاغذ کو دیمک نے چاٹ لیا اور اس سے اللہ جل مجدہ نے رحمت عالم ﷺ کو آگاہ فرمایا اور آپ نے اس بات سے ابو طالب کو آگاہ کر دیا۔ تحریر میں جو مقدس الفاظ تھے محفوظ رہے اور باقی ساری عبارت دیمک نے صاف کر دی۔ ابو طالب نے قریش کے مجمع میں اس واقعہ کو بیان کیا اور کہا کہ میرے بھتیجے (حضرت محمد ﷺ) نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ ہی ان کی کوئی بات آج تک غلط ثابت ہوئی۔

اس لئے چل کر دیکھنا چاہئے اگر یہ خبر صحیح اور سچ ہو تو تم اس جور و ستم سے باز آ جاؤ اور غلط ثابت ہونے کی صورت میں ہم محمد (ﷺ) کو تمہارے حوالے کرنے کو تیار ہیں۔ تم انہیں زندہ چھوڑ دو خواہ قتل کر دو۔

حاضرین نے ابو طالب کی حقیقت پسندانہ بات کی تائید کی اور عہد نامہ منگوایا گیا تو واقعی اللہ تعالیٰ کے پاک نام کے سوا تمام حروف کیڑے نے کھا لئے تھے۔ یہ منظر دیکھتے ہی مشرکین کی گردنیں ندامت اور شرمندگی سے جھک گئیں۔

اس طرح اس وہ ظالمانہ عہد نامہ اپنے انجام کو پہنچا اور ۱۰ نبوی تین سال کے بعد سید عالم ﷺ اور آپ کے تمام رفقاء اس قید سے آزاد ہوئے۔[2]

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۷۵ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۰۱۔

[2] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۰۱۔

بالآخر قریش کے اندرونی باہمی اختلافات اور عہد نامے کے کرم خوردہ ہو جانے سے تین سال کی مسلسل مصیبت کا خاتمہ ہوا اور ۱۰ نبوی یعنی ہجرت سے تین سال پہلے بنو ہاشم گھاٹی سے باہر نکلے۔[1]

فروغ اسلام اور ایثار خدیجہؓ:

سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صاحب ثروت و مال تھیں اور مکہ مکرمہ کے مالدار لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ رحمت عالم ﷺ کے حبالۂ عقد میں آنے کے بعد آپ کی خدمت گذاری اور دلداری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا' اپنی جان بھی اور مال بھی آپ پر فدا کر دیا تھا' عمر بھر کی ساری پونجی اور تمام مال و دولت آپ کے قدموں میں نچھاور کر دیا تھا' جس کا ذکر جمیل قرآن مجید میں اللہ جل شانہ کس حسین انداز میں فرماتے ہیں۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى[2]

ترجمہ: اور اللہ نے آپ کو بے مال پایا' پس غنی کر دیا۔

مفسرین کرام اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

امام عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۷۰۱ھ لکھتے ہیں۔

فَأَغْنَاكَ بِمَالِ خَدِيْجَةَ[3] اسی طرح تفسیر خازن میں بھی ہے۔

(خازن ج ۴ ص ۳۱۴) امام بغویؒ المتوفی ۵۱۶ھ نے بھی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ (تفسیر بغوی ج ۴ ص ۴۹۹)

امام قرطبی المتوفی ۶۷۱ھ فرماتے ہیں۔ فَأَغْنَاكَ بِخَدِيْجَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا[4]

سید محمود آلوسی المتوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں۔

اس سے مراد وہ مال ہے جو آپ میسرہ کے ساتھ شام تجارت کے لئے لے گئے

---

[1] فتح الباری ج ۷ ص ۱۹۲ باب تقاسم المشرکین علی النبی۔
[2] سورۃ الضحیٰ۔
[3] تفسیر نسفی ج ۴ ص ۳۶۳۔
[4] تفسیر قرطبی ج ۲۰ ص ۹۹۔

تھے اور منافع کمایا تھا۔ اور سیدہ خدیجہؓ نے جو بہت زیادہ مالدار تھیں اور انہوں نے آپ کے حبالہ عقد میں آنے کے بعد اپنا سارا مال ومتاع آپ کے حوالے کر دیا تھا۔[1]

رحمت عالم ﷺ بھی سیدہ خدیجہ کے مالی ایثار اور فدائیت کا احسان مندی کے ساتھ ذکر فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سیدہؓ کے احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے اس طرح رطب اللسانی فرمائی۔

واعطتني مالها فانفقته في سبيل الله۔[2]

ترجمہ: اور انہوں نے اپنا مال مجھے دیا' جسے میں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بچپن میں کسی غارتگر نے اغوا کر لیا اور عکاظ (مکہ) کے بازار میں فروخت کے لئے پیش کیا' اس نونہال کا ستارۂ اقبال بلند تھا۔ غلامی میں بھی سیادت مقدر تھی۔ حکیم بن حزام نے چار سو درہم میں خرید کر اپنی پھوپھی ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں پیش کر دیا' اور انہوں نے سرور دو عالم ﷺ کی خدمت کی غرض سے آپ کی نذر کر دیا۔ جس کے باعث شہنشاہ کونین کی غلامی کا شرف نصیب ہوا۔ جس پر ہزاروں آزادیاں اور تمام دنیا کی بادشاہتیں قربان ہیں۔

سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طوق غلامی سے آزاد کرا یا اور اسلام کے کاموں پر لگا دیا۔

ذوقِ عبادت:

ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی میں پنج وقتہ نماز فرض نہیں ہوئی تھی۔ آپ کے وصال کے بعد رحمت عالم ﷺ کو اللہ جل مجدہ نے معراج کرائی تب یہ نمازیں فرض ہوئیں۔ البتہ مطلق نماز اس سے پہلے بھی پڑھی جاتی تھی۔

---

[1] تفسیر روح المعانی ج ۳۰ ص ۱۸۸۔

[2] طبقات ابن سعد۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں۔

کہ جب مطلق نماز فرض ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام رسول اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے اور اپنی ایڑی ماری جس سے چشمہ ابل پڑا۔ پھر دونوں نے اس سے وضو کیا اور حضرت جبریلؑ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ جبریل علیہ السلام سے وضو اور نماز کا طریقہ سیکھ کر رسول اکرم ﷺ کے دولت کدہ پر تشریف لائے اور سیدہ خدیجہ طاہرہؓ کا ہاتھ پکڑ کر اس چشمہ پر لے گئے اور حضرت جبریلؑ کی طرح آپؐ نے ان کے سامنے وضو کیا اور دو رکعت پڑھیں۔ اس کے بعد نبی کریمؐ اور سیدہ خدیجہؓ پوشیدہ نماز پڑھا کرتے تھے۔[1]

عفیف کندی کا بیان ہے کہ میں حج کے موقع پر عباس بن عبدالمطلب کے پاس آیا وہ تاجر آدمی تھے۔ مجھے ان سے مال تجارت کی خرید و فروخت کا معاملہ کرنا تھا۔ میری اچانک نظر پڑی کہ ایک شخص ایک خیمہ سے نکل کر کعبہ کے سامنے نماز پڑھنے لگا۔ پھر ایک عورت نکلی اور ان کے پاس آئی' وہ بھی اس کے پاس نماز پڑھنے لگی۔ پھر ایک لڑکا آیا۔ وہ بھی ان کے پاس نماز پڑھنے لگا۔ یہ ماجرا دیکھ کر میں نے عباس سے دریافت کیا یہ کون سا دین ہے' ہم تو اس سے نا آشنا ہیں عباس نے جواب دیا جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے' یہ تو جوان محمد بن عبداللہ ﷺ ہے۔ جس کا دعویٰ ہے کہ خدا نے اسے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے اس کے ہاتھوں فتح ہوں گے۔ اور یہ عورت اس کی بیوی خدیجہ بنت خویلد ہے۔ جو اس پر ایمان لا چکی ہے اور یہ لڑکا اس کے چچا کا بیٹا علی بن ابو طالب ہے۔ عفیف کہتے ہیں کاش میں اسی روز مسلمان ہو جاتا تو بالغ مسلمانوں میں دوسرا شمار ہوتا۔[2]

وفات حسرت آیات:

سرورِ دو عالم ﷺ کے ساتھ ہی سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی شعب

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۴۔ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۶۱۔

[2] البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۵۔

جو مطلب سے باہر آئی تھیں پے در پے تکالیف و مصائب کے باعث سیدہؓ کی صحت و بدن خراب ہوتی گئی۔ بالآخر رحمت کائنات ﷺ کے ساتھ ۲۵ سال رفاقت کے بعد رمضان المبارک یا شوال ۱۰ نبوی میں یعنی ہجرت سے تین سال پہلے اپنے شوہر نامدار کو داغ مفارقت دے گئیں۔[1] چند دنوں کے وقفے سے ابوطالب اور سیدہ خدیجہؓ کا انتقال پر ملال ہوا۔ سید عالم ﷺ کے مددگار و غمگسار یکے بعد دیگرے دونوں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خود مصائب و آلام میں مبتلا تھے۔[2]

سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے وقت عمر مبارک ۶۴ سال ۶ ماہ تھی۔ چونکہ اس وقت تک نماز جنازہ شروع نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا سیدہؓ کو بھی اسی طرح دفن کر دیا گیا تھا۔ رحمت عالم ﷺ خود ان کی قبر میں اترے اور اپنی غمگسار و جاں نثار زوجہ مکرمہ کو قبر کی آغوش میں رکھا۔ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر جنت المعلیٰ میں مرجع خلائق بنی ہوئی ہے۔[3]

سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ مقدس خاتون تھیں۔ جنہوں نے نہ صرف سب سے پہلے نبوت کی تصدیق کا شرف حاصل کیا۔ بلکہ آغاز اسلام میں آپؐ کی معین و مددگار ثابت ہوئیں۔ ان کی مثالی اور قابل رشک ازدواجی زندگی نے سید عالم ﷺ کے قلب اطہر پر بڑے گہرے نقوش چھوڑے۔ آپؐ اکثر سیدہؓ کا ذکر بڑے اچھے الفاظ اور محبت بھرے انداز سے فرماتے تھے۔

ابوطالب جو بقول امام سہیلی کے "سر سے پاؤں تک رسول اللہ ﷺ کی حمایت و نصرت میں غرق تھے۔[4]

اب آپ کا کوئی حامی اور مددگار نہ رہا اور تاریخ اسلام کا ایک نیا دور شروع ہوا

---

۱ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۔

۲ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۷۔

۳ تفسیر قرطبی ج ۱۴ ص ۱۹۹ سورۃ الاحزاب۔ الاصابہ ج ۴ ص ۲۸۲ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۵۱۔

۴ روض الانف۔

اور یہ زمانہ رحمت عالم ﷺ کی زندگی کا سخت ترین زمانہ تھا۔ تاریخ اسلام میں یہ سال "عام الحزن" سے مشہور ہے' قریش نے نہایت بے رحمی' بے باکی اور سنگدلی کے ساتھ آپ کو ستانا شروع کر دیا۔ پہلے بھی کفار نابکار آپ کو اذیت پہنچایا کرتے تھے۔ لیکن تنہائی کے اضطراب میں مصیبتوں کے ہجوم میں اور ستم گاریوں کے تلاطم میں ہر جگہ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے مقدس شوہر کے ساتھ تھیں' وہ ہر ایسے موقع پر آپ کی تسکین خاطر کا موجب بنتیں اور اپنی دل ربا اداؤں سے غم غلط کر دیتی تھیں۔ جس کی تصدیق وتوثیق علامہ محمد بن اسحاق کی روایت سے ہوتی ہے۔

كانت خديجة وزيرة صدق على الاسلام۔ وكان رسول الله ﷺ يسكن اليها۔

ترجمہ: سیدہ خدیجہؓ آپ کی وزیر اور مشیر تھیں۔ اسلام کی تصدیق کرنے والی تھیں اور رحمت عالم ﷺ ان کے پاس تسکین قلبی حاصل کرتے تھے۔

چنانچہ اسی زمانہ میں شوال ۱۰ نبوی کو حضور انور ﷺ قریش مکہ کی چیرہ دستیوں سے مجبور ہو کر طائف تشریف لے گئے۔ لیکن اہل طائف نے جو ظلم و بربریت' سفاکانہ اور بہیمانہ سلوک آپ کے ساتھ روا رکھا۔ قلم کو اس کی تاب نگارش نہیں ہے۔

ڈاکٹر محمد سعید البوطی نے اپنی کتاب "فقہ السیرۃ" میں عام الحزن کی بیحد نفیس توجیہ بیان کی ہے۔

"بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضور انور ﷺ کا اس سال کو "عام الحزن" کہنا صرف حضرت خدیجہؓ اور چچا ابو طالب کی وفات کی وجہ سے تھا' لیکن حقیقت میں یہ سمجھ اور اندازے کی غلطی ہے۔ حضور انور ﷺ محض اپنے چچا اور زوجہ کی وفات سے ہی شدید غم میں مبتلا نہ تھے اور نہ ہی انہوں نے اپنے ان اقارب کی جدائی کی وجہ سے اس سال کو عام الحزن کہا۔

ا‌ے اسد الغابہ ج ۵ص ۴۳۹۔

بلکہ اس کا سبب وہ حوادث اور عظیم تکالیف تھیں۔ جو دعوت اسلام کے
راستے کی رکاوٹ بنیں۔ کیونکہ ان کے چچا کی حمایت بہت سارے مقامات
میں ارشاد، تعلیم اور تبلیغ کے راستوں میں آنے والی رکاوٹوں کا سدباب
کرتی تھی اور اس میں سید عالم ﷺ رب جلیل کی طرف سے دیئے
جانے والے احکامات کو خوش اسلوبی اور آسانی سے پورا فرما رہے تھے۔[۱]

رحلت کے وقت عمر:

ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارک سید عالم ﷺ کے عقد میں آنے کے وقت کتنی تھی اور آپ کی رحلت کے وقت عمر شریف کیا تھی۔ مورخین حضرات متعدد اقوال نقل فرماتے ہیں۔

امام ابن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۲۳۰ھ نے متعدد روایات بیان کی ہیں۔

حکیم بن حزام سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ عمر میں بڑے تھے یا سیدہ خدیجہؓ؟ تو حکیم بن حزام نے جواب دیا سیدہ خدیجہؓ آپؐ سے پندرہ سال بڑی تھیں۔

نفیسہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ۲۵ سال کی عمر میں سیدہ خدیجہؓ سے نکاح فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سیدہ خدیجہؓ کی نکاح کے وقت عمر ۲۸ سال تھی۔ محمد بن عمر کہتے ہیں کہ ہمارے علماء کا ارشاد ہے۔ کہ سیدہ خدیجہؓ عام الفیل سے ۱۵ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عقد کے وقت ۴۰ سال کی تھیں۔

حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ سیدہ خدیجہؓ نکاح کے وقت ۴۰ سال کی اور رسول اللہ ﷺ ۲۵ سال کے تھے۔ اور خدیجہؓ مجھ سے (حکیم بن حزام سے) دو سال بڑی تھیں۔ سیدہ کی ولادت عام الفیل سے ۱۵ سال پہلے اور میری ۱۳ سال پہلے ہوئی۔

محمد بن عمرؒ محمد بن صالح اور عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز سے روایت بیان کرتے ہیں۔ ان دونوں کا قول ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہجرت سے دس سال قبل

---

[۱] فقہ السیرۃ ص ۱۳۰ بحوالہ جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین ص ۳۲۔

رمضان المبارک میں ۶۵ سال کی عمر میں فوت ہوئیں۔

حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبوت کے دسویں سال رمضان المبارک میں فوت ہوئیں۔ ان کی عمر اس وقت ۶۵ سال تھی۔[1]

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ المتوفی ۴۶۳ھ بیان کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک سیدہ خدیجہؓ کے ساتھ نکاح کے وقت ۲۱ سال تھی اور اکثر علماء کے نزدیک ۲۵ سال تھی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کی عمر ۳۰ سال تھی۔ جبکہ سیدہ خدیجہؓ کی عمر نکاح کے وقت ۴۰ سال تھی اور حضور ﷺ کے ساتھ ۲۴ سال گذارے اور وصال کے وقت عمر ۶۴ سال تھی۔[2]

امام ابن عبدالبرؒ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

معمر بن الحبشی کی روایت میں ہے کہ ہجرت سے ۵ سال پہلے سیدہؓ کا انتقال ہوا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ۴ سال پہلے وفات پائی اور قتادہ فرماتے ہیں ہجرت سے تین سال پہلے فوت ہوئی ہیں۔ ابو عمر کہتے ہیں میرے نزدیک قتادہ کا قول زیادہ صحیح ہے۔[3] (یعنی تین سال قبل وفات پائی)۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۶۳۰ھ نے بھی اسی طرح یہ روایت نقل کی ہے۔[4]

رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک بوقت نکاح سیدہ خدیجہؓ ۲۵ سال تھی اور کہا جاتا ہے کہ ۲۱ سال تھی اور سیدہ کی عمر ۴۰ سال تھی اور ۲۴ سال آپؐ کے ساتھ گذارے۔[5]

امام سہیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۵۸۱ھ فرماتے ہیں۔

حضور اقدس ﷺ کے نکاح کے وقت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کا کہنا

---

1. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۴۳ تا ص ۳۵۱۔
2. الاستیعاب ج ۴ ص ۲۸۰ برحاشیہ الاصابہ۔ 3. ایضاً۔
4. اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۳۵۔
5. اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۳۹۔

ہے کہ آپ کی عمر ۳۰ سال تھی اور کہا جاتا ہے کہ ۴۱ سال تھی۔[1]

علامہ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ یوں لکھتے ہیں۔

ابن ہشام کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک سیدہ کے ساتھ نکاح کے وقت ۲۵ سال تھی اکثر اہل علم نے یہی بیان کیا ہے۔ جن میں ابو عمرو المدنی بھی ہیں۔ عمرو بن اسد کی روایت میں بھی ۲۵ سال عمر کا ذکر ہے۔ اسی طرح بیہقی نے حاکم سے نقل کیا ہے کہ نکاح کے وقت آپ کی عمر ۲۵ سال تھی۔

وکان عمرھا اذ ذاک خمسا وثلاثین۔ وقیل خمسا وعشرین سنۃ۔[2]

ترجمہ: اور اس وقت سیدہ کی عمر ۳۵ سال تھی اور یہ بھی کہا جاتا ہے ۲۵ سال تھی۔

اور سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے وقت عمر مبارک۔

وبلغت خدیجۃ خمسا وستین سنۃ ویقال خمسین۔ وھو اصح۔[3]

ترجمہ: اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۶۵ سال ہوئی۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ۵۰ سال ہوئی اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

علامہ ابن کثیر ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں۔

زہری کہتے ہیں کہ نکاح کے وقت نبی اکرم ﷺ کی عمر مبارک ۲۱ سال تھی اور کہا جاتا ہے کہ ۲۵ سال تھی۔ اور واقدی کہتے ہیں سیدہ کی عمر ۴۵ سال تھی۔ اور دوسرے اہل علم حضرات کہتے ہیں کہ نکاح کے وقت آپ کی عمر ۳۰ سال تھی۔

حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عمر شریف ۲۵ سال اور

---

[1] روض الانف ج ۱ ص ۱۲۳۔

[2] البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۹۵۔

[3] البدایہ ج ۲ ص ۲۹۴۔

سیدہ کی عمر ۳۰ سال تھی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ سیدہ کی عمر نکاح کے وقت ۲۸ سال تھی۔ یہ دونوں روایات ابن عساکر نے بیان کی ہیں اور ابن جریج کہتے ہیں۔ آپ کی عمر ۳۷ سال تھی۔[1]

حضور اقدس ﷺ کی عمر مبارک سیدہ خدیجہ سے نکاح کے وقت۔ ۲۱، ۲۵، ۳۷، ۳۰ سال بیان کی گئی ہے۔ سیدہ خدیجہؓ نکاح کے وقت ۲۵، ۲۸، ۳۰، ۳۵، ۳۷، ۴۰ اور ۴۵ سال اور سید عالم ﷺ کی رفاقت ۲۴ سال ۲۵ سال رہی۔

خصائص وفضائل:

ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پاکیزہ اخلاق' بلند پایہ محاسن اور لاثانی رشک سیرت وکردار کی حامل تھیں' جب رحمت عالم ﷺ لوگوں کو کفر وشرک کی ضلالت اور گمراہی کے عالمگیر اندھیروں سے نکال کر توحید خداوندی کی روشن شاہراہ پر چلانے کے لئے کمر بستہ ہوکر گلی کوچوں میں آواز حق بلند فرما رہے تھے۔ تو کسی بھی جانب سے آپ کی تائید وتوثیق میں آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ تمام جزیرہ عرب ایک خاموش تماشائی کی طرح معنی خیز خاموشی کا پیکر بنا ہوا تھا۔ اس عالمگیر خاموشی میں ایک دل آویز آواز اٹھتی ہے۔ جو فضائے مکہ میں ہلچل پیدا کردیتی ہے۔ اور وہ مونس وغمگسار آواز سیدہ خدیجہ طاہرہؓ کی تھی۔ جو ان کے قلب کی اتھاہ گہرائیوں سے بلند ہوتی تھی اور جو اس ظلمت کدہ کفر وضلالت میں انوار الٰہی کی تجلی گاہ تھی۔

یہ خاتون جنت زمانہ جاہلیت میں بھی بت پرستی سے نفور اور دور تھیں۔ ایک مرتبہ سید عالم ﷺ نے سیدہؓ سے فرمایا۔

قسم بخدا! میں کبھی بھی لات وعزیٰ کی پرستش نہ کروں گا۔ سیدہؓ نے جواباً عرض کیا لات کو جانے دیجئے' عزیٰ کو چھوڑیئے۔ یعنی ان کا تو ذکر ہی نہ کیجئے۔[2]

ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جس گھرانے میں آنکھ

---

1. البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۹۳۔
2. مسند امام احمد ج ۴ ص ۲۲۲۔

کھولی اس میں سیم وزر اور مال و دولت کی ہر وقت برسات ہوتی تھی۔ وہ مقدس خاتون منہ میں چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئیں۔ سید عالم ﷺ کے حبالۂ عقد میں آنے سے پہلے آپ دولت میں کھیلتی تھیں۔ تقریباً سارا مکہ اور اس کی بیشتر آبادی آپ کے مال تجارت پر اپنی زندگی کی گزران کرتی تھیں۔ لیکن حرم نبوی میں آنے کے بعد اپنی ساری زندگی اور مال و متاع آپ کے قدموں میں نچھاور کر دیا اس صبر اور خدمت کا اجر اور صلہ بارگاہ خداوندی سے یہ ملا کہ رب کائنات کے سلام و پیام آنے لگے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رحمت عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہنے لگے۔ یا رسول اللہ! خدیجہ حاضر خدمت ہو رہی ہیں اور آپ کے لئے برتن میں کھانے کی کوئی چیز لا رہی ہیں۔ جب وہ آپ کے پاس آئیں تو انہیں ان کے رب کا اور میرا سلام پہنچا دیجئے۔ اور انہیں جنت میں موتیوں کے عالیشان محل کی خوشخبری سنا دیجئے۔ جس میں نہ شور و غل ہوگا اور نہ ہی کوئی تکلیف۔[1]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حق تعالیٰ شانہ سیدہ خدیجہ کو سلام کہتے ہیں۔ سیدہ نے یہ سن کر فرمایا حق تعالیٰ جل مجدہ خود "سلام" ہیں اور جبریل پر بھی سلام ہو اور آپ پر بھی سلام اور اللہ کی رحمت ہو۔[2]

ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام سید عالم ﷺ کی خدمت میں موجود تھے کہ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں، رسول اللہ ﷺ نے جبریل سے فرمایا "یہ خدیجہ ہیں" جبریل علیہ السلام نے فرمایا، انہیں ان کے رب

---

1. صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۹ کتاب المناقب باب تزویج النبی ﷺ خدیجہ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸۴ کتاب فضائل۔

2. مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۸۶ کتاب معرفۃ الصحابہ، مجمع الزوائد مع ترجمہ ص ۲۲۳ الاصابہ ج ۴ ص ۲۸۳ حدیث نمبر ۳۳۷۔

کی طرف سے اور میرا سلام کہہ دیجئے۔[1]

امام عزالدین ابوالحسن بن الاثیر فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں وہ پہلی شخصیت ہیں جو اسلام لائیں اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ سب سے پہلے اسلام لانے والی خدیجہؓ ہی ہیں اور اس معاملہ میں کوئی مرد یا عورت ان کے مرتبہ و مقام کو نہیں پہنچ سکا۔ اور یہ انتہائی عظیم منقبت ہے۔ جس میں ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کوئی ثانی نہیں۔[2]

ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں چند ایسی خصوصیات ہیں۔ جن میں دوسری کوئی زوجہ مطہرہ شریک نہیں۔

۱۔ سب سے پہلے سرور دو عالم ﷺ کی تصدیق کرنے والی۔
۲۔ سب سے پہلے سرور دو عالم ﷺ نے ان سے شادی کی۔
۳۔ سب سے پہلے سرور دو عالم ﷺ کے ساتھ انہوں نے نماز پڑھی۔
۴۔ سب سے پہلے آپ ﷺ کی اولاد ان ہی سے ہوئی۔
۵۔ سب سے پہلے ازواج مطہرات میں جنت کی بشارت ان کو ملی۔
۶۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں سلام پیش فرمایا۔
۷۔ مومنات میں سے پہلی صدیقہ خاتون ہیں۔
۸۔ آپ کی سب سے پہلے وفات پانے والی زوجہ بھی آپ ہیں۔
۹۔ یہ پہلی شخصیت ہیں جن کی قبر مبارک میں رسول ﷺ اترے۔[3]

جنت کی نوید:

ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خصائص و فضائل اور منقبت و عظمت میں سے یہ بھی ایک عظیم المرتبت اور عظیم الشان خصوصیت ہے کہ رحمت

---

[1] طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۵ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲۵ حدیث نمبر ۱۵۲۷۲۔
[2] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۳۴۔
[3] الفصول لابن کثیر ص ۲۰۹ بحوالہ جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین۔

عالم ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے انہیں جنت کی نوید جاں فزا اور اللہ تعالیٰ کے سلام سے نوازا جاتا ہے۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر خدیجۃ ببیت فی الجنۃ من قصب۔[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جنت میں موتیوں کے عالیشان محل کی خوشخبری سنائی۔

ایک روایت میں ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر خدیجۃ ببیت فی الجنۃ من قصب لا صخب فیہ ولا نصب۔[2]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے سیدہ خدیجہ طاہرہؓ کو جنت میں ایسے محل ملنے کی بشارت دی جو موتیوں کا ہوگا اور جس میں شور وغل اور محنت ومشقت نہ ہوگی۔

سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

امرت ان أبشر خدیجۃ ببیت من قصب لا صخب فیہ ولا نصب۔[3]

ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خدیجہ طاہرہؓ کو جنت میں ایک ایسے محل کی بشارت سنا دوں جو موتی کا ہوگا اور جس میں شور وغل اور

---

۱ بخاری ج ۱ ص ۵۳۹، مسلم ج ۲ ص ۲۸۴۔

۲ بخاری ج ۱ ص ۵۳۹، مسلم ج ۲ ص ۲۸۴، طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۰ حدیث نمبر ۱۳۔

۳ مسند امام احمد ج ۱ ص ۲۰۵، معجم طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۰ حدیث نمبر ۱۴، مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۸۴، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲۴ حدیث نمبر ۱۵۲۶۷۔

محنت ومشقت نہ ہوگی۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ المتوفی ۷۷۴ھ فرماتے ہیں۔

امام سہیلی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ خدیجہ طاہرہ کو جنت میں موتیوں سے تیار شدہ محل کی بشارت دی۔ کیونکہ ان کے پاس ایمان لانے سے پہلے خالص موتی تھے اور وہ بڑے بے جوڑ تھے۔

اور جنت میں ان کو پرسکون محل کی بشارت اس لئے دی گئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم واحترام کی وجہ سے آپ کی آواز سے اپنی آواز بھی بلند نہیں ہونے دی تھی۔[1]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۷۵۱ھ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وھی فضیلتھا لا تعرف لامراۃ سواھا۔[2]

ترجمہ: یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو آپ کے سوا کسی اور عورت کو میسر نہیں ہوئی۔

علامہ موصوف فرماتے ہیں۔

ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خصوصیات میں یہ بھی ایک خاص فضیلت شمار ہوتی ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے ان کے حین حیات کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ آپ کے قلب اطہر میں سیدہ کی بیحد الفت اور محبت جاگزیں تھی اور سیدہ خدیجہ کو بھی آپ سے بے پناہ انس تھا۔ چنانچہ طبرانی نے اس بات کو بڑی اہمیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۲۴ سال اور چند ماہ سید عالم ﷺ کے حبالۂ عقد میں رہی ہیں۔ لیکن حضور انور ﷺ نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۲۷۔

[2] زاد المعاد ج ۱ ص ۱۰۵۔
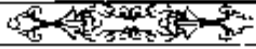
فرمایا۔ یہاں تک کہ سیدہ کا چراغ زندگی گل ہو گیا۔[1]

سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ سرور عالم ﷺ سے ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ میں نے خدیجہ کو جنت کی نہروں میں سے ایک نہر پر دیکھا جہاں عالیشان موتیوں کے محل میں جلوہ افروز تھیں جہاں کسی قسم کا شور و غل نہیں ہے۔[2]

عائشہ کو رشک:

سید عالم ﷺ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی میں بھی ان کی تعریف و توصیف فرماتے تھے۔ کیونکہ دونوں کے مابین بے انتہا انس و محبت تھی۔ لیکن سیدہ کے انتقال پر ملال کے بعد بھی ان کی یاد بیشتر اوقات سید عالم ﷺ کو تڑپاتی تھی اور اکثر ان کا ذکر خیر آپ کی زبان پر ہوتا تھا۔ احادیث میں اس کیفیت کا تذکرہ جا بجا پایا جاتا ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں۔

سرور عالم ﷺ جب بھی سیدہ خدیجہ کا ذکر کرتے تو بہت زیادہ تعریف فرماتے تھے۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں مجھے ایک روز اس پر رشک آ گیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ!

ما اکثر ما تذکرھا حمراء الشدق۔

آپ اکثر اس بڑھیا کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ جو مر چکی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے اچھی بیویاں عطا فرما دی ہیں۔

حضرت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

ما ابدلنی اللہ عزوجل خیرا منھا۔

---

[1] طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۷، حدیث نمبر ۱۰، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲۴ حدیث نمبر ۱۵۲۶۲؛ مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۲۔

[2] طبرانی ج ۲۳ ص ۸ حدیث نمبر ۱۲۔

اللہ عزوجل نے مجھے اس سے اچھی بیویاں نہیں دیں۔ کیونکہ جب لوگ میرا انکار کر رہے تھے تو خدیجہؓ مجھ پر ایمان لائیں۔ اور جب لوگ میری تکذیب کر رہے تھے تو انہوں نے میری تصدیق کی اور اس وقت میری مال کے ساتھ خیر خواہی کی جب لوگوں نے مجھے محروم رکھا تھا۔ اللہ عزوجل نے اس سے مجھے اولاد عطا فرمائی۔ جبکہ دوسری بیویوں سے میں اولاد سے محروم رہا۔"

بخاری ج ۱ ص ۵۳۹ اور مسلم ج ۲ ص ۲۸۴ میں بھی یہ روایت ہے۔ لیکن اس میں یہ روایت قد ابدلک الله تعالیٰ خیراً منها تک ہے۔ روایت کے اگلے جملے صحیحین میں نہیں ہیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے میرے سامنے سیدہ خدیجہؓ کو یاد کر کے ان کی بہت زیادہ تعریف و توصیف فرمائی۔ تو مجھ پر وہی اثر ہوا۔ جو کسی عورت پر اپنے شوہر کی زبانی اپنے علاوہ کسی دوسری عورت کی تعریف سن کر ہوتا ہے۔

ایک روز رسول اللہ ﷺ کی زبان سے ان کی تعریف سن کر میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ قریش کی اس بوڑھی عورت کا بار بار ذکر فرما کر اس کی تعریف کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد آپ کو مجھ جیسی جوان (اور خوبصورت) بیوی اس کے عوض عطا فرمائی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میری زبان سے یہ کلمات سن کر رحمت عالم ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ اس طرح متغیر ہو گیا۔ جیسے وحی کے ذریعہ کوئی غم انگیز خبر سے یا بندگان خدا پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی خبر سے ہوتا ہے۔

پھر آپؐ نے فرمایا۔ ان سے بہتر مجھے کوئی بیوی نہیں ملی۔ کیونکہ انہوں نے ایمان لا کر اس وقت میرا ساتھ دیا۔ جب کفار نے مجھ پر ظلم و ستم کی حد کر رکھی تھی۔

مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۰ ص ۱۱۸ طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۳ حدیث نمبر ۲۲ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲۴ حدیث نمبر ۱۵۲۸۱۔

انہوں نے اس وقت میری مالی مدد کی۔ جب دوسرے لوگوں نے مجھے اس سے محروم کر رکھا تھا۔ علاوہ ازیں ان کے بطن سے مجھے اللہ تعالیٰ نے اولاد کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ جب کہ میری کسی دوسری بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی [1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ رحمت عالم ﷺ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تعریف کرتے نہ تھکتے تھے اس کے لئے آپ ہمیشہ مغفرت فرماتے۔ ایک دن نبی کریم ﷺ نے سیدہ خدیجہؓ کا ذکر فرمایا۔ مجھے رشک آ گیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ جل شانہ نے اس بڑھیا کے بدلے آپ کو اس سے بہتر عورتیں عطا فرمائی ہیں۔ پھر بھی آپ اسی کو یاد کرتے ہیں۔

سیدہ عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا حضور انور ﷺ غصے سے بھر گئے ہیں اور آپ کی یہ حالت دیکھ کر میری جان نکل گئی۔ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ اب اگر آپ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ تو میں پھر کبھی بھی خدیجہؓ کا ذکر اس طرح نہیں کروں گی۔

کچھ دیر بعد جب آپ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو آپ نے فرمایا:

"عائشہؓ تو نے یہ بات کیسے کہہ دی۔ خدا کی قسم! جب لوگ میری تکذیب کر رہے تھے خدیجہؓ نے میری تصدیق کی۔ جب لوگوں نے مجھے چھوڑ رکھا تھا۔ اس نے مجھے پناہ دی اور اللہ رب العزت نے مجھے اس سے اولاد عطا فرمائی۔ جبکہ دوسری بیویوں کی اولاد سے محروم رہا۔" [2]

ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی۔

یا رسول اللہ! مجھے معاف فرما دیں۔ بخدا! آئندہ کبھی بھی خدیجہؓ کے خلاف کوئی بات مجھ سے نہ سنیں گے۔ [3]

---

[1] مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۵۴، ۱۱۸۔ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۲۸۔

[2] طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۳ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲۴ السمط الثمین ص ۵

[3] طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۱ مجمع الزوائد ج ۹ حدیث نمبر ۱۵۱۶۹۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے سوا خدیجہؓ کے مجھے کسی پر رشک نہیں آیا۔ رسول اکرم ﷺ کے حبالۂ عقد میں میرے آنے سے تین سال قبل وہ انتقال کر چکی تھیں۔ لیکن آپؐ کی زبان سے ان کا ذکر سننے سے رشک آتا تھا اور بیشک اللہ رب العزت نے آپؐ کو حکم فرمایا کہ خدیجہؓ کو جنت میں موتیوں کے محل کی بشارت سنائیں۔ اور جب آپ بکری ذبح فرماتے تو خدیجہؓ کی سہیلیوں کے پاس بھی گوشت بھیجتے تھے[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک بڑھیا حضور انور ﷺ کی خدمت میں کھانے کی کوئی چیز لے کر آئیں۔ آپ نے وہ کھانا اپنے سامنے رکھا اور تناول فرمانا شروع کر دیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کھانے سے اپنے ہاتھ ملوث نہ کریں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا یہ خاتون حضرت خدیجہؓ کی زندگی میں بھی ہمارے ہاں آیا کرتی تھیں اور عہد و پیمان کو پورا کرنا بھی ایمان میں سے ہے۔

سیدہ عائشہؓ کہتی ہیں خدیجہؓ کے ذکر سے مجھے غیرت آئی جیسے عورتوں کو دوسری کسی عورت کے ذکر سے آیا کرتی ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ۔ اللہ تعالیٰ نے اس بڑھیا کی جگہ آپ کو نوجوان بیوی عطا فرما دی ہے۔ (یعنی اس بڑھیا کی جگہ مجھ جیسی جوان بیوی آپ کو مل گئی) اس پر حضور انور ﷺ غضبناک ہو گئے۔ پھر فرمایا۔ عائشہؓ! اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بڑھیا سے صاحب اولاد بنایا ہے۔ جبکہ تم سے مجھے اولاد عطا نہیں فرمائی۔ عائشہؓ کہتی ہیں۔

والذی بعثک بالحق لا اذکرھا بعد ھذا الا بخیر۔[2]

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اس کے بعد آپ کبھی بھی خدیجہؓ کے ذکر خیر کے سوا مجھ سے کوئی بات نہ سنیں گے۔

---

[1] طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۰ حدیث نمبر ۱۵۔

[2] طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۳، شرح زرقانی علی مواہب ج ۳ ص ۲۲۴۔

علامہ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ یہ حوالہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا مقصد اس سے سیدہ خدیجہؓ کی توہین نہیں تھی۔ بلکہ ان کے مقابلے میں اپنے حسن و جمال اور بچپنے کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ کی آسودہ زندگی کا بیان تھا۔[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور عالم ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے کسی بیوی پر بھی مجھے اتنا رشک نہیں ہوتا جتنا سیدہ خدیجہ طاہرہؓ پر آتا تھا۔ حالانکہ میں نے انہیں دیکھا بھی نہیں تھا۔ اس رشک کی وجہ یہ تھی کہ حضور انور ﷺ ان کو اکثر یاد فرمایا کرتے تھے اور اکثر ایسا ہوتا کہ آپ بکری ذبح فرماتے تو خدیجہ کی سہیلیوں کو تلاش کر کے گوشت بھجواتے تھے ایسے موقع پر بعض مرتبہ میں نے کہا کہ آپ کو ان کا اس قدر زیادہ خیال ہے۔ جیسے دنیا و آخرت میں آپ کو ان کے علاوہ اور کوئی بیوی ہی نہیں ملی یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا۔ وہ ایسی ہی عمدہ صفات کی مالک تھیں اور ان ہی سے میری اولاد ہوئی ہے۔[2]

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ سیدہ خدیجہؓ کے انتقال کے بعد ان کی بہن "ہالہ" سرور عالم ﷺ سے ملنے آئیں اور استیذان کے قاعدے کے مطابق اندر آنے کی اجازت چاہی۔ ان کی آواز سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملتی تھی۔ آپ کے کانوں میں ان کی آواز پڑی۔ تو سیدہ خدیجہؓ یاد آگئیں اور آپ جھجک اٹھے اور فرمایا کہ "ہالہ ہوں گی" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی موجود تھیں ان کو بے حد رشک ہوا۔ کہنے لگیں کہ "آپ قریش کی بوڑھیوں میں سے اس بڑھیا کو یاد کرتے رہتے ہیں جو مر چکی ہیں اور اللہ جل مجدہ نے ان سے اچھی بیویاں آپ کو دی ہیں۔"[3]

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۲۹۔

[2] بخاری ج اص ۵۳۹ مسلم ج ۲ ص ۲۸۴۔

[3] بخاری ج اص ۵۳۹ مسلم ج ۲ ص ۲۸۴۔ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۲۸۔

سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کہ تھیں۔ جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی۔ جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں اور جب میرا کوئی معین و مددگار نہیں تھا تو انہوں نے میری مدد کی اور میری اولاد ان ہی سے ہوئی ہے۔[1]

ان ساری باتوں کے باوجود ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کی فضیلت اور شرف و مجد سے انکار نہ تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اللہ جل مجدہ نے اپنے رسول کی معرفت سیدہ خدیجہؓ کو ایک بے غم و رنج جنت کی بشارت دی تھی۔[2]

علاوہ ازیں ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وہ تمام حجرے کارنامے جو آغاز اسلام سے متعلق ہیں یعنی سرور عالم ﷺ کو تسلی و تشفی دینا، اسباب میں مستقل رہنا اور مشکلات میں آپ کی دل جوئی کرنا سب کی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کے ذریعے سے مروی ہیں۔

افضل النساء کون؟

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خير نسائها مريم و خير نسائها خديجة۔[3]

ترجمہ: عالم میں افضل ترین عورت مریمؑ اور خدیجہؓ ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سرور عالم ﷺ نے زمین پر چار خط کھینچے۔ پھر صحابہ سے دریافت فرمایا۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہ خط کیسے ہیں؟ صحابہ کرام عرض گزار ہوئے کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

افضل نساء أهل الجنة خديجة بنت خويلد و فاطمة بنت

1۔ استیعاب ج ۲ ص ۷۲۸ بحوالہ صحابیات
2۔ بخاری ج ۱ ص ۵۳۹۔
3۔ بخاری ج ۱ ص ۵۳۹ مسلم ج ۲ ص ۲۸۴۔

محمد' ومریم بنت عمران وآسیة بنت مزاحم امرأة فرعون۔[1]

ترجمہ: جنت کی عورتوں میں سب سے افضل یہ چار عورتیں ہیں۔ خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد ﷺ اور مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم' جو فرعون کی بیوی تھی۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

سیدات نساء اهل الجنة مریم بنت عمران' ثم فاطمة بنت محمد ثم خدیجة ثم آسیة امرأة فرعون۔[2]

ترجمہ: جنت کی عورتوں میں افضل مریم بنت عمران۔ پھر فاطمہؓ بنت محمد ﷺ پھر خدیجہؓ پھر آسیہ فرعون کی بیوی۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خیر نساء العالمین مریم بنت عمران وخدیجة بنت خویلد وفاطمة بنت محمد وآسیة امراة فرعون۔[3]

ترجمہ: تمام جہانوں میں سب سے بہتر چار عورتیں ہیں۔ مریم بنت عمران

۱۔ طبرانی کبیر ج ۱۱ ص ۲۲ ۴ حدیث نمبر ۱۱۹۲۸، طبرانی ج ۲۲ ص ۴۰۲ حدیث نمبر ۱۰۰۳، طبرانی ج ۲۳ ص ۷ حدیث نمبر ۔ مسند امام احمد ج ۱ ص ۲۹۳، مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۸۵، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲۳ حدیث نمبر ۱۵۲۶۸۔

۲۔ طبرانی کبیر ج ۱۱ ص ۲۶۸ حدیث نمبر ۱۲۱۷۹، ج ۲۳ ص ۷ حدیث نمبر ۲ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۸۵، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲۳

۳۔ ترمذی ج ۲ ص ۲۲۹ ابواب المناقب باب فضل خدیجہ، طبرانی کبیر ج ۱۱ ص ۳۲۸ حدیث نمبر ۱۲۱۷۹، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲۳، مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۸۵۔

خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد ﷺ اور فرعون کی بیوی آسیہ۔

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

حسبك من نساء العالمين[1]

معمر کی روایت میں ہے:

افضل نساء العالمين اربع[2]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے۔

سيدة نساء العالمين[3]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت میں ہے۔

سيدة نساء اهل الجنة بعد مريم بنت عمران، فاطمة بنت محمد و خديجة و آسية امرأة فرعون[4]

عن عمار بن ياسر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لقد فضلت خديجة على نساء امتى، كما فضلت مريم على نساء العالمين[5]

کسی فاضل محقق نے اس حدیث پر ایک بہترین علمی لطیفہ لکھا ہے کہتے ہیں۔

لطیفہ کی بات یہ ہے کہ ان تینوں خواتین میں ایک بات مشترک ہے کہ ان میں سے ہر ایک خاتون نے ایک نبی مرسل کی کفالت کی ہے اور ان کے ساتھ اچھی مصاحبت اختیار کی اور ان پر ایمان بھی لائیں، تو آسیہ بی بی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کا اعزاز حاصل کیا۔ ان سے نیک سلوک کیا۔ اور مبعوث ہونے کے

---

[1] الاستیعاب ج ۴ ص ۲۸۵، طبرانی ج ۲۲ ص ۷ حدیث نمبر ۳، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۶۲ حدیث نمبر ۱۵۲۷۹۔

[2] الاستیعاب ج ۴ ص ۲۸۵۔

[3] الاستیعاب ج ۴ ص ۲۸۹۔ [4] ایضاً۔

[5] مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۶۳ حدیث نمبر ۱۵۲۸۰۔

بعد ان کی تصدیق کی۔[1]

امام مسلمؒ المتوفی ۲۶۱ھ اور علامہ ابی نعیم اصبہانیؒ المتوفی ۴۳۰ھ روایت بیان کرتے ہیں۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت کے دوران سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے ان کے کان میں سرگوشی فرمائی۔ جس سے آپ پر گریہ طاری ہو گیا۔ پھر حضورؐ نے دوبارہ کچھ ان کے کان میں کہا تو وہ خوش ہو گئیں۔

حضور انور ﷺ کے وصال کے بعد ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کا سبب دریافت کیا تو حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

جبریل علیہ السلام ہر سال میرے ساتھ ایک مرتبہ قرآن مجید دور کرتے تھے اور اس سال دو مرتبہ دور کیا ہے' میں سمجھتا ہوں کہ میرا وقت اجل قریب آ گیا ہے۔ تو میں رونے لگی۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ڈر دل میں رکھو اور صبر کرو۔ میں تمہاری پیش بندی کے لئے جا رہا (اتقی اللہ واصبری) ہوں۔ آپ نے فرمایا۔

یا فاطمة أما ترضين ان تكونی سيدة نساء العالمين۔ او نساء هذه الامة فضحكت۔[2]

ترجمہ: اے فاطمہؓ! کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم سارے جہان کی عورتوں کی سردار ہے یا فرمایا اس امت کی عورتوں کی سردار ہوں۔ تو میں خوش ہو گئی۔

امام حاکمؒ کی روایت بھی ہے۔

---

1. جنت کی خوشخبری پانے والی ص ۴۳۔
2. صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۰ کتاب فضائل الصحابہ۔ فضل فاطمہ۔ حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۰۔

الا ترضین ان تکونی سیدة نساء العالمین وسیدة نساء هذه الامة وسیدة نساء المومنین۔[1]

امام ابی حیان الاندلسی ۷۴۵ھ فرماتے ہیں۔

وقیل نساء العالمین خاص بنساء عالم زمانها فیکون الاصطفاء لا ذالک عامة قاله ابن جریج وروی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه قال خیر نساء الجنة مریم بنت عمران۔

وروی خیر نسائها مریم بنت عمران۔

وروی خیر نساء العالمین اربع مریم بنت عمران وآسیة بنت مزاحم امراة فرعون۔ وخدیجة بنت خویلد وفاطمة بنت محمد۔

وروی فضلت خدیجة علی نساء امتی کما فضلت مریم علی نساء العالمین۔

وروی انها من الکاملات من النساء۔

وقد روی فی الاحادیث الصحاح تفضیل مریم علی نساء العالمین۔

فقد ذهب جماعة من المفسرین الی ظاهر هذا التفضیل۔

قال بعض شیوخنا والذی رأیت ممن اجتمعت علیه من العلماء انهم ینقلون عن شیاخهم ان فاطمة افضل النساء المتقدمات والمتأخرات لانها بضعة من رسول الله صلی الله علیه وسلم۔[2]

۱۔ مستدرک حاکم ج۳ ص۱۵۶۔

۲۔ تفسیر البحر المحیط ج۲ ص۴۵۸ سورۃ آل عمران آیت نمبر۴۲۔

امام ابی محمد حسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ۔

"قیل علی عالمی زمانھا۔ وقیل علی جمیع نساء العالمین۔"[1]

امام قرطبی المتوفی ۶۷۱ھ فرماتے ہیں۔

"فظاھر القرآن والاحادیث یقتضی ان مریم افضل من جمیع نساء العالم من حوا الی آخر امرأۃ تقوم علیھا الساعۃ۔"[2]

فھی اذاً نبیتہ والنبی افضل من الولی فھی افضل من کل النساء الاولین والاخرین مطلقاً ثم بعدھا فی الفضیلۃ فاطمۃ ثم خدیجۃ ثم آسیۃ۔"

علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسی البغدادی المتوفی ۱۲۷۰ھ نے بڑی تحقیق و تدقیق کے ساتھ اسے آشکارا کیا ہے۔

"المراد من نساء العالمین" قیل: جمیع النساء فی سائر الاعصار۔ واستدل بہ علی افضلیتھا علی فاطمۃ وخدیجۃ وعائشۃ رضی اللہ عنھن۔

وأید ذلک بما اخرجہ ابن عساکر فی احد الطرق عن ابن عباس انہ قال: قال رسول اللہ ﷺ سیدۃ نساء اھل الجنۃ مریم بنت عمران؛ ثم فاطمۃ ثم خدیجۃ؛ ثم آسیۃ امرأۃ فرعون۔

ومما اخرج ابن ابی شیبۃ عن مکحول۔ وقریب منہ ما اخرجہ الشیخان عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ خیر نساء رکبن الابل نساء قریش احناہ علی ولد فی

---

[1] تفسیر بغوی ج۱ ص۳۰۰۔ [2] تفسیر قرطبی ج۴ ص۸۳۔

صغره وارعاه على بعل في ذات يده ولو علمت ان مريم ابنة عمران ركبت بعيراً ما فضلت عليها احداً۔

وبما اخرجه ابن جرير عن فاطمة صلى الله تعالى على ابيها وعليها وسلم انها قالت: قال لى رسول الله ﷺ: انت سيدة نساء اهل الجنة الامريم البتول: وقيل المراد نساء عالمها فلا يلزم منه افضليتها على فاطمة رضى الله تعالى عنها۔ ويؤيده ما اخرجه ابن عساكر عن طريق مقاتل عن الضحاك عن ابن عباس عن النبى ﷺ انه قال: اربع نسوة سادات عالمهن۔ مريم بنت عمران۔ وآسيه بنت مزاحم۔ وخديجة بنت خويلد۔ وفاطمة بنت محمد ﷺ وافضلهن عالماً فاطمة۔ وما رواه الحرث بن اسامة فى سنده بسند صحيح لكنه مرسل: مريم خير نساء عالمها۔ والى هذا ذهب ابو جعفر رضى الله تعالى عنه وهو المشهور عن ائمة اهل البيت۔ والذى اميل اليه۔ ان فاطمة البتول افضل النساء المتقدمات والمتاخرات من حيث انها بضعة رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ بل ومن حيثيات اخر ايضاً۔

ولا يعكر على ذلك الاخبار السابقة لجواز ان يراد بها افضلية غيرها عليها من بعض الجهات وبحيثية من الحيثيات۔ وبه يجمع بين الآثار۔ وهذا سائغ على القول بنبوة مريم ايضاً اذا البضعية من روح الوجود و سيد كل موجود لا أراها تقابل بشىء۔ واين الثريا من يد المتناول۔

ومن هنا يعلم افضليتها على عائشة رضى الله تعالى عنها۔

المذاهب الی خلافها الکثیر محتجین بقوله صلی الله علیه وسلم "خذوا ثلثی دینکم عن الحمیراء" وقوله علیه الصلوٰة والسلام "فضل عائشة علی النساء کفضل الثرید علی الطعام" وبان عائشة یوم القیامة فی الجنة مع زوجها رسول الله ﷺ وفاطمة یومئذ فیها مع زوجها علی کرم الله تعالٰی وجهه وفرق عظیم بین مقام النبی ﷺ ومقام علی کرم الله وجهه۔

وانت تعلم ما فی هذا الاستدلال وانه لیس بنص علی افضلیة الحمیراء علی الزهراء۔

طویل بحث کے آخر میں علامہ موصوف لکھتے ہیں۔

وبعد هذا کله الذی یدور فی خلدی ان افضل النساء فاطمة۔ ثم امها ثم عائشة۔

بل لو قال قائل ان سائر بنات النبی صلی الله علیه وسلم افضل من عائشة لا اری علیه باساً وعندی بین مریم وفاطمة توقف نظراً للافضلیة المطلقة واما بالنظر الی الحیثیة فقد علمت ما امیل الیه۔

وقد سئل الامام السبکی عن هذه المسالة فقال: الذی نختاره وندین الله تعالٰی به ان فاطمة بنت محمد ﷺ افضل ثم امها ثم عائشة۔ ووافقه فی ذلک البلقینی۔

وقد صحح ابن العماد ان خدیجة ایضاً افضل من عائشة لما ثبت انه علیه الصلوٰة والسلام قال لعائشة حین قالت: قد رزقک الله تعالٰی خیراً منها۔ فقال لها: لا والله ما رزقنی الله تعالٰی خیراً منها۔ آمنت بی حین کذبنی الناس واعطتنی مالها حین حرمنی الناس۔

وایدہ هذا مان عائشة اقرأها السلام النبی ﷺ من جبریل۔

وخدیجة اقرأها السلام جبریل من ربها۔

وبعضهم لما رأى تعارض الادلة فی هذه المسالة توقف فیه۔[1]

فضل عائشہؓ:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو "ثرید" سے تشبیہ دی گئی۔ شیخ گنگوہی اس کی توجیہ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

"ثرید میں ایک لطافت ظاہری ہے کہ وہ آسانی سے ہضم ہو جاتی ہے اور دل اس کی طرف رغبت کرتا ہے۔ باطنی نظافت و پاکیزگی یہ ہے کہ اس سے خلط صالح پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ میں ظاہری فضیلت ہے کہ ان کی زبان پر فصاحت و بلاغت اور بیان میں روانگی ہے۔ اور باطنی فضیلت یہ ہے کہ وہ فقیہ اور سمجھدار تھیں۔"

شیخ ذکریا فرماتے ہیں حافظ لکھتے ہیں۔ کہ ثرید یہ ہے کہ روٹی کے ٹکڑے گوشت کے شوربے میں بھگو دیے جائیں اور گوشت بھی کبھی اس کے ہمراہ ہوتا ہے۔ جو ثرید پکے ہوئے گوشت سے زیادہ نفع اور زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اور فضل ثرید سے مراد اس کا نفع اور آسانی سے گزرنا' شکم سیر ہونا اور لذیذ ہونا اور آسانی سے حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ اطباء تو یہاں تک کہتے ہیں کہ بوڑھے کو جوان کرتا ہے۔ معیہ الشیخ الی مباہ۔

اور حدیث میں جن فضائل کی طرف اشارہ ہے۔ جو حضرت عائشہؓ میں جمع ہیں جو دیگر عورتوں میں نہیں پائے جاتے۔ افضل الانبیاء کی بیوی ہونا سب سے بڑی فضیلت ہے اور محبوب خدا کی محبوبہ ہیں۔ سب سے زیادہ علم' حسب ونسب میں فوقیت ہے۔

حضرت خدیجہؓ اور فاطمہؓ میں اور وجوہ سے فضیلت ہے۔ لیکن وہ جامع حیثیت جس کی وجہ سے ثرید سے مشابہت ہوئی۔ وہ کسی بی بی میں نہیں پائی جاتی۔ اور جمیع

---

[1] تفسیر روح المعانی ج ۳ ص ۱۵۵ اص ۱۵۶۔

فرماتے ہیں کہ ثرید مع اللحم سے تشبیہ دینے میں وجہ شبہ قوت لذت آسانی سے حاصل ہونا تھوڑی مدت میں چبا لینا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ میں حسن خلق حلاوت نطق زبان کی فصاحت جودت طبع اور رائے کا حسن اور عقل کی پختگی خاوند سے محبت جس کے بعد ایسی عورت سے شادی کرنا باقی نہیں کرتا مانوس ہوتا اور اس کی طرف رغبت کرنے کو جی چاہتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ثلث دین امت کو حضرت عائشہؓ سے ملا ہے۔ اور جس قدر روایات ان سے مروی ہیں۔ اتنی مردوں سے نہیں ہیں۔

مراتب میں تطبیق:

امام سبکی المتوفی ۷۵۶ھ فرماتے ہیں۔

حضرت مریم علیہ السلام کے متعلق جو فرمایا:

اصطفاک علی نساء العٰلمین۔

یعنی ان کے زمانہ کی عورت میں فضیلت دی گئی تھی۔

لیکن حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما حضرت مریم سے افضل ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی ساری بیویاں سارے جہان کی عورتوں سے افضل ہیں۔[۱]

علامہ زرقانی المتوفی ۱۱۲۲ھ ترمذی شریف کے حوالے لکھتے ہیں۔

خیر نسائها مریم و خیر نسائها خدیجہ۔

ایک اور روایت نقل کرتے ہیں۔

مریم خیر نساء عالمها و فاطمة خیر نساء عالمها۔[۲]

علامہ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ فرماتے ہیں۔

سیدة نساء العالمین فی زمنها۔[۳]

حضرت مریم اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار تھیں۔

۱۔ تفریحات بخاری ج ۵ ص ۴۰۴ ۲۔ الروض الانف ج ۲ ص ۳۹۹
۳۔ زرقانی ج ۳ ص ۲۲۴ ۴۔ سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۰۹۔

سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۱۹۵۴ء رقمطراز ہیں۔

مسلمان عورتوں کی تاریخ میں ازواج مطہراتؓ اور بنات طاہراتؓ کے سوا حضرت عائشہؓ کی زندگی کا کس سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے؟ تمام علماء اسلام کا اتفاق ہے کہ اسلام میں حضرت خدیجہ الکبریٰؓ حضرت فاطمہ زہراؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ عورتوں میں سب سے افضل ہیں۔ جمہور علماء نے سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ پھر حضرت خدیجہؓ اور تیسرے درجہ میں حضرت عائشہؓ کا نام رکھا ہے۔

لیکن یہ ترتیب کسی نص شرعی یا حدیث صحیح سے ثابت نہیں۔ بلکہ علماء نے اپنے اپنے قیاس و اجتہاد اور ذوق سے یہ ترتیب قائم کی ہے۔ ان تینوں خواتین کے الگ الگ فضائل اور مناقب احادیث میں مروی ہیں۔ اس بنا پر بعض علماء نے اس باب میں توقف مناسب سمجھا ہے۔

علامہ ابن حزمؒ نے تمام علماء کے برخلاف علانیہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ صرف ہلیلیہ ہیں۔ نہ صرف عورتوں میں بلکہ صحابہ میں آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے افضل ہیں۔ اس دعویٰ پر ان کے بہت سے دلائل ہیں جس کو شوق ہو وہ "ملل و نحل" میں فضل صحابہؓ کی بحث کی طرف رجوع کرے۔

ہمارا اتفاق اس بارے میں علامہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیم کے ساتھ ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ فضیلت سے مقصود اگر درجہ اخروی ہے تو اس کا حال خدا ہی کو معلوم ہے۔ لیکن دنیوی حیثیت سے حقیقت یہ ہے کہ ان کے فضائل مختلف الجہات ہیں۔ اگر نسبی شرافت کا اعتبار ہے۔ تو حضرت فاطمہ زہراؓ سب سے افضل ہیں۔ اگر ایمان کی سابقیت اسلام کی ابتدائی مشکلات کے مقابلہ اور اس زمانہ میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعانت و تسکین خاطر کی حیثیت سے دیکھیں۔ تو حضرت خدیجہ کبریٰؓ کی زندگی سب پر مقدم ہے۔ لیکن اگر علمی کمالات دینی خدمات اور آنحضرت ﷺ کی تعلیمات و ارشادات کے نشر و اشاعت کا پہلو سامنے ہو تو ان میں صدیقہ کبریٰؓ کا کوئی حریف نہیں ہو سکتا۔

اگرچہ حضرت مریمؑ کی بزرگی کا ہم کو اسلام کے ذریعہ سے علم ہے۔ لیکن انجیل کی روایات ان کو ایک ذرہ بھی ممتاز نہیں کر سکتیں۔ فرعون کی بیوی حضرت آسیہ بھی اسلام میں فضیلت کی مستحق قرار دی گئی ہیں۔ لیکن تورات ان کے اظہار شرف سے خاموش ہے۔ اس بنا پر عقیدتاً ہم کو ان کی اجمالی فضیلت اور بڑائی سے انکار نہیں۔ لیکن واقعات اور تاریخ کی زبان سے اس کا جواب سکوت محض ہے۔ بہر حال وحی کی معصوم زبان نے جو فیصلہ کر دیا ہے۔ اس سے زیادہ سچا فیصلہ اور کیا ہو سکتا ہے۔[1]

جناب جسٹس قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

علامہ ابن قیمؒ نے ایک بحث لکھی ہے کہ خدیجۃ الکبریٰؓ اور عائشہؓ میں سے افضل کون ہے؟ وہ لکھتے ہیں کہ اس بارہ میں تین مذہب ہیں۔ ۱۔ خدیجہؓ افضل ہیں۔ ۲۔ عائشہؓ افضل ہیں۔ ۳۔ سکوت کرنا چاہیے۔

ابن تیمیہؒ کہتے ہیں۔ ہر دو میں جداگانہ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ طاہرہ خدیجۃ الکبریٰؓ کا اثر ابتدائے اسلام ہے۔ ۱۔ یہ نبی ﷺ کے لئے باعث تسکین وتسلی وثبات تھیں۔ ۲۔ انہوں نے اپنا مال محبت رسول میں نثار کیا ان کو آغاز اسلام کا زمانہ ملا۔ اور اس وقت میں انہوں نے اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول محترم کے لئے ہر ایک رنج و تکلیف کو بخوشی برداشت کیا۔ ۳۔ انہوں نے مشکل وقت میں نصرت رسول فدا کی۔ پس اس بارے میں جو درجہ ان کا ہے وہ کسی دوسری بیوی کا نہیں۔

طیبہ صدیقہؓ کا اثر ترقی اسلام کے ایام پر ہے۔ ۱۔ جو تفقہ انہوں نے دین میں حاصل کیا۔ ۲۔ اور جو تبلیغ انہوں نے امت کو فرمائی۔ ۳۔ اور علم نبوت کی اشاعت میں جو مسائل انہوں نے کئے اور جو علمی فوائد انہوں نے فرزندان امت کو پہنچائے وہ ایسا درجہ ہے جو کسی دوسری بیوی کو حاصل نہیں۔[2]

توقف ہی اولیٰ ہے:

متعارض دلائل مفصل نقل کر دیئے ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی کو فضیلت مطلقہ

---

[1] سیرت عائشہ صدیقہؓ ص ۳۰۶-۳۰۹۔ [2] رحمۃ للعالمین ج ۲ ص ۱۶۰۔

حاصل ہے۔ اور کون کس سے برگزیدہ اور افضل ہے۔ اس انتہائی نازک مسئلہ میں اقسب اور اوثق موقف سکوت ہی کا ہے۔ جیسے کہ امام نووی نے فرمایا۔

قال النووی الاظہر فی معناہ ان کل واحدۃ منہا خیر من نساء الارض فی عصرھا۔ واما الفضل بینہما فمسکوت عنہ ذکرہ الجزری۔[1]

ترجمہ: ظاہری طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک خاتون اپنے اپنے زمانہ کی عورتوں سے افضل تھی اور ان چاروں میں سے افضلیت، بزرگی اور برتری کسے حاصل تھی؟ اس میں خاموشی ہی بہتر ہے۔ اور یہی قول امام جزری کا ہے۔

علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں:

"قال السیوطی فی النقایۃ نعتقد ان افضل النساء مریم وفاطمہ، وافضل امہات المومنین خدیجۃ وعائشہ۔ وفی التفضیل بینہما اقوال، ثالثہا التوقف۔ اقول: التوقف فی حق الکل اولی اذلیس فی المسئلۃ دلیل قطعی والظنیات متعارضۃ غیر مفیدۃ للعقائد المبنیۃ علی الیقینیات۔[2]

ترجمہ: علامہ جلال الدین سیوطی نے "النقایہ" میں کہا ہے۔ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ تمام عورتوں میں افضل مریم اور فاطمہ ہیں۔ اور امہات المومنین میں خدیجہ اور عائشہ افضل ہیں۔ اور ان دونوں میں فضیلت کسے حاصل ہے۔ اس میں کئی اقوال ہیں۔ جن میں سے تیسرا قول سکوت کا ہے۔

علامہ القاری فرماتے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ ان سب ہی کے حق میں سکوت ہی

---

[1] تفسیر خازن ج [illegible] ص [illegible]، مرقاۃ المفاتیح ج [illegible] ص [illegible] باب مناقب ازواج النبی۔

[2] مرقاۃ المفاتیح ج [illegible] ص [illegible]۔

بہتر ہے۔ کیونکہ اس مسئلہ میں دلیل قطعی تو ہے نہیں۔ اور ظنیات میں تعارض پایا جاتا ہے جو حقائق پر مبنی عقائد کے لئے مفید نہیں۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان زید مجدہ لکھتے ہیں۔

"فضل فاطمہؓ، عائشہؓ و خدیجہؓ میں اختلاف ہے۔ صحیح قول توقف کا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں:

بضعۃ الرسول ہونے کی وجہ سے حضرت فاطمہؓ افضل ہیں۔ پھر ان کی والدہ اور پھر حضرت عائشہؓ۔

سیوطیؒ نے نقایہ میں لکھا ہے۔ افضل النساء مریمؑ اور فاطمہؓ ہیں اور افضل از امہات المومنین خدیجہؓ اور عائشہؓ ہیں۔

چونکہ دلیل قطعی کوئی نہیں۔ ظنیات متعارض ہیں۔ اس لئے سب کے بارے میں توقف اولیٰ ہے۔[1]

محدث دہلوی کی توضیح:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۱۰۵۲ھ تحریر فرماتے ہیں۔

بدانکہ این حدیث دلالت دارد بر فضل فاطمہؓ بر تمامہ نساء مومنات، حتی از مریم و آسیہ و خدیجہ و عائشہ۔ ہمچنیں گفتہ است سیوطی۔ و در بعضی احادیث مریم بنت عمران را از عموم نساء کہ زہرا رضی اللہ عنہا را برایشاں فضل دادہ استثناء کردہ است۔ و در حدیث دیگر آمدہ کہ مثل فاطمہ درین امت مثل مریم ست درقوم خود۔ یعنی فاضل تر از غیر خود۔ و تواند کہ اختلاف این اخبار بجہت تدریج اطلاع آنحضرت بود صلی اللہ علیہ وسلم بر فضیلت فاطمہ بوحی و اعلام

---

[1] تقریرات بخاری ج۳ ص۸۳۹۔

پروردگار تا آخر عموم فضل وے بر تمامہ نساء عالم ثابت شدہ۔ واللہ اعلم۔

وبعضے از علماء عائشہؓ را فضل نہند بر فاطمہ از جہت آنکہ عائشہؓ با پیغمبر در بہشت باشد، وفاطمہؓ با علیؓ ولا بد مقام ومکان پیغمبر اعلی واشرف از مقام علیؓ است، ولیکن در احادیث واقع شدہ است کہ آنحضرت بافاطمہؓ خطاب کرد کہ من و تو و علیؓ و حسنؓ و حسینؓ درینجا مکان ویک مقام خواہیم بود۔

ونیز میگویند عائشہؓ مجتہدہ بود و درزمان خلفائے اربعہ فتوی میداد، واجتہاد میکرد، وسیوطیؒ در فتاوے میگوید درینجا سہ مذہب است، اصح مذہب آنکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا افضل است از عائشہ رضی اللہ عنہا وبعضے بمساوات رفتہ اند وبعضے در توقف ماندہ۔

واستروشنی از حنفیہ وبعضے شافعیہ بتوقف مائل ترند۔ وچون مالک را ازان پر سیدند، گفت فاطمہ بضعۃ من النبیؐ، فاطمہ گوشت پارۂ پیغمبر است۔ ولا افضل علی بضعۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احداً۔ فضیلت نمے نہم بر جگر پارہ پیغمبر ہیچ کس را۔

وامام سبکی فرمودہ است کہ آنچہ مختار ماودین ما است، آنست کہ فاطمہؓ افضل است بعد ازوے مادرش خدیجہؓ بعد ازان عائشہ رضی اللہ عنہن اجمعین۔

ودر خدیجہؓ وعائشہؓ نیز اختلاف دارند، وحق آنست کہ حیثیات مختلف اند۔ وبعضے فضلیت بمعنی کثرت

ثوانب دارند۔ کہ علماء اعتبار کردہ اند' ولیکن ہیچ کس بحسب شرف ذات وطہارت طینت و پاکی جوہر بفاطمہؓ و حسنؓ و حسینؓ نرسد۔ واللہ اعلم۔[1]

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

وازیں حدیث ظاہر شد کہ مریم و خدیجہ ہریک بہترین امت خود ہست۔ ولیکن معلوم نشد نسبت میان ایں ہر دو کہ کدام فاضل ترست' نقل کردہ شدہ است از تفسیر نسفی کہ خدیجہؓ و عائشہؓ افضل اند از مریم بر قول صحیح کہ مریم پیغمبر نیست وایں خود مقرر ہست کہ ایں امت مرحومہ بہتر است از امتان دیگر۔ باز در عائشہ و خدیجہ نیز اختلاف کردہ اند۔ وہمچنیں در افضل فاطمہ بر عائشہ۔ ومالک گفت رحمۃ اللہ علیہ۔ فاطمہ جگر پارئہ پیغمبر ست' ومن بر جگر پارہ پیغمبر ہیچکس را افضل نہ نہم۔[2]

ترجمہ: معلوم ہونا چاہئے کہ یہ جو حدیث دلالت کرتی ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی فضیلت تمام مومن عورتوں پر حتیٰ کہ مریمؑ آسیہ خدیجہؓ اور عائشہ پر بھی ہے۔ اسی طرح سیوطی نے بھی کہا ہے۔ اور بعض احادیث میں مریم بنت عمران کو عام عورتوں پر بلکہ فاطمہ زہرا پر بھی فضیلت دی گئی ہے۔ اور دوسری احادیث میں ہے کہ جس طرح مریم کو اپنی قوم کی عورتوں میں فضیلت حاصل تھی اسی طرح فاطمہؓ کو اس امت کی عورتوں میں فضیلت حاصل ہے۔ یعنی تمام عورتوں سے زیادہ افضل ہیں۔ اور ان احادیث کے درمیان اختلاف درجات کی اطلاع کا ہے جو رسول

---

[1] اشعۃ اللمعات ج۴ص۶۹۸ طبع لکھنؤ۔ [2] ایضاً ص۷۰۱۔

اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی پروردگار کے ہے۔ جس سے حضرت فاطمہؓ کی فضیلت تمام جہان کی عورتوں پر ثابت ہوتی ہے۔

اور بعض علماء کے نزدیک حضرت عائشہؓ کو فضیلت حاصل ہے حضرت فاطمہؓ پر کیونکہ حضرت عائشہؓ قیامت کے دن اپنے شوہر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنت میں رونق افروز ہوں گی۔ اور حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ کے ساتھ ہوں گی۔ اس میں شک نہیں کہ نبی کا مقام اور جگہ بہت ہی بلند ہوگی حضرت علیؓ کے مقام کی نسبت۔ لیکن حدیث میں یہ بھی وارد ہوا ہے۔ کہ حضرت فاطمہ کہتی ہیں مجھ سے رسول اللہ نے فرمایا کہ میں تو اور علی، حسن، حسینؓ ایک جگہ اور ایک رتبہ پر اکٹھے ہوں گے۔

اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ کی اقتبار سے "مجتہدہ" کا درجہ رکھتی تھیں۔ اور خلفاء راشدینؓ کے زمانہ میں فتویٰ جاری کرتی رہیں۔ اور مسائل میں اجتہاد بھی کرتی تھیں۔ اور علامہ سیوطیؒ نے فتاویٰ میں کہا ہے کہ اس مسئلہ میں تین مذہب پائے جاتے ہیں۔ جن میں سے زیادہ صحیح مذہب یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کو فضیلت اور بزرگی حاصل ہے۔ حضرت عائشہؓ پر اور بعض کے نزدیک دونوں کا رتبہ برابر کا ہے۔ اور بعض نے توقف اختیار کیا ہے۔

اور حنفیہ میں سے "ستروشی" اور بعض شافعیہ توقف کی طرف مائل ہیں۔ اور جب امام مالکؒ سے اس کے متعلق پوچھا گیا۔ تو انہوں نے کہا "فاطمة بضعة من النبیؐ" فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کے جگر کا ٹکڑا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے جگر گوشہ سے کوئی بھی افضل نہیں۔ اور ہم پیغمبر کے جگر پارہ پر کسی کو بھی فضیلت نہیں دیتے۔

اور امام سبکی فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک قول مختار اور ہمارا مسلک یہی ہے کہ حضرت فاطمہؓ سب سے افضل ہیں۔ پھر ان کی والدہ خدیجہؓ اور ان کے بعد حضرت

عائشہ کا رتبہ ہے۔ رضی اللہ عنہن اجمعین۔

اور حضرت خدیجہؓ اور حضرت فاطمہؓ دونوں میں سے افضل کون ہیں؟ اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ ان کی حیثیات بھی مختلف ہیں۔ بعض فضائل کثرت ثواب کے لحاظ سے ہیں۔ جس کا اعتبار علماء نے کیا ہے۔ لیکن کسی ایک کو بھی ذاتی شرف و جوہر پاکیزگی خلقت اور پاکی جوہر کے اعتبار سے حضرت فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ کے مقابلہ میں رتبہ حاصل نہیں۔

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

اور اس حدیث سے ظاہر ہے کہ مریم اور خدیجہؓ اپنی اپنی امت میں سب سے افضل ہیں۔ لیکن ان دونوں کے درمیان کس کو فضیلت حاصل ہے اس کو واضح نہیں کیا گیا۔ تفسیر ثعلبی میں ہے۔ صحیح قول کے مطابق خدیجہؓ اور عائشہؓ مریم سے افضل ہیں کہ مریم پیغمبر نہیں ہیں۔ اور یہ انہیں بھی تسلیم ہے کہ امت محمد تمام امتوں سے افضل ہے۔ پھر عائشہؓ اور خدیجہؓ کے درمیان اختلاف ہے ان دونوں میں سے افضل کون ہیں اور اسی طرح اس میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ سے افضل ہیں یا نہیں۔ اور امام مالک کہتے ہیں کہ فاطمہ پیغمبر کا جگر پارہ ہیں ہم ان پر کسی کو فضیلت نہیں دیتے۔

حضرت قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی المتوفی ۱۲۲۵ھ رقمطراز ہیں۔

"میں کہتا ہوں شاید رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا معنی یہ ہے کہ گذشتہ اقوام میں عورتوں میں کامل صرف مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون تھیں۔ کیونکہ حضور ﷺ نے خود ہی آخر میں فرمادیا کہ عائشہؓ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید کی فضیلت باقی کھانوں پر۔ اس جملہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت عائشہؓ کو حضرت مریم اور آسیہ پر بھی فضیلت حاصل تھی۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے فاطمہؓ! کیا تو اس پر خوش نہیں کہ تو اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہو یا فرمایا اہل ایمان کی عورتوں کی سردار ہو۔

ابوداؤد و نسائی اور حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے

بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اہل جنت کی عورتوں میں سب سے زیادہ فضیلت والی خدیجہؓ بنت خویلد اور فاطمہؓ بنت محمد ہیں۔

احمد ترمذی نسائی ابن حبان اور حاکم نے حضرت خدیجہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک فرشتہ آسمان سے اترا اس نے اللہ سے اجازت لے کر مجھے سلام کیا اور مجھے بشارت دی کہ فاطمہؓ اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔

یہ احادیث بتا رہی ہیں کہ سیدہ فاطمہؓ حضرت مریم سے افضل ہیں۔ کیونکہ اہل جنت کی عورتوں کی کسی خاص زمانہ کے ساتھ کوئی تخصیص نہیں صراحت عام ہے۔ ہاں تخصیص کا احتمال آیت: واصطفاك على نساء العالمين میں ہے۔ کہ حضرت مریم کے زمانہ کی عورتیں ہی مراد ہوں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔ لیکن ایک حدیث اور آئی ہے۔ جس کو ابو یعلی اور ابن حبان اور طبرانی نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "فاطمہؓ اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہے۔ سوائے اس کے جو مریم سے ہوا۔ (یعنی مریم کی وجہ فضیلت چھوڑ کر)

اسی طرح ترمذی نے ام سلمہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ فاطمہؓ نے فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے اطلاع دی کہ تو اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہے سوائے مریم بنت عمران کے۔

یہ دونوں حدیثیں بتا رہی ہیں کہ حضرت مریم پر حضرت فاطمہؓ کو فضیلت حاصل نہیں تھی۔ لیکن اس سے حضرت مریم کا حضرت فاطمہؓ سے افضل ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔

صحیحین میں حضرت مسور بن مخرمہ کی روایت میں یہ ارشاد نبوی مذکور ہے کہ فاطمہؓ میرا پارہ (ٹکڑا) ہے۔ احمد ترمذی اور حاکم نے بھی حضرت ابن الزبیرؓ کی روایت سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ اس حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ تمام مردوں اور عورتوں پر حضرت فاطمہؓ کو برتری حاصل ہو۔ جیسا کہ امام مالک نے فرمایا تھا کہ رسول اللہ کے ٹکڑے کے برابر ہم کسی کو نہیں قرار دیتے۔ لیکن جمہور اہل سنت کے نزدیک اس عمومی صراحت سے وہ لوگ الگ ہیں جن کی فضیلت (شرعاً) معلوم ہو چکی ہے۔ یعنی انبیاء

اور بعض صدیقین ان کے علاوہ باقی لوگ عموم میں داخل ہیں۔[1]

سیدہ خدیجہؓ کی اولاد امجاد:

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ محترمہ معظمہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جس طرح تمام ازواج مطہرات میں شرف زوجیت میں سبقت حاصل ہے۔ یونہی اولاد کے اعتبار سے بھی یہی خوش نصیب زوجہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو صاحب اولاد بنایا۔ سرور دو عالم ﷺ کی اولاد کرام کی تفصیل علماء انساب' کتب احادیث کے علاوہ کتب شیعہ سے بیان کی جاتی ہے تاکہ ہمہ پہلو معلومات پیش کیے جا سکیں۔

امام ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ فرماتے ہیں۔

"سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔

نبوت سے پہلے مکہ مکرمہ میں سید عالم ﷺ کے ہاں آپ کے پہلے فرزند ارجمند "قاسم" پیدا ہوئے۔ ان ہی کی نسبت سے آپ کی کنیت "ابو القاسم" جاری ہوئی۔ پھر حضورؐ کی گوشہ جگر' شہزادی "زینب" تولد ہوئی۔ پھر شہزادی "رقیہ" پھر جگر گوشہ رسول شہزادی "فاطمہ بتول" کی ولادت ہوئی۔ پھر شہزادی سیدہ "ام کلثوم" کی ولادت باسعادت ہوئی۔ بعد ازاں اسلام کے دور میں حضورؐ کے ہاں صاحب زادہ "عبداللہ" متولد ہوئے ان ہی کو طیب و طاہر کہا جاتا ہے۔

اسی مبارک اولاد کی والدہ مکرمہ سیدہ خدیجہ طاہرہؓ بنت خویلد بن اسد تھیں۔[2]

المصعب زبیری المتوفی ۲۳۶ھ لکھتے ہیں۔

سیدہ خدیجہؓ بنت خویلد کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو صاحبزادے "القاسم" اور "الطاہر" جنہیں طیب بھی کہا جاتا ہے۔ جو بعد از نبوت پیدا ہوئے۔ اور بچپن ہی میں فوت ہو گئے' اور جن کا نام عبداللہ تھا اور چار صاحبزادیاں

---

1. تفسیر مظہری اردو ج ۲ ص ۱۹۱۔
2. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۲ ذکر ولد رسول' قسم تسیعم۔

فاطمہ، زینب، ام کلثوم اور رقیہ متولد ہوئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔[1]

امام الانساب احمد بن یحییٰ بلاذری المتوفی ۲۷۹ھ نے صاحبزادیوں کی ترتیب اس طرح بیان کی ہے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے پہلے ''قاسم'' پھر ''زینب'' ان کے بعد ''رقیہ'' اور ان کی ولادت کے بعد ''ام کلثوم'' اور سب سے چھوٹی ''فاطمہ'' پیدا ہوئی۔[2]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد امجاد سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے پہلے صاحبزادہ قاسمؓ پیدا ہوئے۔ پھر ان کے بعد صاحبزادہ عبداللہؓ کی ولادت ہوئی۔ ان کو طیب اور طاہر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اعلان نبوت کے بعد پیدا ہوئے۔ اور صغر سنی ہی میں فوت ہو گئے۔

پھر صاحبزادی ام کلثومؓ پیدا ہوئیں۔ پھر فاطمۃ الزہراؓ پیدا ہوئیں۔ ان کے بعد رقیہؓ متولد ہوئیں۔ اور ماریہ قبطیہؓ سے آپ کے بیٹے ابراہیمؓ پیدا ہوئے۔[3]

زبیر بن بکار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اولاد کرام جو سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوئیں۔ سب سے بڑے قاسم تھے۔ ان کے بعد زینب پیدا ہوئیں۔ پھر عبداللہ کی ولادت ہوئی۔ انہیں طیب اور طاہر بھی کہا جاتا تھا۔ یہ اعلان نبوت کے بعد پیدا ہوئے پھر بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ پھر ام کلثومؓ فاطمہؓ اور رقیہؓ پیدا ہوئیں۔ ان کی عمریں اسی ترتیب سے تھیں۔ قاسم کا وصال مکہ میں ہوا اور پھر عبداللہ فوت ہوئے۔[4]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ:

---

1. نسب قریش لمصعب زبیری ص۲۲۳۔
2. کتاب انساب الاشراف ج۱ ص۳۹۹۔
3. طبرانی کبیر ج۱۰ ص۳۴۲ حدیث نمبر ۱۳۱۱۵، مجمع الزوائد ج۹ ص۲۵۵ حدیث نمبر ۱۵۲۴۳۔
4. مجمع الزوائد ج۹ ص۲۵۵ حدیث نمبر ۱۵۲۴۴۔

- سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سرور عالم ﷺ کے دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ قاسم، عبداللہ، فاطمہ، ام کلثوم، رقیہ اور زینب[1]

امام ابوجعفر بغدادی متوفی ۲۴۵ھ لکھتے ہیں۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سیدہ خدیجہ طاہرہؓ کے بطن سے قاسم، زینب، ام کلثوم، فاطمہ اور عبداللہ جن کا نام طاہر اور طیب ہے پیدا ہوئے۔ نکاح کے وقت سید عالم ﷺ کی عمر مبارک پچیس ۲۵ سال اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر چالیس سال تھی۔

بنات نبویؐ شیعہ علماء کی نظر میں:

شیعہ کے جمہور علماء مشاہیر مجتہدین اور مورخین نے بھی علماء اہل سنت و الجماعت کے مطابق سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہوئی ہے۔ ان میں چاروں صاحبزادیوں اور تینوں صاحبزادوں کا ذکر واشگاف الفاظ میں کیا ہے۔ شیعہ مذہب کی اساسی کتاب ''اصول کافی'' میں محمد بن یعقوب کلینی رازی لکھتے ہیں۔

وتزوج لخديجة وهو ابن بضع وعشرين سنة فولدله منها قبل مبعثه القاسم ورقية وزينب وام كلثوم وولدله بعد المبعث الطيب والطاهر وفاطمة عليها السلام۔[2]

ترجمہ: سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدہ خدیجہؓ سے نکاح فرمایا تو اس وقت آپؐ کی عمر بیس سال سے زیادہ تھی۔ پھر سیدہ خدیجہؓ سے جناب کی اولاد بعثت سے پہلے یہ پیدا ہوئی۔ قاسم، رقیہؓ، زینب اور ام کلثوم اور بعثت کے بعد آپ کی اولاد طیبؓ، طاہر اور فاطمہ ان سب پر سلام ہو، پیدا ہوئیں۔

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۹۰ ص ۱۸۱۔

[2] اصول کافی ج ۱ ص ۴۳۹ کتاب الحجۃ باب مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

شیعہ کے مشہور مصنف شیخ صدوق ابن بابویہ القمی المتوفی ۳۸۱ھ امام جعفر صادقؒ سے نقل کرتے ہیں۔

عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال ولد لرسول اللہ من خدیجۃ القاسم والطاھر وھو عبداللہ وام کلثوم ورقیۃ وزینب وفاطمۃ وتزوج علی ابن ابی طالب فاطمۃ وتزوج ابو العاص بن الربیع وھو رجل من بنی امیہ زینب وتزوج عثمان بن عفان ام کلثوم وماتت ولم یدخل بھا ولما ساروا الی بدر زوجہ رسول اللہ رقیۃ۔[1]

ترجمہ: امام جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ خدیجہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ اولاد پیدا ہوئی۔ قاسم، طاہرؓ انہی کو عبداللہ کہتے ہیں۔ ام کلثومؓ، رقیہؓ، زینبؓ اور فاطمہؓ۔ پھر علی ابن طالب نے فاطمہؓ سے نکاح کیا۔ اور ابو العاص بن ربیع جو بنی امیہ میں سے ایک شخص تھا زینبؓ کے ساتھ نکاح کیا اور عثمان بن عفان نے ام کلثومؓ سے نکاح کیا۔ رخصتی ابھی نہیں ہوئی تھی کہ ام کلثوم فوت ہو گئیں۔ پھر جب غزوہ بدر کی طرف چلنے لگے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے رقیہ کا نکاح عثمان سے کر دیا۔

شیخ صدوق نے اس کے ساتھ حضور انورؐ کا ایک ارشاد اس طرح ذکر کیا ہے۔

فان اللہ تبارک و تعالیٰ بارک فی الولود الودود وان خدیجۃ رحمھا اللہ ولدت منی طاھرا وھو عبداللہ وھو المطھر وولدت منی القاسم وفاطمۃ ورقیۃ و ام کلثوم وزینب۔[2]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تحقیق اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس

---

[1] کتاب الخصال عربی شیخ صدوق ص ۴۰۵ باب السبعہ۔

[2] کتاب الخصال عربی ص ۴۰۴ باب السبعہ۔

عورت میں برکت دی ہے۔ جو بہت بچے جننے والی اور اپنے خاوند اور
اولاد کے ساتھ محبت رکھنے والی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ خدیجہؓ پر رحم فرمائے کہ
اس کے بطن سے میری اولاد ہوئی۔ طاہر جسے عبداللہ کہتے ہیں۔ اور وہی
مطہر ہے اور خدیجہؓ سے میرے ہاں قاسمؓ فاطمہؓ رقیہؓ ام کلثوم اور زینب
پیدا ہوئیں۔

کتاب الخصال کا فارسی زبان میں ترجمہ ایک شیعہ عالم سید احمد فہری زنجانی نے
کیا ہے اس کی عبارت بھی ملاحظہ فرمائیں۔

امام صادق (ع) فرمود: فرزندان رسول خدا از خدیجه
قاسم بود، وطاهر، که همان عبدالله است، وام کلثوم،
ورقیه، وزینب وفاطمه۔ که علی بن ابی طالب (ع)
فاطمه را بهمسری گرفت۔ و ابو العاص بن ربیع۔ که
مردی از بنی امیه بود، زینب راتزویج نمود۔ وعثمان بن
عفان ام کلثوم رابزنی گرفت۔ وپی پیش از زناشوئی ام
کلثوم وفات نمود وچون بجنگ بدر رفتند، رسول خدا
رقیه رابعثمان تزویج فرمود۔ وفرزندی هم از رسول خدا
بنام ابراهیم بود که مادرش ماریه قبطیه ام ولد بود۔[۱]

اس کے بعد لکھتے ہیں۔

خدای تبارک و تعالی زن زاینده و مهربان را مبارکه
گردانیده است۔ خدیجه که خدایش رحمت کند، زمن
فرزندانی آورد۔ یکی طاهر که نام دیگرش عبدالله بود۔
و مطهر وفرزندان دیگرش ازمن قاسم بود وفاطمه ورقیه

---

۱ کتاب الخصال فارسی ص ۱۷۴۔

وام کلثوم وزینب[1]

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں۔

در قرب الاسناد بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ از برائے رسول خدا ﷺ از خدیجہ متولد شدند طاہر و قاسم و فاطمہ وام کلثوم ورقیہ و زینب۔

مزید لکھتے ہیں۔

ابن بابویہ بسند معتبر از آنحضرت روایت کردہ است کہ از برائے رسول خدا متولد شد از خدیجہ قاسم وطاہر و نام طاہر عبداللہ بود۔ وام کلثوم ورقیہ و زینب وفاطمہ و حضرت امیر المومنین (ع) فاطمہ راتزویج نمود۔ زینب را ابو العاص بن ربیعہ وا و مردی بود از بنو امیہ۔ وعثمان بن عفان ام کلثوم راتزویج نمود۔ و پیش از آنکہ بخانہ او برود برحمت الٰہی واصل شد۔ پس چون بجنگ بدر رفتہ حضرت رسول ﷺ رقیہ را باو تزویج نمود۔[2]

ابن بابویہ قمی نے امام جعفر صادق سے معتبر سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضرت خدیجہ سے رسول اللہ ﷺ کی یہ اولادیں پیدا ہوئیں۔ قاسم، طاہر جن کا نام عبداللہ تھا۔ ام کلثوم، رقیہ، زینب اور فاطمہ۔ اور حضرت علی نے فاطمہ کے ساتھ نکاح کیا۔ اور زینب کے ساتھ ابو العاص نے نکاح کیا۔ ابو العاص بنو امیہ میں سے تھے۔ اور عثمان بن عفان نے ام کلثوم سے تزویج کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ ان کے گھر میں جائیں وہ رحمت الٰہی

---

[1] کتاب الخصال ذکری ص ۳۷۴۔

[2] حیات القلوب ج ۲ ص ۵۸۸ باب پنجاہ ویکم در بیان احوال اولاد امجاد آنحضرت۔

کے ساتھ واصل ہوگئیں (یعنی فوت ہوگئیں) پس جب آپ جنگ بدر کے لئے تشریف لے جارہے تھے۔ رقیہ کی عثمان کے ساتھ شادی کردی۔

ملا باقر مجلسی دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

پس اول فرزندی کہ از برائے او بہم رسید عبداللہ بود کہ او را بطیب و طاہر ملقب ساختند و بعد از او قاسم متولد شد و بعضی گفتہ اند کہ قاسم از عبد اللہ بزرگتر بودہ و چہار دختر برای حضرت آوردہ۔ زینب' رقیہ' ام کلثوم' فاطمہ۔[1]

ترجمہ: حضرت خدیجہ سے نبی کریم ﷺ کے ہاں پہلے فرزند عبداللہ پیدا ہوئے۔ جسے طیب اور طاہر کے ساتھ ملقب کرتے تھے۔ اور اس کے بعد قاسم پیدا ہوئے اور بعض علماء کہتے ہیں۔ قاسم عبداللہ سے بڑے تھے۔ اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ زینب' رقیہ' ام کلثوم اور فاطمہ۔

ان روایات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ شیعہ کے مجتہد علماء حضور کی چار صاحبزادیوں کے قائل ہیں۔

امام ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں۔

اور الزبیر کہتے ہیں کہ سیدہ خدیجہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے بیٹے القاسم پیدا ہوئے اور یہ آپ کی اولاد میں سب سے بڑے تھے۔ ان کے بعد زینبؓ کی ولادت ہوئی۔ پھر عبداللہ پیدا ہوئے۔ اور انہی کو طیب بھی کہا جاتا ہے۔ اور طاہر بھی کہتے ہیں۔ اور نبوت کے بعد ام کلثومؓ پھر فاطمہ اور پھر رقیہ کی ولادت ہوئی۔ ان کی عمریں اسی طرح ہیں۔

پھر مکہ مکرمہ میں حضرت قاسمؓ نے وفات پائی اور یہ آپ کی اولاد میں سب سے پہلے فوت ہوئے ہیں۔[2]

---

[1] حیات القلوب ج ۲ ص ۵۹۹ باب پنجاہ و دوم: در بیان ازواجات آنحضرت مطبوعہ تہران۔

[2] الاستیعاب ج ۴ ص ۲۸۰ برحاشیہ الاصابہ۔

ایک دوسری روایت اس طرح نقل کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی خدیجۃ الکبریٰ سے چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ سب نے زمانہ اسلام پایا اور مدینہ منورہ ہجرت بھی فرمائی۔ صاحبزادیوں کے اسماء گرامی اس طرح ہیں۔ زینب، فاطمہ، رقیہ اور ام کلثوم۔

اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ سیدہ خدیجہؓ سے آپ کے دو بیٹے بھی پیدا ہوئے۔ قاسم اور ان ہی کے نام سے آپؐ نے ابو قاسم کنیت اختیار فرمائی اور دوسرے صاحبزادے طاہر تھے۔[1]

علامہ ابن اثیر ۳۰ھ فرماتے ہیں۔

حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سیدہ خدیجہؓ سے دو بیٹے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ حضرت قاسم سے آپ کی کنیت ابوالقاسم قرار پائی۔ اور یہ آپ کی اولاد میں سب سے بڑے تھے۔ ان کے بعد زینب پیدا ہوئیں۔ پھر عبداللہ اور عبداللہ ہی کا نام طیب اور طاہر تھا۔ پھر حضرت قاسم کا وصال مکہ مکرمہ میں ہوا۔ آپ کی اولاد پاک میں سب سے پہلے ان ہی کا انتقال ہوا۔ پھر ان کے بعد مکہ ہی میں حضرت عبداللہ فوت ہوئے۔[2]

بنات الرسول ﷺ:

ارشاد ربانی ہے۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔[3]

ترجمہ: اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے۔

اس آیت مبارکہ میں حضور انور ﷺ کے بنات کی مومنات کو تین قسموں میں بیان فرمایا ہے۔

---

[1] الاستیعاب ج ۴ ص ۲۸۱ برحاشیہ الاصابہ۔ [2] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۳۶۔

[3] سورۃ الاحزاب: ۵۹۔

(۱) ازواج النبی۔ (۲) بنات النبی۔ (۳) نساء المومنین۔

بنات جمع کا لفظ ہے اور اس کی واحد بنت ہے۔ عربی زبان میں جمع کا صیغہ ہمیشہ تین یا تین سے زائد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں جمع کا صیغہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپؐ کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں۔ جیسا کہ گذشتہ احادیث' تاریخ اور کتب شیعہ کی روایات سے چار صاحبزادیوں کے اسماء ذکر کئے گئے ہیں۔

شہزادی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار شہزادیوں میں سب سے بڑی شہزادی سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ آپؐ کے نکاح کے پانچ برس بعد حضرت زینبؓ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت عمر مبارک تیس برس تھی۔

ظہور اسلام کے وقت حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر تقریباً دس برس کو پہنچ چکی تھی۔ اعلان نبوت کے بعد سب سے پہلے سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مشرف باسلام ہوگئیں۔ چونکہ ماں کے خیالات اور نظریات واذکار فطری طور پر اولاد پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لئے چاروں شہزادیوں کا ابتداءً ہی سے اسلام سے مشرف ہونا بالکل واضح اور اصول فطرت کے عین مطابق ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ المتوفی ۸۵۲ھ ان کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں۔

زینب بنت سید ولد آدم محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب القرشیۃ الہاشمیۃ ھی کبر بناتہ۔ ولدت قبل البعثۃ بمدۃ قیل انہا عشر سنین۔[۱]

علامہ ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں۔

کان رسول اللہ ﷺ محبا فیہا "اسلمت وھاجرت۔[۲]

---

[۱] الاصابہ ج ۴ ص ۳۱۲۔ [۲] الاستیعاب ج ۴ ص ۳۱۲ برحاشیہ الاصابہ۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کی خصوصی محبت ان سے تھی۔ اسلام لائیں اور ہجرت بھی فرمائی۔

علامہ ابن الاثیر المتوفی ۶۳۰ھ رقمطراز ہیں۔

شہزادی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بیٹی تھیں۔ آپ کی تیس سال کی عمر میں ان کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ کی زندگی مبارک میں ۸ھ کو مدینہ منورہ میں انتقال ہوا! اور ان کی والدہ مکرمہ سیدہ خدیجہ طاہرہ بنت خویلد بن اسد تھیں۔[1]

دینی خدمات:

رحمت عالم ﷺ نے جب اعلان نبوت فرمایا۔ تو مکہ اور اطراف مکہ میں آپ کے خلاف ایک طوفان بپا ہو گیا اور نبی رحمت ﷺ کو اپنے مشن سے ہٹانے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا گیا۔ لیکن جس طرح کفار کی عداوت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ اس پیکرِ استقلال کا صبر بھی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ قریش کی روح فرسا ایذا رسانی کے واقعات میں شہزادی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے والد گرامی قدر کا سر تھامے میں پیش پیش تھیں۔

الحارث بن الحارث بیان کرتے ہیں میں ایک دفعہ اپنے باپ کے ساتھ مکہ مکرمہ گیا۔ دیکھا کہ لوگ اس شخص کے گرد جمع ہیں۔ جسے وہ ''صابی'' کہتے تھے (یعنی نیا دین اختیار کرنے والا) یہ صاحب رسول خدا تھے۔ جو لوگوں کو توحید اور ایمان کی دعوت دے رہے تھے لیکن لوگ آپ کی بات کو رد کرتے اور آپ کو ایذاء دینے کے درپے تھے۔ یہ سلسلہ دوپہر تک جاری رہا۔ حتیٰ کہ لوگ منتشر ہونے لگے۔ اس وقت ایک نوعمر خاتون آئیں۔ جو (پریشانی میں) دوپٹہ پیچھے ڈالے ہوئے تھیں۔ پانی کا ایک بڑا پیالہ اور ایک رومال ان کے ہاتھ میں تھا۔ یہ چیزیں اس نے آپ کی خدمت میں پیش کیں۔ تو آپؐ نے پانی نوش فرمایا اور ہاتھ منہ صاف کیا۔

پھر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھا کر ارشاد فرمایا۔ جان من! دوپٹہ

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۷۔

اپنے بیٹے پر ڈال لو اور ان حالات میں اپنے والد پر (ملامت) کا کوئی حرف نہ لاؤ۔

ہم نے پوچھا یہ خاتون کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ رحمت عالم ﷺ کی شہزادی حضرت زینبؓ ہیں۔[1]

نکاح زینبؓ:

شہزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حقیقی بھانجے ہالہ بنت خویلد کے بیٹے ابو العاص بن ربیع سے ہوا تھا۔

ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سید عالم ﷺ سے گذارش کی کہ حضرت زینبؓ کا نکاح ابو العاص سے کر دیا جائے۔ آپ ﷺ نے سیدہ کے مشورہ کو قبول فرماتے ہوئے سیدہ زینبؓ کا نکاح ابو العاص سے کر دیا۔

ابو العاص بن ربیع ایک متمول، امانت دار اور تجارت پیشہ آدمی تھے۔ طبیعت میں خاندانی شرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔[2]

سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی بیٹی کو دوسری اشیاء کے علاوہ عقیق کا ایک بیش بہا قیمتی ہار بھی تحفہ میں دیا۔ جو ان کی ماں کی ایک انمول نشانی تھی۔

زعماء قریش ابو العاص کے پاس گئے اور انہیں مجبور کیا کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ زینبؓ کو طلاق دے دیں اور قریش کی جس عورت سے نکاح کرنا چاہیں وہ عورت انہیں پیش کر دی جائے گی۔ لیکن ابو العاص شرافت و نجابت کے پیکر تھے۔ انہوں نے زعماء قریش کی اس پیش کش کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ اور یوں گویا ہوئے۔

"لا واللہ انی لا افارق صاحبتی وما احب ان لی بامرأتی امرأۃ من قریش۔"[3]

---

[1] طبرانی کبیر ج ۲۲ ص ۴۳۸ حدیث نمبر ۱۰۷۲، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۱۲ حدیث نمبر ۱۵۲۹۲ کتاب المناقب باب فی بنات النبی ﷺ۔

[2] البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۱۰۔ [3] ایضاً۔

ترجمہ: خدا کی قسم! میں اپنی زوجہ مکرمہ کو ہرگز جدا نہیں کر سکتا اور نہ ہی مجھے قریش کی کوئی عورت پسند ہے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر داد تحسین پیش فرمائی' ابو العاص کا یہ جرأت مندانہ جواب لائق صد آفرین اور انتہائی قابل رشک تھا۔ آپؐ نے اسے شکر گزاری اور قدر دانی کے الفاظ کے ساتھ سراہا اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔[1]

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً اس بات کا حوالہ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی موجودگی میں ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا تو سیدہؓ اس بات سے رنجیدہ خاطر ہوئیں۔ اور جب رحمت عالم ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ بھی سخت رنجیدہ ہوئے۔ اور آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔

''میں نے ابو العاص بن ربیع کو اپنی دختر نیک اختر نکاح کر کے دی اور اس نے ہمارے ساتھ بہت اچھا اور قابل تعریف معاملہ کیا۔ وہ اپنے قول کا سچا اور وعدہ کا پکا ہے۔

میں کسی حلال چیز کو حرام اور حرام چیز کو حلال نہیں کرتا۔ لیکن بخدا! اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔'' مزید فرمایا۔

''فاطمہؓ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اس کو اذیت دی۔ اس نے گویا مجھے اذیت دی۔''[2]

انتقال پر ملال:

۸ھ میں اکتیس سال کی عمر میں جان عزیز جان آفریں کے سپرد کر دی۔ سید عالم ﷺ نے اپنا تہبند کفن کے لئے عنایت فرمایا۔ خود نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتر کر اپنی لخت جگر کو سپرد خاک کیا۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۱۱۔

[2] بخاری شریف ج ۱ ص ۵۲۸، ۳۲۸' ج ۲ ص ۷۸۷۔

آپ بے حد مغموم تھے۔ چہرہ اقدس پر حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے۔
ایک بیٹا علی اور ایک بیٹی امامہ سیدہ کے بطن سے پیدا ہوئی۔[1]

شہزادی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

شہزادی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے چھوٹی ہیں۔ ان کی والدہ محترمہ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خویلد بن اسد ہیں۔

شہزادی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی بڑی بہن سیدہ زینبؓ کے تین سال بعد پیدا ہوئیں۔ اس وقت سید عالم ﷺ کی عمر مبارک۔ تینتیس ۳۳ برس کی تھی۔[2]

شہزادی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اسی وقت ایمان سے مشرف ہوئیں۔ جب ام المؤمنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایمان لائیں۔

واسلمت حين اسلمت امها خديجة بنت خويلد بايعت رسول الله ﷺ حين بايعه النساء۔[3]

ترجمہ: جب سیدہ خدیجہ طاہرہؓ ایمان لائیں تو اسی وقت شہزادی رقیہ بھی اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوئیں۔ اور جب دوسری عورتوں نے رسول اکرم ﷺ کی بیعت کی تو سیدہ رقیہ اور ان کی بہنوں نے بھی آپ کی بیعت کی۔

شہزادی رقیہؓ کا نکاح:

اسلام سے قبل اس دور کے دستور کے مطابق سردار دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی دونوں شہزادیوں سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثومؓ کا نکاح بالترتیب اپنے چچا

---

1. مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۱۷ حدیث نمبر کتاب، باب ، اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۸۔
2. الاستیعاب ج ۴ ص ۲۹۱ برحاشیہ الاصابہ۔
3. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۴، ثقات ترجمہ رقیہ، تفسیر قرطبی ج ۱۴ ص ۲۴۳ زیر آیت قل لازواجک وبنتک ونساء المؤمنین الاحزاب ج ۲۲ ص ۳۰۳۔

ابولہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ کر دیا تھا۔ یہ صرف انتساب نکاح تھا اور رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ اور شادی بیاہ کی ابھی نوبت نہیں آئی تھی۔

پھر اسلام کا دور شروع ہوا۔ سرور عالم ﷺ پر نزول وحی ہونے لگی تو حید کا پرچار اور شرک وکفر کی مذمت برملا ہونے لگی۔ حتیٰ کہ سورۃ تبت یدا ابی لھب وتب...... ابولہب کے نام کے ساتھ نازل ہوئی۔[1]

ان معصوم و پاکباز شہزادیوں کو طلاق دے کر ان کے احساسات کو مجروح کیا گیا اور رحمت عالم ﷺ کو بھی اذیت پہنچائی گئی۔ لیکن دین اسلام کی خاطر یہ سب کچھ برداشت کیا۔ اس میں بھی حکمت الٰہی مضمر تھی۔ یہ طلاق ان دختران نبی کا نیبی اعزاز ثابت ہوا۔ تقدیر الٰہی نے ان پاک شہزادیوں کا عتبہ وعتیبہ کے ہاں جانا پسند نہ فرمایا۔ اور عثمان کی تقدیر کا ستارہ چمک اٹھا اور نبی کی دونوں شہزادیاں یکے بعد دیگرے عقد میں آئیں۔

حضرت عثمانؓ کے ساتھ نکاح:

جب ابولہب کے لڑکوں نے سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو فارغ کر دیا۔ تو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح مکہ مکرمہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کر دیا۔[2]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جل مجدہ نے میری طرف وحی بھیجی کہ میں اپنی نور نظر لخت جگر رقیہ کا نکاح حضرت عثمان بن عفانؓ کے ساتھ کر دوں۔ چنانچہ آپ نے اپنی شہزادی کا نکاح مکہ مکرمہ میں عثمانؓ کے ساتھ کر دیا اور ساتھ ہی رخصتی کر دی۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۹۱ تفسیر قرطبی ج ۱۳ ص ۲۳۴، طبرانی کبیر ج ۲۲ ص ۴۳۳ حدیث نمبر ۱۰۵۶، زرقانی شرح مواہب حدیبیہ ج ۳ ص ۲۲۵ تذکرہ رقیہ۔

[2] طبرانی کبیر ج ۲۲ ص ۴۳۳ حدیث نمبر ۱۰۵۷، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۵۲ حدیث نمبر ۱۵۲۳۹۔

ان اللہ اوحی الی ان ازوج کریمتی من عثمان۔[1]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فانی قد زوجتہ ابنتی فماتتا۔ ولو کان عندی ثالثۃ لزوجتہ وما زوجتہ الا بوحی من السماء۔[2]

ترجمہ: بے شک میں نے یکے بعد دیگرے دو بیٹیوں کا نکاح عثمانؓ سے کیا اور دونوں کا انتقال ہو گیا۔ اور اگر میری تیسری بیٹی بھی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمانؓ سے کر دیتا۔ اور میں نے عثمانؓ سے بیٹیوں کا نکاح اللہ کے حکم سے کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لو کن عشرۃ لزوجتھن عثمان وما زوجتہ الا بوحی من السماء۔[3]

ترجمہ: اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو یکے بعد دیگرے سب کا عثمان سے نکاح کر دیتا۔ میں نے بیٹیوں کے نکاح اللہ کی وحی کے ذریعے کیے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو ان لی اربعین ابنۃ زوجتک واحدۃ بعد واحدۃ۔[4]

ترجمہ: اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں تو میں ایک کے بعد دوسری سب کا نکاح عثمان سے کر دیتا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لو

---

[1] کنز العمال ج ۱۳ ص ۵۸۹ حدیث نمبر ۳۶۲۹۳ فضائل ذی النورین۔ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۸۱ مناقب عثمان باب تزویجہ۔

[2] کنز العمال ج ۱۱ ص ۵۸۹ حدیث نمبر ۳۲۸۴۸ طبرانی کبیر ج ۷ ص ۳۱۸۶ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۸۱۔

[3] طبرانی کبیر ج ۲۲ ص ۴۳۶ حدیث نمبر ۱۰۶۳۔ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۸۵ حدیث نمبر ۱۴۵۴۴۔

[4] کنز العمال ج ۱۱ ص ۵۸۶ حدیث نمبر ۳۲۸۴۷۔

ان عندي مائة بنت يمتن واحدة بعد واحدة زوجتك
واحدة بعد اخرى۔[1]

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر میری
ایک سو بیٹیاں ہوتیں تو ایک ایک کر کے سب کا نکاح عثمان سے کر دیتا۔

سانحہ ارتحال:

۲ھ میں جب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام غزوۂ بدر کی تیاری کر رہے تھے۔ تو آپ کی شہزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اتفاقاً بیمار ہو گئیں۔ "خسرہ" کی بیماری لاحق ہوئی۔ حضور انور ﷺ نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا رقیہ بیمار ہیں۔ آپ ان کی تیمارداری کے لئے مدینہ ہی میں رہیں۔ آپ نے اپنے خادم خاص حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی مدینہ شریف میں ٹھہرنے کو حکم دیا۔

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تقاضا تھا کہ میں بھی غزوۂ بدر میں شمولیت کی سعادت حاصل کروں۔ تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان لك اجر رجل ممن شهد بدراً و سهمه۔[2]

ترجمہ: آپ کے لیے بدر میں حاضر ہونے والے مجاہدین کے برابر اجر ہے۔ اور مال غنیمت میں بھی آپ کے لئے حصہ ہے۔

تخلف بالمدينة على امرأته بنت رسول الله ﷺ وكانت مريضة وجعة فضرب له رسول الله ﷺ بسهمه قال واجري يا رسول الله؟ قال: واجرك۔[3]

---

[1] زرقانی شرح مواہب جلد ۳ ص ۲۲۷ تذکرہ ام کلثوم۔

[2] بخاری ج اص ۵۲۳ ج اص ۵۲۳ ج ۲ ص ۵۸۲۔

[3] مجمع الزوائد ج ۹ ص ۸۳ حدیث نمبر ۱۴۵۲۹۔ طبرانی کبیر ج ۱ ص ۹۵ حدیث نمبر ۲۲۰ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۸۔

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔
رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی جو آپ کی بیوی تھیں کی تیمارداری آپ
کے ذمہ تھی۔ پھر حضور انور ﷺ نے بدر کے غنائم کے حصوں میں برابر
حصہ مقرر فرمایا۔ حضرت عثمانؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے اجر
وثواب کے متعلق کیا حکم ہے؟
آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا اجر وثواب بھی باقی اہل بدر کے ساتھ برابر ہے۔
جس روز حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر میں اسلام کی فتح اور
مشرکین کی شکست وہزیمت کی بشارت اور خوشخبری لے کر مدینہ منورہ آئے۔ اسی روز
شہزادی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انتقال فرمایا۔[1]
شہزادی رقیہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی باہمی محبت اور حسن معاشرت
لوگوں میں ضرب المثل بنی تھی۔ لوگ اس جوڑے کے متعلق کہا کرتے تھے۔
احسن الزوجین رآهما الانسان۔ رقية وزوجها العثمان۔[2]
ترجمہ: میاں بیوی کا سب سے اچھا جوڑا جو لوگوں نے دیکھا ہے۔ وہ
رقیہ وعثمان ہیں۔

شہزادی ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری شہزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا
بنت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شہزادی رقیہ سے چھوٹی اور سیدہ فاطمۃ الزہراء
سے بڑی تھیں۔ اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔[3]
ابتداء ہی میں اپنی والدہ مکرمہ اور بہنوں کے ساتھ مشرف باسلام ہوئیں۔[4]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۴، طبرانی کبیر ج ۲۲ ص ۴۳۵۔
[2] زرقانی شرح مواہب ج ۳ ص ۲۲۲ تذکرہ رقیہ
[3] اسد الغابہ ج ۵ ص ۶۱۲ تذکرہ ام کلثوم۔
[4] تفسیر قرطبی ج ۱۴ ص ۲۴۲ تحت قل لازواجک وبناتک۔

اعلان نبوت سے پہلے حضور اکرم ﷺ نے ابولہب کے بیٹے عتبہ سے نکاح کر دیا تھا۔ لیکن ابھی رخصتی کی نوبت ہی نہیں آئی تھی کہ اعلان نبوت کے بعد ابولہب کے کہنے پر عتبہ نے انہیں طلاق دے دی تھی۔[1]

ہجرت مدینہ منورہ کے بعد جب شہزادی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رحلت فرما گئیں۔ تو سرور دو عالم ﷺ نے اپنی دوسری شہزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا تھا۔

سیدہ کا عثمانؓ کے ساتھ نکاح:

سرور دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

ما انا ازوج بناتی ولکن اللہ تعالیٰ یزوجھن۔[2]

ترجمہ: میں اپنی لخت جگر شہزادیوں کا نکاح اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ نہیں کرتا" بلکہ اللہ جل مجدہ کی جانب سے ان کے نکاحوں کے فیصلے ہوتے ہیں۔

شہزادی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات کے خواہشمند اور متمنی تھے کہ فخر دو عالم ﷺ کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ رشتہ دامادی قائم رہتا تو بہتر تھا۔ سیدہ رقیہؓ کے وصال سے آپ رنجیدہ خاطر رہتے تھے۔

پروردگار عالم نے ازل ہی سے شہزادی ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فیصلہ سیدنا عثمانؓ کے حق میں کر رکھا تھا۔ چنانچہ حضور انور ﷺ نے فرمایا۔

"اے عثمانؓ! یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے مجھے حکم فرمایا ہے۔ کہ ام کلثوم کو آپ کے نکاح میں دوں۔ اور جو مہر رقیہ رضی اللہ عنہا کا مقرر ہوا تھا اسی کے موافق ام کلثوم کا مہر

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۶۱۲' البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۰۹' تفسیر قرطبی ج ۲۰ ص ۲۳۳۔

[2] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۴۹ ذکر ام کلثوم۔

ہوا اور ان کی مصاحبت اور رفاقت بھی انہیں کے مطابق ہوگی۔ [1]

شہزادی ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقد مسنونہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ربیع الاول ۳ھ میں ہوا۔ اور چھ ماہ بعد جمادی الثانی ۳ھ میں رخصتی ہوئی تھی۔ [2]

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر نور نظر سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کی والدہ محترمہ سیدہ خدیجہ الکبریٰؓ تھیں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد نکاح کیا۔

سیدہ ام کلثومؓ عتبہ ابن ابی لہب کے عقد میں تھیں۔ قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا۔ ابھی ازدواجی تعلقات قائم نہیں ہوئے تھے کہ حضور اقدس ﷺ کی بعثت ہوگئی۔ عتبہ نے اپنے باپ کے حکم پر سیدہؓ کو طلاق دے دی۔

پھر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی بہن سیدہ رقیہؓ کے وصال کے بعد شادی کرلی۔ اور ۳ھ میں ان سے نکاح ہوا۔ ان کی وفات بھی حضرت عثمانؓ کے گھر میں ہوئی۔ اور ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح ان سے ربیع الاول میں ہوا۔ اور شادی جمادی الآخرہ ۳ھ میں ہوئی۔

آپ کی نماز جنازہ آپ کے والد گرامی قدر رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی۔ اور آپ کو قبر میں حضرت علی حضرت فضل اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اتارا۔ اور انہیں غسل حضرت اسماء بنت عمیسؓ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے دیا۔ [3]

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں۔

ابن سعد کا قول ہے کہ جب حضور انور ﷺ نے ہجرت فرمائی تو حضرت ام کلثومؓ

---

1. مستدرک حاکم ج ۴ ص ۴۹ تذکرہ ام کلثوم۔ زرقانی شرح مواہب جلد ۳ ص ۱۹۵ تزویج ام کلثوم
2. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۶ اسد الغابہ ج ۵ ص ۶۱۲۔
3. الاستیعاب ذکر سیدہ ام کلثوم ج ۴ ص ۴۸۷ برحاشیہ الاصابہ۔

حضرت فاطمہؓ وغیرہا اہل وعیال نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ تشریف لائیں۔ ان کی بہن رقیہ کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ نے ان سے ربیع الاول ۳ھ میں نکاح کیا۔ اور ان ہی کے گھر میں شعبان ۹ھ میں فوت ہوئیں۔[1]

صحیح بخاری اور طبقات ابن سعد میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا آپ سیدہ ام کلثومؓ کی قبر کے قریب بیٹھے تھے۔ اور آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ آپ کو قبر میں حضرت علی حضرت فضل اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے اتارا۔[2]

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

شہزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سید عالم ﷺ کی چوتھی نور نظر لخت جگر ہیں۔ بعض سیرت نگاروں کے مطابق جس زمانہ میں قریش کعبۃ اللہ شریف تعمیر کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں سیدہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اس وقت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس سال کو پہنچ چکی تھی۔ اور یہ واقعہ نبوت سے تقریباً پانچ برس پہلے کا ہے۔[3]

صحیح بات یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی زینب تھیں ان سے چھوٹی رقیہ۔ پھر ام کلثوم اور سب سے چھوٹی فاطمہ تھیں[4] رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

اسم گرامی:

سیدہ کا نام نامی اسم گرامی "فاطمہ" اور القاب زہرا اور بتول مشہور ہیں۔

خانہ رسول خدا کے مبارک و مقدس ماحول میں پرورش اور تربیت پائی۔ اپنی والدہ محترمہ کی نگرانی میں سن شعور کو پہنچیں۔

۱۔ الاصابہ ج۴ ص۴۸۹ ۲۔ طبقات ابن سعد ج۸ ص۲۴۔ الاصابہ ج۴ ص۴۷۷۔

۳۔ طبقات ابن سعد ج۸ ص۲۵۲ کرامات الرسول۔ الاصابہ ج۴ ص۳۷۷ تفسیر قرطبی ج۱۴ ص۲۴۱

۴۔ الاستیعاب ج۴ ص۳۷۴ برحاشیہ الاصابہ۔ الاصابہ ج۴ ص۳۷۷۔

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب چلتی تھیں تو آپ کی چال ڈھال اپنے والد گرامی قدر کے بالکل مشابہ ہوتی تھی۔[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ حضور انور ﷺ کے ساتھ ساتھ قیام وقعود میں نشست و برخاست میں عادات واطوار میں اور گفتار میں حضرت فاطمہؓ سے زیادہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔[2]

شہزادی فاطمہؓ کی تزویج:

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں اقامت پذیر ہونے کے بعد ۲ھ میں شہزادی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تزویج کی طرف توجہ فرمائی۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضرت فاطمہؓ کے لئے پیغام دینے کا ارادہ کیا۔ تو دل میں خیال آیا کہ واللہ! میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ حالانکہ شادی کے لئے کچھ تو کچھ ضرور ہونا چاہیے۔ لیکن آپ کے احسانات اور مکارم اور آپ کے الطاف اور مہربانیوں نے ہمت دلائی اور آپ کی بارگاہ میں یہ مدعا پیش کردی۔[3]

آپ نے ارشاد فرمایا تمہارے پاس مہر میں دینے کے لئے کوئی چیز ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا وہ زرہ جو تم کو جنگ بدر میں ملی تھی وہ کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا وہ تو موجود ہے آپ نے فرمایا: بہتر ہے وہی زرہ فاطمہ کو مہر میں دے دینا۔[4]

چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ زرہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ ۴۸۰ درہم میں فروخت کردی اور وہ تمام رقم لاکر حضور انور ﷺ کی گود میں ڈال دی۔ آپ نے ارشاد فرمایا اس میں سے خوشبو اور کپڑوں کا انتظام کرو کے

---

[1] مسلم شریف ج ۲ ص ۲۹۰ الاستیعاب ج ۴ ص ۳۷۷۔

[2] ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۷۔ الاستیعاب ج ۴ ص ۳۷۷ برحاشیہ الاصابہ۔

[3] مسند امام احمد ج ۱ ص ۸۰۔

[4] طبرانی ج ۲۲ ص ۴۰۸ حدیث نمبر ۱۰۲۱ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۰۴ حدیث نمبر ۱۵۲۱۰ زرقانی طبع جدید ج ۲ ص ۳۶۳

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ امرنی ان ازوج فاطمۃ من علی[۱]

شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نور نظر، لخت جگر شہزادی سیدہ فاطمۃ الزھراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ عدیم النظیر جہیز مرحمت فرمایا۔

ایک لحاف، ایک چمڑے کا گدا جس میں روئی کی جگہ کسی درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ دو چکیاں ایک مشکیزہ اور دو مٹی کے گھڑے[۲]

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲ھ میں سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا تھا۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ اپنی نور نظر کو مخاطب کر کے فرمایا۔ میں نے تمہارا نکاح اپنے اہل بیت کے بہترین فرد سے کر دیا ہے۔ پھر ان کو دعائیں دیں اور ان دونوں پر پانی چھڑکا۔[۳]

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقد غزوہ احد کے بعد ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۵ سال پانچ ماہ اور پندرہ دن تھی۔ جبکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر اکیس سال اور پانچ ماہ تھی۔[۴]

ایک روایت میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے پانچ ماہ بعد رجب میں سیدہ کا نکاح کر دیا تھا۔ اور جنگ بدر کے بعد رخصتی ہوئی اور اس وقت ان کی عمر مبارک اٹھارہ سال تھی۔[۵]

نکاح کی تقریب سعید انتہائی سادگی کے ساتھ منعقد ہوئی۔ مجلس نکاح میں اکابر

۱۔ طبرانی کبیر ج ۲۲ ص ۴۰۸ حدیث نمبر ۱۰۲۰ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۳۵ حدیث نمبر ۱۵۲۰۸۔

۲۔ مسند امام احمد ج ۱ ص ۱۰۳، ص ۱۰۶۔

۳۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۵۳ ذکر بنات النبی، ازالۃ الخفاء ج ص ۲۵۳۔

۴۔ الاستیعاب ج ۴ ص ۳۷۷ برحاشیہ الاصابہ۔ زرقانی طبع جدید ج ۴ ص ۳۳۳۔

۵۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۵۳ ذکر بنات النبی، الاصابہ ج ۴ ص ۳۷۷۔

صحابہ کرام (حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان وغیرہ) تشریف فرما تھے۔ جو اس واقعہ کے چشم دید گواہ تھے۔ نکاح کے بعد آپ نے ام ایمن کے ہمراہ اپنی شہزادی کو پاپیادہ حضرت علیؓ کے گھر روانہ فرمادیا۔[1]

اولاد:

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اللہ جل مجدہ نے حسب ذیل اولاد مرحمت فرمائی سیدنا حسنؓ سیدنا حسینؓ سیدنا محسنؓ سیدہ زینب اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔[2]

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ بروز منگل ۲۹ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔[3]

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدہ کی نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں ادا فرمائیں۔[4]

۱۔ زرقانی ج ۲ ص ۲۰۴ طبرانی کبیر ج ۲۲ ص ۴۰۹۔

۲۔ نسب قریش ص ۲۵ بحوالہ بنات اربعہ ص ۲۰۳۔

۳۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۸ ۱۱۱ استیعاب ج ۴ ص ۳۷۹ بر حاشیہ الاصابہ۔

۴۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۹۔

يٰنِسَاۗءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاۗءِ (القرآن)

(۲)

ام المؤمنین

سیدہ

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جبریل علیہ السلام آپ کو سلام کہتے ہیں۔

سیدہؓ نے جواب میں کہا۔

وعليه السلام ورحمة الله وبركاته

اور فرمایا۔

أنت زوجتي في الدنيا والاٰخرة۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

ولادت باسعادت:

سرور دو عالم ﷺ کی بعثت کے چار برس بعد شوال کے مہینہ میں ولادت ہوئی۔ صدیق اکبرؓ کا کاشانہ وہ برج سعادت تھا۔ جہاں خورشید اسلام کی نورانی شعاعیں سب سے پہلے پرتوفگن ہوئیں۔ بنا بریں "عائشہ" اسلام کی ان مایہ ناز برگزیدہ شخصیتوں میں سے ہیں۔ جن کے کانوں نے کبھی کفر وشرک کی قبیح آواز نہیں سنی۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود فرماتی ہیں۔

"جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا ان کو مسلمان پایا۔"[1]

نام ونسب:

نام نامی اسم گرامی عائشہ، صدیقہ لقب، ام المومنین خطاب، ام عبداللہ[2] کنیت، حضور انور ﷺ نے حمیرا[3] اور بنت الصدیق کے لقب سے بھی خطاب[4] فرمایا۔

والد مکرم کی طرف سے نسب:

عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن

---

1. بخاری شریف ج۱ ص۵۶۲۔
2. ابوداؤد ج۲ ص۶۷۵: کتاب الادب۔
3. سیرت عائشہ: ص۱۸۔
4. ترمذی شریف ج۲ ص۱۴۷ تفسیر سورہ مومنین۔

لوی القرشی التیمی "ابوبکر صدیق بن ابو قحافہ، خلیفہ رسول اللہ ﷺ [1]

والدہ کا اسم گرامی زینب اور ام رومان کنیت تھی۔ ان کے والد کا نام عامر بن عویمر بن عبد شمس بن عتاب بن اذینہ بن سبیع ابن دھمان بن الحارث بن غنم بن مالک۔ [2]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا باپ کی طرف سے قرشیہ تیمیہ اور ماں کی طرف سے کنانیہ ہیں۔ اس نسب نامہ کی رو سے سیدہ عائشہ کا نسب سرور دو عالم ﷺ سے ساتویں یا آٹھویں پشت پر اور والدہ کی طرف سے گیارھویں بارھویں پشت پر مل جاتا ہے۔

کنیت:

عرب میں کنیت شرافت و نجابت کا امتیازی نشان سمجھا جاتا تھا۔ اس وجہ سے ہر مرد و زن اپنی کنیت ضرور رکھتا تھا۔ چونکہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اولاد کی نعمت سے بہرہ ور نہیں ہوئی تھیں۔ اس لئے کنیت کے اعزاز سے محروم تھیں۔ ایک مرتبہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حسرت کے ساتھ عرض پرداز ہوئیں۔ کہ آپ کی دوسری بیویوں نے تو اپنی سابق اولاد کے نام پر اپنی اپنی کنیت رکھ لی ہے۔ لیکن میں اپنی کنیت کس کے نام پر رکھوں؟

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ کے نام پر کنیت رکھ لو۔ چنانچہ اسی دن سے "ام عبداللہ" سیدہ عائشہؓ کی کنیت قرار پائی۔ [3]

ایک روایت میں ہے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ تو میں انہیں گود میں اٹھا کر سرور دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں لے آئی۔ آپؐ نے اپنے دہن مبارک میں

---

[1] الاصابہ ج ۴ ص ۳۳۱۔

[2] الاصابہ ج ۴ ص ۳۵۹ تذکرہ عائشہ۔ الاصابہ ج ۴ ص ۴۵۰۔

[3] ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۱۹۷ کتاب الادب باب فی المرأۃ تکنّی۔ مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۵۱، ۱۸۶۔

کھجور چبا کر ان کے منہ میں ڈالی۔ اور یہ پہلی مقدس چیز تھی جو پیدا ہونے کے بعد ان کے پیٹ میں گئی۔ پھر حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

هذا عبد الله وانت ام عبد الله[1]

اس کا نام عبد اللہ ہے اور آپ ام عبد اللہ ہیں۔

ابو بکر بن خیثمہ سے روایت ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میری تمام ساتھیوں کی کنیتیں ہیں۔ آپ میری بھی کوئی کنیت مقرر فرما دیں۔ سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم بھی اپنے بیٹے عبد اللہ بن زبیرؓ کے نام پر اپنی کنیت رکھ لے۔ چنانچہ سیدہ عائشہؓ نے اپنی کنیت ام عبد اللہ رکھ لی۔ جو آپ کی وفات تک رہی۔[2]

"حمیرا" لقب کے متعلق سید سلیمان ندوی المتوفی ۱۹۵۳ء لکھتے ہیں۔

جن روایات میں حضرت عائشہؓ کا لقب "حمیرا" (گوری) ہے۔ محدثین کے نزدیک وہ صحیح ثابت نہیں ہیں۔ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ ہر وہ حدیث جس میں حمیرا ہے۔ جھوٹی اور من گھڑت ہے۔ (کشف الخفاء ومزیل الالتباس عما اشتہر علی السنۃ الناس احمد عجلونی ج ۱ ص ۴۲۳)

بہر حال محققین کتب رجال نے حمیرا آپ کا لقب لکھا ہے اور لغت الحدیث مثلاً مجمع البحار اور نہایہ وغیرہ میں بھی زیر لفظ "حمرا" اس کی تصریح ملتی ہے۔[3]

علامہ محمد طاہر الصدیقی المتوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں۔

"خذوا شطر دینکم من الحمیراء یعنی عائشة تصغیر الحمراء" یرید البیضاء۔[4]

---

1. مسند احمد ج ۶ ص ۱۳ [illegible]
2. مسند احمد ج ۶ ص [illegible] ، [illegible] طبرانی کبیر ج ۲۳ ص [illegible] ، [illegible] ج ۹ ص [illegible]
3. سیرت عائشہ ص ۸
4. مجمع البحار [illegible] ج ۱ ص [illegible]

امام الجرح والتعدیل شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ فرماتے ہیں۔

"وکانت امرأۃ بیضاء جمیلۃ ومن ثم یقال لھا الحمیراء"[1]

امام الحافظ ابی نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ سیدہ کا تعارف اس طرح کراتے ہیں۔

"ومنھم الصدیقۃ بنت الصدیق العتیقۃ بنت العتیق حبیبۃ الحبیب وألیفۃ القریب سید المرسلین محمد الخطیب المبرأۃ من العیوب المعرأۃ من ارتیاب القلوب لرؤیتھا جبریل رسول علام الغیوب عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا۔"[2]

ترجمہ: اور ان میں سے صدیقؓ کی بیٹی صدیقہ، عتیق کی بیٹی عتیقہ۔ الحبیب کی محبوبہ، سید المرسلین محمد الخطیب سے محبت کرنے والی۔ دلوں کے شکوک سے عاری۔ علام الغیوب کے قاصد جبرئیل کو دیکھنے والی۔ عائشہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا

امام شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ سیدہ کا حسب ونسب یوں بیان فرماتے ہیں۔

"بنت الامام الصدیق الاکبر خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابی بکر عبداللہ بن ابی قحافۃ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب بن لوی۔ القرشیۃ التیمیۃ المکیۃ النبویۃ ام المؤمنین زوجۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افقہ نساء الامۃ علی الاطلاق۔"[3]

---

1. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۴۰۔
2. حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۳۔
3. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۳۵

حریم نبوت میں آمد:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حریم نبوی میں داخل ہونا۔ اور عقد مسنون کے وقت عمر مبارک کے ماخذ میں امام محمد بن یوسف الدمشقی رحمہ اللہ علیہ المتوفی ۹۴۲ھ کی بیان کردہ روایات اسی ترتیب سے شامل کتاب کی جا رہی ہیں تاکہ سیدہ کی عمر کے متعلق جو شبہات پائے جاتے ہیں ان کا مؤثر ازالہ ہو جائے۔

۱۔ جب ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ تو بعد میں حضرت خولہ بنت حکیم زوجہ محترمہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض گزار ہوئیں۔ یا رسول اللہ! آپ دوسرا نکاح کرلیں۔ آپ نے فرمایا کس سے؟ حضرت خولہؓ نے کہا بیوہ اور دوشیزہ دونوں طرح کی لڑکیاں موجود ہیں۔ جس کو آپ پسند فرمائیں۔

حضرت خولہؓ نے عرض کیا۔ دوشیزہ تو آپ کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ابوبکرؓ کی صاحبزادی عائشہؓ ہے۔ اور بیوہ حضرت سودہ بنت زمعہؓ ہیں جو آپ پر ایمان لا چکی ہیں اور آپ کی اطاعت گزار ہیں۔ ارشاد ہوا بہتر ہے کہ تم ان دونوں کی نسبت گفتگو کرو۔

حضرت خولہؓ ام رومان کے پاس گئیں اور کہا اے ام رومان اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھر میں خیر و برکت کے نزول کا ارادہ فرما لیا ہے۔ ام رومانؓ نے عرض کیا وہ کیسے؟ خولہؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے عائشہ کے لئے پیغام دیا ہے۔ ام رومان نے اس پر اپنی خوشی اور رضا کا اظہار کیا اور کہنے لگیں ابوبکر کا انتظار کر لیا جائے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تشریف لانے پر حضرت خولہؓ نے پیغام دیا۔ (جاہلیت کا دستور تھا کہ جس طرح سگے بھائی کی اولاد سے نکاح جائز نہیں۔ عرب اپنے منہ بولے بھائی کی اولاد سے بھی شادی نہیں کرتے تھے) اس بناء پر حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ خولہ، عائشہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے۔ آپ سے اس کا نکاح

کیوں کر ہو سکتا ہے؟

حضرت خولہؓ نے سرور دو عالم ﷺ کی خدمت میں آ کر استفسار کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا ابوبکرؓ میرے دینی بھائی ہیں۔ دینی بھائی کی بیٹی سے نکاح جائز ہے۔ جب ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اس پیشکش کو قبول کر لیا۔

لیکن اس سے پہلے حضرت عائشہؓ جبیر بن مطعم سے منسوب ہو چکی تھی۔ اس لئے ام رومانؓ نے حضرت خولہؓ سے کہا کہ مطعم بن عدی نے بھی اپنے بیٹے کے لئے عائشہؓ کی بات کی تھی۔ اور بخدا! ابوبکر کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے۔

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطعم بن عدی کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت اس کے پاس اس کی بیوی "ام الفتی" بھی موجود تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا تم نے عائشہ کی نسبت اپنے بیٹے سے کی تھی اب کیا ارادہ ہے؟ مطعم اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہوا اور اس سے پوچھا کیا خیال ہے؟ بیوی نے کہا اگر یہ لڑکی ہمارے گھر آ گئی تو ہمارا لڑکا بد دین ہو جائے گا (اس لئے یہ رشتہ ہمیں منظور نہیں) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مطعم کو مخاطب کر کے فرمایا آپ بتائیں آپ کی رائے کیا ہے؟ اس نے کہا آپ نے جواب تو سن ہی لیا ہے۔

اب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے لوٹ آئے اور انہیں خلاف ورزی کا اندیشہ بھی نہ رہا۔ گھر آ کر حضرت خولہؓ سے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لائیں۔ آپ تشریف لائے اور حضرت ابوبکرؓ نے اپنی صاحبزادی کا آپ سے نکاح کر دیا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میرا نکاح کر دیا گیا پھر میں دو سال (والدین کے گھر) رہی پھر جب ہم ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے۔ اور دار بنی الحارث بن الخزرج میں ٹھہرے۔ بیماری کی وجہ سے میرے بال جھڑ گئے اور بہت چھوٹے ہو گئے تھے۔ اس وقت میری عمر نو سال تھی۔ والدہ نے میرا منہ ہاتھ دھلایا اور بال درست کئے۔ پھر مجھے ساتھ لے کر حضور انور ﷺ کے در دولت پر آئیں۔

مجھے آپؐ کے پاس پہنچایا۔ اس وقت آپؐ کے حجرہ مبارک میں مردوں اور عورتوں کا اجتماع تھا۔ مجھے حجرہ میں بٹھا دیا۔

حضرت خولہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ کی اہلیہ محترمہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس میں اور اسے آپؐ سے برکت عطا فرمائے۔

جب لوگ چلے گئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ قسم بخدا نہ تو میرے نکاح کے موقع پر کوئی اونٹ یا بکری ذبح کی گئی۔ سوا اس کے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر سے ایک بڑے پیالے میں کھانا آیا تھا۔[1]

طبرانی نے حضرت عائشہؓ سے یہ روایت ثقہ راویوں سے بیان کی ہے۔ امام احمد نے مناقب اور مسند میں اور امام بیہقی نے بسند حسن اسے ابو سلمہ (یحییٰ) بن عبدالرحمٰن بن حاطب رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے۔ اور بعض نے حضرت عائشہؓ سے اتصال کی تصریح بھی کی ہے۔ اور اکثر یہ طرق مرسل ہیں۔[2]

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ المتوفی ۸۰۷ھ کے نزدیک یہ روایت صحیح الاسناد ہے۔[3]

عائشہ صدیقہؓ وہ خوش نصیب خاتون ہیں۔ جنہوں نے اپنے والدین سے سچائی کا دودھ نوش جان کیا۔ اور خوان نبوی سے غذا پائی' یہی وجہ ہے کہ وہ خواتین میں یکتا اور رسول اکرم ﷺ کی محبت والفت کا محور تھیں۔ جو ہر طرف سے خیر کی تمام صفات کے ساتھ متصف تھیں۔ اسی لئے انہیں "صدیقہؓ" کا عظیم الشان لقب عطا ہوا۔

امام بخاری' امام مسلم اور امام ابن حبان رحمہم اللہ روایت بیان کرتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے اس وقت

---

[1] معجم طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۲۳' ۲۴ حدیث نمبر ۵۷' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲۶ حدیث نمبر ۱۵۲۸۹' مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۱۰' ۲۱۱۔

[2] ازواج النبی ص ۹۸۔

[3] مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲۶۔

نکاح کیا جب میری عمر چھ برس تھی۔ اور جب میری رخصتی ہوئی تو میری عمر ۹ برس تھی۔

جب ہم مدینہ منورہ آئے تو بنو الحارث بن الخزرج کے ہاں ٹھہرے۔ مجھے بخار آنے لگا۔ میرے سر کے بال جھڑ گئے اور کانوں تک رہ گئے۔

جب حضرت عائشہؓ صحت یاب ہو گئیں تو والدہ کو ان کی رسم عروسی ادا کرنے کا خیال آیا۔

میرے پاس میری والدہ محترمہ ام رومان آئیں۔ میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی۔ مجھے آواز دی۔ میں ان کے پاس آئی۔ مجھے کسی بات کا علم تک نہیں تھا۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے دروازہ پر لے جا کر کھڑا کر دیا۔ میں ہاہ ہاہ کہتی رہی حتیٰ کہ میرا سانس رک گیا۔ میرا منہ دھویا اور سر کے بال سنوارے۔ پھر مجھے ایک حجرہ میں لے گئیں۔ جہاں انصار کی عورتیں انتظار میں بیٹھی تھیں۔ (انہوں نے مبارک باد پیش کی) خیر و برکت کی دعا دی۔ والدہ محترمہ نے مجھے ان کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے میرا سر دھویا اور بال درست کئے۔ میرا دل گھبرانے لگا۔ حضور انور ﷺ تخت پر تشریف فرما تھے۔ مجھے آپؐ کے سپرد کر دیا۔

میری شادی پر نہ تو اونٹ ذبح کر کے ولیمہ کیا گیا اور نہ ہی کوئی بکری ذبح ہوئی' حتیٰ کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بڑے پیالے میں کھانا بھیجا اور یہ ان کا طریقہ تھا کہ جب بھی کوئی بیوی رسول اللہ ﷺ کے حرم میں داخل ہوتی تو وہ اسی طرح کھانا بھیجتے تھے۔ اس وقت میری عمر نو سال تھی۔[1]

اور مسلم شریف کی ایک روایت سیدہ عائشہؓ سے اس طرح مروی ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزوجھا وھی بنت سبع سنین وزفت الیہ وھی بنت تسع سنین' ولعبھا معھا'

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۵۵۱ کتاب المناقب باب بنیان الکعبۃ' باب تزویج النبیؐ عائشۃ وقدومہ المدینۃ۔ مسلم ج ۱ ص ۴۵۶' کتاب النکاح' باب جواز تزویج الاب البکر' ابن حبان حدیث نمبر ۷۰۵۵' ازواج النبی ص ۸۳۔

ومات عنها وهي بنت ثمان عشرة سنة۔[1]

ترجمہ: سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے اس وقت نکاح فرمایا جب میری عمر سات سال تھی۔ اور میری رخصتی اس وقت ہوئی جب میں ۹ سال کی تھی۔ جبکہ میری گڑیاں بھی میرے ساتھ تھیں اور جب حضور انور ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت میری عمر اٹھارہ سال تھی۔

امام مسلم اور امام نسائی روایت بیان کرتے ہیں۔

سیدہ عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے جب میرا نکاح ہوا تو میں سات برس کی تھی۔ اور رخصتی کے وقت میری عمر نو برس کی۔ میں اس وقت بچیوں سے کھیلتی تھی۔ اور میری پڑوسن میرے پاس آیا کرتی تھیں۔ اور حضور انور ﷺ کو آتے دیکھ کر کھڑی ہو جاتی تھیں۔ اور آپ انہیں............[2] (ازواج النبی ص ۸۲)

ان الفاظ کے ساتھ پوری روایت امام شافعیؒ نے اپنی مسند ج ۲ ص ۲۹ میں بیان فرمائی ہے۔ امام ابن سعد نے انہی الفاظ سے اسے روایت کیا ہے۔ طبقات ج ۸ ص ۱۷۲ ترجمہ عائشہ۔

علامہ ابن سعد نے سیدہ عائشہؓ سے روایت نقل کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں بچیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت سلیمان کے گھوڑے۔ آپ اس پر مسکرا دیئے۔[3]

اسی طرح کی روایت ابو داؤد ج ۲ ص ۱۹۳ کتاب الادب باب فی اللعب

---

[1] مسلم ج ۱ ص ۴۵۶۔

[2] مسلم ج ۲ ص ۲۸۵ کتاب فضائل باب فی فضل عائشہ نسائی ج ۲ ص ۷۴ کتاب النکاح باب نکاح الرجل ابنتہ الصغیر۔

[3] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۷۱

بالجنات اور نسائی ج ۲ ص ۹۷ عشرت النساء میں بھی ہے۔

امام شافعی کتاب الام ج ۵ ص ۱۵ میں روایت بیان کرتے ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ سے میرا نکاح ہوا تو اس وقت میری عمر سات یا چھ سال تھی۔ اور رخصتی کے وقت میں ۹ برس کی تھی[1]

ہجرت:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نکاح کے بعد تقریباً تین برس تک میکے ہی میں رہیں۔ دو برس تین مہینے مکہ میں اور سات آٹھ مہینے ہجرت کے بعد مدینہ میں[2]۔

مشرکین قریش کے ظلم و ستم اور جبر و استبداد سے تنگ آ کر حبش کی طرف مسلمانوں نے حضور انور ﷺ کے حکم سے ہجرت کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی باوجود وجاہت ذاتی اور اعزاز خاندانی کے اس دارو گیر سے محفوظ نہ تھے۔ چنانچہ جب حضرت صدیقؓ کی تبلیغ سے طلحہ بن عبداللہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ تو حضرت طلحہؓ کے چچا نوفل بن خویلد نے دونوں کو ایک ساتھ باندھ کر مارا۔ اور حضرت ابوبکرؓ کے خاندان نے کچھ حمایت نہ کی[3]۔

ان اذیتوں سے مجبور ہو کر آپ نے سرور دو عالم ﷺ سے اجازت لی اور رخت سفر باندھ کر عازم حبش ہوئے۔ جب آپ مقام برک الغماد میں پہنچے تو ابن الدغنہ رئیس قارہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا ابوبکر کہاں کا قصد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ قوم نے مجھے جلا وطن کر دیا ہے اب ارادہ ہے کہ کسی اور ملک چلا جاؤں اور آزادی سے خدا کی عبادت کروں۔

ابن الدغنہ نے کہا تم سا آدمی جلا وطن نہیں کیا جا سکتا" تم مفلس و بے نوا کی

---

[1] الازواج النبی ص ۹۸۔
[2] سیرت عائشہ صدیقہ ص ۲۹۔
[3] طبقات ابن سعد۔

دستگیری کرتے ہو۔ قرابت داروں کا خیال رکھتے ہو۔ مہمان نوازی کرتے ہو۔ مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو۔ میرے ساتھ چلو اور اپنے وطن ہی میں اپنے خدا کی عبادت کرو۔ نہایت اصرار سے انہیں مکہ کو سے واپس لایا۔[۱]

مکہ کے مشرکین کے ظلم و ستم کے شعلے مسلمانوں کے صبر و تحمل کے خرمن میں آگ لگا رہے تھے۔ رحمت کائنات ﷺ نے حکم خداوندی سے مدینہ کی طرف ہجرت کا عزم فرمایا۔ سیدہ عائشہؓ بیان فرماتی ہیں۔ کہ آپ روزانہ صبح یا شام بلاناغہ ہمارے گھر تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک دن خلاف معمول چہرہ مبارک چادر سے لپیٹے۔ دوپہر کے وقت تشریف لائے۔ اس وقت میں اور اسماء دونوں بہنیں والد صاحب کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضور انور ﷺ نے پکار کر آواز دی ابوبکر ذرا لوگوں کو ہٹا دو۔ میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ یہاں کوئی غیر نہیں۔ آپ ہی کے اہل خانہ ہیں۔ آپ تشریف لائے اور ہجرت کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نے مل کر رخت سفر درست کیا۔[۲]

اس طرح دونوں حضرات نے مدینہ کی راہ لی اور تمام اہل و عیال کو ابھی دشمنوں کے نرغے میں چھوڑ گئے۔ جس دن یہ قدسی صفات قافلہ مدینہ طیبہ پہنچا نبوت کا چودھواں سال اور ربیع الاول کی بارھویں تاریخ تھی۔[۳]

جب کچھ اطمینان ہوا تو آپؐ نے اپنے اہل و عیال کو لانے کے لئے حضرت زید بن حارثہؓ اور اپنے غلام ابورافعؓ کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے کر مکہ بھیجا۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایک آدمی بھیج دیا۔

چنانچہ زیدؓ بن حارثہ ان کے فرزند حضرت اسامہؓ اور ان کی بیوی ام ایمنؓ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں سیدہ فاطمہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ اور آپ

---

۱ صحیح بخاری ج۱ ص۵۵۲ باب ہجرۃ النبی و اصحابہ الی المدینہ۔

۲ صحیح بخاری ج۱ ص۵۵۳۔

۳ سیرت عائشہ صدیقہؓ ص۳۰۔

کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہؓ اور سیدہ سودہؓ اور حضرت عائشہؓ کی والدہ محترمہ ام رومانؓ اور حضرت عائشہؓ کی بہن حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ اور ان کے بھائی عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر مشتمل مختصر سا قافلہ مدینہ منورہ روانہ ہوا۔[1]

اس سفر میں سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور ان کی والدہ حضرت ام رومانؓ دونوں ایک کجاوہ میں اونٹ پر سوار تھیں۔ راستہ میں ایک موقع پر ان کا اونٹ بدک گیا' اور تیزی سے بھاگنے لگا۔ اور سیدہؓ کے نیچے گرنے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ جس کی وجہ سے حضرت ام رومانؓ کو بہت پریشانی ہوئی۔ اور گھبراہٹ میں اپنی بیٹی عائشہؓ کے متعلق پکار اٹھیں۔ ہائے میری بیٹی ہائے میری دلہن۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد یہ ہوئی کہ غیب سے آواز آئی۔ کہ اونٹ کی نکیل چھوڑ دو۔ سیدہ عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں نے اس کی نکیل چھوڑ دی۔ اور اونٹ اسی وقت ٹھہر گیا اور واپس پلٹا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ کسی آدمی نے اسے پکڑ کر واپس پلٹایا ہو۔[2]

اس طرح یہ مختصر قافلہ راستہ کی صعوبتوں کو برداشت کرتا ہوا جب مدینہ با سکینہ پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت مسجد نبوی شریف کے آس پاس مکانات بنوا رہے تھے۔ آپؐ کی دونوں صاحبزادیاں فاطمہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی نئے مکان میں فروکش ہوئے۔[3]

اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے گھر والوں کے ساتھ بنو حارث بن خزرج کے محلہ میں اتریں اور سات آٹھ ماہ تک یہیں اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ قیام پذیر رہیں۔[4]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۱۳ عنوان ذکر خروج رسول اللہ وابی بکر الی المدینۃ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۲۱۔

[2] معجم طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۸۳ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲۹۔

[3] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۷۳۔ [4] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۱۳ طبقات ج ۸ ص ۲۷۳۔

علالت:

اکثر مہاجرین کو مدینہ منورہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی۔ متعدد حضرات بیمار پڑ گئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت بخار میں مبتلا ہو گئے۔ معصوم بقرتیب دختر اپنے بزرگ باپ کی تیمارداری میں مصروف تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں والد گرامی قدر کی خدمت میں حاضر ہو کر خیریت دریافت کرتی تو آپ کی زبان پر یہ شعر ہوتا۔

كل امرئ مصبح في اهله والموت ادنى من شراك نعله

ہر شخص اپنے گھر والوں کے ساتھ صبح کرتا ہے۔ اور موت اس کی جوتی کے تسمے سے بھی اس سے قریب ہوتی ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کیفیت بیان کی۔ تو آپ کا دریا رحمت جوش میں آگیا اور بارگاہ خداوندی میں دعا فرمائی۔

اللهم حبب الينا المدينة كحبنا مكة او اشد حبا وصححها وبارك لنا في صاعها ومدها وانقل حماها واجعلها بالجحفة۔[1]

ترجمہ: اے اللہ! مدینہ طیبہ کی محبت ہمارے دلوں میں اتنی پیدا کر دیجئے جتنی مکہ مکرمہ کی تھی۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ یہاں کی آب و ہوا کو صحت بخش بنا دیجئے۔ ہمارے لئے یہاں کے صاع اور مد (اناج ماپنے کے پیمانے) میں برکت عنایت فرما دیجئے۔ اور یہاں کے بخار کو مقام جحفہ میں منتقل کر دیجئے۔

سیدنا صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شفایاب ہونے کے بعد سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود سخت علالت میں پڑ گئیں۔ اب باپ کی غمخواری کا موقع آیا۔

---

۱ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۸

حضرت صدیقؓ نبی کے پاس تشریف لے جاتے اور حسرت سے منہ پر منہ رکھ دیتے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے اس قدر شدید بخار ہوا کہ میرے سر کے بال اس سے جھڑ گئے اور بہت تھوڑے سے رہ گئے تھے۔[1]

منامی بشارت:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ منفرد نوعیت کا اعزاز بھی حاصل ہے کہ سرور دو عالم ﷺ کے حبالہ عقد میں آنے سے پہلے اللہ جل مجدہ نے جبریل علیہ السلام کے ذریعہ ان کی تصویر خواب میں حضور اقدس ﷺ کو دکھائی گئی اور یہ ایمان افروز مژدہ بھی سنایا گیا کہ دنیا و عقبیٰ میں آپ کی رفیقہ حیات ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا نکاح سے پہلے تو مجھے تین رات دکھائی گئی۔ جبریل ایک ریشمی کپڑے میں کوئی چیز لپیٹ کر لائے اور کہا یہ آپ کی بیوی ہیں۔ تو میں نے اسے کھولا تو دیکھا کہ وہ تم ہو۔ میں نے دل میں کہا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ اس کو پورا فرمائے گا۔[2]

مسند احمد اور بخاری شریف کی روایت میں ارتك فی المنام مرتین کے الفاظ ہیں۔ اور مسلم شریف کی روایت میں "ثلث لیال" کے الفاظ ہیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

عن عائشة ان جبرئیل جاء بصورتها فی خرقة حریر خضراء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان هذه

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۱۔

[2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۱ باب تزویج عائشہ صحیح مسلم ج مسند امام احمد ج ۶ ص ۴۱، ص ۱۲۸، ص ۱۶۱۔

زوجتک فی الدنیا والاخرۃ[1]

ترجمہ۔ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت عائشہؓ کی تصویر سبز ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت لے کر آئے اور کہا یہ آپ کی بیوی ہیں دنیا اور آخرت میں۔

بخاری شریف کی ایک روایت اس طرح ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ اریتک فی المنام مرتین اذا رجل یحملک فی سرقۃ حریر فیقول ھذہ امراتک۔ فاکشفھا فاذا ھی انت۔ فاقول ان یکن ھذا من عند اللہ یمضہ۔[2]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ مجھے تم خواب میں دو مرتبہ دکھائی گئیں ایک شخص تمہیں ریشم کے ایک ٹکڑے میں اٹھائے لے جا رہا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا یہ آپ کی بیوی ہیں۔ اس کے چہرے سے پردہ ہٹایا میں نے دیکھا کہ وہ تم ہی تھیں۔

بخاری کی ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔

عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ ﷺ اریتک قبل ان اتزوجک مرتین۔ رایت الملک یحملک فی سرقۃ من حریر۔ فقلت لہ اکشف فاذا کشف فاذا ھو انت۔ فقلت ان یکن ھذا من عند اللہ یمضہ۔ ثم اریتک یحملک فی سرقۃ من حریر۔ فقلت اکشف فکشف فاذا ھی انت۔ فقلت ان یک ھذا من عند اللہ یمضہ۔[3]

ترجمہ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تم سے شادی کرنے سے پہلے مجھے تم دو مرتبہ دکھائی گئیں۔

---

[1] سنن ترمذی ج ۲ ص ۲۲۸۔ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۳۸۔
[3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۳۸، کتاب الرؤیا۔

میں نے دیکھا ایک فرشتہ تمہیں ریشم کے ایک ٹکڑے میں اٹھائے ہوئے ہے۔ میں نے اس سے کہا اسے کھولو۔ اس نے کھولا تو وہ تم تھیں۔ میں نے کہا اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ تو وہ اسے پورا کر دے گا۔ تم مجھے دو بار دکھائی گئیں۔ فرشتہ تمہیں ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر لایا۔ میں نے کہا اسے کھولو۔ فرشتے نے کھولا تو تم ہی تھی۔ میں نے دل میں کہا اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ پورا کر دے گا۔

علامہ زرقانی المتوفی ۱۱۲۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا خواب میں حضرت عائشہؓ کی تصویر دیکھ کر یہ کہنا "اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اسے پورا کر دے گا" آپ نے کچھ شک کا اظہار فرمایا ہے۔

علامہ طیبی کہتے ہیں۔ یہ "شرط" ثبوت و یقینی طور پر متحقق کرنے کے لیے لائی گئی ہے جس طرح کوئی بادشاہ کسی سے انتقام لینا چاہے اور یوں کہے۔

ان کنت سلطانا انتقمت منک۔

یعنی میرا بادشاہ ہونا متقتضی ہے انتقام لینے پر۔

اور قاضی عیاضؒ کہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ نے یہ خواب بعثت سے پہلے دیکھا ہو۔ اس لیے کوئی اشکال وارد نہیں ہوا۔ اور اگر نبوت کے بعد دیکھا ہو تو پھر تردد کا اظہار اس بنا پر ہوا کہ عائشہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں میری زوجہ ہوگی یا صرف آخرت میں۔

اس کی ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے لفظ "ان" بلیغ معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ گویا یہ "تجاہل عارفانہ" کا اظہار تھا۔ بظاہر لفظ شک کا بول کر یقین کو واضح فرمایا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ لفظ "ان" اس لیے استعمال فرمایا ہو کہ یہ خواب ظاہر اور حقیقتاً وحی ہے یا خواب تو وحی ہی ہے مگر اس کی تعبیر درکار ہے یہ دونوں احتمال انبیاء کے حق میں جائز ہیں۔[1]

---

[1] شرح زرقانی علی المواہب طبع جدید ج۴ ص۳۸۲

علامہ محمد منظور نعمانی المتوفی ۱۴۱۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ آپ نے یہ خواب کب اور کس زمانہ میں دیکھا؟ بظاہر قرین قیاس یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد جب ان جیسی شریک حیات کی مفارقت کا فطری طور پر آپ کو سخت صدمہ تھا اور مستقبل کے بارے میں فکر تھی۔ تو اس وقت آپ کی تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ دکھایا گیا۔

حضرت عائشہؓ اگرچہ اس وقت چھ سال کی بچی تھیں۔ لیکن اس بچپن ہی میں ان کے جو احوال واطوار تھے۔ ان سے آنحضرت ﷺ کو ان کی ذہانت وفطانت اور غیر معمولی صلاحیت کا بخوبی اندازہ تھا۔ اس طرح آپ کو من جانب اللہ بتلایا گیا کہ یہی آپ کے لئے مستقبل میں حضرت خدیجہؓ کا بدل ثابت ہوں گی۔ واللہ اعلم۔[1]

یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ نبوت کے ابتدائی دور میں آنحضرت ﷺ کو اپنی شریک حیات میں جن خصوصیات کی ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت خدیجہؓ کو بھرپور عطا فرمائی تھیں۔ اور ہجرت کے بعد کے مدنی دور میں اپنی رفیقہ حیات میں آپ کو جن خاص صفات کی ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کو بدرجہ کمال عطا فرمائی تھیں۔

حضرت عبدالرحمن بن الاسود اپنے باپ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک میرے ساتھ نکاح نہ فرمایا حتیٰ کہ حضرت جبریل میری تصویر لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یہ آپ کی زوجہ محترمہ ہیں آپ نے جب مجھ سے عقد فرمایا۔ "انی لجاریۃ علی حوف"[2] میں چھوٹی عمر کی بچی تھی اور "حوف" پہنتی تھی۔ جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح ہو گیا تو اللہ تعالیٰ

---

1. معارف الحدیث ج ۸ ص ۳۵۳۔
2. "الحوف" بچیوں کے پہننے کی [illegible] الرحیق۔

نے مجھ پر شرم و حیا ڈال دی۔ اور میں اس وقت چھوٹی بچی تھی۔[۱] امام حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

علامہ شمس الدین الذہبی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور اس کی موافقت فرمائی ہے۔[۲] یہ روایت طبرانی ج ۲۳ ص ۲۶ اور مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲۸ حدیث ۱۵۳۸۶۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے عائشہ کے ہاتھ کی چمک جنت میں دیکھی۔[۳]

جنت میں رفاقت کی بشارت:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہیں جنت میں بھی رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونے کی بشارت دنیا میں ہی دے دی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عائشة زوجتي في الجنة۔[۴]

ترجمہ: عائشہ جنت میں بھی میری بیوی ہوں گی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جنت میں آپ کی کون سی بیویاں ہوں گی؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تو بھی ان میں سے ایک ہے۔[۵]

امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے بھی اس کی توثیق فرمائی ہے۔[۶]

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

۱۔ مستدرک حاکم ج ۴ ص ۹۔ ۲۔ ایضاً۔

۳۔ مسند امام احمد ج ۲ ص ۱۳۸۔

۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۱۲۸ کتاب الفضائل۔

۵۔ مستدرک ج ۴ ص ۱۳۔

۶۔ مستدرک ج ۴ ص ۳ طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۳۱۔

هی زوجته فی الدنیا والاخرة۔[1]

سیدہ عائشہ کہتی ہیں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہت زیادہ تعریف فرمائی۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! "اور میں" آپ نے فرمایا

اما ترضين ان تكوني زوجتي في الدنيا والاخرة۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اے عائشہؓ! تو قیامت کے دن میری آل میں سے اٹھائی جائے گی۔[3]

حبالہ عقد میں آنے کی تاریخ:

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رحمت عالم ﷺ کے حبالہ عقد میں کب آئیں۔ ازدواج کی تاریخ کون سی تھی۔ مختلف روایات میں حسب ذیل تصریحات بیان کی گئی ہیں۔

ولقد هلكت قبل ان يتزوجني بثلاث سنين۔ مسند ج ۶ ص ۵۸۔

توفيت خديجة قبل مخرج النبي صلى الله عليه وسلم الى المدينة بثلث سنين او قريبا من ذلك ونكح عائشة۔

علامہ ابن الاثیر المتوفی ۶۳۰ھ بیان کرتے ہیں۔ کہ ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دو سال قبل الہجرت عقد فرمایا تھا۔ اور یہ کنواری تھیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تین سال پہلے نکاح فرمایا اور حضرت زبیرؓ کا قول ہے۔ کہ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

1۔ ترمذی ج ۲ ص ۲۲۸ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۵۲۹۔

2۔ مستدرک ج ۳ ص ۱۰ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۵۲۹۔

3۔ الاحاد والمثانی ج ص ۹۰۔

کے وصال کے تین سال بعد نکاح کیا تھا۔ اور سیدہ خدیجہؓ کا انتقال ہجرت سے تین سال پہلے ہوا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہجرت سے چار سال پہلے نکاح ہوا اور پانچ سال پہلے کی روایت بھی پائی جاتی ہے۔[1]

اسی طرح ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سن وصال کے متعلق بھی مختلف روایات پائی جاتی ہیں جیسا کہ علامہ ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں۔

ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ ہجرت سے پانچ سال پہلے انتقال ہوا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چار سال پہلے فوت ہوئیں۔ اور ان کی وفات سیدہ عائشہؓ کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکاح ہونے سے پہلے ہوئی۔ اور قتادہ کہتے ہیں کہ ہجرت سے تین سال پہلے فوت ہوئی ہیں؟ ابو عمر کہتے ہیں میرے نزدیک قتادہ کا قول زیادہ صحیح ہے۔[2]

علامہ سید سلیمان ندوی المتوفی ۱۹۵۳ء لکھتے ہیں۔

جمہور محققین کا فیصلہ یہ ہے اور روایتوں کا بڑا مستند حصہ اسی کا مؤید ہے۔ کہ حضرت خدیجہؓ نے نبوت کے دسویں سال ہجرت سے تقریباً تین برس پہلے رمضان المبارک میں انتقال کیا۔ اور اسی کے ایک مہینہ کے بعد شوال میں حضرت عائشہؓ سے آنحضرت ﷺ کا نکاح ہوا۔ اور اس وقت حضرت عائشہؓ کا چھٹا سال تھا۔ اس حساب سے شوال ۳ھ قبل ہجرت مطابق مئی ۶۲۰ء میں حضرت عائشہ کا نکاح ہوا استیعاب میں علامہ ابن عبدالبر نے بھی اسی قول کی توثیق کی ہے۔[3]

شہنشاہ عالم کی دلہن کی رخصتی:

شہنشاہ دو عالم، سرور کون و مکان حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلہن کی رخصتی انتہائی سادگی بلا تکلف اور بغیر کسی نمود و نمائش کے عمل میں آئی ہے۔

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۰۱۔

[2] الاستیعاب ج ۴ ص ۲۸۸۔ برحاشیہ الاصابہ

[3] سیرت عائشہؓ ص ۲۹۔

قبیلہ بنو اشہل کی معزز خواتین دلہن کو لینے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر گئیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی۔ کہ والدہ محترمہ ام رومان نے آواز دی۔ آواز سنتے ہی میں کانپتی کانپتی دوڑی والدہ کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔ اچانک بلانے پر میری سانس پھولنے لگی۔ ماں کی ممتا میرا ہاتھ پکڑے دروازہ تک لائی۔ وہاں منہ دھو کر بال سنوار دیئے۔ پھر اس کمرہ میں لے گئیں۔ جہاں انصاری عورتیں دلہن کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ جب دلہن اندر داخل ہوئی تو مہمان عورتوں نے استقبال کیا اور خوش آمدید کہا۔

علی الخیر والبرکۃ وعلی خیر طائر۔

تیرا آنا خیر و برکت پر ہے۔ اور نیک فال ہے۔

دلہن کو سنوارا۔ کچھ دیر بعد حضور انور ﷺ بھی تشریف لے آئے۔ اور ایک تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ ان عورتوں نے مجھے آپ کے سپرد کر دیا۔ اور اس وقت میں ۹ سال کی تھی۔[1]

اس وقت حضور انور ﷺ کی ضیافت کے لئے دودھ کے ایک پیالہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ اور وہ بھی حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے ہدیہ آیا تھا۔ چنانچہ سیدہ کی سہیلیوں میں سے ایک اسماء بنت یزید بھی تھیں اور یہ ان عورتوں میں سے ایک تھی۔ جنہوں نے سیدہ عائشہ کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں بٹھایا تھا۔

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتی ہیں کہ میرے ساتھ اور بھی عورتیں تھیں۔ لیکن خدا گواہ ہے کہ کسی ضیافت وغیرہ کا اہتمام نہ کیا گیا۔ صرف ایک پیالہ دودھ کا تھا۔ اس میں سے فخر دو عالم ﷺ نے تھوڑا سا دودھ نوش فرما کر پیالہ اپنی دلہن کی طرف بڑھایا۔ سیدہ عائشہ شرمانے لگیں۔ میں نے کہا۔ حضور کا تبرک واپس نہ کرنا۔ اسے لے لو۔ چنانچہ انہوں نے شرمگیں ہاتھوں سے پیالہ پکڑ کر اسی جگہ اپنے

---

[1] صحیح بخاری باب من بنی بامراۃ وھی بنت تسع سنین کتاب النکاح [illegible]
ابن ماجہ ص ۱۱۰

ہونٹ رکھ کر دودھ پیا۔ جہاں حضورؐ نے اپنے ہونٹ مبارک رکھے تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اپنی سہیلیوں کو بھی دو۔ ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ ہمیں اشتہا نہیں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ بھوک اور جھوٹ کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا عرض کرنے لگیں۔ یا رسول اللہ ﷺ اگر ہم کسی چیز کے متعلق یہ کہیں کہ ہمیں اس کی خواہش نہیں ہے۔ جبکہ اس کی خواہش ہو تو کیا یہ بھی جھوٹ شمار ہوگا؟ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ آدمی کا ایک ایک جھوٹ لکھا جاتا ہے۔[1]

لمحہ فکریہ:

یہ تھی شہنشاہ کونین ﷺ کی "ملکہ" کی رخصتی جو بے حد سبق آموز عبرت انگیز حیرت افزا اور قابل تقلید ہے۔ نہ تو کسی شان و شوکت کا اظہار ہوا۔ نہ تکلفات سے کام لیا گیا۔ نہ دھوم دھام دیکھنے میں آئی۔ نہ "دولہا" زرق برق لباس زیب تن کر کے گھوڑے پر چڑھ کر آیا۔ اور نہ ہی دلہن کو "سرخ عروسی جوڑا" پہنایا گیا۔ بلکہ دولہا اور دلہن نے کپڑے تک تبدیل نہیں کئے نہ رسم حنا کا اہتمام ہوا۔ نہ بارات آئی۔ نہ طبل و نقارہ بجایا گیا۔ نہ دعوت طعام کا انتظام کیا گیا۔ نہ مکان کی زیبائش و آرائش ہوئی۔ نہ جھنڈیاں اور لائٹنگ کی گئی۔

کیا ہماری شادیاں بھی اسی نوعیت کی ہوتی ہیں۔ یا اس کے برعکس نمود و نمائش فضول خرچی' اسراف و تبذیر' دھوم دھام اور پر تکلف اور شاہانہ دعوتوں کے ساتھ ہوتی ہیں۔ کیا ہمیں بھی کبھی اس سنت پر عمل کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی۔ اللہ ہمیں اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ایک سنت پر عمل کرنے کی کما حقہ توفیق عطا فرمائے۔

---

[1] مسند امام احمد ج ۶ ص ۴۳۸ مسند اسماء بنت عمیس' تجرید ج ۲ ص ۲۵۸ صفحہ ۱۰۱' بحوالہ معجم طبرانی کبیر ج ۲۴ ص ۱۷۱-۱۷۲' معجم طبرانی کبیر ج ۲۴ ص ۲۹ حدیث نمبر ۴۳' مسند حمیدی ج ۱ ص ۱۸۵' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۵۳ حدیث نمبر ۷۵۰۹ کتاب الصید والذبائح' باب ما یجری فی الولیمۃ۔

ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب صحت مند ہو گئیں۔ تو ایک دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوئے۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ اپنی زوجہ مکرمہ کو اپنے گھر کیوں نہیں لے آتے؟

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اس وقت میرے پاس مہر کی ادائگی کے لئے رقم نہیں ہے۔ جاں نثار نبوت نے عرض کی۔ میری دولت حاضر ہے۔ قبول فرما لیں۔ چنانچہ حضور انور ﷺ نے بارہ اوقیہ اور ایک نش (پانچ سو درہم یعنی ایک سو روپیہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرض لے کر حضرت عائشہؓ کے پاس بھجوا دیئے۔[۱]

علامہ محمد منظور احمد نعمانی المتوفی ۱۴۱۷ھ ۱۹۹۷ء اس واقعہ کی منظر کشی اس طرح کرتے ہیں۔

''حضرت عائشہؓ کے ساتھ آپ کا نکاح تین سال پہلے مکہ مکرمہ میں ہو چکا تھا۔ اب تقریباً ۹-۱۰ سال کی ہو گئیں تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کو ان کی غیر معمولی صلاحیت کا پورا اندازہ تھا اور جانتے تھے کہ تعلیم و تربیت اور سیرت سازی کا بہترین اور سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ صحبت ہے۔ اس لئے انہوں نے خود ہی حضور ﷺ سے عرض کیا۔ ''اگر آپ کے نزدیک نامناسب نہ ہو تو یہ بہتر ہو گا۔ کہ عائشہؓ آپ ﷺ کی اہلیہ اور شریک حیات کی حیثیت سے آپ کے ساتھ رہے۔ آپ نے اسے منظور فرمالیا۔ اور وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے بنائے ہوئے ایک گھر میں مقیم ہو گئیں۔''[۲]

صدیقہؓ کا مہر:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر پانچ سو درہم

۱۔ سیرت عائشہ ص ۳۱۔

۲۔ معجم طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۲۵ حدیث نمبر ۴۰۔

۳۔ معارف الحدیث ج ۸ ص ۳۳۹۔

ادا کیا گیا تھا۔[1]

حضرت ابوسلمہؓ بیان کرتے ہیں کہ ام المومنین سیدہ عائشہؓ سے دریافت کیا گیا کہ حضور انور ﷺ کا مہر کتنا مقرر کیا جاتا تھا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ آپ کی بیویوں کا مہر پانچ سو درہم ہوتا تھا۔[2]

مولانا عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنی لکھتے ہیں۔

''مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ کہ سید عالم ﷺ کی بیویوں کا مہر (عموماً) ساڑھے بارہ اوقیہ یعنی ۵۰۰ درہم تھا (ایک درہم تین ماشہ ایک رتی اور ۱/۵ رتی چاندی کا ہوتا تھا) آج کل مہر میں ہزاروں روپے مقرر کئے جاتے ہیں۔ اور مہر کی کمی کو باعث ننگ و عار سمجھتے ہیں حالانکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر امت میں کوئی بھی معزز نہیں ہے ان کی بیٹی کا مہر ۵۰۰ درہم تھا۔ اس سے ان کی عزت کو بٹہ نہ لگا۔ اور دینے والے سید عالم ﷺ تھے۔ آپ نے مہر نہ ہونے کی وجہ سے کم مقرر کرنے کو ذرا بھی عار نہ سمجھا۔

حضرت عائشہؓ کے واقعہ رخصتی سے ادائیگی مہر کی اہمیت بھی معلوم ہوگئی۔ کیونکہ مہر کے ادا کرنے کو آنحضرت ﷺ نے اس قدر ضروری سمجھا کہ مہر کی ادائیگی کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے رخصت کر لینے میں تامل فرمایا۔ امت کے لئے ان باتوں میں نصیحت ہے۔[3]

شوال میں نکاح:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی شوال۔ وبنی بی فی شوال۔ فای نساء رسول اللہ ﷺ کان

---

۱ مجمع طبرانی ج ۲۳ ص ۲۵، مسلم ج ا ص ۴۵۸

۲ مسلم ج ا ص ۴۵۸ کتاب النکاح۔

۳ امہات المومنین بلند شہری ص ۲۷۔

تحقیق عمر عائشہؓ

خیر القرون سے اب تک سلف صالحین' ائمہ مجتہدین' ائمہ حدیث' ائمہ جرح وتعدیل' کبار مفسرین اور جلیل القدر مورخین سب کا یہ متفقہ نظریہ پایا جاتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارک بوقت نکاح چھ سال اور شادی کے وقت نو سال تھی۔ اس پر کسی کو کسی بھی زمانہ میں کوئی اختلاف یا اعتراض نہ ہوا۔ ذخیرہ احادیث' تفسیر' تاریخ' سیر اور فقہ میں کسی دوسرے نکتہ نظر کا کہیں نام ونشان نہیں ملتا۔

غالباً ۱۹۲۸ء کے لگ بھگ اس فاسد خیال نے جنم لیا کہ یہ عمر شادی کے لئے قطعاً مناسب نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں۔

> ''بعض بے احتیاط لوگوں نے اس خیال سے کہ کم سنی کی یہ شادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے موزوں نہیں۔ اس بات کی کوشش کی ہے کہ وہ ثابت کریں کہ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر چھ برس کے بجائے ۱۶ برس کی تھی۔ لیکن ان کی یہ کوشش تمام تر بے سود اور ان کا یہ دعویٰ بالکل بے دلیل ہے۔ حدیث و تاریخ کے پورے دفتر میں ایک حرف بھی ان کی تائید میں موجود نہیں۔''[1]

اس جدید نظریہ کا پس منظر کیا ہے۔ ان لوگوں کی اس میں کیا اغراض پنہاں ہیں ہم اس کے مضمرات کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ شاید یہ جسارت ذخیرہ احادیث سے نفرت دلانے اور محدثین عظام اور فقہاء کرام کی تحقیقات وتشریحات پر عدم اعتماد کے

---

[1] سیرت عائشہؓ ص ۲۶۔

لئے ذہن سازی کی جا رہی ہو۔

لہٰذا اس موضوع کا ہر لحاظ سے اور ہر پہلو سے جائزہ لیا جاتا ہے کہ شرعی اور عرفی اعتبار سے شادی کے لئے کون سی عمر موزوں ہو سکتی ہے۔ کیا جسامت وقدامت کی بالیدگی اور نشوونما بھی اس میں ممد ومعاون ہو سکتی ہے۔ صحابہ کا معاشرہ اور اس کا رسم و رواج کس بات کی طرف دلالت کرتا ہے۔ حضرات محدثین اور فقہاء کی علمی وتحقیق آراء کیا رہنمائی کرتی ہیں۔ اور اس سلسلہ کی روایات کس درجہ کی ہیں۔

جدید نظریہ:

ایک طرف پوری امت کے قابل اعتماد جلیل القدر رفیع المرتبت ائمہ مذاہب ائمہ حدیث فقہاء کرام اور مورخین ہیں۔ اور دوسری جانب ان احادیث وآثار فقہی تشریحات اور ناقابل تردید حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے بعض حضرات نے صرف تاریخی روایات کا سہارا لے کر "جدید نظریہ" کو جلا بخشنے کی سعی نامشکور کی ہے۔ جبکہ یہ بات مسلمہ ہے کہ صحیح احادیث وآثار کے مقابلہ میں تاریخی روایات تار عنکبوت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔

اس وقت ہمارے پیش نظر محترم حکیم محمود احمد ظفر کی کتاب "امہات المومنین" ہے جس میں موصوف نے ص ۹۵ تا ص ۱۰۴۔ پیدائش اور نکاح کے وقت عمر کے عنوان سے چھ تاریخی "شواہد" پیش کئے ہیں۔ اور طوالت کے خوف سے باقی چھوڑ دیئے ہیں۔ فاضل موصوف لکھتے ہیں۔

> "یہ روایت چونکہ بخاری میں ہے (چھ سال اور نو سال والی) لہٰذا بخاری کی جلالت شان کی وجہ سے اس طرح روایت ہوتا چلا آیا ہے اور کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ کہ چھ سال کی بچی سے نکاح کس لئے کیا جا رہا ہے۔ جبکہ معاشرہ میں کم سنی کی شادی کا رواج بھی نہ تھا۔ اگر سیدہؓ کا نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا ہوتا۔ جو کہ اس معاشرہ کے رسم ورواج کے بالکل خلاف تھا۔ تو مسلمان نہ سہی کفار مکہ تو اس پر ضرور اعتراض

کرتے ہیں۔[1]

حکیم صاحب موصوف لکھتے ہیں۔

"لیکن واقعاتی شہادتوں اور قوی قرائن اس بات کا ساتھ نہیں دیتے کہ سیدہ کی نکاح کے وقت عمر چھ سال تھی۔ بلکہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ بوقت نکاح ان کی عمر سولہ سترہ سال تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ راوی سے "عشرۃ" کا لفظ درج ہونا رہ گیا ہے۔"[2]

حکیم صاحب موصوف نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک تو بخاری کی روایت پر عدم اعتماد اور دوسرا اس معاشرہ میں چھوٹی عمر کی لڑکیوں کے نکاح کا انکار۔

حالانکہ یہ روایت مختلف راویان حدیث سے بخاری شریف کے علاوہ مسلم' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' کتاب الام للشافعی۔ مسند امام احمد بن حنبل' طبرانی کبیر' سنن دارمی' سنن کبریٰ للبیہقی' مجمع الزوائد' مستدرک حاکم' مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ اور اس روایت پر کسی بھی محدث نے کسی قسم کا کلام نہیں کیا۔

رہا "اس معاشرہ کا رسم و رواج" تو حکیم صاحب موصوف نے یہاں بھی حقائق سے جان بوجھ کر چشم پوشی کا ارتکاب کیا ہے۔ یا پھر بے خبری اور بے علمی سے یہ بلند و بانگ دعویٰ کر دیا ہے۔

اگر فاضل موصوف "واقعاتی شہادتوں اور قوی قرائن" کا ثبوت اور دلائل احادیث اور آثار صحابہ یا تابعین سے پیش کرتے تو بات قابل التفات ہوتی۔ اور ان حدیثی مرویات پر علمی تحقیق اور تنقیدی غور و خوض کیا جاتا۔ لیکن کس قدر ستم ظریفی ہے۔ احادیث و آثار پر عدم اعتماد کر کے اپنے فرضی' مصنوعی اوہام' تخیلات اور شکوک و شبہات پر تاریخی روایات کی ملمع سازی کر کے اس "جدید نظریہ" کو خوشنما' دل کش اور

---

[1] امہات المؤمنین ص ۱۰۳۔

[2] امہات المؤمنین ص ۱۰۵۔

ماڈل انداز میں پیش کیا ہے۔

حالانکہ حکیم صاحب موصوف حدیث و تاریخ کے تقابل میں حدیث کو ترجیح دینے کے قائل بھی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

"تاریخی روایات کی اکثریت غیر مستند روایت پر مبنی ہے۔ لہٰذا جب تاریخ کا تقابل حدیث کی روایات صحیحہ سے ہوگا۔ تو تاریخ کی غیر مستند روایات کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے گا۔ یا ان کی مناسب تاویل کی جائے گی۔"[1]

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ جن ائمہ حدیث، ائمہ حدیث، شراح حدیث اور ائمہ مجتہدین فقہاء اسلام نے سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارک نکاح کے وقت چھ سال اور رخصتی کے وقت نو سال روایت کی ہے۔ ان ہی کی مرویات سے مسلمانانِ عالم کی ایمانیات اور عمرانیات وابستہ ہیں۔ اسلامی عقائد و نظریات، کفر و اسلام کی تشریحات اور اسلامی عبادات کی پرشکوہ عمارت ان ہی مرویات پر قائم ہے۔ اور صدیوں سے مسلمانانِ عالم کامل اعتماد کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہیں۔

علاوہ ازیں تاریخ کے جن قرائن کی بنیاد پر اس جدید نظریہ کا "پارہ ہوا قلعہ" تعمیر کیا گیا ہے وہ تاریخ اسلامی کے اہل علم و دانش اور ارباب فکر و نظر سے کیوں مخفی رہا۔ یا سلف صالحین کا عقل و شعور، فہم و فراست اور علم و آگاہی اس دور کے اصحابِ علم سے فروتر تھی۔ یا نعوذ باللہ ان کے قلوب و اذہان ام المومنینؓ کی توقیر و تعظیم سے معمور نہ تھے۔ یا انہیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کی پاسداری کا احساس نہ تھا؟ ہم نے ایسے فرضی، من گھڑت اور بے بنیاد نظریات کی وضاحت و صراحت اور مدلل، مفصل، علمی اور تحقیقی جواب سید سلیمان ندوی کی کتاب سے آمدہ صفحات میں پیش کر دیا ہے۔

اپنے حضرات سے ادب و احترام کا دامن دا غدار کئے بغیر گزارش ہے کہ

---

[1] سیرۃ عائشہ ص ۱۹۔

اگر آپ کے دامن تابدار میں کسی بھی صحابی یا تابعی کا کوئی قول، ذخیرہ احادیث میں سے کسی نوع کی کوئی روایت۔ ائمہ مجتہدین میں سے کسی امام کا ارشاد، ائمہ حدیث میں سے کسی محدث کا فرمان، فقہائے اسلام میں سے کسی فقیہ کا نظریہ اور شہرہ آفاق مورخین میں کسی مورخ کی تحقیق انیق میں یہ وضاحت پائی جاتی ہو کہ نکاح کے وقت چھ سال اور رخصتی کے وقت نو سال عمر نہیں تھی تو پیش کریں، حق بات قبول کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ لیکن ان حضرات کے پاس قرائن کے سوا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

حاصل مطالعہ:

راقم اثم ہیچمدان نے نایاب و دستیاب ذخیرہ احادیث چھان مارا لیکن اس "جدید نظریہ" کا کہیں نام ونشاں نہ ملا۔ فقہ کی عظیم وضخیم کتب کا ایک ایک ورق الٹ پلٹ کر دیکھا۔ بنظر غائر مطالعہ کیا۔ لیکن ان تخیلات کے نقوش کہیں دکھائی نہ دیئے۔ تاریخ کے بحر بیکراں کی شناوری کی زحمت اٹھائی۔ لیکن ان اوہام کی تلچھٹ تک نظر نہ آئی۔

ہمارے مآخذ:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارک بوقت نکاح چھ سال اور بوقت رخصتی ۹ سال تھی۔

جن محدثین عظام، فقہاء کرام اور مورخین اسلام نے ان روایات کی تخریج فرمائی۔ انہیں بلانکیر نقل کیا۔ اور کامل اعتماد کے ساتھ انہیں اپنے مباحث کا نکتہ آغاز قرار دیا ہے۔ ان میں سے بطور "مشتے نمونہ از خروارے" کچھ اختصار کے ساتھ ہدیہ قارئین کیے جاتے ہیں۔

کتب احادیث:

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند امام شافعی، کتاب الام للشافعی، معجم طبرانی کبیر، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، مسند امام

احمد سنن دارمی سنن کبری للبیہقی مستدرک حاکم مجمع الزوائد۔

معتبر فقہائے کرام:

تبیین الحقائق بحرالرائق فتح القدیر المبسوط سرخسی بدائع الصنائع البنایہ شرح ہدایہ فتاوی تاتارخانیہ فتاوی شامی فتاوی عالمگیریہ۔

شہرۂ آفاق مورخین:

سیرت ابن ہشام طبقات ابن سعد الاستیعاب تاریخ طبری البدایہ والنہایہ اسد الغابہ الاصابہ شرح زرقانی علی المواہب سیر اعلام النبلاء السمط الثمین فی مناقب امہات المومنین انساب الاشراف عیون الاثر۔

جسمانی نشوونما:

بعض لوگ یہ تاثر دیتے ہیں کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا چھ سال کی عمر میں نکاح اور نو سال کی عمر میں رخصتی عقلاً اور عرفاً کسی صورت بھی ممکن نہیں۔ اتنی چھوٹی عمر شادی کے لئے محال ہے۔ جبکہ محدثین اور فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سیدہ صحت و تندرستی اور جسامت و قدامت کے اعتبار سے اس عمر کی تمام لڑکیوں میں ممتاز تھیں۔ ضعیف و نحیف بدن اور لاغر و کوتاہ قامت کی حامل نہیں تھیں۔ بلکہ حسین و جمیل اور خوش اندام جوان تھیں۔

حدیث شریف میں ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں میری رخصتی کا ارادہ ہوا تو میری والدہ محترمہ نے مجھے موٹا تازہ بنانے کی غرض سے جو چیزیں مجھے کھلانا چاہتی تھیں۔ ان میں سے کوئی چیز مجھے راس نہ آئی۔ حتی کہ مجھے ککڑی تازہ کھجور کے ساتھ کھلائی تو میرا جسم خوب موٹا تازہ ہو گیا۔[1]

---

[1] سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۸ کتاب الطب باب فی السمنۃ حدیث نمبر ۳۹۰۳ ابن ماجہ ص ۲۴۸ کتاب الطب باب القثاء والرطب۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

لما تزوجني النبي صلى الله عليه وسلم سمنتي اهلى بكل شيء فلم أسمن۔ فاطعموني القثاء والرطب فسمنت عليه احسن السمن۔[1]

عن عائشة قالت اقبلت على امى بكل ما تقبل به النساء فلم احب على ذلك فاطعموني القثاء والتمر حين ارادوا ان يهدوني الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فاقبلت عليه احسن اقبال۔[2]

امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ رقمطراز ہیں۔

وقد بلغت تسعا۔ قال الداودي وكانت عائشة قد شبت شبابا حسنا۔[3]

ترجمہ: اور جب وہ نو سال کی ہوئیں۔ داودی فرماتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ خوبصورت جوان تھیں۔

علامہ شمس الدین سرخسی المتوفی ۴۹۰ھ فرماتے ہیں۔

فانها زفت اليه وهي بنت تسع سنين فكانت صغيرة في الظاهر۔

وجاء في الحديث انهم سمنوها فلما سمنت زفت الى رسول الله ﷺ۔[4]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کی رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی۔ ظاہری طور پر وہ

---

[1] طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۲۷ حدیث نمبر ۲۶۔

[2] طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۲۷۔

[3] شرح مسلم نووی ج ۱ ص ۴۵۶۔

[4] المبسوط سرخسی ج ۲ ص ۱۳۳۔

چھوٹی عمر کی تھیں۔ لیکن حدیث میں ہے انہیں گھر والوں نے فربہ بنانے کا
کیا۔ اور جب فربہ خوش اندام ہو گئیں تو ان کی رخصتی ہوئی۔[1]

علامہ سید سلیمان ندوی المتوفی ۱۹۵۳ء تحریر فرماتے ہیں۔

''حضرت عائشہؓ کا جب نکاح ہوا تھا' تو وہ اس وقت چھ برس کی تھیں۔ اس کم سنی کی شادی کا اصل منشا نبوت اور خلافت کے درمیان تعلقات کی مضبوطی تھی۔ ایک تو خود عرب کی گرم آب و ہوا میں عورتوں کی غیر معمولی نشوونما کی طبعی صلاحیت ہے۔ دوسرے عام طور پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جس طرح ممتاز اشخاص کے دماغی اور ذہنی قوتوں میں ترقی کی غیر معمولی استعداد ہوتی ہے۔ اسی طرح قد و قامت میں بھی بالیدگی کی خاص قابلیت ہوتی ہے۔ اسی کو انگریزی میں ''پری کوشس'' کہتے ہیں۔ بہرحال اس کم سنی میں آنحضرت ﷺ کا حضرت عائشہؓ کو اپنی زوجیت میں قبول کرنا۔ اس بات کی صریح دلیل ہے۔ کہ لڑکپن ہی سے ان میں نشوونما' ذکاوت' جودت ذہن اور نکتہ رسی کے آثار نمایاں تھے۔''

نکاح کے لئے عمر کی حد:

شریعت اسلامیہ نے مردوں اور عورتوں کے نکاح کے لئے کسی خاص عمر کا تعین نہیں کیا۔ نہ ہی صغر سنی اور کبر سنی کی کوئی قدغن لگائی ہے۔ عمر چھوٹی ہو یا بڑی نکاح کے مانع نہیں۔ طفولیت' شباب یا کہولت کسی بھی عمر میں نکاح کرنا جائز ہے۔ نکاح کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔ اور قرآن منشور کا تقاضا بھی یہی ہے۔ ارشاد باری ہے۔

وَالّٰٓیِٔ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓیِٔ لَمْ یَحِضْنَ[2]

ترجمہ: اور جو عورتیں نا امید ہو گئیں ہوں حیض سے تمہاری عورتوں میں۔

---

1. سیرت عائشہ صدیقہؓ ص ۲۱۔
2. سورۂ طلاق ۴۔

اگر تم کو شبہ رہ گیا تو ان کی عدت ہے تین مہینے' اور ایسے ہی جن کو حیض نہیں آیا۔ (معارف القرآن)

اس آیت میں دو طرح کی عورتوں کی عدت کا حکم مذکور ہے۔ جن عورتوں کو حیض آنا بند ہو گیا اور ایسی چھوٹی عمر کی لڑکیاں' جنہیں حیض آنا شروع نہیں ہوا۔ انہیں طلاق کی صورت میں تین مہینے عدت گزارنی ہوگی' اگر چھوٹی عمر میں لڑکیوں کا نکاح کرنا اخلاقاً یا عرفاً معیوب اور ناپسندیدہ ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی عدت کا ضابطہ ہی بیان نہ فرماتے یہ قرآنی حکم صغر سنی میں نکاح کے استحباب اور جواز کی صریح اور قطعی دلیل ہے۔

امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ اس آیات پر ترجمۃ الباب اس طرح قائم فرماتے ہیں۔

قوله تعالىٰ واللائى لم يحضن فجعل عدتها ثلثة اشهر قبل البلوغ۔[1]

امام ابی محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

واللائى لم يحضن۔ يعنى الصغائر اللاتى لم يحضن فعدتهن ايضاً ثلاثة اشهر۔[2]

امام عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی المتوفی ۷۱۰ھ فرماتے ہیں۔

من الصغائر' وتقديره واللائى لم يحضن فعدتهن ثلاثة اشهر۔[3]

امام ابن حیان المتوفی ۷۴۵ھ فرماتے ہیں۔

---

1. صحیح بخاری ج۲ ص۷۷۱۔
2. تفسیر بغوی ج۴ ص۳۵۸۔
3. تفسیر نسفی ج۴ ص۲۶۶۔

قالوا یا رسول اللہ ﷺ فما عدة من لا قرأنها من الصغر او کبیر۔ فنزلت ھذہ الایة۔

والظاھر ان قولہ واللائی لم یحضن یشتمل من لم تحیض لصغرہ[1]

علامہ سید محمود آلوسی البغدادی المتوفی ۱۲۷۰ھ فرماتے ہیں۔

واللائی لم یحضن۔ الصغار اللاتی لم یبلغن سن الحیض[2]

امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں۔

فان کانت صغیرة جاز للاب تزوجھا بغیر اذنھا بغیر خلاف۔ والدلیل علیہ قولہ تعالی۔

واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثة شھور واللائی لم یحضن۔

وتقدیرہ وکذلک عدة اللاتی لم یحضن۔ فدل علی ان الصغیرة التی لم یحض یصح نکاحھا۔ وروت عائشة رضی اللہ تعالی عنھا۔ تزوجنی رسول اللہ ﷺ وانا ابنة سبع سنین ودخل بی وانا تسع سنین۔[3]

علامہ بدرالدین العینی المتوفی ۸۵۵ھ تحریر فرماتے ہیں۔

قولہ تعالی۔ واللائی لم یحضن۔ بین اللہ تعالی عدة الصغیرة۔ وسبب العدة شرعاً النکاح۔ فدلت بقرر نکاح الصغیرة والمراد بقولہ تعالی حتی اذا بلغوا النکاح۔ الاحتلام۔ وحدیث عائشة رضی اللہ تعالی عنھا مشھور

---

[1] تفسیر بحر المحیط ج ۸ ص ۲۸۳۔

[2] تفسیر روح المعانی ج ۱۳ ص ۱۳۷۔

[3] شرح مہذب ج ۱۵ ص ۲۹۳۔

وقریب الی التواتر۔ فانه علیه الصلوٰة والسلام تزوجها وهی بنت ست سنین الخ۔[۱]

الامام العلامہ علاء الدین ابن بکر بن مسعود الکاسانی المتوفی ۵۸۷ھ فرماتے ہیں۔

اگر باپ یا دادا نے بلوغت سے پہلے لڑکی کا نکاح کر دیا۔ تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک بلوغت پر لڑکی کو اختیار حاصل ہوگا کہ اسے قائم رکھے یا فسخ کر دے اور ان کی دلیل یہ روایت ہے کہ حضرت قدامہ بن مظعون نے اپنے بھائی عثمان بن مظعونؓ کی بچی کا نکاح عبداللہ بن عمرؓ سے کیا تھا۔ اور بلوغ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس لڑکی کو اختیار دیا تو اس نے فرقت کو اختیار کیا تھا۔

لیکن فقہاء نے خیار کو لازمی قرار نہیں دیا بلکہ استحباباً اسے اپنایا ہے اور ان کی دلیل یہ روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے بچپن میں نکاح کیا تھا اور بلوغ کے بعد آپؐ نے انہیں اختیار کا حکم نہیں بتایا (سیدہ عائشہ کا بچپن میں نکاح ان کے والد گرامی قدر نے آپؐ سے کیا تھا) اگر ایسی صورت میں لڑکی کو اختیار ملتا اور یہ لڑکی کا حق ہوتا تو رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ کو یہ اختیار ضرور دیتے۔[۲]

علامہ کاسانیؒ مہر کے ضمن میں اس روایت کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں۔

ولابی حنیفة ماروی ان ابا بکر الصدیق رضی الله تعالیٰ عنه زوج عائشة رضی الله تعالیٰ عنها وهی صغیرة من رسول الله ﷺ علی خمسمائة درهم وتزوجها رسول الله ﷺ علی ذلك۔[۳]

محدثین اور فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ نکاح کے لئے عمر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ البتہ صحبت کے لئے صحت وتوانائی کی شرط ضروری ہے۔

---

۱ البنایہ ج۴ ص۱۱۲۔

۲ بدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۵۔

۳ بدائع الصنائع ج۲ ص۲۴۹۔

سن مشتہات:

لڑکی کس عمر میں محل شہوات قرار پا سکتی ہے۔ اور جماع کے قابل ہونے کی کونسی عمر مناسب ہے۔ فقہاء اسلام کی تصریحات و توضیحات ملاحظہ ہوں۔

علامہ عالم بن العلاء الانصاری المتوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں۔

"قال محمد رحمه الله في الاصل: بلغنا ان رسول الله ﷺ بني عائشة رضي الله عنها وهي ابنة تسع سنين، وتزوجها وهي بنت ست سنين، فيه دليل على ان للزوج ان يدخل بامراته الصغيرة اذا بلغت تسع سنين وان لم تبلغ۔ فان بلوغها لم ينقل في الحديث۔ وبه اخذ بعض المشائخ على انه لا عبرة للسنين في هذا الباب وانما العبرة للطاقة ان كانت ضخمة سمينة تطيق الجماع، ولا يخاف عليها المرض من ذلك يحل لزوج ان يدخل بها وان لم تبلغ تسع سنين۔

وان كانت نحيفة مهزولة لا تطيق الجماع ويخاف عليها المرض، لا يحل للزوج ان يدخل بها۔ وان كبرت سنا وهو الصحيح[1]

علامہ زین الدین ابن نجیم المتوفی ۹۷۰ھ فرماتے ہیں۔

"واختلفوا في وقت الدخول بالصغيرة، فقيل لا يدخل بها مالم تبلغ، وقيل يدخل بها اذا بلغت تسع سنين، وقيل ان كانت سمينة جسيمة تطيق الجماع، يدخل بها والا فلا"[2]

---

[1] فتاویٰ تاتارخانیہ ج ۳ ص ۲۵، کتاب النکاح الفصل الثانی فی نکاح الصغائر۔

[2] بحرالرائق ج ۳ ص ۱۱۹۔

علامہ الشیخ محمد امین الشہیر بابن عابدین المتوفی ۱۲۵۲ھ فرماتے ہیں۔

"قال فی المعراج، بنت خمس لا تکون مشتهاة اتفاقاً وبنت تسع فصاعدا مشتهاة اتفاقاً وفیما بین الخمس والتسع اختلاف الروایة والمشائخ والاصح انها لا تثبت الحرمة" [1]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

"معراج الدرایہ میں ہے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ نو سال کی لڑکی محل شہوات قرار پا سکتی ہے۔ اس سے کم عمر میں نہیں۔

قاضی خان میں ہے کہ فقیہ ابو اللیث کا قول ہے کہ نو سال سے کم عمر کی لڑکی ایسی نہیں قرار پاتی کہ اس سے شہوت ہو اور اسی حکم پر فتویٰ ہے۔

الشیخ الامام ابو بکر سے منقول ہے کہ مفتی کو چاہئے کہ وہ (حرمت مصاہرت) میں سات اور آٹھ سال کی لڑکی کی صورت میں یہ فتویٰ دے کہ (اس سے) حرمت (مصاہرت) نہیں ہے لیکن اگر پوچھنے والا یہ اضافہ کرے کہ وہ لڑکی موٹی، مضبوط اور بڑے جسم کی ہے تو پھر حرمت مصاہرت (لازم ہونے کا فتاویٰ ہے)" [2]

علامہ الہمام فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی المتوفی ۷۴۳ھ رقمطراز ہیں۔

"قال ابو بکر محمد بن الفضل، بنت تسع سنین مشتهاة من غیر تفصیل، وبنت خمس وما دونها غیر مشتهاة من غیر تفصیل، وبنت ثمان او سبع او ست، ان کانت عبلة ضخمة کانت مشتهاة، والا فلا" [3]

امام محی الدین یحییٰ بن شرف النووی المتوفی ۶۷۶ھ حدیث عائشہؓ کی تشریح میں

---

[1] رد المحتار ج۲ ص۳۰۶ کتاب النکاح (تحت قول لمسه بشهوة)

[2] فتاویٰ عالمگیری مترجم کتاب النکاح ص۱۹۱ عنوان محرمات میں سے دوسری قسم۔

[3] تبیین الحقائق ج۲ ص۱۰۷، ۱۰۸۔

لکھتے ہیں۔

"واما وقت زفاف الصغيرة المزوجة والدخول بها۔ فان اتفق الزوج والولي على شيء لاضرر فيه على الصغيرة عمل به' وان اختلفوا۔ فقال احمد وابو عبيد تجبر على ذلك بنت تسع سنين دون غيرها۔ وقال مالك' والشافعي وابو حنيفة حد ذلك ان تطيق الجماع۔ ويختلف ذلك باختلافهن' ولا يضبط بسن۔ وهذا هو الصحيح۔

وليس في حديث عائشة تحديد ولا منع من ذلك فيمن اطاقته قبل تسع۔ ولا الاذن فيه لمن لم تطقه وقد بلغت تسعا۔ قال الداؤدي' وكانت عائشة قد شبت شبابا حسنا۔[1]

علامہ خلیل احمد سہارنپوری المتوفی ۱۳۴۶ھ لکھتے ہیں۔

"واما وقت زفاف الصغيرة المزوجة للدخول بها۔ فان اتفق الزوج والولي على شيء لاضرر فيه على الصغيرة عمل به۔ وان اختلفا۔ فقال احمد وابو عبيد تجبر على ذلك بنت تسع سنين دون غيرها۔ وقال مالك والشافعي وابو حنيفة حد ذلك ان تطيق الجماع۔ ويختلف ذلك باختلافهن' ولا يضبط بسن۔ وهذا هو الصحيح۔ وليس في حديث عائشة تحديد ولا المنع من ذلك في من اطاقته قبل تسع' ولا الاذن فيه لمن لم تطقه' وقد بلغت تسعا۔ قال الداؤدي وكانت عائشة قد شبت شبابا حسنا۔[2]

---

[1] شرح مسلم ج۱ ص۴۵۶۔

[2] بذل المجہود فی شرح ابوداؤد ج۳ ص۳۸۔

صحابہ میں چھوٹی عمر میں نکاح کا رجحان:

ایک زمانہ تھا جب "بیٹی" کو ننگ و عار اور ذلت و رسوائی کا موجب سمجھا جاتا اور اس کے وجود کو نحوست و بدبختی کی علامت گردانا جاتا تھا۔ معصوم بچیوں کو زندہ درگور کردینا فخر و مباہات کی علامت تھا۔ اور ان کے ناموس کو تاخت و تاراج کرنے کا عام رجحان پایا جاتا تھا۔

جب رحمت کائنات محسن انسانیت شفیق و رحیم آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تشریف آوری ہوئی۔ تو اس معاشرے کی کایا پلٹ گئی۔ مظلوم و مقہور بچیوں کے مقدر کا ستارہ پوری تابانی سے جگمگانے لگا۔ ان کی عصمت دری کرنے والا معاشرہ ان کی عفت و عصمت کا پاسبان بن گیا۔ اسلام نے ان کے سر پر انمٹ لازوال عزت و عظمت کا تاج رکھا کہ دنیائے انسانیت اس پر رشک کرنے لگی۔ اسلام نے اسے "گھر کی ملکہ" کا عظیم تر منصب عطا فرمایا۔ اب یہ متاع گراں مایہ اور انسانیت کی نور نظر بن گئی۔

اب بچی کی ولادت پر یتوارى من القوم من سوء ما بشر به[1] کی بجائے الفتوں کے دیپ جلائے جانے لگے اور خوشیوں کے شادیانے بجنے لگے۔ اور ہر جانب سے ہدیہ تبریک و تہنیت اور پیغام نکاح وصول ہونے لگے۔ اور شادی کے لئے "عمر" کے بندھن ٹوٹ گئے اور ہر عمر میں نکاح کا رواج عام ہو گیا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم میں چھوٹی عمر کی بچیوں کے نکاح کا عام رجحان پایا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ولادت کے دن ہی نکاح کر دینا نہ معیوب سمجھا جاتا تھا اور نہ ہی اس سے نفرت پائی جاتی تھی۔ بلکہ اسے بنظر استحسان دیکھا جاتا تھا۔ ایسے متعدد واقعات پائے جاتے ہیں۔

۱- حضور انور ﷺ نے اپنے چچا حمزہؓ کی بیٹی امامہ کا نکاح بچپن ہی میں سلمہ بن ابی سلمہ سے کر دیا تھا۔

---

[1] سورۃ نحل ۵۹۔

۲۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا نکاح سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کم سنی میں کیا۔

۳۔ حضرت عروہ بن زبیر نے اپنے بھائی کی پانچ سالہ بیٹی کا نکاح اپنی بہن کے چھ سالہ بیٹے سے کیا۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ نے اپنی صغیر السن بچی کا نکاح مسیب بن نخبہ سے کر دیا تھا۔

امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ حضرت عکرمہ سے روایت بیان کرتے ہیں۔

> قال تزوج عمر بن الخطاب' ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب' وھی جاریۃ' تلعب مع الجواری' فجاء الی اصحابہ فدعوانہ بالبرکۃ۔[۱]

> عن ھشام بن عروۃ قال: زوج ابی ابنہ صغیرا۔ ھذا ابن خمس' وھذا ابن ست' فمات فورثتہ اربعۃ الاف دینار' و نحو ذالک۔[۲]

علامہ علاء الدین علی بن عثمان المار دینی الشہیر ابن الترکمانی المتوفی ۷۴۵ھ ہشام بن عروہ کی روایت کے متعلق لکھتے ہیں۔

> ذکر فیہ تزوجہ علیہ السلام عائشۃ وھی بنت ست' وتزوج عمر ابنۃ علی صغیرۃ وتزوج غیر واحد من الصحابۃ ابنتہ صغیرۃ وتزویج الزبیر ابنتہ صغیۃ۔[۳]

> فلما ثبت ان ابا بکر الصدیق زوج عائشۃ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی صغیرۃ لا امر لھا فی نفسھا۔[۴]

---

۱ مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۱۶۳ حدیث نمبر ۱۰۳۵۳۔ ۲ ایضاً

۳ سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۴۲، ۱۴۵ ۴ سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۱۴، ۱۱۵

علامہ شمس الدین سرخسی المتوفی ۴۹۰ھ تحریر فرماتے ہیں۔

ثم حدیث عائشة رضی الله تعالیٰ عنها نص فیه' وکذلك سائر ما ذکرنا من الآثار فان قدامة بن مظعون تزوج بنت الزبیر رضی الله عنه یوم ولدت وقال ان مت فهی خیر ورثتی' وان عشت فهی بنت الزبیر' وزوج ابن عمر رضی الله عنه بنتاً له صغیرة من عروة بن الزبیر رضی الله عنه وزوج عروة بن الزبیر رضی الله تعالیٰ عنه بنت اخیه ابن اخته' وهما صغیران۔[1]

ووهب رجل ابنته الصغیرة من عبدالله بن الحسن فاجاز ذالك علی رضی الله عنه وزوجت امرأة ابن مسعود رضی الله عنه بنتاً لها صغیرة ابنا للمسیب بن نخبة فاجاز ذلك عبدالله رضی الله عنه۔[2]

علامہ سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ مزید لکھتے ہیں۔

وزوج رسول الله صلی الله علیه وسلم بنت عمه حمزة رضی الله عنه من عمر بن ابی سلمة رضی الله عنه وهی صغیرة۔

والآثار فی جواز ذلك مشهورة عن عمرو علی وعبدالله ابن مسعود و ابن عمر وابی هریرة رضی الله عنهم۔[3]

علامہ علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی' الملقب بملک العلماء' المتوفی ۵۸۷ھ کا ارشاد گرامی۔

"والنکح صدیق رضی الله تعالیٰ عنه عائشة رضی الله

---

[1] المبسوط سرخسی ج ۴ ص ۲۱۲۔ [2] ایضاً۔
[3] المبسوط ج ۴ ص ۲۱۳۔

تعالی عنها وهی بنت ست سنین من رسول الله صلی الله علیه وسلم وتزوجها رسول الله صلی الله علیه وسلم، وزوج علی ابنته ام کلثوم وهی صغیرة من عمر بن الخطاب رضی الله عنه۔ وزوج عبدالله بن عمر ابنته وهی صغیرة عروة بن الزبیر رضی الله عنهم۔[1]

علامہ الموفق الدین ابی محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ھ اس عنوان کے تحت "اذا زوج الرجل ابنته البکر فالنکاح ثابت وان کرهت، کبیرة کانت او صغیرة" چھوٹی عمر کی کنواری لڑکی کے نکاح کو صحیح اور درست ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اما البکر الصغیرة، فلا خلاف فیها۔ قال ابن المنذر: اجمع کل من نحفظ عنه من اهل العلم، ان نکاح الاب ابنته البکر الصغیرة جائز۔

اور استدلال میں لکھتے ہیں۔

وقالت عائشة رضی الله عنها تزوجنی النبی صلی الله علیه وآله وسلم وانا ابنة ست وبنی بی وانا ابنة تسع، متفق علیه۔

ومعلوم انها لم تکن فی تلک الحال ممن یعتبر اذنها۔

وروی الاثرم: ان قدامة بن مظعون تزوج ابنة الزبیر حین نفست وزوج علی ابنته ام کلثوم وهی صغیرة عمر ابن الخطاب رضی الله عنهما۔[2]

ملا علی بن سلطان القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں۔

---

1. جامع المسانید ج ۲ ص ۲۲۰۔
2. مغنی ابن قدامہ ج ۶ ص ۴۸۷۔

وتزوج قدامة ابن مظعون بنت الزبير يوم ولدت۔[1]

امام فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی المتوفی ۷۴۳ھ یہ روایت نقل فرماتے ہیں۔

وزوج رسول الله ﷺ امامة بنت حمزة وهي صغيرة

سلمة بن ابي سلمة وهي بنت عمه۔[2]

علامہ ابن رشد المتوفی ۵۹۵ھ صغر سنی میں نکاح کا جواز بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے جب سیدہ عائشہؓ سے نکاح کیا تو اس وقت چھ یا سات سال کی تھیں اور جب رخصتی ہوئی تو نو سال عمر تھی۔[3]

یہ تھے امت مسلمہ کے مقتدا اور پیشوا فقہائے کرام جن کی تصریحات و تشریحات پر چودہ سو سال سے مسلمانان عالم عمل پیرا ہیں۔

---

۱ مرقاۃ ج ۶ ص ۲۰۱۔

۲ تبیین الحقائق ج ۲ ص ۱۱۱۔

۳ بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۴۔

حدیث کی کہکشاں میں عمر عائشہؓ کی تابانی

حریم نبوت میں تشریف آوری:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حریم نبوت میں تشریف آوری کی کیفیت اور حبالہ عقد کے وقت اپنی عمر مبارک کا تذکرہ کہیں اختصار کے ساتھ اور کبھی تفصیل سے بیان فرماتی تھیں۔ جسے محدثین کرام ائمہ جرح و تعدیل ائمہ فقہاء اور مشاہیر مورخین نے پوری شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ جس کا ایمان افروز روح پرور اور دل ربا ذکر سپرد قلم کیا جاتا ہے۔

ہشام بن عروہ کا تعارف:

اس سلسلہ کی بعض روایات حضرت ہشام بن عروہؒ سے مروی ہیں۔ اور بعض حضرات کو ان پر اعتماد نہیں ہے۔ اس لئے ان کا تعارف کرا دینا مناسب ہے تاکہ ان کی شخصیت واضح ہو جائے۔

امام الجرح و التعدیل امام شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ رقمطراز ہیں۔

''مدینہ منورہ کے رہنے والے ممتاز فقیہ اور نامور محدث ہیں۔ اپنے چچا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنے والد عروہؒ اپنی زوجہ فاطمہ بنت المنذر ابو سلمہ بن عبدالرحمن اور صحابہ کی ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں۔

وہیب کہتے ہیں کہ ہمارے پاس بصرہ میں ہشام بن عروہ آئے۔ اور وہ امام حسن بصری اور امام محمد بن سیرین کا پورا پورا جواب تھے۔

ابن سعد کہتے ہیں ہشام ثقہ ثبت' کثیر الحدیث اور حجت تھے۔ ابو حاتم کہتے ہیں ثقہ ہیں' اور فن حدیث میں امامت کے درجہ پر فائز ہیں۔

یعقوب بن ابی شیبہ کہتے ہیں ہشام بن عروہ قابل اعتماد اور پختہ کار محدث ہیں۔ ہاں عراق جانے کے بعد انہوں نے اپنی روش بدل لی۔ اور احادیث ذرا پہلے سے زیادہ بیان کرنے لگے۔ آپ کے اہل شہر نے پسند نہ کیا۔ کیونکہ پہلے وہ اپنے والد عروہ سے صرف وہی احادیث بیان کرتے تھے جو ان سے سنی ہوئی تھیں۔ پھر وہ ان سے مرسل روایت بھی بیان کرنے لگے۔ عثمان دارمی کہتے ہیں میں نے امام الجرح والتعدیل حضرت یحییٰ بن معین سے دریافت کیا۔ ہشام بن عروہ اور زہری میں سے آپ کو زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا مجھے دونوں ہی محبوب ہیں۔ اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دی۔[1]

امام الذہبیؒ دوسری جگہ اس طرح رقمطراز ہیں۔

"قال وھیب۔ قدم علینا ھشام بن عروہ فکان مثل الحسن' وابن سیرین۔ وقال ابن سعد۔ کان ثقۃ' ثبتا' کثیر الحدیث' حجۃ۔

وقال ابو حاتم الرازی۔ ثقۃ امام فی الحدیث۔ وقال علی بن المدینی۔ لہ نحو من اربع مائۃ حدیث۔ وقال یحیی بن معین وجماعۃ' ثقۃ' وقال یعقوب بن شیبۃ۔ ھشام ثبت۔ لم ینکر علیہ الا بعد ما صار الی العراق۔"

عراق جانے کے بعد علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔

"ھشام فلم یختلط قط۔ وحدیثہ محتج بہ فی "الموطا" والصحاح' والسنن' فقول ابن القطان "انہ اختلط" قول مردود' مرذول۔ فأرنی اماماً من الکبار سلم من الخطأ والوھم۔[2]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ اردو ج اص ۱۳۰۔ [2] سیر اعلام النبلاء ج ۶ ص ۳۵۔

اسے اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔[1]

بخاری شریف کی تیسری روایت:

ابو اسامه عن هشام عن ابيه۔ قال توفيت خديجة قبل مخرج النبی ﷺ الى المدينة بثلاث سنين، فلبث سنتين او قريباً من ذلك۔ ونكح عائشة وهی بنت ست سنين، ثم بنى بها وهی بنت تسع سنين۔[2]

بخاری شریف کی چوتھی روایت:

وهيب عن هشام بن عروة عن ابيه، عن عائشة رضی الله عنها۔ ان النبی ﷺ تزوجها وهی بنت ست سنين وبنى بها وهی بنت تسع سنين۔[3]

بخاری شریف کی پانچویں روایت:

عن سفيان عن هشام عن ابيه، عن عائشة۔ تزوجها وهی بنت ست سنين۔ وأدخلت عليه، وهی بنت تسع، ومكثت عنده تسعاً۔[4]

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ اس روایت کی شرح میں لکھتے ہیں۔

وهذا الحديث مرسل۔ لان عروة لم يحضر القصة۔ لكن الاقرب انه تحمله عن عائشة رضی الله تعالىٰ عنها لكثرة

---

[1] البدایہ والنہایہ اردو ج ۳ ص ۱۹۶۔
[2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۱ کتاب المناقب۔
[3] بخاری شریف ج ۲ ص ۷۷۱ کتاب النکاح۔ باب تزویج الاب ابنتہ من الامام معجم طبرانی ج ۲۳ ص ۲۱ حدیث نمبر ۴۷۔
[4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۷۱ باب النکاح الرجل ولدہ الصغار۔

علمہ یا حوا بہا۔[۱]

امام محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافعؒ:

المتوفی ۲۰۴ھ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں۔

عن ہشام بن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت نکحنی النبی ﷺ وانا ابنۃ ست او سبع وبنی بی وانا ابنۃ تسع۔[۲]

امام ابی عبداللہ محمد بن یزید بن ابن ماجہ القزوینیؒ:

المتوفی ۲۷۳ھ اپنی سند سے روایت بیان کرتے ہیں۔

حدثنا احمد بن سنان حدثنا ابو احمد حدثنا اسرائیل عن ابی اسحق عن ابی عبیدۃ عن عبداللہ۔ قال: تزوج النبی ﷺ عائشۃ وھی بنت سبع۔ وبنی بہا وھی بنت تسع۔ وتوفی عنہا وھی بنت ثمانی عشرۃ۔[۳]

علامہ عینی المتوفی ۸۵۵ھ فرماتے ہیں۔

سفیان بن سعید' علی بن مسہر' ابومعاویہ' عباد بن عباد اور عبدۃ' ہشام سے چھ سال کی عمر بیان کرتے ہیں۔ اور زہری ہشام سے اور حماد بن زید اور جعفر بن سلیمان سات سال نقل کرتے ہیں۔ ان میں تطبیق اس طرح دی جائے گی۔ کہ عقد کے وقت سیدہ کی عمر چھ سال اور چند ماہ تھی۔ مہینے شمار کئے بغیر چھ سال کہہ دیا گیا۔ اور مہینے شمار کر لئے سے سات سال بتائی۔ یا دونوں قول اندازے سے بتائے ہوں تحقیق سے نہیں۔[۴]

امام مسلم بن الحجاج:

المتوفی ۲۶۱ھ روایت بیان کرتے ہیں۔

۱۔ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری ج ۸ ص ۳۰۴۔

۲۔ کتاب الام ج ۵ ص ۱۵۔

۳۔ سنن ابن ماجہ ص ۱۳۵ باب النکاح الصغار یزوجہن الآباء۔

۴۔ عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۹۔

ابو معاویہ ثنا الاعمش عن ابراھیم عن الاسود عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت تزوجھا رسول اللہ ﷺ وھی بنت ست وبنی بھا۔ وھی بنت تسع سنین ومات عنھا وھی بنت ثمان عشرۃ۔صحیح مسلم ج۱ ص۴۵۶' کتاب النکاح۔ باب جواز تزویج الاب البکر الصغیرہ۔

علاوہ ازیں یہ روایت ان محدثین نے بھی روایت کی ہے۔

مسند امام احمد ج۶ ص۴۲' معجم طبرانی کبیر ج۲۳ ص۲۲ حدیث نمبر ۵۹ سنن کبریٰ للبیھقی ج۷ ص۱۱۴' باب ما جاء فی انکاح الاباء الابکار۔ سنن نسائی ج۲ ص۶۲ کتاب النکاح باب انکاح الرجل ابنتہ الصغیرۃ۔

عن معمر عن الزھری عن عروہ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا۔ ان النبی ﷺ تزوجھا وھی بنت سبع سنین وزفت الیہ وھی بنت تسع سنین ولعبھا معھا ومات عنھا وھی بنت ثمان عشرۃ۔(صحیح مسلم ج۱ ص۴۵۶ کتاب النکاح' باب جواز تزویج الاب البکر الصغیرہ مصنف عبدالرزاق ج۶ ص۱۶۲ حدیث نمبر ۱۰۳۴۹۔ معجم طبرانی کبیر ج۲۳ ص۲۰ حدیث نمبر ۴۴ شرح السنہ ج۹ ص۳۵)

امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث سجستانی المتوفی ۲۷۵ھ:

روایت بیان کرتے ہیں۔

"سلیمان بن حرب وابو الکامل' قالا ثنا حماد بن زید عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ' عن عائشۃ۔ قالت تزوجنی رسول

اللہ ﷺ وانا بنت سبع، قال سلیمان: او ست، ودخل بی وانا بنت تسع"۔ سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۹۰ کتاب النکاح، باب فی تزویج الصغار۔

"حدثنا موسی بن اسماعیل نا حماد و نابشر بن خالدنا ابو اسامة قالا حدثنا ھشام بن عروة عن ابیہ عن عائشة رضی اللہ تعالٰی عنہا ان رسول اللہ ﷺ تزوجنی وانا بنت سبع او ست۔ فلما قدمنا المدینة اتین نسوة وقال بشر۔ واتتنی ام رومان وانا علی ارجوحة، فذھبن بی وھیأننی وصنعننی، فاتی بی رسول اللہ ﷺ وانا بنت تسع، فوقفت بی علی الباب، فقلت ھیہ ھیہ، قال ابوداؤد۔ ای تنفست فادخلتنی بیتاً فاذا نسوة من الانصار، فقلن علی الخیر والبرکة"۔

"موسی بن اسماعیل عن حماد عن ھشام بن عروہ عن عائشة: فلما قدمنا المدینة جاء نی نسوة وانا العب علی ارجوحة وانا مجممة، فذھبن بی فھیأننی وصنعننی ثم اتین بی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبنی بی۔ وانا بنت تسع سنین۔"

امام الجرح والتعدیل شمس الدین الذھبی المتوفی ۷۴۸ھ:

نے اسے سنن ابوداؤد کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

اور فرماتے ہیں اسی طرح بخاری نے عروہ سے روایت بیان کی ہے۔ جس میں ہے۔ ونکح عائشة وھی بنت ست سنین۔ لیکن "معترض" کا یار اویان حدیث پر

---

۱ سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۶۷۲ کتاب الادب، باب فی الارجوحة۔

۲ سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۶۷۲۔

کلام کا یا لفظ ''عشر'' کے اسقاط کا اشارہ یا کنایہ سے بھی نام نہیں لیا۔[1]

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔

وقال الواقدی۔ تزوجها فی شوال سنة عشر من النبوة قبل الهجرة' وعرس بها فی شوال علی رأس ثمانية اشهر من الهجرة۔[2]

الحافظ عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ:

اور حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ روایت بیان کرتے ہیں۔

''عن عبدالرحمن بن ابی الضحاک عن عبدالرحمن بن محمد بن زید بن جدعان قال: حدثنا ان عبدالله بن صفوان وآخر معه اتیا عائشة فقالت عائشه: یا فلان هل سمعت حدیث حفصة؟ فقال نعم یا ام المومنین۔ فقال لها عبدالله بن صفوان۔ وما ذالك یا ام المومنین؟ قالت: خلال فی تسع لم تكن فی احد من الناس الا ما اتی الله مریم ابنة عمران۔ والله ما اقول هذا أنی افتخر علی صواحباتی:

قال عبدالله بن صفوان: وما هی یا ام المومنین؟ قالت نزل الملك بصورتی' وتزوجنی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم لسبع سنین' واهدیت الیه لتسع سنین۔ و تزوجنی بکراً لم یشرکه فی احد من الناس۔ واتاه الوحی وانا وایاه فی لحاف واحد وکنت من احب الناس الیه' ونزل فی

---

[1] سیر اعلام النبلاء، ج ۲ ص ۱۴۸۔

[2] تلخیص حافظ ذہبی مستدرک حاکم ج ۴ ص ۴۔

آیات من القرآن کادت الامۃ تھلک فیھن' ورایت جبریل' ولم یرہ احد من نسائہ غیری' وقبض فی بیتی لم یلہ غیر الملک وانا"[1]

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں۔

رواہ الطبرانی ورجالہ احد اسنا نیدہ الطبرانی رجال الصحیح۔[2]

امام ابی عبداللہ الحاکم المتوفی ۴۰۵ھ فرماتے ہیں۔"ھذا حدیث صحیح الاسناد"[3]

اور علامہ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ فرماتے ہیں۔"صحیح"[4]

حافظ الحدیث ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی:

المتوفی ۳۶۰ھ روایت بیان فرماتے ہیں۔

"ابو سعید ابیقال عن عبدالرحمن بن الاسود عن ابیہ الاسود قال قلت: یا ام المومنین اویا امتاہ الا تحدثینی کیف کان۔ یعنی امر الافک؟

قالت: تزوجنی رسول اللہ ﷺ وانا اخوص المصر بمکۃ وما عندی ما یرغب فیہ الرجال وانا بنت ست سنین' فلما بلغنی انہ تزوجنی القی اللہ علی الحیاء۔ ثم ان رسول اللہ ﷺ وانا معہ۔ فاختلعت الیہ' وقد جاء نی وانا بنت تسع سنین الی آخرہ۔[5]

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۵۱۸ کتاب الفضائل ما ذکر فی عائشہؓ۔ معجم طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۰۱ حدیث نمبر ۱۷۷۔ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۲ حدیث نمبر ۱۵۳۰۸ کتاب المناقب۔

[2] مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۲۔ [3] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۰۔

[4] ایضاً۔ [5] معجم طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۸' حدیث نمبر ۱۵۷۔

علامہ الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے بھی اسے بیان کیا ہے۔ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲۶ حدیث نمبر ۱۵۲۹۷۔

الحافظ الکبیر ابی بکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند سے یوں بیان فرماتے ہیں۔

عبدالرزاق عن معمر عن الزهري عن عروة قال: نكح النبي ﷺ عائشة وهي بنت ست، واهديت اليه وهي بنت تسع، ولعبها معها۔ ومات عنها۔ وهي بنت ثمان عشرة۔

اسی طرح مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۱۶۲ حدیث نمبر ۱۰۳۴۹ میں بھی ہے۔

امام احمد بن حنبل:

المتوفی ۲۴۱ھ روایت نقل فرماتے ہیں۔

حماد بن سلمة عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة قالت: تزوجني رسول الله متوفى خديجة قبل مخرجه الى المدينة بسنتين او ثلاث وانا بنت سبع سنين...... فبنى بي وانا بنت تسع سنين۔[1]

عبدالرحمٰن عن هشام عن عائشة قالت: تزوجني رسول الله ﷺ وانا بنت ست سنين بمكة متوفى خديجة ودخل بي وانا ابنة تسع سنين بالمدينة۔[2]

امام محی السنۃ ابی محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ۔

لکھتے ہیں۔

عن عائشة: تزوجني رسول الله ﷺ وانا بنت سبع سنين وبنى بي وانا بنت تسع۔ وكنت العب بالبنات۔ وكن

---

۱ مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۸۰۔

۲ مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۱۸۔

جواری یاتینی۔ فاذا راین رسول اللہ ﷺ ینقمعن منہ وکان رسول اللہ ﷺ یسربھن الی۔ ھذا حدیث متفق علی صحتہ۔[1]

عبداللہ حدثنی ابی ثنا محمد بن بشر قال حدثنا محمد بن عمرو قال حدثنا ابو سلمۃ ویحیی قالا لما ھلکت... الی آخرہ... وانا یومئذ بنت تسع سنین۔[2]

حافظ الحدیث نور الدین علی بن ابی بکر بن سلیمان الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ:

یہ روایت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

رواہ طبرانی ورجالہ رجال الصحیح۔ غیر محمد بن عمرو بن علقمہ۔ وھو حسن الحدیث۔ (مجمع الزوائد ج۹ ص۲۲٦)

امام ابو عبداللہ الحاکم النیشاپوری المتوفی ۴۰۵ھ:

روایت بیان کرتے ہیں۔

حدثنی ابو بکر محمد بن احمد بن بالویہ ثنا ابراھیم بن اسحاق الحربی ثنا مصعب بن عبداللہ حدثنی عبداللہ بن معاویہ عن ھشام بن عروہ ان عروہ کتب الی الولید بن عبدالملک بن مروان و نکح رسول اللہ ﷺ عند متوفی خدیجۃ عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اریھا فی المنام ثلاث مرار یقال ھذہ امراتک عائشہ۔

---

[1] شرح السنہ ج۹ ص۳۵۔

[2] مسند امام احمد ج۶ ص۲۱۱۔ معجم طبرانی کبیر ج۲۳ ص۲۳ حدیث نمبر ۵۷ مجمع الزوائد ج۹ ص۲۲٦ حدیث نمبر ۱۵۱۸۵۔

وكانت عائشة يوم نكحها رسول الله ﷺ بنت ست سنين۔ ثم بنى بها يوم قدم المدينة وهى بنت تسع سنين، ومات عائشة ام المومنين ليلة الثلاثاء بعد صلاة الوتر ودفنت من ليلتها بالبقيع لخمس عشر ليلة خلت من رمضان۔[1]

دوسری روایت یوں بیان فرماتے ہیں۔

ابو جعفر احمد بن عبيد بن ابراهيم الاسدى الحافظ بهمد ان ثنا ابراهيم بن الحسن بن ديزيل ثنا ابو مسهر عبدالاعلىٰ بن مسهر ثنا عبدالله بن عبدالرحمن بن يزيد بن جابر عن عمه يزيد بن جابر عن ابيه قال تزوج النبى ﷺ عائشة رضى الله عنها ولها سبع سنين، ودخل بها ولها تسع سنين، وقبض عنها ولها ثمان عشرة وتوفيت رضى الله تعالىٰ عنها من زمن معاوية سنة سبع وخمسين۔[2]

امام ابی محمد علی بن احمد بن سعید بن حزمؒ المتوفی ۴۵۶ھ:

ابن شبرمہ کی روایت نقل کر کے اس کی توضیح فرماتے ہیں۔

قال ابن شبرمة: لا يجوز انكاح الاب ابنته الصغيرة الا حتى تبلغ وتاذن، ورأى امر عائشة رضى الله عنها خصوصاً للنبى ﷺ۔[3]

قال ابو محمد: الحجة فى اجازة انكاح الاب ابنته الصغيرة البكر انكاح ابى بكر رضى الله عنه۔ النبى صلى

---

[1] مستدرک حاکم ج۴ص۴۔ [2] ایضا

[3] المحلی ج۱۱ص۴۰۔

الله علیه وآله وسلم من عائشة رضی الله عنها۔ وهی بنت ست سنین۔ وهذا امر مشهور غنینا عن ایراد الاسناد فیه۔ فمن ادعی انه خصوص لم یلتفت قوله۔ لقول الله عزوجل:

﴿لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة لمن کان یرجوا الله والیوم الاخر﴾(سورة الانبیاء ۲۱ الممتحنه ۴)

فکل ما فعله علیه السلام فلنا ان نتأسی به فیه۔ الا ان یاتی نص بانه له خصوص۔[۱]

روایتی حیثیت:

مذکورہ بالا روایات کس پایہ کی ہیں؟ اور ان کی روایتی حیثیت کیسی ہے؟ اس سلسلہ میں بعض شیوخ و کبار محدثین کی آراء نقل کی جاتی ہیں۔

علامہ بدرالدین ابی محمد محمود بن احمد العینی المتوفی ۸۵۵ھ فرماتے ہیں۔

"حدیث عائشة رضی الله تعالیٰ عنها مشهور وقریب الی التواتر"۔[۲]

امام ابن الہمام المتوفی ۸۶۱ھ رقمطراز ہیں۔

"تزوج ابو بکر عائشة رضی الله تعالیٰ عنها وهی بنت ست نص قریب من التواتر۔ وتزوج قدامه بن مظعون بنت الزبیر یوم ولدت۔ مع علم الصحابة رضی الله عنهم نص فی فهم الصحابة"۔[۳]

ملا علی بن سلطان القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں۔

۱۔ المحلی ج ۱۱ ص ۴۲۔

۲۔ البنایہ شرح الہدایہ ج ۴ ص ۱۳۲۔

۳۔ فتح القدیر ج ۳ ص ۱۸۳۔

"وتزوج ابی بکر عائشة وھی بنت ست' نص قریب من المتواتر"[1]

محدثین کرام جس روایت کو نص قرار دے رہے ہیں اور تواتر کا درجہ دیتے ہیں۔ اسے قبول کرنے میں تردد اور تساہل کیوں ہو؟ اسے قیاس آرائیوں اور قرائن کے بل بوتے پر مسترد کردینا عقل وانصاف کا خون بہانا ہے۔

محدثین کی درفشانی:

مذکورہ روایات کے سلسلہ میں محدثین عظام کی درفشانی اور اسلوب نگارش کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

امام ابی زکریا محی الدین بن شرف النووی المتوفی ۶۷۶ھ کی بصیرت افروز تصریحات ملاحظہ ہوں۔

فاذا تزوج الرجل امراۃ کبیرۃ او صغیرۃ یمکن جماع مثلھا بان تکون ابنۃ ثمان سنین 'وتسع' وسلم مھرھا وطلب تسلیمھا' وجب تسلیمھا الیہ' لما روی عن عائشة رضی اللہ عنھا۔ قالت "تزوجنی رسول اللہ ﷺ وانا بنت سبع سنین و بنی بی وانا ابنة تسع سنین۔[2]

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خصائل وفضائل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فدل علی ان الصغیرۃ التی لم تحض یصح نکاحھا۔ اس کی دلیل میں لکھتے ہیں۔

وردت عائشة رضی اللہ عنھا قالت۔ تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وانا ابنة سبع سنین ودخل بی

---

[1] مرقاۃ المفاتیح ج ۶ ص ۲۰۴ کتاب النکاح باب الولی فی النکاح واستئذان المرأۃ فصل اول۔

[2] شرح مہذب ج ۱۸ ص ۱۶ باب عشرۃ النساء والقسم۔

وانا ابنة تسع سنين۔[1]

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خصائل وفضائل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ابو بکر الصدیق حبیبه الاثیر ورفیقه فی الغار وظهیره فی الجهاد۔ لقد بذل ماله ونفسه لنصرة الاسلام فکان اقرب الناس الی قلبه صلی الله علیه وسلم وکان بمثابة وزیره الاول۔ فماذا یکرم النبی ﷺ صفیة هذا وصدیقه من ان یزیده قرباً الی قربه وشرفاً الی شرفه لم یکن ثمة اولی من ان یصهر الیه فیتزوج کریمته السیدة عائشة تزوجها وهو فی اشد الحاجة الی زوجة بعد وفاة خدیجة بثلاث سنین۔

وهو صلی الله علیه وسلم صاحب بیت ولا بد للبیت من زوجة تدیر شئونه وترعی مصالحه وتعده لیأوی الیه النبی ﷺ وهو صالح لمأواه۔ وتزیده أنساً وتعطر بیت النبوة العظیم بشذی من رقة الأنوثه وحنانها۔ وتحقق قوله تعالیٰ فی بیان بعض نعمه علی عباده۔

ومن ایاته ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیها وجعل بینکم مودة ورحمة۔ ان فی ذلک لایات لقوم یتفکرون۔

واذا کان آلاف من المسلمین والمسلمات یودون ان ینهضوا بخدمة بیت النبی ﷺ فانهم لا یکفلون طمأنینة البیت وهدوءه وراحته ووقاره کما تکفله الزوجة ولا

---

[1] شرح مہذب ج ۱۷ ص ۳۶۴۔

يستطيعون ان يحققوا ما جاء في الاية الكريمة من معاني التسكن والمودة والرحمة۔

ثم ان معاشرة النبي ﷺ لزوجه وزوجات تتيح لهن ان يعرفن كثيراً من التشريع والاحكام والحلال والحرام والمباح وتتيح لهن سماع كثير من اصول هذه الاحكام في احاديثه الشريفة صلى الله عليه وسلم برواية اقرب الناس اليه عشرة۔

على ان وجود زوجة في بيته صلى الله عليه وسلم كان مشجعاً للنساء على ان يفدن الى بيته كما يفد الرجال' ويسألن السيدة عائشة عما يتحرجن من سوال النبي ﷺ عند ما يختص بالنساء۔ وقد كانت رضي الله تعالى عنها فتاة ذكية سريعة الحفظ' مشهورة برواية الحديث۔[1]

ابن حجرؒ کی نکتہ سنجی:

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ جیسے عظیم المرتبت اور جلیل القدر شارح بخاری نے ان روایات کے ضمن میں لغوی اور اصطلاحی مباحث' علمی وادبی نکتہ سنجی اور فصاحت و بلاغت کی موشگافیوں پر مبنی انتہائی جامع و مانع تشریح و توضیح سپرد قلم فرمائی ہے۔ ایک ایک لفظ کی چھان بیٹ اور وضاحت وصراحت سے بحث کی افادیت و اہمیت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

لیکن ان کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ آئی کہ سیدہؓ کی صغر سنی قابل ترحم تھی۔ یہ بھی کوئی شادی بیاہ کی عمر ہوسکتی تھی؟ اور نہ ہی انہوں نے راویان حدیث کو موردِ الزام ٹھہرایا۔ اور نہ ہی توہم پرستی میں لفظ "عشر" کے اسقاط کا افسانہ تراشا۔

(بسانہ بہا) اعتمادا على صاحب الصحاح۔ العامة تقول

[1] شرح مسلم نووی ج ۲ ص ۲۲۵، ۲۲۶۔

بنی باهله وهو خطأ۔ وانما يقال بنى على اهله۔ والاصل فيه ان الداخل على اهله يضرب عليه قبة ليلة الدخول۔ ثم قيل لكل داخل باهله بان۔ انتهى۔

ولا معنى لهذا التغليط لكثرة استعمال الفصحاء له۔

وحسبك بقول عائشة "بنى بى" وبقول عروة فى آخر الحديث الثالث "وبنى بها" وقوله فى الحديث "تزوجنى وانا بنت ست سنين" اى عقد على، وقولها "فنزلنا فى بنى الحارث بن الخزرج" اى لما قدمت هى وامها واختها........ "فتمزق شعرى" بالزاى اى تقطع وللكشميهنى "فتمرق" بالراء اى انتف قوله "فوفى" اى كثر وفى الكلام حذف تقديره ثم فصلت من الوعك فتربى شعرى فكثر وقولها "جميمة" بالجيم مصغر الجمة بالضم وهى مجتمع شعر الناصية۔ ويقال للشعر اذا سقط عن المنكبين جمة واذا كان الى شحمة الاذنين وفرة وقولها "فى ارجوحة" بضم اوله معروفة وهى التى تلعب بها الصبيان وقوله "انهج" اى اتنفس تنفسا عاليا وقولهن "على خير طائر" اى على خير حظ و نصيب۔ "وقالت عائشة" وبنى بى رسول الله ﷺ فى بيتنا وانا يومئذ بنت تسع الحديث۔[1]

پھر علامہ فہامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بخاری کے علاوہ جن محدثین کرام نے ان روایات کو بیان فرمایا ہے ان کا ذکر بھی فرماتے ہیں۔

وقد عند مسلم من حديث الزهرى عن عروة عن عائشة۔

[1] فتح الباری ج ۷ ص ۲۲۴ حدیث نمبر ۳۸۹۶۔

وله من طريق الاسود عن عائشة نحوه۔ ومن طريق عبد من عروة عن ابيه عن عائشة۔

وقدروی احمد والطبرانی باسناد حسن عن عائشة۔ واخرج الطبرانی من وجه آخر عن عائشة۔ وقد اخرج الاسماعیلی من طريق عبدالله بن محمد بن يحيىٰ عن هشام عن ابيه۔[1]

علامہ ابن حجر دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

قال المهلب اجمعوا انه يجوز للاب تزويج ابنته الصغيرة البكر' ولو كانت لا يوطأ مثلها۔[2]

محدث شہیر عینی کی تصریحات:

محدث شہیر شارح بخاری' علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۸۵۵ھ نے ان روایات کو انہی حیثیت و تحقیق انیق سے ایسا واضح کر دیا ہے کہ شکوک وشبہات کے گھنا ٹوپ بادل چھٹ گئے۔ موصوف کا دل نشین و دل ربا انداز بیان ملاحظہ ہو۔

"واختلفوا فی سنها يومئذ فقال الواقدی كانت بنت ست سنين' وعن ابن عباس سبع سنين۔ والاصح انها كانت بنت تسع سنين' لانه تزوجها قبل الهجرة بثلاث سنين۔ وتوفی رسول الله ﷺ وهی بنت ثمان عشرة سنة۔[3]

دوسری حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

"وتزوج النبی ﷺ وهی بنت ست سنين' وهو الصواب

---

[1] فتح الباری ج ۷ص ۲۲۵۔

[2] فتح الباری ج ۹ص ۱۹۰۔

[3] عمدۃ القاری ج ۷ص ۳۲ کتاب المناقب باب تزویج النبی عائشہ۔

وقیل ست سبع وهو ضعیف وبنی بها المدینة بعد منصرفه من وقعة بدر فی شوال سنة اثنتین من الهجرة وکونه بنی بها وهی بنت تسع هو الصواب۔

کتاب النکاح میں باب انکاح الرجل ولده الصغار کے تحت ایک حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

"ان ابا بکر رضی الله تعالیٰ عنه زوج النبی ﷺ ابنته عائشة وهی صغیرة۔

ومحمد بن یوسف البیکندی البخاری وسفیان هو ابن عیینه قوله وادخلت علی صیغة المجهول من الماضی۔ ومکثت عنده ای عند النبی ﷺ تسع سنین ومات النبی ﷺ وعمرها ثمانیة عشرة سنة وتوفیت عائشة سنة سبع وخمسین من الهجرة النبویة۔

واختلف علی هشام بن عروة فی سن عائشة حین عقد فروی عنه سفیان بن سعید وعلی بن مسهر وابو اسامة وابو معاویة وعباد بن عباد وعبدة ست سنین لاغیر۔

ورواه الزهری عنه وحماد بن زید وجعفر بن سلیمان فقالوا سبع سنین۔

وطریق الجمع بینهما انه کانت لها ست سنین وکسر ففی روایة اسقط الکسر وفی اخری ابقته ثم یعدونها فی السبع او انها فاته تقدیرا لا تحقیقا۔

و یؤید قول من قال سبع سنین ما رواه ابن ماجة من حدیث ابی عبیدة عن ابیه تزوج النبی صلی الله علیه

وسلم عائشة وهي بنت سبع سنين۔

واختلف العلماء في الوقت الذي تدخل في المرأة على زوجها اذا اختلف الزوج واهل المراة۔ فقالت طائفة منهم احمد وابو عبيد يدخل وهي بنت تسع اتباعا لحديث عائشة رضي الله تعالىٰ عنها۔

وعن ابو حنيفة ناخذ بالتسع غير انا نقول ان بلغت التسع ولم تقدر على الجماع كان لا هلها منعها وان لم تبلغ التسع وقويت على الرجال لم يكن لهم منعها من زوجها۔

وكان مالك يقول لا نفقة لصغيرة حتى تدرك او تطيق الرجال وقال الشافعي اذا قاربت البلوغ وكانت جسيمة تحتمل الجماع فلزوجها ان يدخل بها۔ والا منعها اهلها حتى تحتمله اى الجماع۔[1]

علامہ عینیؒ نے بڑی عرق ریزی اور تحقیق و تجسس سے حدیث پاک کے ہر پہلو پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ لیکن علامہ موصوف نے نہ تو راویان حدیث کی حیثیت کو چیلنج کیا اور نہ ہی ''صغرسنی'' کو مانع نکاح قرار دیا۔ اگر دور حاضر کے روشن خیال محققین کے زعم کے مطابق سیدہؓ کی عمر فی الواقع چھ اور نو سال نہیں تھی۔ تو علامہ عینیؒ جیسے نقاد شارح کے قلم کو روکنے کی کسے جرأت ہو سکتی تھی۔ جب ایسے محقق' مدقق اور نقاد عالم' جرح و تعدیل کے شناور محدث نے اس بات کو اشارۃً و کنایۃً بھی بیان نہیں کیا۔ تو مذکورہ روایات درایت اور روایت ہر لحاظ سے صحیح و واضح اور محکم و اعلم قرار پائی ہیں۔ یہی تمام محدثین' فقہاء' مفسرین اور ائمہ ہدیٰ کا متفقہ نظریہ ہے اس لئے اس سے روگردانی امت کے شیوخ سے بغاوت قرار دی جائے گی۔

---

[1] عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۲۷٬۱۲۶۔

سودہ کی توضیحات:

۱- امام عبدالملک بن ہشام المتوفی ۲۱۳ھ اس روایت کو بلانکیر بیان کرتے ہیں۔ سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۲۹۳ ذکر ازواجہ ﷺ۔

۲- امام محمد بن سعد بن منیع الزہری المتوفی ۲۳۰ھ متعدد راویوں سے اس روایت کو متعدد طرق سے نقل کرتے ہیں۔ لیکن کسی قسم کا کوئی تبصرہ یا اشکال اور اعتراض بیان نہیں کیا۔

۱ - محمد بن عبید الطنافسی' حدثنی محمد بن عمرو عن ابی سلمة عن عبدالرحمن و یحیی بن عبدالرحمن بن حاطب قالا۔

۲ - محمد بن عمر اخبرنا عبدالرحمن بن أبی الرجال عن ابیه عن امه عمرة بنت عبدالرحمن بن سعد بن زرارہ۔

۳- وکیع عن سفیان عن ابی اسحاق عن ابی عبیدة۔

٤ - ابو معاویه حدثنا الاعمش عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة۔

٥ - کثیر بن هشام' حدثنا جعفر بن برقان عن الزهری۔

٦ - محمد بن عمر حدثنا اسرائیل عن الاعمش عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة ۔ طبقات ابن سعد ج۸ ص ۲۷۱ - ۲۷۳ المعارف لابن قتیبه ص ٥٩۔

۳- علامہ ابی محمد عبداللہ بن مسلم المتوفی ۲۷۶ھ نے اسے روایت کیا ہے۔ اور کسی قسم کا اعتراض نقل نہیں کیا۔

۴- علامہ ابی یوسف ابن عبداللہ محمد بن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ اس روایت کی تخریج کرتے ہیں۔

تزوجها رسول الله ﷺ بمكة قبل الهجرة وهي بنت ست سنين وقيل بنت سبع۔ وابتنى بها بالمدينة وهي ابنة

تسع۔ الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ ج ٤ ص ٣٥٦۔
یہ روایت بیان کرنے کے بعد علامہ موصوف فرماتے ہیں۔
"لا اعلمهم اختلفوا فی ذلک۔" الاستیعاب ج ٤ ص ٣٥٦۔
میرے علم کے مطابق اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۵۔ علامہ ابو جعفر محمد بن محمد الطبری المتوفی ۳۱۰ھ تاریخ طبری ج ۱ میں اس روایت کو بیان کرتے ہیں۔

۶۔ الامام المحدث المفسر' الفقیہ محی السنہ ابی محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ شرح السنہ ج ۹ ص ۳۵ میں اس روایت کو ذکر کرتے ہیں۔

۷۔ علامہ ابن اثیر الجزری المتوفی ۶۳۰ھ نے تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۳۵ اور اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۰۱ میں ان روایات کو بغیر کسی جرح وقدح کے تفصیلاً بیان کیا ہے۔

۸۔ امام الجرح والتعدیل شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ تحریر فرماتے ہیں۔

"هاجر بعائشة ابوابها۔ وتزوجها نبی الله قبل مهاجرة بعد وفاة الصديقة خديجة بنت خويلد۔ وذلك قبل الهجرة ببضعة عشر شهراً۔ وقيل بعامين۔ ددخل بها فی شوال سنة اثنتين منصرفه عليه الصلاة والسلام من غزوة بدر۔ وهی ابنة تسع۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۳۵)

۹۔ مورخ شہیر علامہ عماد الدین ابی الفداء اسماعیل ابن عمر بن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ متعدد اسناد کے ساتھ روایت بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

"لا اختلاف فيه بين الناس۔ وقد ثبت فی الصحاح وغيرها"۔(البدایة والنهایه ج ۳ ص ۱۳۱)

۱۰۔ علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے الاصابہ فی

تیسیر الصحابہ ج ۴ ص ۲۵۹،۲۰۳ میں مفصل روایات ذکر کی ہیں۔

۱۱۔ علامہ نور الدین علی بن احمد السمہودی المتوفی ۹۱۱ھ نے وفاء الوفاء ج ا ص ۲۷۲ میں اسے ذکر کیا۔

۱۲۔ علامہ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر المتوفی ۹۱۱ھ نے خصائص الکبری ج۱ باب ۷۹ میں بیان کیا۔ اسی طرح تقریباً تمام مورخین نے بلا نکیر اس کو روایت کیا ہے۔

قرائن کی شہادت:

بعض حضرات نے نصوص قطعیہ، براہین قاطعہ اور صحیح صریح احادیث کو نظر انداز کر کے تاریخی قرائن کی آرم خوردہ بیساکھی کا سہارا لے کر یہ ثابت کرنے کی سعی نامشکور کی ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارک نکاح کے وقت ۱۶ سال اور شادی کے وقت ۱۹ سال تھی۔

یہ بات واضح ہے کہ قرائن سے کسی بات کو ثابت کرنے کی نوبت اس وقت پیش آتی ہے۔ جب دلائل و براہین سے دامن خالی ہو۔ قرآن و حدیث اور اجماع امت سے رہنمائی حاصل نہ ہوتی ہو۔ تو بامر مجبوری قرائن کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ صحیح، صریح احادیث، ٹھوس تاریخی شواہد اور اجماع امت کی موجودگی میں قرائن کی تار عنکبوتی کا سہارا لینا حماقت سے خالی نہیں ہم بھی چند قرائن گذشتہ تفصیلات کی توثیق و تائید کے پیش کئے دیتے ہیں۔

۱۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا واقعہ افک کے سلسلہ میں بیان فرماتی ہیں کہ ہمارے زمانہ کی عورتیں بھاری جسم کی نہیں ہلکے پھلکے بدن والی ہوتی تھیں۔ جسیم و لحیم نہیں ہوتی تھیں۔ کیونکہ ان کی غذا بقدر ضرورت ہوتی تھی۔

وکان النساء اذا ذالک خفافا لم يهبلهن اللحم۔ انما تاكل العلقة من الطعام۔[1]

ام المومنین کا یہ ارشاد غزوہ بنی مصطلق کے سفر میں پیش آنے والے اس واقعہ

۱۔ بخاری ج ۲ ص ۵۹۶، طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۵۸ حدیث نمبر ۱۳۵۔

سے متعلق ہے۔ جس میں منافقین نے آپ پر الزام تراشی کی تھی اور یہ غزوہ محدثین کے نزدیک ۵ھ یا ۶ھ ہجری میں واقع ہوا تھا۔ جس وقت آپ کی عمر مبارک ۱۳ یا ۱۵ سال کی تھی۔ سیدہؓ اپنی اس عمر کے متعلق فرماتی ہیں۔

انا حدیثة السن........ وکنت جاریة حدیثة السن[1]

ہشام بن عروہ کی روایت میں ہے۔

وکانت عائشة جویریة حدیثة السن قلیلة اللحم خفیفة۔[2]

ترجمہ: اور عائشہ نو عمر لڑکی تھیں۔ جسم ہلکا پھلکا اور گوشت قلیل تھا۔

اس روایت سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کم عمری ہی ظاہر ہوتی ہے۔ بیس پچیس سال کی نوجوانی پر دلالت نہیں ہوتی۔

۲۔ سید عالم ﷺ نے واقعہ افک میں جب خادمہ بریرہؓ سے گواہی لی تو انہوں نے فرمایا۔

قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں نے ان میں یعنی میں نے عائشہؓ میں کوئی عیب ہرگز نہیں دیکھا اس کے سوا۔

انها جارية حديثة السن تنام عن عجين اهلها۔[3]

وہ تو معصوم نو عمر لڑکی ہے۔ آٹا رکھ کر غفلت سے سو جاتی ہے۔

گھر کی خادمہ بھی سیدہ کی صغر سنی کی گواہی دے رہی ہے۔ انکی زیادہ عمر والی جوان خاتون نہیں کر رہی۔

۳۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں۔ حبشی کھیل رہے تھے۔

وانا انظر فمازلت انظر حتی کنت انا نصرف فا قدروا قدر الجارية الحديثة السن تسمع اللهو۔[4]

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۶۹۹' مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۹۵۔ مسلم شریف ج ۲ ص ۳۶۴ باب توبہ۔

[2] طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۱۰ حدیث نمبر ۱۵۱' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۰ حدیث نمبر ۱۵۳۱۸۔

[3] بخاری شریف ج ۲ ص ۷۴۶' طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۶۳' مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۹۶۔

[4] بخاری ج ۲ ص ۷۸۵۔

ترجمہ: میں نے کھیل دیر تک دیکھا۔ اور خود ہی اکتا کر لوٹ آئی۔ تم خود اندازہ لگا لو کہ ایک نو عمر لڑکی جب کھیل دیکھتی ہے (تو کتنی دیر تک اس میں دلچسپی لے سکتی ہے)

۴۔ ۱۰ھ میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج بیت اللہ ادا فرمایا۔ آپ کی معیت میں آپ کی ازواج مطہرات نے بھی حج کی سعادت حاصل کی۔ اس وقت سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارک ۱۷، ۱۸ سال کی تھی۔

علامہ علی ابن برہان الدین حلبی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں۔

بعض علماء نے لکھا ہے۔ اس سفر حج میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اونٹ نہایت تیز رفتار تھا۔ اور اس پر حضرت عائشہؓ کا وزن بھی بہت ہلکا تھا۔ اور دوسری طرف حضرت صفیہؓ کا اونٹ بہت سست رفتار تھا اور اس پر حضرت صفیہؓ کا وزن بھی زیادہ تھا۔ اسی لئے یہ اونٹ قافلے سے پیچھے چل رہا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ حضرت صفیہؓ کی سواری حضرت عائشہؓ کے اونٹ پر کر دی جائے۔ اور حضرت عائشہؓ کی سواری حضرت صفیہؓ کے اونٹ پر کر دی جائے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ کی خاطرداری کے لئے ان کے پاس تشریف لائے اور ان سے فرمایا۔

"اے ام عبد اللہ! تمہارا وزن کم ہے اور تمہارا اونٹ تیز رفتار ہے۔ اور صفیہؓ کا وزن زیادہ ہے اور ان کا اونٹ بھی سست رفتار ہے۔ اس لئے وہ قافلے سے پیچھے آ رہا ہے لہذا ہم نے سوچا کہ تمہاری سواری ان کے اونٹ پر کر دیں اور ان کی سواری تمہارے اونٹ پر کرا دیں۔ تاکہ سفر آسان ہو جائے۔" لیکن سیدہ عائشہؓ اس پر رضا مند نہ ہوئیں۔[1]

---

[1] سیرت حلبیہ اردو ج ۳ ص ۶۴۷۔

[2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۱۰ الاصابہ ج ۴ ص ۳۴۸۔

کیا ان قرائن سے سیدہ کی صغر سنی کی شادی میں کوئی ابہام یا تردد باقی رہ جاتا ہے۔ ان قرائن سے بھی ان صحیح، صریح احادیث کی تائید مزید ہوتی ہے جن پر جمہور امت چودہ سو سال سے کاربند ہیں۔

۵- احادیث و آثار اور تاریخی روایات اس پر متفق ہیں کہ ازواج مطہرات میں سب سے کم عمر ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ جن حضرات کو ۶ اور ۹ سال والی روایات سے اتفاق نہیں وہ بھی دوسری ازواج کی نسبت ان کے کم عمر ہونے کا انکار نہیں کر سکتے۔ جب یقینی طور پر سیدہ عائشہؓ تمام ازواج سے صغیر السن تھیں۔ تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ام المومنین سیدہ صفیہؓ سے بھی کم عمر تھیں۔ جبکہ سیدہ صفیہؓ سترہ سال سے کم عمر میں حریم نبوت میں داخل ہوئی تھیں۔[1] جبکہ اس سے قبل ان کا دو اشخاص سے نکاح ہو چکا تھا۔ کیا یہ قرینہ سیدہؓ کی صغیر السن ہونے کے لئے کافی نہیں ہے؟

ان قرائن سے بھی ان صحیح و صریح احادیث کی تائید ہوتی ہے۔ جن پر جمہور امت چودہ سو سال سے متفق علیہ ہیں۔ کیا اب بھی سیدہ کی صغر سنی کی شادی میں کوئی تردد یا ابہام باقی رہ گیا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

خلاصہ کلام:

اب تک بیان کردہ تفصیلات اور مفصل و مدلل حوالہ جات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہو گئی ہے کہ ائمہ مذاہب، ائمہ حدیث، مشاہیر محدثین، شہرۂ آفاق شراح حدیث، یگانہ و فرزانہ فقہاء اسلام، عظیم المرتبت مفتیان کرام اور ممتاز و نامور مورخین سب ہی نے ان روایات کی تخریج فرمائی ان پر کامل اعتماد کا اظہار کیا۔ ان کی توصیف و تحسین فرمائی۔ انہیں اپنی توضیحات و تشریحات کے لئے "نصوص" گردانا۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی درایتاً یا روایتاً ان پر جرح اور تنقید نہیں کی۔ بلکہ اشارۃً یا کنایۃً کسی قسم کی بھی رد و قدح یا شکوک کا اظہار تک نہیں کیا۔ سب ہی نے بلا نکیر انہیں

---

۱ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۲۰، الاصابہ ج ۴ ص ۳۴۸

روایت کیا ہے۔ اس لئے انصاف کا تقاضا بھی ہے کہ جمہور علماء کے مسلک اور متفقہ فیصلہ پر کامل اعتماد کیا جائے اور پوری امت کے معتمد اور جلیل القدر علماء کی تحقیقات کے خلاف کسی ''جدید نظریہ'' کو نہ اپنایا جائے۔

نو سالہ ماں نے بچی کو جنم دیا

حال ہی میں ایک لڑکی نو سال کی عمر میں صاحب اولاد بن گئی۔ اور یہ خبر عالمی میڈیا کے ذریعہ ساری دنیا میں گونج گئی۔ اسے تائید نبی کا عنوان دیا جائے یا سیدہ عائشہؓ کی کرامت؟

جو لوگ سیدہ عائشہؓ کی نو سال کی عمر میں شادی پر ناک منہ چڑھاتے ہیں یہ ان کے لیے تازیانہ عبرت ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَار

سوال:۔ عورت کے بالغ ہونے کی کم از کم کتنی مدت ہے؟ بعض لوگ حضرت عائشہؓ کی نو سال کی رخصتی پر اعتراض کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟ مدلل ومفصل جواب دیں۔

جواب:۔ یہ صرف ملحدین اور منکرین حدیث کی اڑائی ہوئی بات ہے ورنہ لڑکی نو سال کی بالغ ہو سکتی ہے اس سلسلہ میں روزنامہ جنگ کی خبر ملاحظہ ہو کہ:

”برازیل میں ایک ۹ سالہ لڑکی گزشتہ ماہ ایک بچی کو جنم دے کر دنیا کی کمسن ترین ماں بن گئی۔ اخبار ڈیلی مرر نے بدھ کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے بتایا کہ ماریا ایلاینی جعفرز نے ۲۵ مارچ کو شمالی برازیل کے قصبہ ڈاکوئی میں آپریشن کے ذریعے بچی کو جنم دیا۔ نوزائیدہ بچی کے باپ کی عمر ۱۶ برس بتائی جاتی ہے۔ ماریا ایلاینی کی خود کی ماں اسے جنم دینے کے بعد مرگئی تھی جس کے بعد سے ایک ۶۲ سالہ بے زمین کاشتکار نے اس کی کفالت کی۔ مرر نے کمسن ماں اور اسکی نوزائیدہ بچی کی تصویر بھی

شائع کی ہے۔" (روزنامہ جنگ کراچی ۱۰/اپریل ۱۹۸۶ء ص ۱۰)

۱۶/اپریل کے اخبارات میں اس "کمسن ماں" اور اس کی نومولود بچی کی تصویریں بھی شائع ہوئی ہیں۔ خیال ہے کہ برازیل کے اخبار "ڈیلی مرر" کے حوالے سے یہ عجیب و غریب خبر دنیا بھر کے اخبارات میں شائع ہوئی ہوگی۔ ماریا ایلائن کا دنیا کی سب سے "کمسن ماں" بن جانا بلاشبہ ایک اعجوبہ ہے لیکن یہ واقعہ خواہ کتنا ہی عجیب و غریب ہو چونکہ وجود اور مشاہدہ میں آچکا ہے اس لئے کوئی عاقل یہ کہہ کر اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ یہ کیونکر ہوسکتا ہے؟

صحیح بخاری شریف اور حدیث و سیر اور تاریخ کی تمام کتابوں میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شادی اور رخصتی کا واقعہ خود ام المومنین ہی کی زبانی یوں منقول ہے:

> "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجہا وہی بنت ست سنین، وادخلت علیہ وہی بنت تسع، ومکثت عندہ تسعا۔" (صحیح بخاری ص ۷۷۱ ج ۲)
>
> ترجمہ: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عقد کیا جب وہ چھ سال کی تھیں، اور ان کی رخصتی ہوئی جب کہ وہ نو سال کی تھیں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نو سال رہیں۔"

فقہائے امت نے اس حدیث سے متعدد مسائل اخذ کیے ہیں، مثلاً ایک یہ کہ والد اپنی نابالغ اولاد (لڑکی، لڑکے) کا نکاح کرسکتا ہے، چنانچہ امام بخاریؒ نے اس پر باب باندھا ہے: "باب انکاح الرجل ولدہ الصغار" یعنی آدمی کا اپنی کمسن اولاد کا نکاح کردینا۔"

اس کے ذیل میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"قال المہلب: اجمعوا انہ یجوز للاب تزویج ابنتہ الصغیرۃ البکر ولو کانت لایوطاء مثلہا، الا ان الطحاوی حکی عن ابن

شبرمة منعه فيمن لاتوطا، وحكي ابن حزم عن ابن شبرمة مطلقا ان الاب لايزوج بنته البكر الصغيرة حتى تبلغ، وتاذن، و زعم ان تزويج النبي صلى الله عليه وسلم وهي بنت ست سنين كان من خصائصه" (حاشیہ بخاری ص ۷۷۱، فتح الباری ص ۱۹۰ ج ۹)

ترجمہ: "مہلبؒ فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ باپ کے لیے جائز ہے کہ اپنی چھوٹی کنواری بچی کا عقد کر دے۔ اگرچہ وہ وظیفہ زوجیت کے لائق نہ ہو۔ البتہ امام طحاویؒ نے ابن شبرمہؒ سے نقل کیا ہے کہ جو لڑکی وظیفہ زوجیت ادا کرنے کے قابل نہیں باپ اس کا نکاح نہیں کر سکتا اور ابن حزمؒ نے ابن شبرمہؒ سے نقل کیا ہے کہ باپ چھوٹی بچی کا نکاح نہیں کر سکتا' یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے اور اجازت دے دے، ابن شبرمہؒ کا خیال ہے کہ حضرت عائشہؓ کا چھ سال کی عمر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ عقد کیا جانا آپ ﷺ کی خصوصیت ہے۔"

"وادنى المدة لذالك في حق الغلام اثنا عشرة سنة وفي حق الجارية تسع سنين۔" (ص ۳۵۶ ج ۳)

ترجمہ: "بلوغ کی ادنیٰ مدت لڑکے کے حق میں بارہ سال اور لڑکی کے حق میں نو سال ہے۔"

بہر حال یہاں اس مسئلہ پر گفتگو مقصود نہیں' بلکہ کہنا یہ ہے کہ اگر کوئی عجیب واقعہ اخبارات میں چھپتا ہے تو ہمارے پڑھے لکھے روشن خیال حضرات کو نہ کوئی اشکال ہوتا ہے اور نہ اس کے تسلیم کرنے میں کوئی جھجک محسوس ہوتی ہے اور نہ کسی کو انکار کی جرأت ہوتی ہے اور اگر کوئی ایسے واقعہ کا انکار کر دے تو ہمارا روشن خیال طبقہ اس کو احمق کہتا ہے۔ لیکن اسی نوعیت کا بلکہ اس سے بھی ہلکی نوعیت کا کوئی واقعہ حدیث کی کتابوں میں نظر آ جاتا ہے تو اس کا فوراً انکار کر دیا جاتا ہے' اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ احادیث اور محدثین پر طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کر دی جاتی ہے اور غریب ملاؤں کو پیٹ بھر کر گالیاں

دی جاتی ہیں، اور کبھی کبھی از راہ ہمدردی کتب حدیث کی "اصلاح" کا اعلان کر دیا جاتا ہے، اور ایک دو بائی بڑھا کر چھ کو سولہ اور نو کو انیس بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اور اتنی تمیز سے بھی کام نہیں لیا جاتا کہ جس طرح اردو میں چھ کا املا سولہ کے ساتھ اور نو کا انیس کے ساتھ نہیں ہو سکتا اسی طرح عربی میں یہ ناممکن ہے۔

سوال یہ ہے کہ اخبارات میں درج شدہ واقعات کو بلا چون و چرا مان لینے، اور اسی نوعیت کے حدیث میں درج شدہ واقعات پر سو طرح کے شبہات ظاہر کرنا اس کا اصل منشا کیا ہے؟ اس کا منشا یہ ہے کہ ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت رسالت و نبوت پر ایمان نہیں اور ان کے دل میں آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کے خارق عادت واقعات کا بڑی جرأت و دلیری سے انکار کر دیتے ہیں۔[1]

فخر الاماثل قدوۃ العلماء جامع معقول و منقول شیخ الحدیث والتفسیر مفتی محمد زر ولی خان مدظلہم کے۔

علمی جواہر پارے:

محترم المقام واجب الاحترام ملک التحریر والتحقیق اخی الشیخ حضرت مولانا محمد عبدالمعبود صاحب دامت برکاتہم العالیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عمر شریف کے متعلق حضرت والا کی تحقیق انیق باعث تشفی خاطر و تسکین خواطر ہوا۔ ماشاء اللہ تحقیق بلکہ تدقیق کا حق ادا کیا گیا۔ اور ان تمام اطراف اور زاویوں سے بکمال تعارض کیا گیا۔ جن سے فتنہ پردازوں کو فتنہ و سر انگیزی کا موقع مل سکتا تھا۔ شاذ اقوال یا سقیم آراء علوم کے دامن میں ہمیشہ دکھائی دیئے۔ مگر حامیان حق نے اور سنت نبویہ کے ناصرین نے جادۂ حق پر استقامت کے ساتھ کھڑے ہو کر حق کی تائید اور نصرت کا حق ادا کیا ہے۔

فرقہ ظاہریہ جن کے اکابر ابن حزم اور داؤد جیسے افراد ہوئے ہیں اور ان سے پہلے کرامیہ فرقے کے بانی محمد ابن کرام اور فرقہ جہمیہ کے جہم ابن صفوان وغیرہ لاتعداد

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۹ ص ۱۸۱ تا ۱۸۵

عناصر نے اس قسم کے مواطن میں شدید ٹھوکریں کھائی ہیں۔ مگر حق تعالیٰ نے دین کے قائدین سے حق شناسی اور حق رسائی کا وہ کام لیا ہے جن کی عظمتوں اور اخلاص کی بلندیوں کو آسمان و زمین بھی داد تحسین دے رہا ہے۔

ائمہ حدیث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزۂ حدیث کے شناور اور مینار رشد و ہدایت ہیں۔ جن کے احسانات سے رہتی دنیا تک کوئی فرد مستغنی نہیں ہو سکتا ہے ان کے مقابلے میں سازشی عناصر پیدا ہوئے اور انہوں نے مختلف حیلوں حوالوں سے صحیح بات کو بگاڑنے کے لئے بعض ادھوری روایات اور اپنی خام عقل کے ڈھکوسلوں کا سہارا دیتے ہوئے انہیں متہم کرنے کی کوشش کی اور یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ معاذ اللہ محدثین نے صحیح کو چھوڑ کر غلط روش پر مشتمل روایات نقل کیں۔ ان ہی میں سے ام المومنینؓ کی عمر کا مسئلہ ہے کیونکہ احادیث صحاح اور آثار قویہ میں حد تواتر اور توارث تک ام المومنینؓ کی عمر بوقت رخصتی ۹ سال منقول ہے۔ جو ایک ناقابل انکار حقیقت اور قوت اسانید اور مطالب کے مضبوط اور فولادی کیفیات پر مشتمل اساس دین بن چکا ہے۔ اس کے خلاف بعض آیات کے نزول کے وقت خود ام المومنینؓ کے اقوال اور بعض دیگر مبہم اور غیر متعلق نسبتوں کو صحیح اور درست احادیث کو مسترد کرنے اور ان کے متعلق معانی اور مطالب میں شک و تردد پیدا کرنے اور ان کے خلاف ایک محاذ قائم کرنے کی ناروا کوششیں کی گئیں۔ ونعم ما قال الشاعر العربی۔

وکم من عائب قولاً صحیحا
وآفتہ من الفہم السقیم

بہر حال یہ ایک طویل داستان ہے اور نہایت بھیانک بیان ہے اس قسم کے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ ام المومنینؓ کی عمر شریف کا تھا۔ جس پر ہمارے مخدوم گرامی قدر حضرت مولانا محمد عبدالمعبود صاحب دامت برکاتہم نے محققانہ بحث فرمائی ہے۔ مولانا موصوف کی نظر میں وسعت تحقیق میں پختگی اور مسئلہ کے مختلف

اطراف کے مد و جزر کو پھیلانا اور پھر ضرورت کے مطابق سمیٹنا اور پھر بارونق اور مفہم اسلوب تحریر اس پر مستزاد حق تعالیٰ نے یہ صلاحیتیں اپنے خزانہ فیضان سے نصیب فرمائی ہیں۔

مولانا موصوف اس سے پہلے بھی خاصے اہم اور مبہم مسائل پر اپنے قلم کی شوکت اور تحقیق کی طاقت کا لوہا اہل علم سے منوا چکے ہیں۔ یہ نیا موضوع مولانا کے عمیق علم، بالغ نظر اور خوشاک موضوعات سے غیر متوحش ہونے اور ایسا نادرہ بادرہ مسئلے سے ہم آغوش ہونے کا آئینہ دار ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائیے۔

یہاں تک بڑھ گئے وارفتگی و شوق کے نظارے
حجابات نظر سے پھوٹ نکلا حسن جانانہ

امید ہے علم و تحقیق کے بادہ پیما اس جوہر گراں مایہ کو وقعت کی نگاہ سے دیکھیں گے اور علم و فضل کی جھولیاں بھر بھر کر مولانا جیسے کریم اور مخلص بزرگوں کے لئے اجر و ثواب کے معاون بنیں گے۔

قدر زر زرگر شناسد قدر جوہر جوہری
قدر گل بلبل شناسد قدر دلدل زاغی

والسلام مع التحیۃ والاکرام

الاحقر والافقر

محمد زرولی خان عفا اللہ عنہ

خادم جامعہ عربیہ احسن العلوم کراچی

۱۸ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ ۱۰-۳-۲۰۰۴ء

●●●

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فضیلۃ الشیخ حضرت اقدس مفتی نظام الدین شامزی شہیدؒ ۱۴۲۵ھ کی توضیح

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں بحث مباحثہ اور تکرار مغرب کے اعتراضات سے متاثر ہونے والے لوگوں کا وطیرہ ہے۔ ورنہ ۱۳ سو سال گزرنے تک اس موضوع پر کوئی اختلافی بحث سامنے نہیں آئی۔ البتہ چند عشرے قبل جب مستشرقین کی طرف سے اسلام پر دیگر اطراف و جوانب سے کئے جانے والے اعتراضات کی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے وقت کی عمر کے بارے میں بھی اعتراضات اٹھائے گئے تو بعض حضرات (جو پہلے ہی ان سے متاثر و مرعوب تھے)۔ بالکل ہی سپر انداز ہو گئے۔ اور بجائے اس کے کہ ان اعتراضات کے واقعی اور محققانہ جوابات دیتے اور دین کے دفاع کا حق ادا کرتے۔ سرے سے ہی احادیث و آثار اور تاریخ کی کتابوں میں تواتر سے منقول روایات کا انکار کیا اور جمہور امت سے ایک الگ تھلگ راہ اختیار کر کے اس پر چل پڑے۔

ان حضرات کے پاس دلیل نام کی کوئی چیز تو نہیں۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ کونوں کھدروں سے روایات متعددہ کو کاٹ چھانٹ کر اپنا الو سیدھا کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے سلسلہ میں مولانا محمد عبد المعبود نے جو تحقیق فرمائی ہے وہ شاید کافی ووافی ہے۔ ہاں ایک شی کا اضافہ اس میں مزید نکھری پیدا کر سکتا ہے۔ اور وہ ہے فریق مخالف کے دلائل پر ناقدانہ نظر۔ اس ضمن میں کچھ

معروضات پیش کی جاتی ہیں۔

محترم محمود احمد ظفر صاحب کی پہلی ''دلیل'' اس سلسلہ میں یہ ہے کہ:

''سیدہ عائشہؓ کی علاتی بہن سیدہ اسماء بنت ابی بکر سیدہ عائشہ سے دس سال بڑی تھیں۔ امام ذہبی نے بھی عبدالرحمن ابن ابی الزناد کا قول نقل کیا ہے۔ کہ اسماء سیدہ عائشہ سے دس سال بڑی تھیں۔''

اور چونکہ حضرت اسماء کی عمر ہجرت کے وقت ۲۷ سال تھی اس لئے حضرت عائشہ کی عمر اس وقت سترہ سال تھی۔

(اس دلیل پر تفصیلی بحث مولانا سید سلیمان ندویؒ کی کتاب ''سیرۃ حضرت عائشہ صدیقہؓ'' کے صفحہ ۲۷۳ ۲۷۴ پر موجود ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے) البتہ اس میں ایک بات کا اضافہ کرلیں کہ عبدالرحمن ابن ابی الزناد کا قول ''سیر اعلام النبلاء'' میں بغیر کسی سند کے ذکر ہے۔ جبکہ راوی مذکور کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔

تغیر حفظه لما قدم بغداد۔(تقریب التهذیب ۱/ ۵۶۹ ط قدیمی کراچی)

اور ظاہر ہے ایسے بے سند اور مجہول قول پر کسی مسئلہ کی بنیاد رکھنا سراسر زیادتی ہے۔

۲۔ حکیم صاحب کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام نبوت کے پہلے سال مسلمان ہونے والوں میں ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کی عمر نکاح کے وقت چھ اور رخصتی کے وقت نو سال نہیں تھی۔

یہ قول ابن اسحاق کا ہے۔ اور وہ اس میں متفرد ہیں۔ کسی اور نے ان کی موافقت نہیں کی سوائے بعد کے متبعین کے۔ اور جس طرح صاحب مشکوٰۃ نے حضرت اسماء کے حضرت عائشہ سے دس سال بڑا ہونے کی روایت کو تو ذکر کیا لیکن خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے احوال میں جمہور کی موافقت کی ہے۔ اسی طرح ابن اسحاق سے

پر تو منقول ہے کہ حضرت عائشہؓ بعثت کی ابتداء میں ہی مسلمان ہو چکی تھیں۔ جبکہ خود ان کا قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش کے سلسلہ میں ۵ ؁ نبوی کا ہے۔

ذکر اول من امن باللہ ورسولہ۔ وکان اول من امن باللہ واسلم صدیقۃ النساء خدیجۃ......(ثم ذکر العلامۃ القسطلانیؒ بعد صفحات)..... وقال ابن سعد اول امرءۃ اسلمت بعد خدیجۃ ام الفضل زوج العباس واسماء بنت ابی بکر وعائشۃ اختھا کذا قالہ ابن اسحاق وغیرہ۔ وھو وھم لانہ لم تکن عائشۃ ولدت بعد فکیف اسلمت۔ وکان مولدھا سنۃ اربع من النبوۃ قالہ مغلطائی وغیرہ۔(انتھیٰ کلام القسطلانی)

وقال الزرقانی فی شرحہ!

((وعائشۃ اختھا))وھی صغیرۃ کذا قالہ ابن اسحاق وغیرہ ممن تبعہ فلا یخالف قول العراقی کذا ابن اسحق بذاک انفرد۔

((وھو وھم)) غلط ((لانہ لم تکن عائشہ ولدت بعد)) ای فی ذالک الزمن' وھو اول البعثۃ' (فکیف اسلمت) وکان مولدھا سنۃ اربع) وبہ جزم فی العیون والاصابۃ وقال ابن اسحاق سنۃ خمس (من النبوۃ قالہ مغلطائی وغیرہ) وقد قالت لم اعقل ابوی الا وھما یدینان الدین کما فی الصحیح)

(شرح العلامۃ الزرقانی المتوفی ۱۱۲۲ھ علی المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیہ للعلامہ القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ ۱/۴۴۴-۴۶۰) دارالکتب العلمیۃ بیروت ط ۱۴۱۷/۱۹۹۶ء)

اب حکیم صاحب خود ہی انصاف فرمائیں کہ ایک متفرد راوی کے مختلف واقوال میں سے کسی ایک کو "دلیل" بنایا جا سکتا ہے؟

اس کے بعد حکیم صاحب نے حضرت عائشہ کے ساتھ حضور ﷺ کے نکاح کا تفصیلی واقعہ ذکر کیا ہے۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ:

۱۔ حضرت عائشہ کی جبیر بن مطعم کے ساتھ منگنی ہو چکی تھی یا نکاح ہو چکا تھا۔

۲۔ اور چونکہ اس زمانہ میں بچپن کی شادیوں کا عام رواج نہیں تھا۔

۳۔ اس لئے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ بڑی عمر کی ہوں گی۔

حکیم صاحب کی یہ بات بھی صحیح نہیں۔ اس لئے کہ حضرت عائشہ جبیر ابن مطعم کے ساتھ صرف منسوب تھیں نہ منگنی ہوئی تھی اور نہ ہی نکاح۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے الفاظ یوں ہیں۔

.......قالت ام رومان' ان مطعم بن عدی قدذکرها علی ابنه' ووالله ما وعد ابو بکر وعدا قط فاخلفه (وفی آخر هذه الروایة) مخرج (ابو بکر) من عنده وقد اذهب الله ما کان فی نفسه من عدته التی وعده۔ (السیرة النبویة لابن کثیر ۲/۱۴۲' ۱۴۳)

اسی طرح المواھب اللدنیہ میں ہے۔

"وکانت مسماة علی جبیر بن مطعم" (المواهب اللدنیه ۱/۲۰۳)

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"کانت تذکر لجبیر بن مطعم وتسمی له"۔ (الاستیعاب علی الاصابه ۴/۳۵۶)

ان روایات کے بعد اب ان روایات کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی جن میں "اعطیتها مطعما" وغیرہ کے الفاظ ہیں۔

آخر میں حکیم صاحب نے بحث کا خلاصہ ذکر کرتے ہوئے جو گل افشانیاں کی ہیں۔ وہ اس قابل تو نہیں کہ ان پر کوئی تبصرہ کیا جائے۔ کہ ان کا غلط اور خلاف واقعہ ہونا اظہر من الشمس ہے۔ البتہ تفہیم فائدہ کے لیے کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

حکیم صاحب رقم طراز ہیں۔

"اس سلسلہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی عمر کے بارے میں روایت میں کچھ چوک ہوئی ہے۔ اور ان کی عمر کے بارے میں جو یہ روایت کیا گیا ہے کہ شادی کے وقت ان کی عمر "ست سنین" تھی۔ اس میں راوی سے عمداً یا سہواً "عشر" کا لفظ رہ گیا ہے۔ (ص ۱۰۳)

یہ بات بھی بوجوہ نری غلط اور خلاف واقعہ ہے اور محض تحکم ہے۔

۱۔ اگر الفاظ "ست" کے بجائے "ست عشر" مان لئے جائیں۔ تو پھر تمیز مفرد منصوب ہونی چاہئے۔ اور بجائے "سنین" کے "سنۃ" ہونا چاہئے تھا۔ اور ہم محدثین عظام اور مؤرخین کرام کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کر سکتے کہ وہ بھی مغرب گزیدہ "محققین" کی طرح۔ عربیت سے اس قدر نابلد تھے کہ اس کو محسوس ہی نہ کر سکے۔

۲۔ بخاری میں یہ روایت متعدد مقامات پر ہے۔ اور عشر کا لفظ چھوٹنا کسی ایک مقام پر تو قابل تسلیم ہو سکتا ہے۔ اتنے زیادہ مقامات پر نہیں۔

۳۔ بخاری سے پہلے یہ روایت مسند احمد میں بھی مذکور ہے۔ اس میں بھی یہی الفاظ ہیں۔ (مسند احمد ۱۷/۲۲۳ حدیث نمبر ۲۲۰۳۲ مسند عائشہؓ دار الحدیث القاہرہ)

۴۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا قائم کردہ باب تو اس دعویٰ کو جڑ سے اکھیڑ رہا ہے۔ (باب انکاح الرجل ولدہ الصغار (بخاری ۲/۷۷۱)

۵۔ دوسرے مقام پر جہاں یہ حدیث ذکر فرمائی ہے۔ وہاں باب قائم فرمایا ہے۔ (باب من بنی بامرأۃ وھی بنت تسع سنین (۲/۷۷۵)

۶۔ جو حضرات (ابن شبرمہؒ وغیرہ) نکاح صغیرہ کے قائل نہیں۔ انہوں نے بھی یہ اعتراض نہ کیا کہ روایت غلط ہے۔ یا الفاظ چھوٹ گئے ہیں۔ بلکہ اس کو حضور ﷺ کی

خصوصیت پر محمول کیا۔

"بہر حال حق بات وہی ہے۔ جس پر جمہور امت کا عمل ہے۔ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی عمر نکاح کے وقت چھ سال اور رخصتی کے وقت نو سال تھی۔

اللہ تعالیٰ مولانا محمد عبد المعبود کی کاوش و محنت کو قبول فرمائے۔ اور ہم سب کو زیغ و ضلال کا شکار مغرب زدہ "محققین" کے فتنوں سے محفوظ فرما کر سلف صالح کے اتباع میں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ	نظام الدین شامزی
ضیاء الدین	استاذ الحدیث و رئیس تخصص فی الفقہ الاسلامی
متخصص فی الفقہ الاسلامی	علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

۲۰/۷/۲۲ھ

☆☆☆

مفتیان دارالعلوم کی تصریح

مولف کے استفسار پر دارالعلوم کراچی کے مفتیان کرام نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارک بوقت نکاح سات سال اور رخصتی کے وقت نو سال کے موقف کی تائید میں حسب ذیل تصریح فرمائی ہے۔

جمہور محققین، محدثین اور مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آپ ﷺ سے نکاح ہجرت سے تین سال قبل، ۱۰ شوال سنہ ۱۰ نبوی میں ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت چھ سال تھی۔ ہجرت کے سات، آٹھ ماہ بعد شوال سنہ ۱ ھ کے مہینہ میں رخصتی اور شب عروسی ادا ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر نو سال اور کچھ ماہ تھی۔ ۹ سال آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں رہیں۔ جس وقت آنحضرت ﷺ

کا وصال ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۸ سال تھی۔ اڑتالیس سال آپ کے بعد زندہ رہیں اور ۵۸ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت ۶۶ سال عمر تھی۔ (سیرۃ المصطفیٰ ﷺ ج ۳ ص ۳۹۵)

فی صحیح البخاری: باب نکاح الرجل

عن عائشة ان النبی ﷺ تزوجها وهی بنت ست سنین وادخلت علیه وهی بنت تسع ومکث عنده تسعا۔

یہی واقعہ احادیث کے مختلف ابواب و فصول میں اور خصوصاً بخاری شریف میں چار پانچ مقام پر ہے چنانچہ صحیح بخاری باب تزویج عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے:

قال توفیت خدیجة قبل مخرج النبی ﷺ الی المدینة بثلاث سنین او قریبا من ذالك ونکح عائشة وهی بنت ست سنین بنی بها وهی بنت تسع سنین۔

"ثلث سنین او قریباً من ذالك" سے مراد بے نکاح کے رہنا نہیں ہے جیسا کہ ظاہر میں دھوکہ ہوسکتا ہے۔ بلکہ یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد باوجود حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لینے کے بعد آپ دو برس تک کسی بیوی کے قریب نہ گئے۔ ورنہ ۲ھ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نو برس کی عمر نہیں ہوسکتی۔ اسی صفحہ پر دوسری حدیث ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

تزوجنی النبی ﷺ وانا بنت ست سنین واسلمنی الیه وانا بنت تسع سنین۔

لہذا ان مستند روایات کے ہوتے ہوئے محض قرائن اور مقدمات کو جوڑ کر یہ ثابت کرنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقت نکاح سولہ یا سترہ سال تھی ہے۔ کسی طرح بھی درست نہیں۔

چنانچہ اس نظریہ (جو حضرات ۱۶ سال کی عمر میں نکاح کے قائل ہیں) پر جو دلائل

غلط اور ناحق میں دیئے گئے ہیں، وہ قابلِ اعتبار نہیں۔ ان دلائل کے تفصیلی جوابات کے لیے سید سلیمان ندویؒ کی کتاب "سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی عمر پر ایک تحقیقی نظر" کا مطالعہ فرمائیں۔

اصل میں اس نظریہ کو اختیار کرنے کا بنیادی محرک مخالفین اسلام کے اس اعتراض سے بچنا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اتنی بڑی عمر میں اس قدر کمسن لڑکی سے نکاح کرنا نامناسب تھا۔ چنانچہ اس اعتراض سے مرعوب ہو کر حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۹ سال ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو درست نہیں۔ حالانکہ اس کا اصل جواب یہ ہے کہ گرم ملکوں میں بلوغ کی عمر بہت جلد آ جاتی ہے اور ٹھنڈے ملکوں میں بلوغ کی عمر بہت دیر سے آتی ہے۔ چنانچہ ہند و پاک بالخصوص برما اور بنگلہ دیش میں یورپ کے لحاظ سے نسبۃً جلد لڑکیاں جوان ہو جاتی ہیں۔

اس کمسنی شادی کا اصل منشاء نبوت و خلافت کے باہمی رشتوں کا استحکام تھا اور دوسرا حضرت عائشہؓ کی طبعی ذکاوت و ذہانت سے اسلام کو فائدہ پہنچانا اور عورتوں کی اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت کرنا تھا جو بحمد اللہ حرف بحرف پورے ہوئے۔ ثانیاً عام طور پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جس طرح ممتاز اشخاص کے دماغی اور ذہنی قویٰ میں ترقی کی غیر معمولی استعداد ہوتی ہے اسی طرح قد و قامت میں بھی بالیدگی کی خاص قابلیت ہوتی ہے۔ چنانچہ خود آنحضرت ﷺ کا حضرت عائشہؓ کو اپنی زوجیت میں قبول کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ لڑکپن ہی سے ان میں نشو و نما اور ذکاوت کے آثار نمایاں تھے۔

واللہ اعلم بالصواب

اسامہ بن عبد الحمید

دارالافتاء دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۴۲۲/۲/۲۳ھ

	الجواب صحیح	الجواب صحیح
	اصغر علی ربانی	بندہ عبد الرؤف سکھروی

☆☆☆

محقق حقانی کے شذرات:

محقق عصر حاضر، مورخ شہیر علامہ عبدالقیوم حقانی زید مجدہ کے شذرات قلم جو "مولف" کے تحقیق عمر عائشہ کے متعلق ارقام فرمائے ہیں۔

"مفصل مقالہ موصول ہوا۔ "تحقیق عمر عائشہ" درست اور جمہور اہل سنت والجماعت کے موقف حقہ کے عین مطابق ہے۔ اس قدر جامع مدلل اور بہمہ جہتی نافع تحریر پر جدید تبریک قبول فرمایئے۔

میں خود بھی اس موضوع پر لکھنا چاہتا تھا۔ آپ کی وقیع تحریر سامنے آئے تو تسلی ہوگئی اور الحمدللہ کہ حدیث کے نصوص میں تحریف کرنے والے تاریخی تاویلات پر یقین رکھنے اور دعوت دینے والوں کے باطل مزعومات کا دندان شکن جواب ہو گیا۔

تاریخ تو ایک مسئلے میں دس دس پہلو اور آراء رکھتی ہے۔ آخر قرآن و حدیث کے مقابلہ میں تاریخی مزعومات کو راجح کیوں قرار دیا جا رہا ہے۔ بہرحال آپ لائق صد تحسین و تبریک ہیں کہ باری تعالیٰ نے ام المومنینؓ کے دفاع کا کام آپ سے لے لیا۔

واجرکم علی اللہ

عبدالقیوم حقانی

جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ سرحد

۱۰/۴/۱۴۲۲ھ

حضرت عائشہؓ کی عمر پر تحقیقی نظر

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۱۳۷۳ھ نے نہایت مفید مدلل اور مسکت بحث کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارک نکاح کے وقت چھ سال اور رخصتی کے وقت نو سال تھی' اور اس پر سلف و خلف تمام امت کا اتفاق ہے۔ وہ مکمل بحث بعد اختصار کے ہدیہ قارئین کی جاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت عائشہؓ کی عمر
ان کے نکاح وقت کیا تھی؟

حضرت عائشہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جب نکاح ہوا۔ اس وقت اسلامی روایات کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً پچاس برس تھی اور حضرت عائشہؓ کی عمر کا چھٹا سال تمام تھا یا ساتواں شروع تھا' نکاح کے تین برس بعد ان کی رخصتی ہوئی' اس وقت ان کی عمر نو برس کی تھی۔

مخالفین اسلام کا اعتراض ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنی بڑی عمر میں اس قدر کم سن لڑکی سے نکاح کرنا نامناسب تھا' اس اعتراض کے جواب میں مسلمان جواب دینے والوں نے مختلف راہیں اختیار کیں' ایک نے کم سنی کی شادی کی نامناسبت ہی کا انکار کر دیا' دوسرے نے نکاح اور رخصتی کی تاریخوں کو تسلیم کر لیا' لیکن رخصتی کے اس عمر میں ہو جانے سے تعلقات زن وشوئی کا بھی اسی زمانہ سے شروع ہو جانا ضروری نہیں قرار دیا بلکہ ان کے نویں سال کو صرف رخصتی کی عمر قرار دیا۔

لیکن تیسرے صاحب سب سے زیادہ تیز ثابت ہوئے انہوں نے آج کل کے جدید علم کلام کی پیروی میں سرے سے ان واقعات کی ان تاریخوں ہی سے انکار کر دیا اور اس پر ایک بے جوڑ سا مضمون لکھ کر تمام اخباروں میں شائع کر دیا' اشتہار کی صورت میں تقسیم کیا اور لوگوں کے پاس بذریعہ ڈاک بھیجا' خود میرے پاس بھی کئی مرتبہ بھیجا گیا اور میں ہر دفعہ یہ سمجھ کر خاموش رہا کہ مضمون نگار کی نیت اچھی ہے لیکن

دیکھتا ہوں کہ اس تسامح نے ایک طرف یہ نقصان پہنچایا کہ یہ جدید نظریہ مستند تاریخوں میں جگہ پانے کی کوشش کر رہا ہے۔ چنانچہ سیرت نبوی ﷺ کے ترکی مترجم کے معاون اردو ظفر حسن صاحب نے قسطنطنیہ سے اس مضمون کا حوالہ دے کر لکھا کہ اگر یہ مضمون آپ کی تحقیق میں درست ہے تو سیرت کے ترکی ترجمہ میں داخل کر دیا جائے اور دوسری طرف آگے بڑھ کر ایک فقہی مسئلہ کے استدلال میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس لئے اب ضرورت ہے کہ اس غیر ذمہ دارانہ مضمون کی تردید کر دی جائے اس مضمون کی بنیاد یہ ہے کہ مشکوۃ کے مصنف شیخ ولی الدین خطیب نے مشکوۃ کے راویوں کے حال میں ایک مختصر سا رسالہ اکمال فی اسماء الرجال لکھا ہے جو مشکوۃ کے آخر میں ضمیمہ کے طور پر چھپ گیا ہے۔ صاحب مضمون کا بیان ہے کہ اس میں یہ لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی بہن حضرت اسماءؓ حضرت عائشہؓ سے دس برس بڑی تھیں اور حضرت اسماءؓ نے سو برس کی عمر میں ۷۳ھ میں وفات پائی اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ہجرت کے وقت حضرت اسماء کی عمر ستائیس سال اور حضرت عائشہؓ ان سے دس برس کم ۱۷ برس ہوئی اور نکاح کے وقت چودہ سال ختم ہو کر سولہواں شروع ہوگا۔

اس واقعہ کی تنقید کے لیے ضروری ہے کہ پہلے خود اس رسالہ کی حیثیت معلوم کی جائے پھر اس کی روایت کی تحقیق کی جائے اور پھر مستند روایتوں سے اس کا موازنہ کیا جائے۔ سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ شیخ ولی الدین خطیب کا یہ مختصر رسالہ کوئی استناد کی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ سرسری طور سے صرف مشکوۃ کے طلبہ کی معمولی واقفیت کے لئے لکھا گیا ہے۔ خطیب آٹھویں صدی کے آدمی ہیں۔ ۷۳۷ھ کے بعد یعنی (مشکوۃ کی تالیف کے بعد) انہوں نے یہ رسالہ لکھا۔ ایک ایسے امر اہم کے لئے اور ایک ایسے واقعہ کے لئے جو تمام قدیم مستند روایتوں کے خلاف ہے آٹھویں صدی کے ایک مؤلف کا بیان کہاں تک قابل وثوق ہوگا؟

لیکن اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ مضمون نگار نے شیخ خطیب کی اصل عبارت نقل نہیں کی اور صرف یہ لکھ کر کہ ایک ایسے ثقہ اور معتبر و مستند مؤلف نے یہ لکھا ہے اس

کے بعد مذکورہ بالا بیان جزم و یقین اور حتم کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ خود خطیب نے اس کو تضعیف کے صیغہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اصل الفاظ یہ ہیں۔

قیل اسلمت بعد سبعة عشر انسانا وهي اكبر من اختها عائشة بعشر سنين وماتت بعد قتل ابنها بعشرة ايام وقيل بعشرين يوما ولها مائة سنة وماتت سنة ثلاث وسبعين۔

کہا گیا ہے کہ وہ (اسماء) سترہ آدمیوں کے بعد اسلام لائیں وہ اپنی بہن عائشہ سے دس برس بڑی ہیں۔ اپنے فرزند (عبداللہ بن زبیر) کے قتل کے دس دن اور کہا گیا ہے کہ ۲۰ دن کے بعد انتقال کیا اس وقت ان کی عمر ۱۰۰ برس کی تھی اور ۷۳ھ میں ہوئی تھی۔

کہاں مضمون نگار کا جزم و یقین کہاں مؤلف کا عدم قطعیت اگر اس عبارت کو قتل کے تحت میں نہ بھی مانے تو یہ مانے گا کہ یہ مصنف سے تسامح کا ہونا ممکن ہے۔ خطیب نے بھی یہاں غلطی کی ہے اور وہ بھی شک و شبہ تسامح کے مرتکب ہوئے ہیں۔ چنانچہ اسی کتاب میں حضرت عائشہ کے حال میں وہ لکھتے ہیں۔

تزوجها بمكة في شوال سنة عشر من النبوة قبل الهجرة بثلث سنين وقيل غير ذالك و اعرس بها بالمدينة في شوال سنة اثنين من الهجرة على راس ثمانية عشر شهرا ولها تسع سنين وقيل دخل بها بالمدينة بعد سبعة اشهر من مقدمه وبقيت معه تسع سنين ومات عنها ولها ثماني عشرة سنة۔

آنحضرت ﷺ نے شوال ۱۰ نبوی میں ہجرت سے تین سال پہلے ان سے شادی کی اور ہجرت سے اس تین سال سے کم و بیش زمانہ بھی بتایا گیا ہے اور آپ نے ان کے ساتھ شب عروسی گزاری مدینہ میں شوال ۲ھ میں ہجرت کے ۱۸ مہینے بعد اس وقت وہ نو برس کی تھیں اور یہ بھی کہا

گیا ہے کہ ہجرت کے سات مہینے کے بعد آپ نے خلوت کی اور آپ کے ساتھ وہ نو برس رہیں اور آپ کی وفات کے وقت وہ ۱۸ برس کی تھیں۔

ذرا ہمارے محقق مضمون نگار ایک ہی مصنف کی ایک ہی کتاب کے ان دو مقامات میں ذرا تطبیق تو دے دیں، پھر کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت عائشہؓ کی تحقیق حال کے لئے انہوں نے اس رسالہ میں حضرت اسماءؓ کا تو حال پڑھا ہو، لیکن خود حضرت عائشہؓ کے حال پر ان کی نظر نہ پڑی ہو۔ پھر کیا یہ دانستہ غلطی کا ارتکاب نہیں ہے۔

جو کچھ خطیب نے اس موقع پر لکھا ہے اسلام کے پورے تاریخی سرمایہ میں ایک حرف بھی اس کے خلاف نہیں ہے صحیح بخاری (مناقب عائشہؓ تزویج صغار وغیرہ ابواب) صحیح مسلم (نکاح) مستدرک حاکم (جلد ۴) مسند احمد (جلد ۶ صفحہ ۱۱۸) نیز ابن سعد (جلد ۸) استیعاب، اسد الغابہ، اصابہ وغیرہ حدیث وسیر کی تمام کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میرا نکاح چھ برس کے سن میں اور رخصتی نو برس کے سن میں ہوئی۔ بخاری (فضل خدیجہؓ) اور مسند (جلد ۶ صفحہ ۵۸) میں جو یہ لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تین برس بعد میری شادی ہوئی۔ اس سے مقصود میری رخصتی ہے یا راویوں نے غلطی سے رخصتی کی تاریخ کے بجائے اس کو نکاح کی تاریخ بتا دیا ہے کیونکہ دیگر صحیح روایتوں سے اس کی تطبیق ناگزیر ہے۔

اب یا تو آٹھویں صدی کے خطیب کی ایک غلط روایت پر قیاس در قیاس کو صحیح مانو، یا امام بخاری، امام مسلم، امام احمد بن حنبل، ابن سعد، ابن عبدالبر، ابن الاثیر، ابن حجر وغیرہ محدثین و مورخین اسلام کو مانو، یہ بھی یاد رہے کہ بخاری، مسلم، ابن حنبل، حاکم اور ابن سعد میں حضرت عائشہؓ کے نکاح و رخصتی کی یہ تاریخیں خود انہیں کی زبانی اور انہیں کے گھر کے لوگوں کے ذریعہ سے مروی ہیں جس سے زیادہ معتبر روایت اور کیا ہو سکتی ہے۔

ان اصل شہادتوں کے ساتھ ضمنی بیانات کو بھی ملا لو حضرت عائشہؓ نکاح اور رخصتی

کے وقت اتنی چھوٹی تھیں۔ ہنڈولے جھولتی تھیں، گڑیاں کھیلتی تھیں (ابوداؤد کتاب الادب وابن ماجہ باب مدارۃ النساء و صحیح مسلم باب فضل عائشہؓ) وہ فرماتی ہیں کہ سورۂ قمر کی آیتیں جب نازل ہوئی ہیں تو میں کھیلا کرتی تھی (صحیح بخاری تفسیر قمر) کہتی ہیں کہ جب میرا نکاح ہوا تو مجھے خبر بھی نہ ہوئی تھی (ابن سعد ۸ صفحہ ۴۳) افک کے موقع پر ہے کہ وہ جاریۃ حدیثۃ السن (بخاری) کم سن لڑکی تھیں حالانکہ مضمون نگار کے قیاس در قیاس کی رو سے اس وقت ان کی عمر کم از کم بیس اکیس برس ہوگی۔ بیس اکیس برس کی عورت کم سن لڑکی کہی جائے گی؟

ان دلائل کے بعد خطیب کی ایک اتفاقی غلطی پر جو بیجا گرفت کی گئی ہے۔ اس کے ذکر کرنے میں کچھ دیر لگے گی۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس ارادی غلطی کا کیوں ارتکاب کیا گیا ہے لیکن افسوس ہے کہ ہم علم اور مذہب کے باب میں "دروغ مصلحت آمیز" کے فتویٰ پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

اب رہا اصل اعتراض کا جواب تو وہ یہ ہے کہ معترض یورپ کی سرد آب و ہوا پر عرب کی گرم آب و ہوا کا قیاس کر رہا ہے۔ ٹھنڈے ملکوں میں بلوغ کی نوبت دیر کو آتی ہے اور گرم ملکوں میں بہت جلد آجاتی ہے۔ خود ہندوستان میں یورپ سے بہت جلد لڑکیاں جوان ہو جاتی ہیں علاوہ ازیں اس نکاح سے آنحضرت ﷺ کا جو مقصود تھا وہ تاریخ اسلام کے صفحوں سے ظاہر ہے، اول مقصود تو نبوت و خلافت کے باہمی تعلقات کا استحکام تھا اور دوسرے حضرت عائشہؓ کی طبعی ذکاوت و ذہانت سے اسلام کو فائدہ پہنچانا اور عورتوں کے اسلامی تعلیمات کے نشر و اشاعت کا سامان کرنا بحمد اللہ کہ یہ مقاصد کلی حرف حرف پورے ہوئے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زندگی اس کی گواہ ہے تاہم یہ نبوت کی وہ استثنائی مثال ہے جس کی پیروی مسلمان کو صرف استثنائی ہی صورت میں کرنا چاہیے۔

بہرحال تمام احادیث میں خود حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ان کے نکاح اور رخصتی کے متعلق جو الفاظ مروی ہیں وہ بلا استثناء یہی ہیں صحیح بخاری باب نکاح الرجل میں ہے۔

عن عائشة ان النبی ﷺ تزوجها وھی بنت ست سنین و ادخلت علیه وھی بنت تسع و مکثت عنده تسعاً۔(جلد اول ص ۷۷۱)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے جب ان کی شادی ہوئی تو وہ چھ برس کی تھیں اور جب وہ آپ کی خدمت میں لائی گئیں تو نو برس کی تھیں اور نو برس آپ کی رفاقت میں رہیں۔

یہی واقعہ احادیث کے مختلف ابواب وفصول میں اور خصوصاً بخاری میں شاید چار پانچ مقام پر ہے صحیح بخاری باب تزویج عائشہؓ میں ہے۔

قال توفیت خدیجة قبل مخرج النبی ﷺ الی المدینة بثلاث فلبث سنتین او قریباً من ذالك و نکح عائشة وھی بنت ست سنین و بنی بھا وھی بنت تسع سنین۔(جلد اول ص ۵۵۱)

عروہؓ نے کہا کہ خدیجہؓ نے ہجرت سے تین سال پہلے وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ تقریباً دو برس ٹھہرے اور عائشہؓ سے نکاح کیا تو وہ چھ برس کی تھیں اور جب آپؐ کے پاس آئیں تو نو برس کی تھیں۔

فلبث سنتین او قریباً من ذالك۔ سے مراد بے نکاح کے رہنا نہیں ہے جیسا کہ ملا برکات کو دھوکا ہوا ہے ورنہ ۱۰ھ میں حضرت عائشہؓ کی نو برس کی عمر نہیں ہو سکتی" بلکہ یہ کنایہ اس بات سے ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد باوجود حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ سے نکاح کر لینے کے آپ دو برس تک کسی بیوی کے قریب نہ گئے۔

اسی صحیح میں دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔

تزوجنی النبی ﷺ انا بنت ست سنین فسلمتنی الیه وانا بنت تسع سنین۔

رسول اللہ ﷺ نے جب مجھ سے شادی کی تو میں چھ برس کی تھی اور

جب عورتوں نے مجھے آپ کے سپرد کیا تو میں نو برس کی تھی۔

حضرت خدیجہؓ کے سال وفات میں اور اس کی بنا پر حضرت عائشہؓ کے نکاح و پیدائش کی تاریخ میں بھی اختلاف ہو مگر اس میں کہیں بھی اختلاف نہیں کہ وہ نکاح کے وقت ۶ برس کی اور رخصت کے وقت ۹ برس کی تھیں۔ یہی روایت تمام حدیث کی کتابوں میں ہے، یہ واقعہ خود حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں اور ان سے سن کر حضرت عروہؓ بیان کرتے ہیں اور عروہؓ سے ان کے بیٹے ہشام، حضرت عروہؓ کون ہیں؟ ان حضرت اسماءؓ کے صاحبزادے جن کے سال و عمر سے حضرت عائشہؓ کے سال و عمر کی تعیین کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ (معارف شمارہ نمبر ۲ جلد ۲۲)

شاید ناظرین کو یاد ہو کہ مولانا محمد علی صاحب لاہوری کے ایک بالکل نئے فتویٰ پر جس کا مفہوم یہ تھا کہ اسلام میں صغر سنی کی شادی جائز نہیں اور اسی کے سلسلہ میں یہ تھا کہ حضرت عائشہؓ کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ وہ صغر سنی میں بیاہی گئی تھیں، صحیح نہیں ہے۔ ہم نے معارف (جولائی ۱۹۲۸ء) کے شذرات میں کچھ سوالات کئے تھے، کئی مہینے بعد احباب کے اصرار پر صاحب مضمون نے اپنے اخبار میں ان شذرات کا جواب دیا ہے، ہم نے تحقیق حق کے لئے مناسب سمجھا کہ اس جواب کی تنقید کریں اور اس کے مسامحات کو واضح کر دیں۔ (شذرات شمارہ جنوری ۱۹۲۹ء)

حضرت عائشہؓ کی عمر

مولانا سید سلیمان ندویؒ کے اعتراضات کا جواب

از: مولانا محمد علی صاحب لاہوری

صغر سنی کی شادی اور حضرت عائشہؓ

حضرت عائشہؓ کی عمر کا سوال مدت سے میرے دل میں کھٹک رہا ہے۔ اس لئے نہیں کہ میں نے اس بات کو ناممکن سمجھا ہو کہ کوئی ۹ سال کی غیر معمولی قویٰ کی لڑکی حد بلوغ کو پہنچ جائے اور اس میں تعلقات ازدواجی کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ بلکہ اس لئے کہ ایک طرف اگر وہ احادیث تھیں جن میں حضرت عائشہؓ کی عمر کا بوقت نکاح چھ یا سات سال ہونا اور بوقت رخصتانہ ۹ سال ہونا بیان کیا گیا ہے تو دوسری طرف بعض ایسی احادیث بھی تھیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت عائشہؓ کا سن اتنا چھوٹا نہ تھا۔ مگر میں نے اس سوال پر کبھی تدبر کی نظر نہیں ڈالی۔ سال رواں میں جب صغر سنی کی شادی کے متعلق ایک بل اسمبلی میں پیش ہوا تو مجھے ضرورت محسوس ہوئی کہ میں بھی اس امر پر اپنے خیالات کا اظہار کروں کہ آیا صغر سنی کی شادی اگر قانوناً روک دی جائے تو یہ امر خلاف شریعت اسلامی ہوگا؟ میں نے اس مسئلہ پر غور کیا تو میری سمجھ میں یہی آیا کہ ایسی ممانعت خلاف شریعت اسلامی نہیں کیونکہ شریعت اسلامی کا منشا بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شادی بلوغ کے بعد ہو چنانچہ میں نے اپنی جماعت کے چند علماء کے خیالات کو بھی معلوم کیا تو ان کی رائے کو اپنی رائے کے موافق پایا۔ ایک مضمون اس موضوع پر لکھ

کر اخبار ''لائٹ'' میں شائع کیا۔ اس مضمون کے ذیل میں مجھے اس بات کا جواب دینے کی ضرورت محسوس ہوئی جو صغرسنی کی ممانعت کو خلاف شریعت اسلامی قرار دینے والوں کی طرف سے زور سے پیش کی گئی تھی کہ حضرت عائشہؓ کی شادی صغرسنی میں ہوئی اور جب خود پیغمبر ﷺ اس کے مجوز ہوں تو اور کسی کو کیا حق ہے کہ وہ صغرسنی کی شادی کو روک سکے۔

اصل بحث:

اس مضمون کا اردو ترجمہ میرے دوست محمد صاحب ایڈیٹر ''پیغام صلح'' نے خود کر کے ''پیغام صلح'' میں بھی شائع کیا۔ ''پیغام صلح'' میں جواب ان الفاظ میں تھا۔

اس کے خلاف یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے اس وقت شادی کی جب وہ چھ یا سات سال کی عمر میں تھیں ایسی احادیث کو اگر معتبر بھی سمجھا جائے تو بھی یہ ایک مسلم بات ہے کہ شادی اور طلاق کے قوانین جو قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں مدینہ میں نازل ہوئے اور حضرت عائشہؓ سے آنحضرت ﷺ کا نکاح اس وقت ہوا جب ابھی آپ مکہ میں تھے اس لئے اگر یہ نکاح فی الحقیقت حضرت عائشہؓ کی صغرسنی ہی میں ہوا ہو تو بھی اسے اس قانون کے بالمقابل جو بعد میں نازل ہوا اور اس کے اس صحیح مفہوم کے خلاف جو خود آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا' بطور دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا۔

اس جواب کے ساتھ ہی ذیل کے الفاظ بھی ہیں جو پیغام صلح سے ہی نقل کرتا ہوں۔

لیکن یہ باور کرنے کے وجوہ ہیں کہ حضرت عائشہؓ آنحضرت ﷺ سے نکاح کے وقت فی الحقیقت اس قدر صغرسن نہ تھیں معتبر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی بڑی بہن حضرت اسماءؓ سے دس برس چھوٹی تھیں اور حضرت اسماءؓ کی عمر اس وقت جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ کو ہجرت کی ستائیس سال تھی اس لحاظ سے حضرت عائشہؓ کی عمر اس وقت جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت سے ایک سال قبل ان سے شادی کی

سولہ سال تھی۔

اس جواب سے ظاہر ہے کہ میرے مضمون کا اصل بحث حضرت عائشہؓ کی عمر نہ تھا بلکہ صغر سنی کی شادی تھا اور حقیقت جواب جو میں نے دیا ہے وہ اسی قدر تھا کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح مکہ میں ہوا اور نکاح کے قوانین جو قرآن کریم میں نازل ہوئے وہ اس کے بعد مدینہ میں نازل ہوئے اور یہ جواب یہ فرض کر کے دیا گیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی شادی صغر سنی میں ہوئی۔ لیکن ضمناً یہ بات بھی بیان کر دی گئی ہے کہ یہ باور کرنے کے وجوہ بھی ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی عمر اس وقت اتنی تھوڑی نہ تھی۔

بنائے استدلال:

اس مضمون کے نکلنے پر اور پھر اس پر جو تنقید معارف (جولائی) میں ہوئی' مجھے متعدد خطوط موصول ہوئے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر کے سوال پر پوری روشنی ڈالی جائے' مگر سب سے بڑھ کر سید ریاست علی صاحب ندوی کا اصرار رہا کہ میں ان روایت کا پتہ دوں جس کے لئے انہوں نے متعدد خطوط بھی منشی دوست محمد صاحب کو لکھے کہ میں اپنی غلطی کا اقرار کروں سو یہ تو درست ہے کہ جب حضرت عائشہؓ کے حضرت اسماءؓ سے دس سال چھوٹے ہونے کا حوالہ میں نے دیا تو میرے ذہن میں اکمال کا حوالہ بھی تھا' جو پچھلے دنوں بصورت اشتہار شائع ہوا اور جس پر سید سلیمان صاحب نے معارف میں تنقید بھی کی ہے اس کے علاوہ میرے ایک کرم فرما نے مجھ سے ذکر کیا کہ ان کے پاس اسد الغابہ کا ایک حوالہ ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت بارہ سال تھی' اتفاق سے اسد الغابہ میرے پاس نہ تھی اور چونکہ انہوں نے جزم سے یہ کہا کہ ایسا حوالہ موجود ہے مگر کتاب اس وقت نہیں ملی' اس لئے میں نے ان کی یادداشت پر اعتبار کیا (البتہ اب جو کتاب اسد الغابہ منگوا کر دیکھی تو حضرت عائشہؓ، حضرت اسماءؓ، حضرت ابوبکرؓ کے تذکرے میں مجھے یہ حوالہ نہیں ملا۔ گو میرے وہ دوست اب بھی کہتے ہیں کہ انہوں نے ایسی عبارات اسد الغابہ میں پڑھی ہے اور فرصت ملنے پر وہ اس کو نکال دیں گے۔ مگر ان سب سے بڑھ کر مجھے خود بعض معتبر احادیث کی بناء

وفات کے وقت اٹھارہ سال تھی۔ لیکن طبقات ابن سعد میں دو روایتیں حضرت عائشہؓ کے ذکر میں ایسی ہیں۔ جن میں نو سال کی عمر میں نکاح کا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ جلد ہشتم صفحہ ۴۱ پر ہے۔ تزوجها رسول الله ﷺ وهي بنت تسع سنين۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح کیا جب وہ نو سال کی تھیں۔ اور صفحہ ۴۲ پر ہے۔ نكح النبي ﷺ عائشه وهي ابنة تسع سنوات اوسبع۔ یعنی آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا اور ان کی عمر اس وقت نو یا سات سال کی تھی اور یہ کہا جائے کہ اس اختلاف کی کوئی ایسی توجیہ کرنی چاہئے جو ان روایات کو کثرت روایات کے مطابق کر دے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ کثرت روایات میں جو عمر بتائی گئی ہے وہ بروئے حساب درست نہیں آتی اور دوراج ان روایات کی طرف توجہ نہیں کی گئی جیسا کہ میں نے کہا کہ کثرت روایات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت چھ یا سات سال اور رخصتانہ کے وقت نو سال تھی۔ اب اگر نکاح اور رخصتانہ کی تاریخوں کو دیکھا جائے تو ان روایات کی صحت میں گو وہ بخاری' مسلم یا مسند احمد ہوں سخت شبہات پیدا ہوتے ہیں۔

تاریخ نکاح کی روایات:

حضرت عائشہؓ کے نکاح کی تاریخ پر روایات میں اختلاف تو ضرور لیکن اس میں کچھ بھی شبہ نہیں کہ مستند یہی ہے کہ نکاح ۱۰ نبوی میں حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تھوڑے دن بعد ہی ہو گیا اور اس کے معاً بعد ہی حضرت سودہؓ سے نکاح ہوا۔ یعنی حضرت عائشہؓ سے آنحضرت ﷺ کا نکاح پہلے ہوا اور حضرت سودہؓ سے اس کے بعد ہوا اور چونکہ حضرت سودہؓ سے نکاح ۱۰ نبوی میں یعنی ہجرت سے تین سال پیشتر ہوا' ایک مسلم امر ہے جیسا سید سلیمان صاحب نے بھی سیرت عائشہؓ کے صفحہ ۹۱ پر لکھا ہے' تو یہی حضرت عائشہؓ کے نکاح کے ۱۰ نبوی میں ہونے پر ایک فیصلہ کن امر ہے۔
حضرت عائشہؓ کے نکاح کی تاریخ کے متعلق جو اختلاف روایات میں ہے وہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کی تاریخ میں اختلاف سے پیدا ہوا معلوم ہوتا ہے یعنی بعض مورخین

نے حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہجرت سے پانچ اور بعض نے ہجرت سے چار سال پیشتر مانا ہے۔ ان کے نزدیک حضرت عائشہؓ کے نکاح اور حضرت خدیجہؓ کی وفات میں ایک یا دو سال کا فرق ہوگا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات ۱۰ نبوی میں ہوئی' تو اسی فرق کی بناء پر یہ خیال کر لیا گیا کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح ہجرت سے ایک یا دو سال پیشتر ہوا' بہر حال روایات میں اختلاف ہے اور خود بخاری کی روایت دونوں طرح کی ہیں۔ یعنی بعض میں حضرت عائشہؓ کا نکاح ہجرت سے تین سال اور بعض میں ایک سال پیشتر مانا گیا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ دونوں روایات میں سے ایک قسم کی روایات یقیناً غلط ہیں خواہ وہ بخاری میں ہو یا مسلم میں اس لئے تنقیدی امور میں جذبات کو برانگیختہ کرنا کہ کیا ہم بخاری یا مسلم کو غلط مانیں صحیح طریق نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بخاری بڑے اعلیٰ پایہ کی اور حدیث کی سب سے زیادہ مستند کتاب ہے۔ لیکن وہ کتاب اللہ نہیں۔ اس لئے غلطیاں اس میں بھی ہیں۔ حضرت عائشہؓ کے نکاح کی تاریخ کے بارے میں جو اختلاف ہے اس میں جمہور محققین نے یہی صحیح مانا ہے کہ سنہ ۱۰ نبوی نکاح کی تاریخ ہے جیسا کہ خود سید سلیمان صاحب نے بھی مانا ہے۔

''جمہور محققین کا فیصلہ یہ ہے اور روایت کا کثیر اور مستند حصہ اسی کا مؤید ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے نبوت کے دسویں سال ہجرت سے تقریباً تین برس پہلے رمضان میں انتقال کیا' اور اسی کے ایک مہینے کے بعد شوال میں حضرت عائشہؓ سے نکاح ہوا۔'' (سیرت عائشہؓ ص ۱۹)

تاریخ رخصتانہ:

اب دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں کب آ گئیں؟ سو اس میں بھی اختلاف تو ضرور ہے یعنی بعض روایات میں ہجرت سے آٹھ ماہ بعد کا واقعہ اسے قرار دیا ہے اور بعض میں اٹھارہ ماہ بعد' سید سلیمان صاحب نے سیرت عائشہؓ میں علامہ عینی کے قول کو کہ حضرت عائشہؓ کی رخصتی جنگ بدر کے بعد ہوئی تھی ۲ھ میں رد کرتے ہوئے شوال ۱ھ کو صحیح قرار دیا

ہے (ص ۳۴) اور حاجی معین الدین صاحب ندوی نے خلفائے راشدین میں ہجرت کے بعد دو سال کو صحیح قرار دیا ہے (خلفائے راشدین ص ۶) سید سلیمان صاحب نے ۲ھ میں رخصتانہ کے قول کو صرف اس لئے رد کیا ہے کہ اس بیان کے موافق حضرت عائشہؓ کا دسواں سال ہو گا غالباً ان کی توجہ اس طرف نہیں گئی کہ اگر ہجرت کا پہلا سال بھی رخصتانہ کا مانا جائے تو حضرت عائشہؓ کی عمر کا ان روایات کے مطابق بھی یہ دسواں سال نہیں گیارہواں سال تھا' شوال ۱۰ نبوی میں نکاح ہوا اور اس وقت عمر چھ یا سات سال کی بتائی جاتی ہے۔ اس حساب سے شوال ۱۳ نبوی میں یعنی ہجرت سے چھ یا سات ماہ پیشتر حضرت عائشہؓ کی عمر نو یا دس سال ہو چکی تھی' اور شوال ۱ھ کو بھی تاریخ رخصتانہ اگر مانا جائے تو حضرت عائشہؓ اس وقت ان روایات کے مطابق بھی پورے دس سال کی ہو کر گیارہویں سال میں داخل ہو چکی تھیں یا گیارہ سال کی ہو کر بارہویں سال میں داخل ہو چکی تھیں اور نو سال کی عمر کسی صورت میں بھی صحیح نہیں ٹھہرتی' لیکن درست وہی ہے جو عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا رخصتانہ جنگ کے بدر کے بعد ۲ھ میں ہوا' اسی کے موافق علامہ ابن عبدالبر نے بھی استیعاب میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا رخصتانہ نبوت سے اٹھارہ ماہ بعد ہوا' تو اس حساب سے حضرت عائشہؓ رخصتانہ کے وقت ان روایات کی بناء پر بھی گیارہ سال کی ہو کر بارہویں سال میں یا بارہ کی ہو کر تیرہویں میں داخل ہو چکی تھیں' بہر حال اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ اگر یہ روایات درست ہیں تو حضرت عائشہؓ کو اپنی عمر بیان کرنے میں کچھ غلطی لگی ہے۔ کیونکہ ان کے نکاح اور رخصتانہ میں پورے پانچ سال کا فرق تھا اور چار سال سے کم تو کسی صورت میں نہ تھا اس لئے ان کی عمر بوقت نکاح چھ یا سات سال کی مانی جائے جیسا کہ اکثر روایات میں ہے تو بوقت رخصتانہ نو سال کی عمر ہونا ناممکنات میں سے ہے۔

دوسری روایات سے عمر کا قیاس:

اس کے علاوہ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر

بوقت نکاح یعنی ۱۰ نبوی میں اس قدر کم نہ تھی یعنی چھ یا سات سال جیسے کہ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے اور بھی وہ روایات ہیں جن کی وجہ سے مجھے پہلے پہلے یہ شبہ پیدا ہوا کہ ان روایات میں جن میں نکاح کے وقت چھ یا سات سال عمر بتائی گئی ہے کچھ نقص ضرور ہے۔ یہ روایات بھی صحیح بخاری کی ہیں۔ ایک روایت کتاب التفسیر میں سورۃ قمر کی تفسیر میں ہے جس کی راوی خود حضرت عائشہؓ ہیں۔ قالت لقد انزل علی محمد ﷺ بمکۃ وانی الجاریۃ العب بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر۔ یعنی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر مکہ میں یہ آیت نازل ہوئی اور میں اس وقت لڑکی تھی۔ بل الساعۃ موعدھم اب یہ آیت سورۃ قمر میں ہے اور سورۃ قمر کا نزول ابتدائی ہی زمانہ کا ہے۔ کیونکہ اس میں معجزہ شق القمر کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معجزہ ابتدائی زمانہ کا ہے۔ کیونکہ بعد میں کفار کی مخالفت آنحضرت ﷺ سے اس قدر سخت ہو گئی تھی کہ انہوں نے آپ کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا تھا اور یہ ۷ نبوی کا واقعہ ہے اور دوسرے نجم اور سورۃ قمر کا باہم بہت تعلق ہے جیسا کہ مفسرین نے تسلیم کیا۔ اس لئے ان کا نزول بھی ایک ہی زمانہ کا ہونا چاہئے اور سورۃ نجم کا ۵ نبوی میں نزول ہونا یقینی امر ہے پس اسی وقت کے قریب قریب سورۃ قمر بھی نازل ہوئی اور جن لوگوں نے آیات سیھزم الجمع کا مدینہ میں نازل ہونا مانا ہے انہیں یہ غلطی اس لئے لگی ہے کہ یہ آیات آنحضرت ﷺ نے جنگ بدر کے موقعہ پر تلاوت فرمائی تھیں یہ بتانے کو کہ ان میں یہ پیشین گوئی ہے جو بدر کے دن پوری ہوئی تو بعض لوگوں نے غلطی سے ان کا نزول مدینہ میں سمجھا۔ پس ۵ نبوی یا ۶ نبوی میں ان آیات کا نزول ہے اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اس وقت لڑکی تھی اور کھیلا کرتی تھی اور پھر ان آیات کو سن کر یاد بھی رکھتی تھی تو یہ پانچ چھ سال سے کم عمر کا زمانہ نہیں ہو سکتا اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۰ نبوی میں بوقت نکاح چھ یا سات سال ہونا قرین قیاس نہیں اور اگر یہ روایات صحیح ہیں تو اپنی عمر کے بیان کرنے میں انہیں غلطی لگی ہے۔

حضرت عائشہؓ کی ایک اور روایت:

اسی کی تائید بخاری کی ایک اور روایت سے ہوتی ہے جو باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں آتی ہے اور یہ روایت بھی حضرت عائشہؓ کی ہے۔ قالت لم اعقل ابوی قط الاوھما یدینان الدین ولم یمر علینا یوم الایاتینا فیہ رسول اللہ ﷺ طرفی النھار بکرۃ وعشیۃ فلما ابتلی المسلمون خرج ابو بکر مھاجراً نحوارض الحبشۃ۔ یعنی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا اپنے ماں باپ کو دین اسلام پر پایا اور کوئی دن نہیں گزرتا تھا مگر رسول اللہ ﷺ صبح اور شام ہمارے ہاں آتے تھے۔ پھر جب مسلمانوں پر مصائب آئے تو ابو بکرؓ سرزمین حبش کی طرف نکلے اب حضرت ابو بکرؓ تو پہلے مسلمان ہیں اور حضرت عائشہؓ کی والدہ ام رومان بھی ابتدائی مسلمانوں میں سے ہیں جن کا اسلام ۳ نبوی یا اس سے پیشتر کا ہے کیونکہ وہ سترہ آدمیوں کے بعد اسلام لائیں اور ۳ نبوی میں چالیس مسلمان ہو چکے تھے اور اس کے ساتھ جو حضرت عائشہؓ نے واقعہ بیان کیا ہے۔ یعنی حضرت ابو بکرؓ کا ہجرت کر کے حبش کی طرف نکلنا یہ ۵ نبوی کا واقعہ ہونا چاہئے اور اس سے پیشتر رسول اللہ ﷺ کا حضرت ابو بکرؓ کے ہاں صبح اور شام جانا حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں اور اسے وہ اپنے ہوش کا زمانہ بتاتی ہیں اور ظاہر ہے کہ ہوش کا زمانہ پانچ چھ سال سے کم عمر کا نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ ان روایات کے مطابق جن میں حضرت عائشہؓ نے اپنی عمر بیان کی ہے ۵ نبوی ان کی پیدائش کا زمانہ بنتا ہے۔

عمر کے متعلق حضرت عائشہؓ کا خیال:

تو ان روایات کے مطابق ۵ یا ۶ نبوی حضرت عائشہؓ کے ہوش کا زمانہ نہیں کہلا سکتا اور ۷ نبوی سے آنحضرت ﷺ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے تھے اس وقت آپ کی آمد و رفت حضرت ابو بکرؓ کے گھر نہ ہو سکتی تھی اور جب شعب سے نکلے تو حضرت خدیجہؓ جلد ہی وفات پا گئیں اور حضرت عائشہؓ سے آنحضرت ﷺ کا نکاح ہو گیا پس حضرت عائشہؓ کا یہ بیان جس میں بعض واقعات کا ذکر ہے جس کی
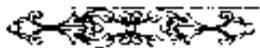
تصدیق دوسری طرح بھی ہو سکتی ہے۔ یقیناً اس کے خلاف ہے جس میں انہوں نے
اپنی عمر بیان کی ہے۔ اس لئے اس بیان کو ترجیح دی جائے گی جس کی تصدیق دوسرے
واقعات سے ہوتی ہے اور یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت عائشہؓ کو اپنی عمر کے متعلق کچھ غلط فہمی
تھی اور قرین قیاس یہی ہے کہ ان کی عمر نکاح کے وقت گیارہ سال سے اور رخصتانہ کے
وقت سولہ سال سے کم نہ تھی۔ ایک اور امر قابل ذکر ہے کہ حضرت عائشہؓ کے
آنحضرت ﷺ سے نکاح کے متعلق دریافت کیا گیا تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ وہ ایک
جگہ پہلے کہہ چکے ہیں ان سے دریافت کر کے جواب دیں گے۔ اب ظاہر ہے کہ عرب
میں چار، چار، پانچ پانچ سال کی لڑکیوں کی نسبت یا نکاح کا رواج نہ تھا اور حضرت عائشہؓ
کی نسبت کا پہلے ہو چکنا بتاتا ہے کہ ان کی عمر اس وقت اتنی تھی کہ جب لڑکیوں کی
نسبت یا نکاح کا عام طور پر خیال ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک شہادت اس امر پر ہے کہ بوقت
نکاح حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال سے زیادہ تھی۔

صاحب مشکوٰۃ کا قول:

یہ ٹھیک ہے کہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ صاحب مشکوٰۃ کے اس قول کی کہ حضرت
عائشہؓ اسماءؓ سے صرف دس سال چھوٹی تھیں کیا بنا ہے لیکن یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ ان کے
قول کی بنا کسی روایت پر نہیں ہوگی جیسا کہ انہوں نے خود بھی اسے قیل کے لفظ سے
بیان کیا ہے۔ اس پایہ کا آدمی اپنی طرف سے کوئی بات کہہ کر "قیل" کے ساتھ اسے
بیان نہیں کر سکتا۔ انہیں کوئی روایت ملی ہوگی جس کی بنا پر انہوں نے یہ لکھا ممکن ہے کہ
ایسی کوئی روایت تلاش سے مل بھی جائے۔ میں نے اسے اس لئے قابل اعتبار سمجھا کہ
ایک طرف تو حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت چھ یا سات سال اور رخصتانہ کے
وقت نو سال ہونے میں یقیناً کچھ گڑبڑ ہے۔ دوسرے بخاری کی بعض احادیث صاف
بتاتی ہیں کہ وہ نکاح سے پانچ یا چھ سال پہلے ہوش سنبھالے ہوئے تھیں جب رسول
اللہ ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے گھر آتے جاتے تھے اور اسی وقت انہوں نے سورۃ قمر کی
آیت بل الساعۃ موعدھم ۔ نازل ہوتی یاد رکھا تھا۔ نکاح کے وقت ان کی عمر چھ یا

سات سال ہوتا کسی صورت میں صحیح نہیں بلکہ غالباً گیارہ بارہ سال کی عمر ہوگی۔ ممکن ہے مزید تحقیقات سے کچھ اور روشنی اس امر پر پڑ سکے سر دست اس اصرار کی وجہ سے جو بعض اطراف سے ہو رہا تھا میں نے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔

(محمد علی)

۲۲ نومبر ۳۶ء

حضرت سید صاحب کا جواب

حضرت عائشہؓ کی عمر

مولانا محمد علی صاحب کے شبہات کا جواب:

ناظرین! اوپر کا مضمون آپ ملاحظہ فرما چکے اب اس ضمن میں میری گزارشوں پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے جو گو کسی قدر طویل ہیں تاہم فوائد سے خالی نہیں سب سے پہلے میں اپنے شذرات (معارف) میں غالب کے اس ایک مصرع کے لکھنے پر معافی چاہتا ہوں جس کو مولوی صاحب نے طنز و استہزا سمجھا ہے حالانکہ اس کا درجہ صرف شوخی تحریر تک ہے مگر بہر حال میں اس ایک مصرع کی بھی معافی چاہتا ہوں کہ اس تحریر و مراسلے سے مقصود واقعہ کی تحقیق ہے نہ کہ کسی فریق کی دل آزاری اور استہزاء۔

اس کے بعد میں مولوی صاحب کی انصاف پسندی اور جرأت کی داد دیتا ہوں کہ انہوں نے نہایت صفائی کے ساتھ اپنے مسامحات کا اعتراف کیا اور صاف لکھا کہ ان کے پاس بوقت نکاح حضرت عائشہؓ کے سولہ سال اور بوقت رخصتی سترہ سال کی عمر ہونے پر تاریخ و حدیث کی کوئی سند موجود نہیں ہے اور یہ تسلیم کر لیا کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح شوال سنہ ۱۰ نبوی میں اور رخصتی شوال سنہ ۲ھ میں ہوئی اور بہت کھینچ تان کرنے کے بعد بھی یہی تسلیم کیا کہ نکاح کے وقت سنہ ۱۰ نبوی میں وہ چھ برس کی تھیں یا سات

برس کی اور رخصتی کے وقت ان کی عمر نو برس کے بجائے جیسا کہ حضرت عائشؓ کا بار بار بیان ہے ۱۲ یا ۱۳ برس تھی اور نکاح اور رخصتی میں تین برس کا نہیں جیسا کہ حضرت عائشؓ بتاتی ہیں بلکہ:

> "ان کے نکاح اور رخصتانہ میں پورے پانچ برس کا فرق تھا اور چار سال سے کم تو کسی صورت میں نہ تھا اس لئے اگر ان کی عمر بوقت نکاح چھ یا سات سال مانی جائے جیسا کہ اکثر روایات میں ہے تو بوقت رخصتانہ نو سال کی عمر ہونا ناممکنات سے ہے۔"

۱- سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آغاز اسلام میں بلکہ عہد نبوت اور عہد صدیقی میں سنہ کا رواج نہ تھا۔ سنہ کی تدوین عہد فاروقی میں ہوئی۔ پہلے یہ طریقہ تھا کہ ہجرت سے اتنے مہینے پیشتر یا اتنے مہینے بعد یہ واقعہ ہوا۔ بعد کے لوگوں نے ان مہینوں سے سال بنا لیا۔ پھر سنہ کی ترتیب قائم ہو گئی۔

۲- سنہ نبوی کو سنہ ہجری کے ساتھ جوڑنے میں ایک غلطی کثیر الوقوع ہے وہ یہ ہے کہ لوگ سنہ ہجری کی خصوصیات سنہ نبوی پر بھی عائد کرتے ہیں مثلاً یہ کہ سنہ ہجری محرم سے شروع ہو کر ذی الحجہ پر تمام ہوتا ہے مگر سنہ نبوی کا یہ حال نہیں ہے وہ مبہم طریقہ سے کسی مہینہ سے شروع ہو کر ذی الحجہ پر تمام ہوتا ہے اور آخر میں محرم سے شروع ہو کر ربیع الاول پر تمام ہوتا ہے۔

۳- قرآن پاک کے اشارات اور ابن اسحاق کی روایت کی بناء پر ثابت ہوتا ہے کہ ۱ نبوی رمضان سے شروع ہوا تو گویا چار مہینے کے بعد ہی ذی الحجہ میں چار مہینوں پر تمام ہوا اور آخری سال یعنی ۱۴ نبوی محرم اور صفر صرف دو مہینوں پر تمام ہوا۔ اس بناء پر سنہ نبوی در حقیقت بارہ برس اور چھ مہینوں پر مشتمل ہے جس کو تجوزاً عام میں ۱۳ برس کہہ دیتے ہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ابن عباسؓ کی روایت ہے۔

۴- ہجرت کا آغاز ربیع الاول سے ہوا۔ مگر سنہ کی تدوین کے وقت دو مہینے آگے بڑھا کر محرم ۱۴ نبوی سے محرم ۱ ہجری کا آغاز ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سنہ

کے حساب میں اگر تدقیق اور غور سے کام نہ لیا جائے تو دو مہینے مکرر پڑ جاتے ہیں' اسی لئے سنہ ۱۳ نبوی نہیں بولتے کیونکہ سنہ ۱۳ کے صرف دو مہینے ہیں' اور دوسرے ہجری میں داخل کر لئے گئے۔

۵- اب سنہ نبوی کا حال یہ ہے کہ اس کا پہلا سال چار مہینے کا' اس کے بعد ۱۲ سال بارہ مہینوں پر مشتمل' اور آخری سال دو مہینوں پر۔

۶- حضرت عائشہؓ کے واقعات کو سنین سے تطبیق دینے میں مولانا محمد علی صاحب نے یہ سمجھا ہے کہ سنین اصل ہیں اور ان کی عمر کا شمار ان سنین پر متفرع ہے' حالانکہ یہ صریحا مغالطہ ہے اصل ان کی عمر کا شمار ہے اور وہ بھی انہیں کے بتائے ہوئے سنین پر' اور اسی شمار پر لوگوں نے سنہ ہجری کو تطبیق دیا ہے' اور ان روایات کے بموجب حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت چھ برس کی اور رخصتی کے وقت نو برس کی تھی اور بیوگی کے وقت اٹھارہ برس کی اب سنہ ہجری کی تطبیق سے اس کا جو سنہ بھی نکالے' بعضوں نے پورے پورے ۱۲ مہینے کے سال لئے تو سنہ گھٹ گئے اور بعضوں نے نبوت کا پہلا سال چار مہینوں والا' آخری سال دو مہینوں والا اور ہجرت کا پہلا سال دس مہینوں والا لیا تو سنہ بڑھ گئے' اسی بناء پر بعض راوی کہتے ہیں کہ فلاں واقعہ ۱ھ میں ہوا' دوسرا کہتا ہے ۲ھ میں ہوا' اس لئے خوب سمجھ لینا چاہئے کہ سنہ کا حساب اصل نہیں ہے بلکہ عمر کا حساب اصل ہے' اور اسی سے حساب لگا کر راویوں نے سنہ بتا دیا ہے' اس لئے آپ سنہ کے حساب میں ترمیم کر سکتے ہیں مگر حضرت عائشہؓ کی عمر کے حساب میں ترمیم نہیں کر سکتے۔

نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر:

مولانا محمد علی لکھتے ہیں: روایات کے بڑے حصہ کا اس بات پر اتفاق نظر آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت چھ یا سات سال کی تھی۔

اس کے بعد آپ چھ یا سات سال برابر لکھتے گئے ہیں' حالانکہ صرف ایک مشکوک الفاظ راوی نے اس وقت آپ کی عمر کا نو برس یا سات برس ہونا ظاہر کیا ہے اور کہیں بھی سات برس نہیں ہے اس بناء پر یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ روایات سے

بڑے حصہ کا اس بات پر اتفاق نظر آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت چھ یا سات سال کی تھی' بلکہ یہ کہنا صحیح ہے کہ ایک دو روایتوں کے علاوہ تمام روایتیں اس پر متفق ہیں کہ چھ برس کے سن میں نکاح اور نو برس کے سن میں رخصتی اور ۱۸ برس کے سن میں بیوگی ہوئی۔

مولانا نے ابن سعد کی یہ روایت نقل کی ہے کہ تزوجھا رسول اللہ ﷺ وھی بنت تسع سنین۔ (جلد ۸) آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا تو وہ نو برس کی تھیں لیکن اس کے بعد ہی کا فقرہ کیوں چھوڑ دیا کہ ومات عنھا وھی بنت ثمانی عشرۃ سنۃ یعنی اور آپؐ نے وفات پائی تو وہ اٹھارہ برس کی تھیں' حالانکہ اسی بعد کے فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ راوی نے رخصتی کی جگہ نکاح کا لفظ کہنے میں صریح غلطی ہوئی ہے۔ اسی طرح سات برس کے سن میں نکاح ہونے کی جو روایت ہشام بن عروہ سے ہے' وہ صفحہ ۴۰ پر تمام ہے' مگر ۴۱ پر تمام ہے اور وہ یہ ہے کہ "چھ یا سات میں نکاح ہوا اور نو میں رخصتی ہوئی"۔ مگر مولانا نے اس کامل روایت کے پورے فقرہ کا حوالہ نہیں دیا' تاکہ نو برس کی رخصتی کا واقعہ اس سے ثابت نہ ہو' جس ہشام بن عروہ سے نقل کرنے میں ابن سعد کے اس راوی کو اس بارے میں وہم ہو رہا ہے کہ حضرت عائشہؓ چھ برس کی تھیں یا سات کی' انہیں کے صحیح و مستند راویوں کے بیان ہیں جن کی ابن سعد اور بخاری و مسلم میں روایتیں ہیں' مطلق وہم و تزلزل اس بات میں نہیں ہے' کہ وہ نکاح کے وقت چھ برس کی اور رخصتی کے وقت نو برس کی تھیں۔

بہر حال نکاح کے وقت نو برس کا سن ہونا صرف ایک ضعیف الحافظہ راوی کے بیان کے علاوہ جو یہ کہتا ہے کہ "نویں برس یا ساتویں برس نکاح ہوا" اور کسی نے نو برس کا ہونا نہیں ظاہر کیا' اور جس دوسرے نے یعنی اسود نے نو برس میں نکاح ہونا بیان کیا ہو' ثابت ہو چکا ہے کہ اس سے اس کی مراد رخصتی ہے' کیونکہ وہ کہتا ہے کہ "نویں برس نکاح ہوا اور اٹھارہ برس کی تھیں جب آنحضرت ﷺ نے وفات پائی"۔ اور ظاہر ہے کہ اگر نویں برس نکاح ہوتا اور تین برس کے بعد رخصتی ہوتی' اور اس کے بعد نو برس وہ

آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہیں تو وفات نبوی کے وقت وہ اٹھارہ کی بجائے اکیس برس کی ہوتیں' اور یہ اس راوی کے بیان کے خلاف ہے۔

اب جس راوی (ہشام بن عروہ) سے ایک دو جگہ سات برس کے سن میں نکاح ہونا ابن سعد میں ہے' اسی سے متعدد صحیح ترین روایتوں میں بتصریح بلا شک و شبہ چھ برس کے سن میں نکاح اور نو برس کے سن میں رخصتی مروی ہے' بخاری و مسلم کا ہرگز لحاظ نہ کیجئے مگر صحیح اور کثیر روایتوں کا تو لحاظ کیجئے جن کی بنا پر یہ بالکل قطعی ہے کہ چھ برس کے سن میں نکاح ہوا' اور نو برس کے سن میں رخصتی ہوئی' جو کوئی نکاح کی عمر سات برس بھی بتاتا ہے وہ رخصتی کی عمر نو ہی برس کہتا ہے اور سات کو ملا کر نکاح اور رخصتی میں وہی تین برس کا فصل نکلتا ہے۔

اب آئیے دوسرے محققین کی طرح اس کو نبوی اور ہجری سنین سے تطبیق دے لیں' آپ نے تسلیم کر لیا ہے کہ سنہ ۱۰ نبوی میں نکاح ہوا' مہینہ کی بھی تصریح کر دیجئے کہ مدت کے بتانے میں آسانی ہو وہ بالاتفاق شوال کا مہینہ تھا' نکاح بھی شوال میں ہوا اور رخصتی بھی چند سال کے بعد شوال ہی میں ہوئی اور دونوں باتوں کے درمیان فصل بھی بالاتفاق تین برس ہوا' اب جن محققوں نے مثلاً علامہ عینی اور ابن عبدالبر نے رخصتی سنہ ۲ لیا ہے۔ انہوں نے نکاح کا زمانہ شوال سنہ ۱۰ نبوی بتایا ہے اور اگر کسی ایک دو نے غلطی سے ایسا کیا ہے کہ تاریخ نکاح سنہ ۱۰ نبوی اور تاریخ رخصتی سنہ ۲ ہجری قرار دیا ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ انہوں نے نبوت کا پہلا سال پورا کر کے آخری سال ۳۰ صفر سنہ ۱۳ نبوی کے بجائے ۳۰ صفر سنہ ۱۳ ہجری کو تمام کیا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شوال سنہ ۱۰ نبوی کا زمانہ نکاح مان کر شوال سنہ ۲ ہجری کے زمانہ رخصتی کو شوال سنہ ۱ ہجری کے تین برس بعد ہی قرار دیتے ہیں' آپ کی طرح چار پانچ برس نہیں قرار دیتے جو ناممکن ہے۔

آپ سال بڑھانے کی غرض سے یہ کرتے ہیں کہ نکاح کا سال تو دوسرے فریق کے حساب سے لیتے ہیں یعنی سنہ ۱۰ نبوی اور رخصتی کا سال پہلے فریق کے حساب سے

لیتے ہیں یعنی سنہ ۲ھ اور یہ صریح غلطی ہے، ان دونوں میں سے کوئی فریق بھی ان دو واقعوں کے درمیان تین برس سے زیادہ کا فصل نہیں مانتا۔ اس بارہ میں انہیں دو بزرگوں کے اقوال اور تحقیقات پیش کرتا ہوں جن کو آپ نے مستند قرار دیا ہے یعنی علامہ بدرالدین عینی اور حافظ ابن عبدالبر جنہوں نے شوال سنہ ۲ھ ہجری کا زمانہ رخصتی کے لئے اختیار کیا ہے۔

علامہ عینی کا بیان۔

چنانچہ علامہ عینی جو یہ مانتے ہیں کہ شوال سنہ ۲ھ میں رخصتی ہوئی انہوں نے شوال سنہ ۲ ہجری اس لئے تسلیم کیا کہ ان کے نزدیک صحیح ہے کہ نکاح سنہ ۱۰ نبوی میں نہیں بلکہ سنہ ۱۱ نبوی میں ہوا اس لئے تین برس کے فصل کے ساتھ انہوں نے شوال سنہ ۲ھ تسلیم کیا یہ نہیں کیا ہے کہ نکاح سنہ ۱۰ نبوی میں مان کر رخصتی سنہ ۲ھ میں تسلیم کی ہو جیسا کہ سالوں کے بڑھانے کے لئے آپ کر رہے ہیں، اس کے ساتھ اصل بحث یعنی حضرت عائشہؓ کی عمر کے متعلق بھی ان کا بیان محفوظ رکھئے۔

تزوجها رسول الله ﷺ قبل الهجرة بسنتين، وقيل بثلاث وقيل بسنة ونصف وتزوجها في شوال وهي بنت ست سنين وقيل سبع وبنى بها في شوال ايضاً بعد وقعة بدر في السنة الثانية من الهجرة فاقامت في صحبته ثمانية اعوام وخمسة اشهر وتوفي عنها وهي بنت ثماني عشرة وعاشت خمساً وستين سنة (عمدة القاري جلد اول صفحه ٤٠)

آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے مکہ میں ہجرت سے دو سال پہلے اور کہا گیا کہ تین سال پہلے اور کہا گیا کہ ڈیڑھ سال پہلے یا اس کے قریب شوال میں نکاح کیا، جب وہ چھ برس کی تھیں اور کہا گیا کہ سات برس کی تھیں اور ان کی رخصتی کرائی شوال میں واقعہ بدر کے بعد سنہ ۲ ہجری

تھیں اور وہ آپ کی صحبت میں آٹھ برس اور پانچ مہینے رہیں، جب آپ نے وفات پائی تو وہ اٹھارہ برس کی تھیں اور چھیاسٹھ برس کی عمر پائی۔

دیکھئے علامہ عینی نے ہجرت سے دو سال پہلے یعنی شوال سنہ ۱۱ نبوی کو نکاح تسلیم کیا ہے اور باقی اقوال کو ضعیف قرار دیا ہے جن لوگوں نے ہجرت سے تین سال قبل نکاح تسلیم کیا ہے۔ وہ شوال سنہ ۱ھ میں رخصتی تسلیم کرتے ہیں، جو لوگ ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے سمجھتے ہیں وہ بھی اس لئے کہ شوال سنہ ۲ھ میں ان کے نزدیک تین سال پورے ہو جاتے ہیں، الغرض یہ تمام سنین اسی تفصیل میں ہیں کہ نکاح اور رخصتی میں تین سال کا فصل قائم رہے، سنین کے تطابق کے جھگڑے کو چھوڑ کر اس بحث میں کہ وہ نکاح کے وقت چھ برس کی، رخصتی کے وقت نو برس کی اور بیوگی کے وقت اٹھارہ برس کی تھیں، علامہ عینی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔

علامہ ابن عبدالبر:

دوسرا حوالہ آپ نے علامہ ابن عبدالبر کا دیا ہے، بے شک انہوں نے استیعاب جلد دوم صفحہ ۷۶۵ (حیدرآباد) میں زبیر بن بکار کے حوالہ سے منجملہ دوسری روایتوں کے یک روایت یہ لکھی ہے کہ "شوال ۱۰ نبوی میں ہجرت سے تین سال پہلے نکاح ہوا اور مدینہ میں ہجرت سے اٹھارہ مہینے بعد شوال میں رخصتی ہوئی"۔

مگر یہ خود علامہ ابن عبدالبر کی تحقیق نہیں ہے، بلکہ ان کی کتاب کی منجملہ اور روایتوں کے ایک روایت یہ بھی ہے جو ابن شہاب زہری پر موقوف ہے، اور بھی اس میں نقائص ہیں، ان کی اصل تحقیق وہ ہے جس کو انہوں نے شروع میں اپنی طرف سے لکھا ہے۔

وتزوجها رسول الله ﷺ بمكة قبل الهجرة بسنتين هذا قول ابى عبيدة وقال غيره بثلاث سنين وهي بنت ست وقيل بنت سبع۔

آنحضرت ﷺ نے ان سے مکہ میں ہجرت سے دو برس پہلے نکاح کیا یہ

ابو عبیدہ کا قول ہے اور دوسرے نے کہا کہ تین برس پہلے نکاح کیا اور وہ اس نکاح کے وقت چھ برس کی تھیں اور کہا گیا کہ سات برس کی تھیں۔

اور سب سے آخر ان کا وہ بیان ہے جس کو وہ اجماعی کہتے ہیں۔

وابتنی بها بالمدینة وهی ابنة تسع لا اعلمهم اختلفوا فی ذلك۔

اور ان کی رخصتی مدینہ میں ہوئی جب وہ نو برس کی تھیں اور مجھے علم نہیں کہ کسی نے بھی اس میں اختلاف کیا ہے۔

یہی علامہ ابن عبدالبر اسی کتاب کے حصہ اول صفحہ ۱۹ (حیدر آباد) میں لکھتے ہیں۔

تزوجها بمكة قبل سودة قيل بعد سودة اجمعوا على انه لم يبن بها الا بالمدينة قبل سنة هاجرو قيل سنة هاجرو قيل سنة اثنين من الهجرة فی شوال وهی ابنة تسع سنين وكانت فی عين عقد عليها بنت ست سنين وقيل بنت سبع سنين۔

ان سے نکاح مکہ میں ہوا حضرت سودہؓ سے پہلے اور کہا گیا ہے کہ حضرت سودہؓ کے بعد اس پر اتفاق ہے کہ رخصتی مدینہ ہی میں ہوئی۔ کہا گیا ہے کہ جس سال ہجرت فرمائی اسی سال (یعنی ۱ھ) اور کہا گیا ہے شوال ۲ھ اور اس وقت وہ نو برس کی تھیں اور عقد کے وقت چھ برس کی تھیں اور کہا گیا ہے کہ سات برس کی تھیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ سنہ اصل نہیں بلکہ عمر کا بیان اصل ہے اور اس سے سنین کی تعیین کی گئی ہے اور چونکہ سنین میں مہینے چھوٹے اور بڑے ہیں اس لئے لوگوں میں سنین کی تعیین میں اختلاف ہے لیکن نکاح کے وقت چھ برس اور رخصتی کے وقت نو برس ہونے میں اصلاً کسی محقق کو اختلاف نہیں ہے۔

صاحب مشکوٰۃ کا قول:

افسوس ہے کہ مجیب نے آخر میں اس امر کو کہ "کہا گیا ہے کہ حضرت عائشہؓ اپنی بہن اسماء سے دس برس چھوٹی تھیں" صاحب مشکوٰۃ کا قول بتایا ہے۔ حالانکہ مشکوٰۃ میں اس قسم کا کوئی قول نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مشکوٰۃ کے مؤلف کا ایک دوسرا مختصر سا رسالہ اسماء الرجال میں ہے۔ اس میں نسخہ کی غلطی یا کتابت کی غلطی یا نقل کی غلطی سے ایسا قیل یعنی ضعیف روایت کے طور پر لکھا ہے جس کی صحت کی تائید اسلام کے کسی ایک مجموعہ سے نہیں ہوتی' چہ جائیکہ معتبر احادیث سے ہو' جیسا کہ فریق نے کہا تھا' بہر حال ولی الدین خطیب تبریزی نے بحیثیت صاحب مشکوٰۃ نہیں' بلکہ بحیثیت صاحب اکمال فی اسماء الرجال ایسا ضعیف اور غیر مؤید قول قیل کر کے نقل کیا ہے میں نے "صاحب مشکوٰۃ" کے لفظ سے اس لئے انکار کیا کہ عام لوگوں میں مشکوٰۃ شریف کو جو اہمیت حاصل ہے اس کی بنا پر ان کو شبہ ہوگا کہ شاید یہ کہیں مشکوٰۃ میں مذکور ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے' بہر حال وہ کتاب مشکوٰۃ اور اکمال کے مؤلف سے جو آپ کو اس قدر حسن ظن ہے کہ:

> "اس پایہ کا آدمی اپنی طرف سے کوئی بات کہہ کر قیل کے ساتھ اسے بیان نہیں کر سکتا"۔

تو اس پایہ کا آدمی یقیناً ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ کو جن دو حدیثوں سے حضرت عائشہؓ کے نکاح اور رخصتی کی عمر میں مغالطہ ہوا' وہ ان سے بے خبر ہو' ایں ہمہ دیکھئے کہ وہ کیا کہتا ہے' اسی اکمال میں جس کو آپ اس پایہ کی کتاب سمجھتے ہیں' حضرت عائشہؓ کے حال میں ہے (یہ ملحوظ رہے کہ ان کے نزدیک قیام مکہ کا آخری زمانہ ۳۰ صفر ۱۳ نبوی ہے) یہ ملحوظ رہے کہ ہجرت سے تین سال قبل سے مقصود شوال ۳ قبل ہجرت ہے جو مطابق ۱۱ نبوی ہے اور ۲ قبل ہجرت مطابق ۱۲ نبوی اور ۱ قبل ہجرت مطابق محرم ۱۳ تا ۳۰ صفر ۱۳ نبوی صرف دو ماہ)

حضها النبی ﷺ وتزوجها بمکة فی شوال سنة عشر من

النبوة قبل الهجرة بثلث سنين وقيل غير ذلك و اعرس بها بالمدينة في شوال سنة اثنتين على راس ثماني عشر شهرا ولها تسع سنين وقيل دخل بها بالمدينة بعد سبعة اشهر من مقدمه وبقيت معه تسع سنين و مات عنها ولها ثماني عشرة سنة۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے نسبت کی اور بیاہ کیا، مکہ میں شوال ۱۰ نبوی میں، ہجرت سے تین سال پہلے اور اس کے سوا بھی کہا گیا ہے (یعنی دو برس، ڈیڑھ برس پہلے) اور آپ نے ان کو رخصت کرایا مدینہ میں شوال ۲ھ میں ہجرت کے اٹھارہ مہینے کے بعد اور وہ اس وقت نو برس کی تھیں اور کہا گیا ہے کہ آپ نے ان کو مدینہ میں مدینہ آنے کے سات مہینے بعد (یعنی شوال ۱ھ) میں رخصت کرایا، وہ آپ کے پاس نو برس رہیں اور جب آپ نے وفات پائی تو وہ اٹھارہ برس کی تھیں۔

شیخ ولی الدین خطیب صاحب مشکوۃ صاحب اکمال بھی اس باب میں وہی کہتے ہیں جو دنیا کہہ رہی ہے، پس ایسے اجماعی مسئلہ کا جو صرف بخاری نہیں بلکہ قرآن پاک کے سوا احادیث کے سارے صحاح، جوامع، مسانید، متون، معاجم بلکہ اسلام کے سارے تذکیری، تفسیری، تاریخی، حدیثی، سیرتی ذخیرہ کتب و روایات کا متفق علیہ و متواتر ہو، اس کی تکذیب اپنے چند قیاسات سے کرنا کس قدر حیرت انگیز ہے۔

سیرت عائشہؓ سے استناد:

مولانا نے سید ندوی کی تالیف سیرت عائشہؓ سے بھی استناد کیا ہے، جس میں نکاح کا سال شوال سنہ ۱۰ نبوی لکھا ہے۔ حالانکہ مولانا نے اگر غور کیا ہوتا تو واضح ہو جاتا کہ نبوت کا دسواں سال اس فرض پر لکھا گیا ہے کہ نبوت کا پہلا سال پورا لیا جائے اور تیرہویں سال میں اب صرف دو مہینے محرم اور صفر ڈالے جائیں تو اس حساب سے شوال سنہ ۱۰ نبوی

کے دو مہینے ذیقعدہ اور ذی الحجہ ہوئے ۱۱ نبوی کا ایک سال ۱۲ نبوی کا ایک سال ۱۳ نبوی کے دو ماہ کل دو سال چار مہینے ہجرت سے پہلے اور ربیع الاول ۱ھ سے شوال ۱ھ تک آٹھ مہینے کل ۳۶ مہینے ہوئے جن کا مجموعہ تین سال پورے ہوئے۔

لیکن دوسرا نظریہ یہ ہے کہ نبوت کے پہلے سال کو ناتمام رکھ کر دسویں سال کو پورا کر لیا جائے سیرت عائشہ میں نبوت کا دسواں سال نکاح کا زمانہ لکھنے میں مجھے اعتراف ہے کہ مجھ سے ان دونوں نظریوں میں تخلیط ہو گئی ہے۔ نبوت کے دسویں سال کے اخیر کی جگہ گیارہویں سال کا اخیر لکھنا چاہئے اور غلطی خود اسی کتاب کی تصریحات سے بالکل ظاہر و واضح ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ مولانا حبیب وقیع دریا اور نکتہ سنج پر یہ غلطی واضح نہیں ہوئی کیونکہ۔

۱۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۰ پر ان لوگوں کے قول کی تردید کے بعد جنہوں نے نبوت کے چوتھے سال کی پیدائش اور دسویں سال کے نکاح کا حساب جوڑا ہے میں نے یہ لکھا ہے کہ:

"اس لحاظ سے ان کی ولادت کی صحیح تاریخ نبوت کے پانچویں سال کا آخری حصہ ہو گا یعنی شوال ۹ قبل ہجرت مطابق جولائی ۶۱۴ء"۔

اب دیکھئے کہ جب شوال ۵ نبوی اور ۹ قبل ہجرت پیدائش کہہ رہا ہوں تو اس کے چھ برس بعد نکاح کی تاریخ شوال ۱۱ نبوی بالکل صاف ہے۔

۲۔ پھر صفحہ ۱۹ پر ہے کہ:

"اس لحاظ سے شوال ۳ قبل ہجرت مطابق مئی ۶۲۰ء میں حضرت عائشہ کا نکاح ہوا"۔

شوال ۳ قبل ہجرت مطابق مئی ۶۲۰ء وہی شوال ۱۱ نبوی ہوا۔

۳۔ اس کے بعد اسی صفحہ پر لکھتا ہوں۔

"حضرت عائشہ نکاح کے بعد تقریباً تین برس مکہ میں رہیں دو برس تین مہینے مکہ اور سات آٹھ مہینے ہجرت کے بعد مدینہ میں"۔

کس قدر صریح ہے کہ میں نکاح کے بعد قیام مکہ کے صرف دو برس تین مہینے فرض کر رہا ہوں جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ میں نکاح کو ۱۱ نبوی کا واقعہ قرار دے رہا ہوں۔

۴- مزید تصریح کے لئے شمسی سال کا تطابق بھی لکھ دیا ہے کہ جولائی ۶۱۴ء میں ولادت (ص ۱۰) اور مئی ۶۲۰ء میں نکاح ہوا (ص ۱۹) ۶۱۴ء سے ۶۱۹ء تک پورے پانچ برس ہوئے اور جولائی ۶۱۴ء کے چھ مہینے اور مئی ۶۲۰ء کے پانچ مہینے کل گیارہ مہینے' غرض شمسی حساب سے (میرے مزعومات تحقیقی حساب سے) نکاح کے وقت ان کی عمر پانچ برس ۱۱ مہینے کی تھی۔

۵- پھر میں نے اسی صفحہ ۱۹ پر ۳ قبل ہجرت نکاح کا سال لکھتے ہوئے کہا ہے کہ ''اسی کی توثیق علامہ ابن عبدالبر نے بھی کی ہے' اب دیکھئے کہ جس قول کو انہوں نے اختیار کیا ہے' وہ کیا ہے وہ یہی ہے کہ ہجرت سے دو سال پیشتر (استیعاب جلد ۲ ص ۷۶۵) اور تخمیناً ہے' ورنہ تدقیقاً دو سال چار مہینے ہوتے۔

ان تمام تصریحات سے صاف ظاہر ہے کہ سیرت عائشہؓ کے مصنف کے نزدیک نکاح شوال ۱۱ نبوی اور رخصتی شوال ۱ھ کا واقعہ ہے' شوال ۱۱ نبوی میں حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال اور تین سال کے بعد شوال ۱ھ میں وہ نو برس کی تھیں' ۱۲ نبوی کا پورا سال ۱۳ نبوی کا پورا سال دو برس ہوئے اور ۱۱ نبوی کے ذی قعدہ اور ذی الحجہ دو مہینے اور ۱۴ نبوی یعنی ۱ھ کے دس مہینے' ۱۲ مہینے ہوئے' پورے تین سال کا فرق ہوا۔

سیرت عائشہؓ کے صفحہ ۲۱ پر میں نے لکھا ہے۔

''جس دن یہ مختصر قافلہ دشمن کی کمینوں سے بچتا ہوا مدینہ پہنچا' نبوت کا چودھواں سال اور ربیع الاول کی بارہویں تاریخ تھی''۔

ان تمام تصریحات کا صاف وصریح اقتضا یہ ہے کہ سیرت کے صفحہ ۱۵ پر جو نبوت کا دسواں سال لکھا ہے وہ درحقیقت گیارھواں سال ہے' دسواں نہیں اور یہ ایک کھلی ہوئی لفظی غلطی ہے کہ مولانا محمد علی صاحب کے فضل و کمال کو دیکھتے ہوئے یقین

نہیں آتا کہ وہ اس پر متنبہ نہ ہوئے ہوں۔

ہجرت سے تین برس پہلے شوال میں نکاح ہوا جو لوگ کہتے ہیں وہ درحقیقت قطعی تاریخ میں جتلا ہیں۔ ہجرت سے تین سال پہلے ان کا مقصود شوال ۱۰ قبل ہجرت ہے تو یہ کہ گن کر پورے تین سال کر گئے ہیں تو وہ صرف دو برس چار مہینے ہوں گے اور سنہ گنتے تھے ۳ قبل ہجرت کہنا صحیح ہوگا کہ سنہ گننے کے لئے پورے ۱۲ مہینے کا لینا ضروری نہیں اور سال کہنے میں پورے بارہ مہینوں کا تخیل آتا ہے اسی بناء پر صحیح بخاری (باب تزویج عائشہ) میں عروہ بن زبیرؓ سے جو یہ روایت ہے کہ:

توفيت خديجة قبل مخرج النبى ﷺ الى المدينة بثلاث سنين فلبث سنتين او قريباً من ذالك و نكح عائشة وهى بنت ست سنين ثم بنى بها وهى بنت تسع سنين۔ (جلد اول ص ۵۵۱)

حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت ﷺ کے مدینہ کی طرف نکلنے سے تین سال پہلے انتقال کیا، پھر آپ دو برس یا اس کے قریب ٹھہرے اور حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا جب وہ چھ برس کی تھیں اور رخصتی کرائی جب وہ نو برس کی تھیں۔

اس عبارت میں ہجرت مدینہ سے تین برس قبل جو کہا گیا ہے اگر اس سے پورے مدقیق تین سال مراد لئے جائیں تو اس عبارت سے کہ " پھر آپ دو برس یا اس کے قریب ٹھہرے"۔ یہ مطلب ہوگا کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تخمیناً دو برس یا اس کے قریب اور مدقیقاً ڈیڑھ برس کے بعد حضرت عائشہؓ کا نکاح ہوا یعنی حضرت خدیجہؓ کی وفات ربیع الاول سنہ ۱۱ نبوی میں ماننا پڑے گی تاکہ ربیع الاول سنہ ۱۴ نبوی مطابق ربیع الاول سنہ ۱ھ میں پورے تین برس ان کی وفات کو ہو جائیں پھر حضرت عائشہؓ کا نکاح اس کے ڈیڑھ برس بعد شوال سنہ ۱۲ نبوی میں ماننا پڑے گا۔ یعنی ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے جیسا کہ بعضوں نے مانا ہے اور پھر رخصتی تین برس کے شوال سنہ ۱۵ نبوی مطابق

شوال ۲ھ میں۔ یہ ایک قول ہے جس کی طرف محققین کی جماعت گئی ہے جس میں علامہ ابن عبدالبر علامہ عینی اور امام نووی وغیرہ شامل ہیں۔

اس قول کے بموجب حضرت عائشہؓ کی ولادت شوال ۴ نبوی میں ماننی پڑے گی۔

دوسرا مطلب اس روایت کا یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات ہجرت سے تین برس پہلے تخمیناً ہوئی یعنی ۳ قبل ہجرت اس لحاظ سے وفات رمضان ۱۰ نبوی میں ہوگی۔ یعنی ہجرت سے تقریباً ڈھائی برس پیشتر' اور حضرت عائشہؓ کا نکاح اس کے ایک ہی مہینے کے بعد شوال ۱۰ نبوی میں ہوا' اور رخصتی شوال ۱۴ نبوی یعنی شوال ۱ ہجری میں' اور اس بنا پر روایت کے اس فقرہ کا کہ "پھر آپ دو برس یا ڈیڑھ برس ٹھہرے" کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ سے نکاح ہو جانے کے باوجود آپ کسی بیوی کے پاس ڈیڑھ دو برس تک نہیں گئے پھر اس مدت کے بعد مکہ میں حضرت سودہؓ سے ملاقات کی اور اس کے ڈیڑھ برس کے بعد حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہوئی۔ اس حساب سے حضرت عائشہؓ کی ولادت ۵ نبوی کا آخر ہوگا۔ نکاح کا زمانہ شوال ۱۰ھ ہوگا اور رخصتی کا زمانہ ۱ھ ہوگا' حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے اس قول کو اختیار کیا ہے اور روایات کی تطبیق و مراجعت سے اسی کو صحیح ثابت کیا ہے۔

الغرض تمام محققین اخبار و سیر و آثار نے روایت اور ان کے مطالب کے اختلاف کی بنا پر سنین کی تعیین میں جو کچھ اختلاف کیا ہو' مگر اس امر میں اختلاف نہیں ہے کہ وہ نکاح کے وقت چھ برس کی یا زیادہ سے زیادہ سات برس کی اور رخصتی کے وقت وہ نو برس کی تھیں۔ یعنی ان کی عمر کے شمار کے مطابقت میں سنین ترتیب دیئے گئے۔ سنین کی مطابقت سے عمر کی تعیین نہیں کی ہے' دوسری عبارت میں یوں کہئے کہ ان کی عمر کا شمار اصل ہے اور نبوی و ہجری سنین کی تعیین فرع و نتیجہ ہے۔ یہ نہیں کہ ہجری و نبوی سنین اصل ہیں اور عمر کا شمار نتیجہ و فرع ہے۔ سنین میں اصلاح و ترمیم ہو سکتی ہے مگر عمر کے شمار میں نہیں ہو سکتی۔ ھذا ھو المطلوب۔

فریق کے دو مؤیدات:

اصل دلائل کے بعد اب مؤیدات کی بحث باقی ہے گو کہ مجھے یہ حق پہنچتا ہے کہ میں بھی مجیب کے مؤیدات کے جواب دینے سے اسی طرح احتراز کروں جس طرح اس نے میرے مؤیدات کے جواب دینے سے احتراز کیا ہے حالانکہ وہ پورا مضمون جو معارف جولائی ۱۹۲۸ء میں چھپا ہے اس کے ملاحظہ سے گزر چکا ہے مگر صرف اس لئے کہ تحقیق حق ہو میں مجیب کے دونوں قیاسی مؤیدات کا بھی جواب دیتا ہوں۔

حضرت ابوبکرؓ کے ارادۂ ہجرت کے واقعہ سے استدلال:

قیاس کا سلسلہ یہ ہے کہ صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی ﷺ میں روایت ہے جو مولوی صاحب کے ترجمہ کے مطابق یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا اپنے ماں باپ کو دین اسلام پر پایا اور کوئی دن نہیں گزرتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ صبح اور شام ہمارے ہاں آتے تھے پھر جب مسلمانوں پر مصائب آئے تو ابوبکرؓ سرزمین حبش کی طرف نکلے مولوی صاحب ممدوح نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے پہلی ہجرت (۵ھ نبوی والی) میں شرکت کرنی چاہی اور اس وقت حضرت عائشہؓ صاحب ہوش تھیں اور ہوش کے لئے پانچ چھ سال کا ہونا ضروری ہے۔ غالباً مولوی صاحب کے اس قیاس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ حضرت عائشہؓ کی ولادت ۱ نبوی بتائیں یا اس سے بھی ایک سال پہلے۔

لیکن اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ حدیث میں الفاظ یہ ہیں لم اعقل ابوی قط الا وھما یدینا الدین اس کا ترجمہ مولوی صاحب نے اپنے مطلب کے مطابق یہ کیا کہ "جب سے میں نے ہوش سنبھالا اپنے ماں باپ کو دین پر پایا"۔ حالانکہ صحیح ترجمہ یہ ہے۔ "میں نے اپنے ماں باپ کو نہیں پہچانا لیکن ان کو دین کی پیروی کرتے ہوئے"۔ ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ "میں نے جب سے ہوش سنبھالا" اور "میں نے جب سے اپنے ماں باپ کو سمجھا یا پہچانا" دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ "ہوش سنبھالنے کا لفظ کسی قدر زیادہ سن کے لئے یا سن تمیز کے لئے بولا جاتا ہے

سکتی۔ "جب سے میں نے اپنے ماں باپ کو سمجھایا پہچانا" یا تمیز اور شعور کو ظاہر نہیں کرتا۔ اس لئے اس لفظ سے ہمارے فریق کا حضرت ابو بکرؓ کی ہجرت کے وقت حضرت عائشہؓ کے پانچ چھ برس کے صاحب تمیز و ہوش ہونے پر استدلال صحیح نہیں۔

اس کے بعد اس حدیث کے متعلق مجھے دو حیثیت سے بحث کرنی ہے ایک تو اپنے جاننے محدثانہ بحث کرتا ہے جسے خواص اور علم حدیث کے صاحب ذوق سمجھ سکتے ہیں، دوسری عام اور روایتی کی حیثیت سے۔

پہلا طریقہ:

اصل یہ ہے کہ یہ حدیث چار ٹکڑوں سے مرکب ہے ایک یہ کہ "میں نے جب سے اپنے والدین کو جانا پہچانا ان کو دین کا پیرو پایا"۔ دوسرا ٹکڑا "روزانہ صبح اور شام کی آمد و رفت کا ہے" تیسرا "حضرت ابو بکرؓ کی ہجرت حبش کے ارادہ کا ہے"۔ اور چوتھا ٹکڑا "مدینہ منورہ کی ہجرت کا ہے" یہ حدیث ابن شہاب زہری سے مروی ہے ان کی عادت ہے کہ اخیر دوسری روایات میں دو ایک واقعہ کے مختلف واقعات متعلقہ کو سلسلہ کے جوڑ کر بیان کرتے ہیں تمام بڑے بڑے واقعات میں انہوں نے یہی کیا ہے مثلاً حدیث آغاز وحی حدیث سفیان و قیصر و مصاحبین لیقصر حدیث واقعہ افک اور آخری واقعہ میں جیسا کہ بخاری میں ہے اور کتب سیر میں تو ہر جگہ انہوں نے اپنی اس روش کی تصریح کر دی ہے۔

یہ حدیث کتب صحاح میں سے صرف صحیح بخاری میں ہے امام بخاری نے اپنے دستور کے مطابق اس حدیث کو کہیں ایک ساتھ کہیں ٹکڑے کر کے مختلف ابواب میں درج کیا ہے مثلاً کتاب المساجد کتاب الکفالہ کتاب الادب باب غزوۃ الرجیع کتاب الہجرۃ۔

کتاب الکفالہ بروایت عقیل عن ابن شہاب الزہری صرف پہلا ٹکڑا ہے یعنی

لم اعقل ابوی الا وھما یدینان الدین۔

میں نے اپنے والدین کو جب سے پہچانا ان کو دین کا پیرو پایا۔

نیز ابن سعد (ترجمہ ابی بکر) میں بھی بروایت زہری اتنا ہی ٹکڑا ہے۔
پھر صحیح بخاری باب الادب میں والدین کی شناخت' حضورؐ کی روزانہ صبح وشام کی آمد اور پھر ہجرت مدینہ کا ذکر ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔

لم اعقل ابوی الا وهما يدينان الدين ولم يمر علينا يوم الا ويأتينا فيه رسول الله ﷺ بكرة و عشيا فبينما نحن جلوس في بيت ابي بكر في نحو الظهيرة قال قائل هذا رسول الله ﷺ في ساعة لم يكن يأتينا فيها قال ابو بكر ما جاء به في هذه الساعة الا امر قال اني اذن لي الخروج۔

میں نے اپنے والدین کو جب سے پہچانا ان کو دین کا پیرو پایا اور رسول اللہ ﷺ کوئی دن ہم پر نہیں گزرا کہ صبح وشام نہ ہمارے پاس آئے ہوں' تو ہم ایک دفعہ ٹھیک دوپہر کو ابوبکرؓ کے گھر (یا کمرہ) میں تھے کہ کسی کہنے والے نے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں' ایسے وقت آئے کہ جو وقت آپ کی تشریف آوری کا نہ تھا تو ابوبکرؓ نے کہا کہ اس وقت آپ کسی خاص ضرورت سے تشریف لائے ہوں گے آپ نے فرمایا کہ مجھے ہجرت کی اجازت ہوگئی۔

باب غزوۃ الرجیع میں ابن شہاب زہری سے نہیں بلکہ ابواسامہ عن عروہ سے جو روایت ہے اس میں یہ سب کچھ نہیں ہے بلکہ قصہ کو صرف ہجرت مدینہ سے شروع کیا ہے۔ کتاب المساجد میں' پہلے والدین کی شناخت کے وقت سے مسلمان ہونے کا ذکر' پھر روزانہ صبح وشام کی تشریف آوری کا ذکر' پھر حضرت ابوبکرؓ کے مسجد بنا لینے کا ذکر ہے' کتاب الہجرۃ میں حدیث کے پورے ٹکڑے یک جا ہیں' مگر ترتیب اس طرح ہے' پہلے والدین کی شناخت کا وقت ان کے مسلمان ہونے' پھر آپ کی روزانہ صبح وشام کی تشریف آوری' پھر حضرت ابوبکرؓ کا حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ اور چند منزل کا سفر' ابن دغنہ کا پناہ دے کر ان کو واپس لانا۔ حضرت ابوبکرؓ کا مسجد بنا کر نماز پڑھنا'

ابن دغنہ کی پناہ سے نکل آنا' حضرت ابوبکرؓ کا پھر ہجرت کے لئے اذن طلب کرنا' آپ کا منع کرنا اور ہجرت کی اجازت خدا کی طرف سے ملنے کا انتظار' پھر ہجرت کا سامان اور ہجرت۔

ہر وہ شخص جس کو امام بخاری کی تبویب اور احادیث کے ٹکڑوں کی ترتیب کے سلیقہ کا علم ہے' وہ جان سکتا ہے کہ خاص قرائن کے بغیر محض ترتیب اجزاء سے کسی مختلف الاجزاء حدیث سے کسی نتیجہ پر استدلال نہیں کیا جا سکتا' فریق کا سارا استدلال اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے' جب واعدین کی شناخت' حضورؐ کی روزانہ صبح و شام کی آمد کے بعد ہی حضرت ابوبکرؓ کی ہجرت حبشہ کے ارادہ کا ہونا مسلّم ہو' مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہے بلکہ ذرا غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ روزانہ صبح اور شام کے وقت آنے کا تعلق آپ کی ہجرت مدینہ کے دن خلاف معمول آنے سے ہے جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الادب کی روایت مذکورہ بالا میں اور نیز کتب سیرت میں سے ابن اسحاق کی سیرت میں ہے' الفاظ یہ ہیں۔

> عن عائشۃ ام المومنین انھا قالت کان لا یخطی رسول اللہ ﷺ ان یاتی بیت ابی بکر احد طرفی النھار اما بکرۃ و اما عشیۃ حتی اذا کان الیوم الذی اذن فیہ لرسول اللہ ﷺ فی الھجرۃ و لا خروج من مکۃ من بین ظھری قومہ اتانا رسول اللہ ﷺ بالھاجرۃ فی ساعۃ کان لا یاتی فیھا۔ (ابن ھشام)
>
> ام المومنین عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ کوئی دن صبح یا شام کو ابوبکرؓ کے گھر آنے میں ناغہ نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ جس دن آپ کو ہجرت اور مکہ سے نکلنے کی اجازت ہوئی تو آپ ہمارے پاس دوپہر کو اس وقت آئے جس وقت آپ آیا نہیں کرتے تھے۔

ان اقتباسات سے یہ واضح ہو گیا ہو گا کہ اصل میں ان ٹکڑوں کی ترتیب یہ ہے

کہ والدین کی شناخت پھر صبح و شام کی آمد و رفت پھر ہجرت کے دن معمول کے خلاف دوپہر کو تشریف آوری اور ہجرت مدینہ اسی ہجرت مدینہ کی تقریب سے زہری نے یہ کیا کہ والدین کی شناخت سے ان کے مسلمان ہونے حضور کی صبح و شام آمد و رفت پھر حضرت ابو بکرؓ کے حبشہ کی ہجرت کے ارادہ اور چند منزل کے سفر اور واپسی اور بنانے مسجد پھر ہجرت مدینہ کی تفصیلات کا ذکر کیا اس ترتیب سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت ابو بکرؓ کی ہجرت حبشہ کے ارادہ کے وقت حضرت عائشہؓ ہوش و تمیز والی تھیں اور اس وقت حضورؐ روزانہ حضرت ابو بکرؓ کے گھر آیا کرتے تھے بالکل بے بنیاد ہے حالانکہ اگر ہم اس نتیجہ کو مان بھی لیں تو بھی جیسا کہ ہم ابھی بتا چکے کہ حضرت عائشہ کا اس وقت حضرت ابو بکرؓ کے ارادہ ہجرت حبشہ) کے وقت ہوش و تمیز والی ہونا حدیث سے نہیں ثابت ہوگا بلکہ ان کا اس عمر میں ہونا کہ وہ والدین کو اچھی طرح پہچان سکیں اور ان کو کچھ کام کرتے ہوئے دیکھ کر یہ جان سکیں کہ یہ کچھ پڑھ رہے ہیں اور اٹھ بیٹھ کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہجرت حبشہ کے ارادہ اور چند منزل کے سفر کے بیان کے موقع پر حضرت عائشہؓ کاموں میں اپنی کسی قسم کی شرکت نہیں ظاہر کرتیں جیسا کہ ہجرت مدینہ کے موقع پر توشہ کے باندھنے میں اپنی بہن اسماء کے ساتھ شرکت ظاہر کر رہی ہیں۔

اصل میں حضرت عائشہؓ کے بیان کی ترتیب یہ ہوگی کہ پہلے حضرت ابو بکرؓ کی ہجرت حبشہ کا بیان پھر اپنے والدین کی شناخت سے اسلام کا بیان پھر آپ کی روزانہ صبح و شام کی آمد کا بیان پھر مدینہ کی ہجرت کا بیان اس ترتیب پر میری دلیل بھی ہے روزانہ صبح و شام کی آمد و رفت کے سلسلہ کا تو روایت کی رو سے ہجرت مدینہ کے دن دوپہر کو آنے کے ساتھ تعلق ظاہر ہو چکا اور عقلاً بھی ظاہر ہے کہ حضور کی صبح و شام کی آمد سے ہجرت مدینہ کے دن دوپہر کو خلاف معمول آنے سے ہے اور حبشہ کی ہجرت سے اس کو اصلاً تعلق نہیں ہے۔

ترتیب کے اس نکتہ کو ابن شہاب الدین زہری نے کہیں کہیں ظاہر بھی کر دیا ہے۔ چنانچہ کتاب الادب باب ہل یزور صاحبہ کل یوم ابو بکرؓ او عشیا میں جس میں صبح

ترتیب ہے یعنی پہلے والدین کی شناخت کے وقت سے ان کے مسلمان ہونے کا پھر آنحضرت ﷺ کی روزانہ صبح و شام آمد کا' پھر ہجرت مدینہ کے دن خلاف معمول آمد کا ذکر ہے اس کی روایت یوں شروع ہوئی ہے۔

حدثني عقيل' قال ابن شهاب فاخبرني عروة بن الزبير ان عائشة قالت لم اعقل ابوى الا وهما يدينان الدين ولم يمر علينا يوم الا يأتينا فيه رسول الله ﷺ طرفى النهار بكرة و عشيا فبينما نحن جلوس فى بيت ابى بكر فى نحر الظهيرة حتى قال قائل هذا رسول الله فى ساعة لم يكن يأتينا فيه فقال ابو بكر ما جاء به فى هذه الساعة الا امر قال انى اذن لى فى الخروج۔

مجھ سے عقیل نے کہا' ابن شہاب زہری نے کہا تو مجھ سے عروہ بن زبیر نے بیان کیا کہ عائشہؓ نے کہا کہ میں نے اپنے والدین کو نہیں پہچانا' لیکن یہ کہ وہ دونوں دین اسلام کی پیروی کر رہے تھے اور کوئی دن ہم پر ایسا نہیں گزرا کہ اس میں رسول اللہ ﷺ صبح اور شام دن کے دونوں کناروں میں نہ آتے ہوں تو ہم ابوبکرؓ کے گھر میں ٹھیک دوپہر کو بیٹھے تھے کہ ایک کہنے والے نے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ آ رہے ہیں اس گھڑی میں جس میں وہ نہیں آتے تھے تو ابوبکرؓ نے کہا کہ اس وقت آپ کو نہیں لائی ہوگی لیکن کوئی ضرورت آپ نے فرمایا کہ مجھے ہجرت کی اجازت دی گئی۔

دیکھئے اس میں پہلے والدین کی شناخت سے ان کا اسلام پھر روزانہ صبح و شام کی آمدورفت پھر ہجرت مدینہ کے دن خلاف معمول دوپہر کو آنا بیان کیا ہے۔ مگر حبشہ کی ہجرت کے ارادے کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن شروع روایت پر نظر کیجئے کہ وہاں ابن شہاب زہری کہتے ہیں "اخبرنی عروة" مجھ سے عروہ نے یہ بیان کیا نہیں ہے بلکہ "فاخبرنی عروة" تو "یا" کی

پڑا اس کے بعد عروہ نے مجھ سے یہ بیان کیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ کے
ارادۂ ہجرت حبشہ کا ٹکڑا والدین کی شناخت سے ان کے مسلمان اور آنحضرت ﷺ کی
روزانہ آمد کے ذکر سے پہلے تھا' جو اس باب میں بے تعلق ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا
گیا' اور کتاب الہجرۃ میں بھی جہاں پہلے والدین کی شناخت' پھر روزانہ آمد و رفت پھر
ابوبکرؓ کی ہجرت حبشہ پھر ہجرت مدینہ کا ذکر ہے' روایت کے شروع میں اتنا ہی کیا ہے
یعنی اخبرنی' مجھے خبر دی نہیں' بلکہ فاخبرنی ہی کہا ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس
سے اوپر کچھ بات تھی جس کی ترتیب کی رعایت نہیں کی گئی ہے۔ فافہم۔

تسلیم کر کے جواب:

لیکن چونکہ میرے اس بیان کو صرف اشارات اور بخاری کے اجزاء کے حدیث
کی ترتیب اور بعض قرائن پر مبنی ہے جس کا تسلیم کرنا صرف حدیث کے ذوق پر مبنی ہے۔
اس لئے میں فریق کو اس کے تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا' بلکہ میں ہی تسلیم کر لیتا ہوں
کہ واقعات کی ترتیب وہی ہے جو کتاب الہجرۃ میں ہے' یعنی پہلے والدین کی شناخت
سے ان کے مسلمان ہونے کا ذکر' پھر روزانہ آمد و رفت کا ذکر' پھر حضرت ابوبکرؓ کی
ہجرت کا بیان ہے' تو اب سوال یہ ہے کہ اس حدیث کی رو سے یہ کیونکر ثابت ہوتا ہے
کہ حضرت ابوبکرؓ کے حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کے ارادہ کا زمانہ ۵ نبوی ہے' اس
حدیث میں تو کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس میں وقت اور زمانہ کی تعیین ہو' سب جانتے
ہیں کہ ہجرت حبشہ کا واقعہ دو دفعہ پیش آیا' ایک ۵ نبوی میں جس کو ہجرت اولیٰ کہتے
ہیں اور دوسرے ۶ میں جس کو ہجرت ثانیہ کہتے ہیں اور اس وقت حضورؐ شعب ابی
طالب میں چلے گئے ہیں' پھر ہم حضرت ابوبکرؓ کی ہجرت حبشہ کے ارادہ کے لئے ۵
نبوی ماننے پر مجبور کیوں ہیں؟ کیوں نہ ہم اس کے چند سال بعد مانیں' حدیث میں کوئی
لفظ ایسا نہیں جس سے زمانہ کی تعیین پر استدلال کر سکیں۔

فریق کہہ سکتا ہے کہ اس میں ایک لفظ ایسا ہے اور وہ فلما ابتلی المسلمون
جب مسلمان پر مصیبتیں آئیں یا مسلمان ستائے گئے تب حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کا

ارادہ کیا لیکن یہ کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کے ستائے جانے کا زمانہ صرف ۵ نبوی تھا' ستائے جانے کے زمانے اور مراتب مختلف رہے' غلام و بے کس اور بے مددگار لوگ شروع ہی سے جب سے اسلام کا اعلان کیا گیا' ستائے جانے لگے' ان سے بڑے لوگوں کے ستائے جانے کی باری اس وقت آئی جب کفار مکہ کو مسلمانوں کی ہجرت حبشہ کرنے کا حال معلوم ہوا اور اپنی کوششوں میں ان کو ناکامی ہوئی' اور یہ ۷ ھ میں ہوا' جب بہت سی مسلمانوں نے ہجرت کی اور حضورؐ بھی شعب ابی طالب میں چلے گئے اور اسی وقت حضرت ابوبکرؓ کی بھی باوجود اپنی جاہ و مرتبہ کے تنگ آنے سے معلوم ہونے لگے ہوں گے۔

پھر آنحضرت ﷺ اور اکابر صحابہؓ کی جسمانی تکلیف کا واقعہ ۱۰ نبوی کے بعد ہوا۔ جب حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوطالب کا انتقال ہو گیا اور سختیاں سب سے زیادہ اس وقت ہونے لگیں جب کفار کو مدینہ میں اسلام کی اشاعت اور صحابہؓ کے ادھر ہجرت کرنے کا آغاز ہوا' جو ۱۱ ھ نبوی سے شروع ہو گیا تھا' اس لئے "جب مسلمانوں پر سختیاں ہو گیا" سے ۵ ھ کی تخصیص کیونکر ہو گئی' مسلمانوں کے ستائے جانے کی مدت تو پوری تیرہ برس ہے اور ان تمام برسوں میں سے ہر ایک برس ہے چنانچہ قیام مکہ کے آخری سالوں میں حضرت ابوبکرؓ کے ستائے جانے کا ذکر اس ہجرت مدینہ کے متعلق سے انہیں ام المومنین حضرت عائشہؓ کی زبانی اسی بخاری میں مذکور ہے۔

قالت استاذن النبی ﷺ ابو بکر فی الخروج حین اشتد علیہ الاذی فقال لہ اقم۔ (باب غزوۃ الرجیع)

کہتی ہیں کہ ابوبکرؓ نے حضرتؐ سے مکہ سے نکل جانے کی اجازت چاہی' جب ان کو سخت اذیت دی جانے لگی' تو آپ نے فرمایا ٹھہرو' مجھے بھی ہجرت کی اجازت خدا کی طرف سے ملنے والی ہے۔ (پھر ہجرت مدینہ کا ذکر ہے)

دیکھئے کہ حضرت ابوبکرؓ کو ۵ ھ میں نہیں بلکہ ۱۳ ھ میں سخت تکلیف دی جا رہی'

اس سے یہ معلوم ہوا کہ "فلما ابتلی المسلمون"۔ جب مسلمانوں کو تکلیف دی گئی" سے خواہ مخواہ ۵ھ نبوی مراد لینا ضروری نہیں' اور اس لئے اس لفظ سے حضرت ابو بکرؓ کے ارادہ ہجرت حبشہ کی تاریخ ۵ھ نبوی معین کرنے پر دلیل نہیں حاصل کی جا سکتی۔

آگے بڑھ کر میں یہ بھی کہتا ہوں کہ حضرت ابو بکرؓ نے ۵ھ نبوی والی ہجرت حبشہ اولی میں شرکت کی نہ ۷ھ والی ہجرت حبشہ ثانیہ میں ہجرت کی کہ ان دونوں موقعوں پر جمعیتوں کے ساتھ سفر ہوا اور حضرت ابو بکرؓ تنہا نکلے' یہ دونوں قافلے جدہ سے گئے اور آئے اور حضرت ابو بکرؓ یمن کی طرف برک الغماد سے رخ کر رہے ہیں' چنانچہ علمائے سیر اور محدثین میں سے جو لوگ حدیث ہجرت جس سے فریق کو مغالطہ ہو رہا ہے اس کے جوڑ اور بند کو سمجھتے ہیں' انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی اس ہجرت حبشہ کے ارادہ کا زمانہ ۵ھ نبوی نہیں' ۷ھ نبوی نہیں' بلکہ اس کے بعد متعین کیا ہے' چنانچہ ابن اسحاق نے اس کا ذکر ہجرت ثانیہ کے بعد آنحضرت ﷺ کے شعب ابی طالب میں بھی جانے کے بعد اور نقض صحیفہ یعنی آنحضرت ﷺ کے شعب ابی طالب سے ۹ھ یا ۱۰ھ نبوی میں نکلنے کے فوراً ہی متصل پہلے ذکر کیا ہے اور یہ روایت کی۔

> وقد كان ابو بكر الصديق كما حدثني محمد بن مسلم الزهري عن عروة عن عائشة حين ضاقت عليه مكة و اصابه فيها الاذى ورأى من تظاهر قريش على رسول الله ﷺ واصحابه مارأى استاذن رسول الله ﷺ في الهجرة فاذن له فخرج.........
>
> اور ابو بکر صدیقؓ نے جیسا کہ مجھ سے بیان کیا' محمد بن مسلم (یعنی ابن شہاب زہری) نے عروہ اور عروہ نے حضرت عائشہؓ سے کہ جب ابو بکرؓ پر مکہ کی زمین تنگ ہو گئی اور ان کو تکلیف ہوئی اور دیکھا کہ قریش رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو تکلیف دینے پر سب مل کر ایک ہو گئے ہیں تو آپ سے ہجرت کی اجازت چاہی تو آپؐ نے اجازت

دی تو ابوبکرؓ نکلے۔

دیکھئے یہ وہی روایت ہے وہی سند ہے وہی تمام راویات ہیں' جنہوں نے بخاری کی کتاب الہجرۃ کی وہ ملی جلی روایت بیان کی ہے' جس سے فریق کو مغالطہ ہوا۔ ابن اسحاق نے حضور کی روزانہ صبح و شام کی آمد و رفت کے ٹکڑا کو صحیح طور سے ہجرت مدینہ کے ساتھ رکھا اور حضرت ابوبکرؓ کی ہجرت حبشہ کے ارادہ کے وقت اس کو نہیں رکھا کہ اس سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا' یہ خوشی ہے کہ ہمارے فریق نے نہایت رواداری کے ساتھ بالاعلان کہہ دیا ہے کہ بخاری اور غیر بخاری میں کوئی فرق نہیں' اس لئے ابن اسحاق کے مقابلہ میں بخاری کے نام سے ظاہر ہے کہ وہ مرعوب نہ ہوگا۔ حالانکہ بخاری کتاب الادب میں بھی وہی ترتیب ہے جو ابن اسحاق میں ہے اور تکلیف و ایذا کا زمانہ بھی شعب نبوی نہیں رکھا بلکہ بعد محدثین میں حافظ ابن حجرؒ کا جو پایہ ہے خصوصاً صحیح بخاری کے رموز و اشارات کے سمجھنے میں جو ان کو کمال ہے اس کی بنا پر ان کو شہادت میں پیش کرنا ضروری ہے آیئے دیکھیں کہ وہ فلما ابتلی المسلمون۔ جب مسلمانوں کو تکلیف دی گئی" سے کون سا زمانہ مراد لیتے ہیں۔

فلما ابتلی المسلمون ای باذی المشرکین لما حصروا بنی هاشم والمطلب فی شعب ابی طالب و اذن النبی ﷺ لا صحابه فی الهجرة الی الحبشة كما تقدم بیانه خرج ابو بکر مهاجرا الی ارض الحبشة ای لیلحق بمن سبق الیها من المسلمین۔ (ج ۷' ص ۱۸۰)

جب مسلمانوں کو تکلیف دی گئی یعنی مشرکوں کا ستانا جب انہوں نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا اور آنحضرت ﷺ نے اپنے رفیقوں کو ہجرت حبشہ کی اجازت دی' جیسا اوپر بیان گزرا تو ابوبکرؓ سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کے لئے نکلے یعنی تاکہ جو مسلمان حبشہ پہلے جا چکے ہیں ان کے ساتھ مل جائیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوگا کہ جو لوگ حدیث کے اجزاء کو اچھی طرح سمجھتے ہیں انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی ہجرت حبشہ کے ارادہ کے وقت مسلمانوں کی عام ہجرت حبشہ کے بعد اور شعب ابی طالب کی محصوری کے بعد کا زمانہ بتایا یعنی سنہ ۱۰ نبوی کے بعد ممکن ہے سنہ ۵ نبوی ہو یا سنہ ۶ نبوی ہو۔ (نقض صحیفہ سے پہلے) اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر اگر سنہ ۴ نبوی کی ولادت کا حساب ہو جو ابن سعد وغیرہ نے لگایا ہے تو سنہ ۵ نبوی میں بھی ان کی عمر کا پانچواں سال ہوگا اور میری تحقیق کی بناء پر کہ سنہ ۵ نبوی کی ولادت مانتا ہوں ان کی عمر کا چوتھا سال ہوگا اور باوجود اس کے والدین کی شناخت اسلام اور آنحضرت ﷺ کی روزانہ صبح و شام کی آمد کا میرے نزدیک اس ہجرت حبشہ کے ارادہ سے قطعاً تعلق نہیں تاہم میں کہتا ہوں کہ ایک مستقل حافظہ اور ہوش و گوش والی لڑکی کے لئے چوتھا سال اس بات کے لئے کافی ہے کہ وہ اپنے والدین کو نماز پڑھتے دیکھے یا قرآن پڑھتے سنے تو ان کاموں کو یاد رکھے اور زیادہ تمیز آنے پر یہ سمجھے کہ وہ یہ مسلمانوں کے کام کرتے تھے۔ ھذا ھو المراد۔

دوسرا عام طریقہ:

دوسرا عام طریقہ جس کا میں نے اوپر حوالہ دیا تھا وہ یہ ہے کہ پوری حدیث ایک مسلسل واقعہ ہے اور اسی ترتیب سے ہے جیسی بخاری کتاب الہجرۃ میں ہے بعض محدثین اور ارباب سیر کی نظر احادیث کے ان اجزاء پر نہیں پڑی اور انہوں نے اس حدیث کو مسلسل و مرتب واقعہ مانا ہے۔ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی اس ہجرت کے ارادہ کا زمانہ سنہ ۵ نبوی نہیں جیسا کہ فریق مجیب نے کہا ہے بلکہ ۱۳ نبوی قرار دیا ہے اور جو بھی اس پر سرسری نظر ڈالے گا وہ یہی سمجھے گا اور اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میں ناظرین کے سامنے اس متنازع فیہ حدیث کا لفظی ترجمہ کر دوں اور اہم امور کو روایت کے اصلی الفاظ میں ادا کروں اور وہ یہ ہے۔

"ابن شہاب زہری نے کہا تو مجھے عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ حضرت عائشہؓ نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ میں نے اپنے ماں باپ کو نہیں پہچانا لیکن ان کو دین کی پیروی

کرتے ہوئے اور ہم پر کوئی دن نہیں گزرا لیکن یہ کہ حضور ﷺ اس میں دن کے دونوں
کناروں میں صبح و شام ہمارے ہاں آتے تھے تو جب مسلمانوں کو تکلیف دی گئی تو
ابوبکرؓ ہجرت کر کے حبشہ کی طرف چلے یہاں تک کہ جب برک الغماد پہنچے تو ان کو ابن
دغنہ ملا جو قارہ کا سردار تھا' اس نے پوچھا کہ ابوبکرؓ کدھر کا ارادہ ہے تو ابوبکرؓ نے کہا کہ
مجھ کو میری قوم نے نکال دیا تو چاہتا ہوں کہ زمین میں چل پھر کر اپنے رب کو پوجوں'
ابن دغنہ نے کہا کہ آپ جیسا آدمی نہیں نکل سکتا' یا نہیں نکالا جا سکتا آپ غریب کی مدد
کرتے ہیں' رشتہ داروں کا حق ادا کرتے ہیں' قرض دیتے ہیں' مہمانی کرتے ہیں'
لوگوں کو مصیبتوں میں کام کرتے ہیں' آپ جیسا آدمی نہیں نکل سکتا' یا نہیں نکالا جا سکتا'
تو ابوبکرؓ لوٹے اور ابن دغنہ آپ کے ساتھ چلا' پھر قریش کے اشراف میں گھوما' پھر ان
سے کہا کہ ابوبکر جیسے آدمی نہیں نکالے جا سکتے' کیا ایسے شخص کو نکالتے ہو جو غریب کی مدد
کرتا ہے (صفات مذکورہ گنائے) تو قریش نے ابن دغنہ کی پناہ کو نہیں جھٹلایا اور انہوں
نے کہا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ اپنے رب کو اپنے گھر میں پوجیں اور اسی میں نماز پڑھیں اور
جو چاہیں پڑھیں ہم کو اس سے آزار نہ پہنچائیں اور نہ اس نماز و قرأت کا اعلان کریں
کیونکہ ہم کو اپنی عورتوں اور لڑکوں کا ڈر ہے کہ وہ نہ کہیں بہک جائیں (یعنی اسلام کے
اثر میں نہ آ جائیں) تو ابن دغنہ نے ابوبکرؓ سے کہا تو ابوبکرؓ اسی پر ٹھہرے فلبث ابو
بکر بذالك اپنے رب کو اپنے گھر میں پوجتے رہے' اور اپنی نماز کو اعلان کے ساتھ
نہیں پڑھتے تھے اور اپنے گھر کے سوا کہیں قرآن نہیں پڑھتے تھے پھر ابوبکرؓ کی رائے
جم گئی تو اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنائی اور اس میں نماز اور قرآن پڑھنے لگے تو
مشرکین کی عورتیں اور بچے ان پر ٹوٹنے لگے اور وہ تعجب کرتے تھے اور ان کو دیکھتے تھے
اور ابوبکرؓ قرآن پڑھتے تو روتے تھے اور ان کو اپنی آنکھوں پر قابو نہ رہتا۔ اس امر نے
قریش کے سرداروں کو گھبرا دیا' تو انہوں نے ابن دغنہ کو کہلا بھیجا' وہ آیا' تو انہوں نے
کہا کہ ہم نے ابوبکرؓ کو تمہاری پناہ دینے سے اس شرط پر پناہ دی تھی کہ وہ اپنے گھر میں
اپنے رب کی عبادت کیا کریں' اب انہوں نے اس سے تجاوز کیا' اب انہوں نے اپنے

گھر کے صحن میں ایک مسجد بنائی ہے' نماز اور قرآن زور سے اس میں پڑھتے ہیں' اور ہم کو اپنی عورتوں اور لڑکوں کے فتنہ میں پڑنے کا ڈر ہے' تو ان کو روک دو' اگر اس بات پر رک جائیں کہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کریں تو وہ کریں' اور اگر انکار کریں تو ان سے کہو کہ تمہاری ذمہ داری واپس کر دیں' کیونکہ ہم کو تمہاری ذمہ داری کو توڑنا پسند نہیں' اور ہم بھی ابو بکرؓ کو اعلان کے ساتھ نماز اور قرآن پڑھنے نہیں دے سکتے۔ عائشہؓ کہتی ہیں کہ ابن دغنہ ابو بکرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ کس شرط پر میں نے تم سے معاہدہ کیا تھا تو یا تو باز آ جاؤ یا میری ذمہ داری واپس کر دو' کیونکہ میں پسند نہیں کرتا کہ عرب یہ سنیں کہ میں نے کسی سے معاہدہ کیا اور وہ توڑا گیا' تو ابو بکرؓ نے کہا کہ میں تمہاری پناہ واپس کرتا ہوں اور خدا کی پناہ مجھ کو کافی ہے' اور رسول اللہ ﷺ ان دنوں مکہ ہی میں تھے' تو آپؐ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ مجھے خواب میں تمہاری ہجرت کا مقام چھوہاروں والی دو پہاڑیوں کے بیچ کی زمین دکھائی گئی ہے تو جس نے مدینہ کی طرف ہجرت کی' اور عموماً صحابہ جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی مدینہ کی طرف واپس آئے' اور ابو بکرؓ نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت کی تیاری کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی ٹھہرو کہ مجھے بھی امید ہے کہ اجازت دی جائے تو ابو بکرؓ نے اپنے کو رسول اللہ ﷺ کی معیت کے لئے روک رکھا اور دو اونٹنیوں کو خبط کے پتے چار مہینے تک کھلائے' ابن شہاب نے کہا کہ عروہ نے کہا کہ ان سے عائشہؓ نے کہا' تو ہم ایک دن ابو بکرؓ کے کمرہ میں ٹھیک دوپہر کو بیٹھے تھے کہ کسی کہنے والے نے کہا کہ یہ رسول اللہ آ رہے ہیں' منہ پر چادر ڈالے اس گھڑی میں جس میں آپ نہیں آیا کرتے تھے' تو ابو بکرؓ نے کہا میرے ماں باپ قربان' خدا کی قسم آپ کو اس گھڑی نہیں لایا لیکن کوئی اہم کام' آپؐ نے فرمایا جو تمہارے پاس اس وقت ہو اس کو علیحدہ کر دو' عرض کی میرا باپ قربان' آپ کی بیوی ہے تو آپؐ نے ہجرت کی اجازت کا حال سنایا' حضرت عائشہؓ اور اسماءؓ نے مل کر سامان درست کیا"۔

میں نے عام ناظرین کے سامنے روایت کے پورے الفاظ رکھ دیئے' جو اہل نظر

ہیں انہوں نے اس حدیث کے مختلف ٹکڑوں کو پہچان لیا ہوگا کہ اپنے والدین کی شناخت سے ان کو اسلامی کام کرتے ہوئے دیکھنا ایک ٹکڑا ہے روزانہ صبح و شام آمد کا تعلق ہجرت کے دن دوپہر کے آنے سے ہے بیچ میں ہجرت کے تعلق سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کی ہجرت حبشہ کے ارادہ کا ذکر ہے پھر ہجرت مدینہ کا بیان شروع ہوتا ہے۔ مگر بہر حال مجھ کو تو یہاں ایک سرسری حیثیت سے اس حدیث پر گفتگو کرنا ہے۔

ایک حد تو قطعاً متعین ہے کہ مدینہ کی ہجرت کا واقعہ ۱۳ نبوی یعنی قیام مکہ کے آخری سال کا ہے اب سوال یہ ہے کہ اس حدیث کے تمام ٹکڑے وقوع اور پیش آنے میں مسلسل اور ملے ہوئے بلافصل ہیں ان میں جوڑ فصل اور عدم تسلسل ہے اگر جوڑ اور فصل ہے تو لازم آتا ہے کہ یہ ماننیں کہ حضرت عائشہؓ کی شناخت والدین کا واقعہ الگ ہے رسول اللہ ﷺ کی روزانہ آمد و رفت کا واقعہ الگ ہے ہجرت حبشہ کے ارادے کا واقعہ الگ اور سب سے آخر ہجرت مدینہ کا واقعہ الگ ہے تو اس صورت میں فریق کا یہ قیاس و استنباط کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کی ہجرت حبشہ کے ارادہ کے وقت ہوش و تمیز کی حالت میں تھیں بالکل بے بنیاد ہے اور اگر یہ مانا جاتا ہے کہ وہ تمام واقعات ہجرت مدینہ کے واقعہ کے قریب میں پیش آئے ہیں واقعات کا تسلسل جو روایت میں مذکور ہے وہ ادھر ہی لئے جاتا ہے۔

فریق یہ کرتا ہے کہ پہلا اور دوسرا ٹکڑا یعنی والدین کی شناخت اور ہجرت حبشہ کے ارادہ کو تو شروع میں اٹھا کر لے جاتا ہے یعنی ۵ نبوی میں اور آخری یعنی مدینہ کی ہجرت کے واقعہ کے زمانہ کو چونکہ بڑھا گھٹا نہیں سکتا اس لئے اس کو ۱۳ نبوی میں قائم رکھتا ہے اور دونوں کے بیچ میں آٹھ نو برس کا فصل قرار دیتا ہے جو کسی طرح روایت الفاظ سے ثابت نہیں ہو سکتا اور اتنے بڑے فصل کی گنجائش اس کو مسلسل و مربوط واقعہ مان کر نہیں نکالی جا سکتی عبارت کا حرف حرف ناظرین کے سامنے ہے پڑھ لیں لطیف "پس ٹھہرے ابوبکرؓ" سے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آٹھ نو برس کے توقف کا زمانہ مراد ہے کہ اتنے عرصہ تک انہوں نے چپ چاپ گھر میں نماز پڑھی پھر اعلان کیا یا یہ کہ

اعلان تو جلدی کیا ہوگا قریش آٹھ نو برس تک صبر کرتے رہے دو میں کوئی بات صاف نہیں ثابت ہو سکتی پھر اس میں نماز اور تلاوت کا ذکر ہے ۵ نبوی میں جب کہ تین برس کی فترت کے بعد قرآن کے نزول کو دوسرا ہی سال تھا اتنا قرآن نہیں ہو سکتا جو تلاوت و قرأت میں آئے اور نہ اس وقت باقاعدہ نماز شروع ہوئی تھی (باقاعدہ پنج وقتہ نماز معراج میں فرض ہوئی تھی) ان قرینوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ۵ نبوی کا واقعہ نہیں ہو سکتا' بلکہ آخری سالوں کا ہے' چنانچہ محدثین اور علمائے سیر میں سے جن لوگوں نے اس حدیث کے ظاہری ربط و تسلسل کا خیال کیا ہے' انہوں نے ۱۳ نبوی کا واقعہ قرار دیا ہے' سیرت حلبی میں علامہ برہان الدین حلبی لکھتے ہیں۔

وفي السنة الثالثة عشر من النبوة كانت بيعة العقبة الثانية وفي هذا السنة اراد ابو بكر ان يهاجر للحبشة فلما بلغ برك الغماد۔(جلد ۳ ص ۴۰۶ مصر)

اور ۱۳ نبوی میں عقبہ ثانیہ کی بیعت ہوئی اور اسی سال ابو بکرؓ نے حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو جب برک الغماد پہنچے۔

تاریخ خمیس فی احوال انفس نفیس میں علامہ حسین ابن احمد دیار بکری ۱۳ نبوی کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

وفي هذه السنة هاجر ابو بكر الى الحبشة روى لما ابتلى المسلمون۔(جلد اول ص ۳۱۶)

اور اسی سال ابو بکرؓ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی روایت ہے کہ جب مسلمانوں کو تکلیف دی گئی (روایت بلفظہ گزر چکی ہے۔)

اب ظاہر ہے کہ اس وقت یعنی ۱۳ نبوی میں حضرت عائشہؓ کی عمر آٹھ برس کی ہو گی اور اسی وقت جب حضرت ابو بکرؓ نے حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو حضرت عائشہؓ پوری عقل و تمیز کے سن میں تھیں۔

ہم نے پوری تحقیقات منظر عام پر لا کر رکھ دی ہے اور ہر ممکن پہلو سے اور ہر

نقطہ نظر سے بحث کر دی ہے جس سے بحمد اللہ ہر طرح سے عیب کے شبہ کا رد ہو گیا' اور حضرت عائشہؓ کی عمر جمہور علماء و مورخین و محدثین اسلام کے مطابق ماننے اور تسلیم کرنے میں فریق کو کم از کم اس حدیث کا خدشہ باقی نہ رہے گا' اب دوسرا شبہ لیجئے۔

سورۂ نجم اور سورۂ قمر کے نزول سے استدلال:

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ:

لقد انزل علی محمد ﷺ و انی لجاریة العب بل الساعة موعدهم و الساعة ادهی و امر۔(صحیح بخاری تفسیر سورۂ قمر)

بلا شک مکہ میں محمد ﷺ پر یہ اترا جب میں بچی تھی اور کھیلتی تھی' بل الساعة موعدهم والساعة ادهی و امر۔

فریق اس حدیث کو پیش کر کے استدلال کرتا ہے کہ یہ آیت سورۂ قمر کی ہے اور سورۂ قمر کا نزول ابتدائی ہی زمانہ کا ہے کیونکہ اس میں معجزہ شق القمر کا ذکر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ معجزہ ابتدائی زمانہ کا ہے کیونکہ بعد میں کفار کی مخالفت آنحضرت ﷺ سے اس قدر سخت ہو گئی تھی کہ انہوں نے آپ کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا تھا اور یہ کے نبوی کا واقعہ ہے (یعنی محصور کرنا) پھر فرماتے ہیں:

''اور دوسرے سورۂ نجم اور سورۂ قمر کا باہم بہت تعلق ہے' جیسا کہ مفسرین نے تسلیم کیا ہے اس لئے ان کا (قمر اور نجم کا) نزول بھی ایک ہی زمانہ کا ہونا چاہئے اور سورۂ نجم کا ۵ نبوی میں نازل ہونا یقینی امر ہے' پس اسی وقت کے قریب قریب سورۂ قمر بھی نازل ہوئی پس ۵ نبوی یا ۶ نبوی کا ان آیات کا نزول ہے' اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اس وقت لڑکی تھی اور کھیلا کرتی تھی پھر ان آیات کو سن کر یاد بھی کرتی تھی۔ اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۰ نبوی میں بوقت نکاح چھ یا سات سال ہونا قرین قیاس نہیں۔

ہمارے مخدوم نے اوپر کے مقدمات میں ظنیات کا جو سلسلہ جوڑا ہے' ان

میں سے ہر ایک بے بنیاد ہے اوپر دو دلیلیں قائم کی گئی ہیں جن کی الگ الگ منطقی ترتیب یہ ہے۔

اول:

یہ آیت سورۂ قمر میں ہے سورۂ قمر سورۂ نجم کے مناسب ہے سورۂ نجم قطعاً ۵ نبوی میں اتری اس لئے سورۂ قمر بھی ۵ نبوی میں اتری اور اس میں یہ آیت ہے جس کا حضرت عائشہؓ یاد رکھنا فرماتی ہیں اس لئے ۵ نبوی میں وہ اتنی بڑی تھیں کہ اس کو یاد رکھ سکیں اس لئے اگر پانچ چھ برس بھی اس وقت عمر مانی جائے تو ۱۰ نبوی میں بوقت نکاح وہ دس گیارہ برس کی ہوں گی۔

اس مرتب دلیل میں کتنے بے بنیاد مقامات ہیں حضرت عائشہؓ تو صرف ایک آیت کا نزول اور اس کا یاد رکھنا فرماتی ہیں اور فریق پوری سورۂ قمر کا احاطہ کر لیتا ہے حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ قرآن پاک میں کبھی ایک آیت کبھی چند آیتیں کبھی پوری سورہ اتری کبھی ایک ایک سورۃ چند سالوں میں متفرق طور پر نازل ہو کر پوری ہوتی تھی اور آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلاں مقام پر رکھو اس لئے جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ یہ آیت مذکورہ تنہا نہیں بلکہ پوری سورۂ قمر ایک ساتھ اتری اس وقت تک دلیل تام نہیں ہو سکتی اگر پوری سورۃ ایک ساتھ اتری تو حضرت عائشہؓ سورۂ قمر کا حوالہ دینے کے بجائے اخیر کی ایک تنہا آیت کا حوالہ کیوں دیتیں۔

سب کو معلوم ہے کہ سورۂ مائدہ کی آیت الیوم اکملت لکم دینکم ۱۰ھ میں حجۃ الوداع میں اتری اور سورۂ مائدہ کی بہت سی آیتیں اس سے برسوں پہلے ۵ھ میں اتریں جیسے تیمم کا حکم وغیرہ۔ جانوروں کی حلت وحرمت کے احکام جو اس میں ہیں وہ غالباً اس کے دو برس بعد خیبر کے زمانہ کی ہیں سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں معراج میں مکہ میں عنایت ہوئیں مگر باقی سورۂ بقرہ مدینہ میں پوری ہوئی اسی طرح یہ سب جانتے ہیں کہ اقراء باسم ربک کی چند ابتدائی آیتیں اولیں وحی ہیں مگر آخر سورۂ میں نماز سے روکنے کا واقعہ بہت بعد کا ہے وہ آیت جس کو سورۂ نجم کے قصہ کے تعلق سے ان باطل

روایتوں میں نقل کیا گیا۔ اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته سورۂ حج میں ہے' اس لئے اس کا نزول ۵ نبوی میں ہوگا۔ لیکن قتال کی اجازت کی پہلی آیت اذن للذین بھی اسی میں ہے جو ہجرت کے بعد بدر سے پہلے نازل ہوئی' پھر اس میں حج ابراہیمی کا ذکر ہے' وہ اس سے بعد کا واقعہ ہوگا' اور اکثر آیتیں اس کی مدنی ہیں' خود قمر اور نجم کی بعض آیتیں مدنی کہی جاتی ہیں' دیکھئے روح المعانی' اسی طرح اور بھی بہت سی آیتوں کا حال تصریحی اور یقینی طور سے معلوم ہے' اس لئے ایک آیت سے پوری سورت کا قیاس کرنا کسی طرح صحیح نہیں۔

نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ دو متناسب سورتیں ایک ہی ساتھ یا ایک ہی زمانہ میں نازل ہوں' سورۂ نساء اور سورۂ طلاق بہت متناسب ہیں' مگر ان کے نزول میں برسوں کا فرق ہے اور سورتوں کا بھی یہی حال ہے' سورۂ انفال اور براءت میں اتنا اتصال اور مناسبت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیچ میں فصل کی بسم اللہ بھی نہیں لکھی' مگر ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ انفال کا زیادہ تر تعلق غزوۂ بدر سے ہے جو ۲ھ کا واقعہ ہے اور سورۂ براءت کا فتح مکہ کے بعد سے جو ۹ھ کا واقعہ ہے۔

سورۂ نجم کے نزول کی قطعی تاریخ ۵ نبوی بتانا بھی صحیح نہیں' آپ یہ زمانہ اس لئے قطعی سمجھتے ہیں کہ یہی وہ سورۃ ہے جس کو رمضان ۵ نبوی میں تلاوت کرتے وقت آپ نے یا شیطان نے نعوذ باللہ بتوں کی تعریف تلک الغرانیق العلٰی ملا دی تھی اور سب نے مع مسلمانوں اور مشرکوں کے سجدہ کر لیا تھا' اور یہ سن کر مہاجرین حبش نے جنہوں نے رجب ۵ نبوی میں ہجرت کی تھی شوال ۵ نبوی میں حبشہ سے واپسی کی اس لئے یہ سورۂ ۵ نبوی میں اتری' لیکن تمام نقادین حدیث جانتے ہیں کہ یہ واقعہ تمام تر لغو ہے' سورۂ نجم کی تلاوت اور تمام کفار کے سجدہ کرنے کا ذکر بلا وقت کی تعیین کے اور بغیر اس کے کہ اس میں تلک الغرانیق والا ٹکڑا ہو اور بغیر اس کے کہ یہ واقعہ مہاجرین حبش کی واپسی کا سبب ہے' احادیث صحیحہ میں مذکور ہے' مگر اس سے آپ کے استدلال کو کوئی تعلق نہیں' تعلق اسی وقت ہوگا کہ جب اس ٹکڑے کی شمولیت

ہو اور یہ صحیح نہیں بلکہ اگر چند آیتوں سے پوری پوری سورۃ پر حکم لگایا جاسکتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ سورۃ نجم کا ۵ نبوی میں نازل ہونا اور حضورؐ کا پوری سورۃ کی اس وقت قرأت کرنا ناممکن ہے کیونکہ اس سورۃ کی ابتداء میں معراج کے روحانی مناظر و مشاہد کا ذکر ہے اور معراج کی تاریخیں ۱۱ نبوی یا ۱۲ نبوی ہیں اس لئے کیونکر ممکن ہے کہ ۵ نبوی میں یہ سورۃ پوری اتری ہے اور تلاوت کی گئی ہے۔

دوم:

اب دوسری دلیل ملاحظہ طلب ہے اور وہ یہ ہے کہ:

"یہ آیت سورۃ قمر کی ہے اور سورۃ قمر میں شق القمر کے معجزہ کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معجزہ ابتدائی زمانہ کا ہے کیونکہ بعد میں کفار کی مخالفت آنحضرت ﷺ سے اس قدر سخت ہوگئی کہ انہوں نے آپ کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا اور یہ واقعہ (یعنی شعب ابی طالب میں محصور ہونا) ۷ نبوی کا واقعہ ہے۔"

اول تو اس قیاس و استنباط پر بھی وہی اعتراض ہے کہ ایک آیت سے پوری سورۃ کا قیاس کرنا اور پورے سورۃ کے نزول کو متعین کرنا مشتبہ اور مشکوک اور غیر یقینی ہے پھر معجزہ شق القمر کے وقوع کے زمانہ کو اس نے ابتدائی بتانا کہ ۷ نبوی سے تو آپ شعب ابی طالب میں چلے گئے (محصور صحیح نہیں کہ آنا جانا، نکلنا بند نہیں تھا، تعلقات اور خرید و فروخت کی بندش تھی) کیا آپ شعب ابی طالب میں یا اس سے نکلنے کے بعد ۹ نبوی سے لے کر ۱۳ نبوی تک اس معجزہ کو نہیں دکھا سکتے تھے یہ کیا لازم ہے کہ اگر آپ یہ معجزہ دکھا سکتے تو ۵ نبوی یا ۶ نبوی ہی تک دکھا سکتے تھے کوئی اور دلیل اس کی ہوتی تو ہو مگر یہ تو کوئی دلیل نہیں ہے۔

علاوہ ازیں ایک دو نہیں بکثرت محدثین اور علمائے سیر نے شق القمر کے معجزہ کی تاریخ ۵ قبل ہجرت متعین کی ہے یعنی ۸ نبوی (دیکھو فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۴۲۹، قسطلانی جلد ۷ صفحہ ۲۴۳، سیرت حلبی جلد ۳ صفحہ ۴۰۳، زرقانی بر مواہب جلد ۵ صفحہ ۱۲۴

تاریخ خمیس دیار بکری جلد اول صفحہ ۹۸) شاید غالباً ہمارے مجیب کو ۵ نبوی اور ۵ قبل ہجرت کے الفاظ میں تسامح اور تشابہ ہو گیا' حالانکہ ان دونوں میں چھ برس کے قریب کا فرق ہے' ان تصریحات کی بناء پر سورۂ قمر کا نزول کم از کم ۴ نبوی کا واقعہ ہونا چاہئے' جب حضرت عائشہؓ کی عمر کا پانچواں سال ختم یا چھٹا سال شروع ہو گا اس لئے اس عمر میں کھیل کے وقت ایک اور صرف ایک آیت کا کان میں پڑ کر یاد رہ جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے' اور خصوصاً ایک تیز اور ذہین اور قوی الحافظ لڑکی کے لئے' اس لئے اس دلیل سے بھی اس سورہ کے بلکہ صحیح یوں کہنا چاہئے کہ اس ایک آیت کے نزول کا وقت ۵ نبوی یا ۸ نبوی ٹھہرانا بے ثبوت ہے۔

عرب میں نکاح صغیر کا رواج:

مولوی صاحب کا آخری استدلال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے نکاح سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جبیر بن مطعم سے منسوب تھیں اور۔

عرب میں چار پانچ سال کی لڑکیوں کی نسبت یا نکاح کا رواج نہ تھا' اور اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت کا پہلے ہو چکنا بتاتا ہے کہ ان کی عمر اس وقت ایسی تھی کہ جب لڑکیوں کی نسبت یا نکاح کا عام طور پر خیال ہوتا ہے' یہ بھی ایک شہادت اس امر پر ہے کہ بوقت نکاح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال سے زیادہ تھی۔

عرض یہ ہے کہ عرب میں نہ صرف کمسن بچیوں کے پیام و نسبت کا رواج تھا بلکہ شیر خوار بچیوں کے نکاح کا بھی' بلکہ حمل کے اندر جو اولاد ہو اس کے نکاح کا وعدہ بھی' ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب فی تزویج من لم یلد' کہ جاہلیت میں غیر مولد بچہ کا بھی پیام ہو جاتا تھا' عرب میں کم سن لڑکیوں کے نکاح کے عدم رواج سے مطلب اگر زمانہ جاہلیت ہے تو یہ تو ہر شخص کو معلوم ہے کہ زمانہ جاہلیت کے واقعات محفوظ نہیں جو اس عہد کے عرب کے متعلق آپ لکھا یا اثباتاً کچھ کہہ سکیں' پھر معلوم نہیں کہ عدم رواج کا دعویٰ اس عہد کے متعلق کس دلیل پر مبنی ہے اور اگر اسلام کے زمانہ کا عرب مراد ہے

تو حضرت عائشہؓ کے علاوہ کمسن لڑکیوں کے نکاح کی متعدد مثالیں ملتی ہیں جن کی تفصیل مولوی ریاست علی صاحب ندوی نے ایک مضمون میں لکھ کر "پیغام صلح" کے پاس بھیجی ہے مگر جس کو وہ اب تک کسی وجہ سے شائع نہ کر سکا، اس کی دو مثالیں آپ کے سامنے پیش ہیں۔

۱۔ حضرت قدامہ بن مظعونؓ صحابی نے حضرت زبیرؓ کی نومولودلڑکی سے اسی دن نکاح پڑھایا جس دن وہ پیدا ہوئی (مرقاۃ ملا علی قاری حنفی جلد ۳ ص ۴۱۷)

۲۔ خود آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے کمسن بچہ کے سلمہ کا نکاح حضرت حمزہؓ شہید احد کی نابالغ لڑکی سے کر دیا (احکام القرآن رازی حنفی جلد ۲ ص ۵۵)

۳۔ خود مولوی صاحب نے اس حد تک تسلیم کیا کہ حضرت عائشہؓ گیارہ برس کے سن میں بیاہی گئیں۔

۴۔ انہیں دو پر موقوف نہیں بلکہ:

وتزویج غیر واحد من الصحابۃ ابنتہ الصغیرۃ۔ (ترکمانی علی البیہقی ج ۱ ص ۷۶، ۷۹)

اور ایک سے زائد صحابہؓ نے اپنی نابالغ لڑکیوں کا نکاح کیا۔

بالاتفاق و بلا اختلاف تمام صحابہؓ تمام تابعینؒ اور تمام ائمہ مجتہدین کے نزدیک باپ کو اختیار ہے کہ وہ اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر دے، ایسے اجماعی مسئلہ کا انکار میں نہیں جانتا کہ اس کو کیا کہوں؟

خلاصہ بحث:

میرا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ معتبر ترین' مستند ترین اور ایک دو کے سوا تمام مختلف راویوں کے مطابق چھ برس کے سن میں بیاہی گئیں اور متفقاً بلا اختلاف نو برس کے سن میں آنحضرت ﷺ کے حجرہ میں آ گئیں اور تمام واقعات اسنین کی تحقیق کی بناء پر وہ ۴ نبوی کے آخر میں پیدا ہوئیں' شوال ۱۰ نبوی میں بیاہی گئیں اور شوال

ساتھ ہی رخصت ہو کر آ گئیں۔

مولانا محمد علی صاحب نے اپنے پہلے مضمون میں جو جولائی ۱۹۲۸ء میں پیغام صلح میں شائع ہوا تھا' لکھا تھا کہ معتبر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ (حضرت عائشہؓ) کی بڑی بہن حضرت اسماءؓ سے دس برس چھوٹی تھیں..... اس لحاظ سے حضرت عائشہؓ کی عمر اس وقت جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت سے ایک سال قبل ان سے شادی کی سولہ سال تھی۔

میں نے جولائی ۱۹۲۸ء کے معارف میں مولانا محمد علی کو ٹوکا اور متعدد سوالات کئے اور دریافت کیا' کیا ان معتبر احادیث میں سے کوئی ایک حدیث بھی ایسی پیش کر سکتے ہیں جن سے ثابت ہو کہ:

۱۔ وہ اپنی بہن حضرت اسماءؓ سے دس برس چھوٹی تھیں۔

۲۔ ہجرت سے ایک سال پہلے حضرت عائشہؓ کی شادی ہوئی تھی۔

۳۔ اور ہجرت سے ایک سال پہلے وہ سولہ برس کی تھیں (اور رخصتی کے وقت ۱۸ برس کی' چار مہینوں کے بعد "احباب کے بڑے اصرار پر" ۱۷ نومبر کے پیغام صلح میں مولانا محمد علی صاحب نے جو جوابی مضمون لکھا' اس میں اپنے پہلے دعووں سے ہٹ کر اور تصریحات کیں کہ:

۱۔ ایسی کوئی حدیث ان کو نہیں ملی جس سے یہ کہ حضرت عائشہؓ اپنی بڑی بہن حضرت اسماءؓ سے دس برس چھوٹی تھیں' ثابت ہو۔

۲۔ یہ بھی صحیح ہے کہ ہجرت سے ایک برس پہلے حضرت عائشہؓ کا نکاح ہونا غلطی سے لکھا گیا۔

۳۔ نکاح کے وقت ان کا سولہ برس کا ہونا صحیح نہیں۔

مگر ان تینوں صریح تصریحات کے بعد جواب میں یہ نئے دعوے کئے ہیں۔

۱۔ حضرت عائشہؓ سے اپنی عمر کے بیان میں غلطی ہوئی ہے۔

۲۔ نکاح کے وقت (۱۰ نبوی) میں وہ گیارہ سال سے کم نہ تھیں۔

۳۔ اور ۲ ھ میں رخصتی کے وقت سولہ سال سے کم کی نہ تھیں۔

انصاف کیجئے کہ ایک حضرت عائشہؓ سے غلطی ہوئی کہ تمام محدثین و مورخین اور رواۃ سے یکساں غلطی ہوئی' مگر کسی ایسے شخص سے جیسی کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ تھیں جن کا حافظہ اپنی قوت میں ممتاز و مسلّم تھا' خود اپنی عمر کے متعلق ایسی غلطی ہوتا کہ وہ اپنی گیارہ برس کی عمر کو چھ برس کی اور سولہ برس کی عمر کو نو برس کی اور اپنی پچیس برس کی بیوگی کو اٹھارہ برس کی عمر کی بیوگی کہہ دے' اعجوبہ روزگار ہے۔

حضرت عائشہؓ جس وقت رخصت ہو کر میکے لائی جاتی ہیں تو وہ جھولے پر سے اور کھیل سے اٹھا کر لائی جاتی ہیں' ان کی ماں ان کا منہ دھو دیتی ہیں' بال برابر کر دیتی ہیں' چھوٹی سہیلیاں ساتھ ہوتی ہیں' یہاں آ کر بھی گڑیوں کے کھیلنے کا شوق باقی رہتا ہے' اور وہ تمام واقعات احادیث میں بالتفصیل مذکور ہیں' سوال یہ ہے کہ آیا یہ ایک نو برس کی کم سن لڑکی کا حلیہ ہے یا سولہ برس کی پوری جوان عورت کا (دیکھو مسند طیالسی ص ۲۰۵ اور دارمی ص ۲۹۲)

افک کا واقعہ ۵ ھ کا ہے' اس وقت جمہور محدثین و مورخین کے نزدیک وہ بارہ یا تیرہ برس کی تھیں اور مولانا محمد علی کے حساب سے ۱۹ برس کی ہوں گی' واقعہ افک کے بیان میں (بخاری) ان کی لونڈی بریرہ اور وہ خود اپنی نسبت دو جگہ جاریۃ حدیثۃ السن "کمسن چھوکری" کہتی ہیں' عربی جاننے والوں سے سوال ہے کہ جاریۃ حدیثۃ السن کا مصداق بارہ تیرہ برس کی لڑکی ہوگی یا انیس برس کی عورت' حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔ وانا جاریۃ حدیثۃ السن لم اقرا کثیرا من القرآن (بخاری) میں کمسن چھوکری تھی زیادہ قرآن نہیں پڑھی تھی۔ یہ فقرہ بارہ تیرہ برس کی لڑکی کی زبان سے درست ہوگا یا ۱۹ برس کی عورت کی زبان سے۔

آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے ان کی رخصتی کا پورا منظر سنا کر اس بحث کو ختم کرتا ہوں' فرماتی ہیں' جیسا کہ صحیح بخاری (ص ۵۵۱) صحیح مسلم کتاب النکاح و سنن دارمی (ص ۲۹۲) میں ہے۔

"مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے جب نکاح کیا تو میں چھ برس کی تھی' پھر ہم مدینہ آئے تو بنی حارث کے محلہ میں اترے' پھر میں بیمار پڑ گئی' تو میرے سر کے بال گر گئے' ایک چوٹی سی رہ گئی تو میری ماں نے مجھے چلا کر بلایا تو میں آئی' اور مجھے خبر نہیں کہ وہ کیا چاہتی ہیں' تو میرا ہاتھ پکڑا اور دروازہ پر کھڑا کیا' اور میری سانس پھول رہی تھی (شاید کھیل کے دوڑ دھوپ سے) یہاں تک کہ کچھ سانس درست ہوئی' پھر تھوڑا پانی لے کر میرا منہ اور سر دھویا' پھر گھر کے اندر لے گئیں' تو وہاں دیکھا کہ کمرہ میں انصار کی چند عورتیں ہیں' انہوں نے مبارک باد دی' میری ماں نے مجھے ان کے سپرد کر دیا' انہوں نے کچھ میری حالت درست کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے حیرت ہوئی' تو انہوں نے مجھے آپ کے سپرد کیا' اور میں اس وقت نو برس کی تھی"۔

کیا یہ حلیہ' یہ منظر' یہ حالت ایک سولہ برس کی لڑکی کا ہے یا نو برس کی؟ پھر جو عورت اپنی رخصتی کے اتنے جزئیات یاد رکھے وہ اپنی عمر ہی بھول جائے گی' اور بلا تذبذب اور بلا شک وشبہ ہر وقت اور ہر شخص سے اپنی رخصتی کے وقت نو برس کی عمر بتانے میں غلطی کرے گی' ان ھذا العجاب۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے نو برس کے سن میں رخصتی ہونا اتنا یقینی ہے کہ وہ نو برس کے سن کو ایک عرب لڑکی کے بلوغ کا زمانہ متعین کر دیتی ہیں' فرماتی ہیں "اذا بلغت الجاریۃ تسع سنین فھی امراۃ" جب لڑکی نو برس کو پہنچ گئی تو وہ عورت ہے"۔ (دیکھو ترمذی کتاب النکاح)

کیا ان تفصیلات کے بعد بھی یہ کہا جائے گا کہ وہ نکاح کے وقت ۱۲ یا ۱۳ تیرہ یا ۱۶ سولہ' ۱۷ سترہ برس کی تھیں۔ وما علینا الا البلاغ۔ (مجلہ "معارف" اعظم گڑھ ۱۹۲۹ جنوری۔ سیرت عائشہ ص ۲۸ تا ۳۲۔ مطبوعہ اسلامی کتب خانہ لاہور)

عائلی زندگی:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ محبوبہ محبوب کائنات ﷺ کی عائلی اور گھریلو زندگی

بے حد خوشگوار اور پرسکون تھی۔ "صدیقہ کائنات" جس گھر میں رخصت ہو کر آئی تھیں وہ کوئی پرشکوہ عالی شان محل نہیں تھا۔ بلکہ بنی نجار کے محلہ میں واقع مسجد نبویؐ شریف سے متصل چھوٹا سا کمرہ ایک حجرہ جو سادگی میں بے مثال تھا۔ وہ آپ کا مسکن تھا۔ جو مسجد شریف کی مشرقی جانب واقع تھا۔

شہنشاہ کونین ﷺ کی نو ازواج مطہرات تھیں اور الگ الگ حجروں میں اقامت گزیں تھیں، جن میں نہ صحن تھا، نہ دالان تھے۔ ہر ایک حجرہ کی وسعت عموماً چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی۔ (تقریباً ۳½ میٹر) دیواریں مٹی کی تھیں جو اس قدر کمزور تھیں کہ ان میں شگاف پڑ گیا تھا ان سے اندر دھوپ آتی تھی۔ چھت کھجور کی شاخوں اور پتوں سے پاٹی ہوئی تھی۔ بارش سے بچنے کے لئے بال کے کمبل لپیٹ دیئے جاتے تھے۔ اندر سے لمبائی دس ہاتھ (تقریباً پانچ میٹر) جبکہ بلندی سات اور آٹھ ہاتھ کے درمیان تھی۔ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو سکتا تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ یا ایک پٹ کا کواڑ ہوتا تھا۔[۱]

یہ تھا وہ "شاہی محل" جہاں شہنشاہ کون و مکان، سلطان زمین و زماں صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیقہ کائنات نے گزر بسر فرمائی۔ اور اس کے اندر کی کل کائنات ایک بان کی چارپائی، ایک چٹائی۔ ایک بستر اور ایک کھجور کی چھال بھرا تکیہ، کھجور رکھنے کے لئے ایک دو مٹکے، پانی کے لئے ایک برتن، پانی پینے کے لئے ایک لکڑی کے پیالہ سے زیادہ نہ تھی۔[۲] کاشانہ نبوت گو انوار الٰہی کا مظہر اور منبع انوار و تجلیات خداوندی تھا۔ لیکن مسکن میں راتوں کو چراغ روشن کرنا استطاعت سے باہر تھا۔ صدیقہ کائنات فرماتی ہیں۔

والبیوت یومئذ لیس فیھا مصابیح۔[۳]

۱۔ الادب المفرد ص ۱۴۰، باب التطاول فی البنیان باب ۲۱۲، سیرت النبیؐ ج ۲ ص ۱۴۰، عنوان مسکن مبارک۔

۲۔ سیرت عائشہؓ ص ۳۲۔

۳۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷، باب التطوع خلف المرأۃ۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ کا بیان ہے۔ "چالیس چالیس راتیں گزر جاتی تھیں اور ہمارے گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا"[۱]

حجرہ مقدسہ کی زینت کل دو آدمی ہی تھے۔ سرور دو عالم ﷺ اور صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا کچھ دنوں بعد "بریرہ" نام کی ایک لونڈی کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔[۲]

گھر میں کسی خاص اہتمام اور انتظام کی ضرورت ہی نہ تھی۔ کھانا پکنے کی نوبت بہت کم آتی تھی۔ ام المومنین خود بیان کرتی ہیں کبھی تین دن متواتر ایسے نہیں گزرے کہ خاندان نبوت نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا ہو۔ گھر میں مہینہ مہینہ دو دو مہینے آگ نہیں جلتی تھی۔[۳]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ حبیبۂ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بھانجے یہ سن کر حیرت زدہ ہو گئے کہ تین چاند پورے دو ماہ تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ تو پھر زندگی کیسے بسر ہوتی تھی؟ صدیقہؓ نے فرمایا جان من! صرف چھوہارے اور پانی پر گزارہ ہوتا تھا۔[۴]

اگرچہ فتح خیبر کے بعد سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کے سالانہ مصارف کے لئے وظائف مقرر کر دیئے تھے۔ ۸۰ وسق چھوہارے اور ۲۰ وسق جو۔ لیکن فیاضی اور جود و سخا کی وجہ سے سال بھر کے لئے یہ سامان کبھی کافی نہ ہوا۔[۵]

عسرت و افلاس کی اس زندگی کے باوجود آپ کی گھریلو زندگی بے حد خوشگوار اور پرسکون تھی۔ طمانیت قلبی اور صبر و استقلال آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔

اس عقل و شعور کے باوجود جو فطرتاً فیض ازل کی طرف سے آپ کو عطا ہوا تھا۔ کم سنی کی غفلت اور بھول چوک سے وہ بری نہ تھیں۔ سیدہؓ خود فرماتی ہیں۔ جب آٹا

---

۱ مسند طیالسی ص ۲۰۷ بحوالہ سیرت عائشہ ص ۱۰۴۔ ۲ صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۸۔
۳ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۵۵ کتاب الرقاق سمیت انیس مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۱۷۔
۴ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۵۶ کتاب الرقاق۔
۵ سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۴۲ کتاب الخراج باب فی حکم ارض خیبر۔

گندھ کر رکھتی اور بے خبر ہو جاتی۔ بکری آتی اور سارا آٹا کھا جاتی[1] علاوہ ازیں دوسری عمر رسیدہ ازواج کے مقابلہ میں کھانا بھی اچھا پکانا نہیں آتا تھا[2]

ایک دن کا واقعہ ہے کہ سیدہؓ نے اپنے ہاتھ آٹا پیسا اس کی روٹیاں پکائیں۔ اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگیں رات کا وقت تھا۔ آپ تشریف لائے تو نماز میں مشغول ہو گئے اس دوران ایک پڑوسی کی بکری آئی اور تمام روٹیاں کھا گئی۔[3]

حضور انور ﷺ کا شیوہ "الفقر فخری" تھا آپ کی مبارک زندگی صدیقہ سمیت تمام ازواج مطہرات کی اسی طرح عسرت کی زندگی رہی۔ اگرچہ آپ کے وصال سے پہلے سارا عرب اسلام کے زیر نگیں آ چکا تھا۔ اور تمام صوبوں سے دولت کے انبار بیت المال میں چلے آ رہے تھے۔ تاہم جس دن آپؐ نے وفات پائی۔ اس دن سیدہ عائشہؓ کے گھر میں ایک دن کے گزارے کے لئے بھی کچھ نہیں تھا[4]

ہیں دوسروں کے واسطے سیم و زر و گہر   اپنا یہ حال ہے کہ چولہا بجھا ہوا
کسریٰ کا تاج روندنے کو پاؤں تھے   اور بوریا کھجور کا گھر میں بچھا ہوا

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں تمام ازواج مطہرات کو بدستور خیبر کی پیداوار سے مقررہ مقدار غلہ ملتا رہا۔ بعد میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ میں سب ازواج مطہرات کے نقد وظائف مقرر فرما دیئے تھے۔ دیگر ازواج کو دس ہزار درہم سالانہ ملتا لیکن سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بارہ ہزار درہم ملتے تھے[5] سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے زمانہ میں اختیار دیا تھا کہ چاہیں تو نقد لیں۔ اور چاہیں تو زمین

---

1. مسند امام احمد ج ۲ ص ۶۹۔
2. ابو داؤد ج ص باب من الصدقا محرم ثلث
3. ادب المفرد ص ۳۴ باب لیوفی ج ۵۰۰۔ باب نمبر ۲۲۔
4. ترمذی ج ۲ ص ۵۸ کتاب الزہد باب معیشۃ النبیؐ۔
5. مستدرک حاکم ج ۴ ص ۸۔

لے لیں۔ سیدہ عائشہؓ نے زمین لینا پسند فرمایا۔[1]

سیدنا عثمان سیدنا علی المرتضیٰ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں بھی یہی طریقہ قائم رہا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جو سیدہ عائشہؓ کے بھانجے تھے۔ جب خلیفہ حجاز ہوئے تو اپنی خالہ کے تمام مصارف ذمہ داری سے ادا کرتے رہے۔ لیکن سیدہ کا کردار یہ تھا۔

وکانت لا تمسک شیئاً مما جاء ها من رزق اللہ الا تصدقت۔[2]

جس دن بیت المال سے وظیفہ آتا سارا صدقہ خیرات کر دیتی اور شام کو گھر میں فاقہ ہوتا تھا۔

میرا طریق فقیری ہے امیری نہیں
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

معاشرتی تسکین:

اسلام نے عورت کو مرد کے لئے اس کش مکش کے عالم میں تسکین و تسلی کی روح قرار دیا ہے۔

﴿ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ﴾[3]

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے۔ کہ اس نے خود تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں۔ کہ تم ان کے پاس پہنچ کر تسلی پاؤ۔ اور اسی نے تم دونوں کے درمیان لطف و محبت پیدا کیا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی کے بعد ازدواجی زندگی نو برس تک قائم رہی۔ لیکن اس طویل مدت میں کبھی بھی باہمی ناخوش

---

[1] صحیح بخاری ج اص ۳۱۳ باب المزارعۃ والمزارعۃ۔

[2] بخاری ج اص ۴۹۷ باب مناقب قریش۔ [3] سورۃ روم: ۲۱۔

گواری کا واقعہ پیش نہیں آیا سوائے ایلاء کے واقعہ کے ہمیشہ لطف و محبت اور باہمی ہمدردی اور خلوص کی معاشرت قائم رہی۔ جبکہ خاندان نبوت کی دنیوی زندگی نہایت عسرت اور فقر و فاقہ سے گزرتی تھی۔

فقر و فاقہ کی زندگی میں عموماً میاں بیوی کے درمیان نان و نفقہ کے متعلق چپقلش اور جھگڑا رہتا ہے۔ لیکن بیت نبوت میں معاملہ اس کے برعکس تھا۔ یہاں اگرچہ گھر کا چراغ اور چولہا بجھا ہوا ہوتا تھا۔ لیکن دل کا چراغ ہمیشہ روشن اور خوشی و مسرت کا کنول ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔

سرور دو عالم ﷺ سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے غایت درجہ محبت فرماتے تھے۔ اور اس بات کا علم صحابہ کرام کو بھی تھا۔ چنانچہ وہ قصداً اسی روز بارگاہ نبوی میں ہدیے اور تحفے بھیجتے تھے۔ جس دن صدیقہؓ کے ہاں قیام کی باری ہوتی تھی۔ اور اس طرح صحابہؓ آپ کا تقرب حاصل کرنا چاہتے تھے۔[1]

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ابن سعد کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ انصار میں سے سعد بن عبادہؓ سعد بن معاذؓ عمارہ بن حزم اور ابو ایوب رضی اللہ عنہم آپؐ کے پڑوسی ہونے کی وجہ سے کثرت سے تحفے بھیجتے تھے۔[2]

دوسری ازواج مطہرات کو اس بات سے ناگواری ہوتی تھی۔ اور ان کی خواہش ہوتی کہ ہماری باری کے ایام میں بھی صحابہ اسی طرح تحائف بھیجا کریں تاکہ ہم بھی حضورؐ کی خاطر و مدارات پر تکلف کرسکیں۔ لیکن کسی کو کہنے کی جرأت نہ تھی۔ آخر سب نے مل کر جگر گوشہ رسول سیدہ فاطمہ بتولؓ کو اس بات کے لئے آمادہ کر لیا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

"رسول اللہ ﷺ کے اصحاب خصوصیت سے میری باری ہی کے دن ہدیے بھیجنے کا اہتمام کرتے تھے۔ وہ اپنے اس عمل سے رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی چاہتے

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۳ فضل عائشہ۔

[2] فتح الباری ج ۵ ص ۲۰۶ کتاب الہبہ حدیث نمبر ۲۵۸۱۔

تھے۔(اور صورت حال یہ تھی) کہ آپ کی ازواج کے دو گروہ تھے۔ ایک گروہ میں عائشہؓ، حفصہؓ اور سودہؓ تھیں۔ اور دوسرے گروہ میں ام سلمہؓ اور باقی ازواج۔ ام سلمہؓ کی گروہ والیوں نے ام سلمہ سے بات کی۔ اور ان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے تم کہو کہ آپ اپنے اصحاب سے فرما دیں کہ اگر کوئی آپ کے لیے ہدیہ بھیجنا چاہے تو آپ جہاں بھی ہوں (یعنی ازواج میں سے کسی کے ہاں بھی مقیم ہوں) تو وہیں آپ کو ہدیہ بھیجے۔

چنانچہ ام سلمہؓ نے آپ سے یہی عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم مجھے عائشہؓ کے بارے میں اذیت نہ دو۔ یہ عائشہؓ ہی کی خصوصیت ہے کہ ان ہی کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے۔ ام سلمہؓ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! میں اللہ کے حضور میں آپ کو اذیت دینے پر توبہ کرتی ہوں۔

پھر ام سلمہؓ کی گروہ والی ازواج مطہرات نے (آپ کی صاحبزادی) حضرت فاطمہؓ کو اسی غرض سے آپ کے پاس بھیجا۔ چنانچہ انہوں نے حضور ﷺ سے وہی عرض کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے بیٹا! کیا تم اس سے محبت نہیں کرو گی۔ جس سے مجھے محبت ہو۔ عرض کیا کیوں نہیں۔ (یعنی آپ جس سے محبت کرتے ہیں میں ضرور اس سے محبت کروں گی) آپ نے فرمایا۔ فاحبی ھذہ۔ تو تم ان (عائشہؓ) سے محبت کرو۔[1] (ترجمہ: معارف الحدیث ج ۸ ص ۳۵۵)

علامہ محمد منظور نعمانیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

ازواج مطہرات کی دو گروہوں میں تقسیم کسی باہمی اختلاف کی وجہ سے نہیں تھی۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ کچھ ازواج مطہرات کو مزاجی مناسبت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے زیادہ تھی۔ اور کچھ کو حضرت ام سلمہؓ سے۔ (واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل و دانش کے لحاظ سے یہ دونوں تمام ازواج مطہرات میں ممتاز تھیں اور حضور کو قلبی تعلق بھی ان دونوں کے ساتھ بہ نسبت دوسری ازواج کے زیادہ تھا)۔[2]

---

[1] صحیح بخاری ص ۳۵۱ کتاب الھبہ باب من اھدی الی صاحبہ۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸۵ مناقب عائشہ

[2] معارف الحدیث ج ۸ ص ۳۵۵۔

ایک روایت میں ہے۔

''ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات نے مل کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ آپ سے گذارش کریں کہ آپ کی بیویاں ابو بکرؓ کی بیٹی کے متعلق آپ سے انصاف کی خواہشمند ہیں۔

چنانچہ سیدہ فاطمہؓ آئیں اور رسول اللہ ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ اس وقت حضورؐ میرے ساتھ چادر میں لیٹے ہوئے تھے۔ آپ نے اجازت عنایت فرمائی۔ وہ حاضر خدمت ہو کر عرض کرنے لگیں۔ کہ آپؐ کی بیویوں نے مجھے آپؐ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ وہ آپ سے ابو قحافہ کی بیٹی کے متعلق انصاف چاہتی ہیں۔ سیدہ فرماتی ہیں۔ میں خاموشی سے سن رہی تھی۔ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

ای بنیۃ الست تحبین من احب۔

اے لخت جگر! جسے میں چاہوں۔ تو تم اسے نہیں چاہو گی۔

قالت بلی۔ قال فاحبی ھذہ۔

عرض کی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ پھر اس (عائشہؓ) سے محبت کرو۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ وہ واپس چلی گئیں۔

ازواج نے پھر بھیجنا چاہا۔ تو انہوں نے فرمایا۔

لا واللہ لا اکلمہ فیھا ابداً۔

نہیں خدا کی قسم۔ میں اس معاملہ میں آپ سے کبھی بھی کچھ نہیں کہوں گی۔

پھر حضور کی ازواج نے ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ وہ ازواج مطہرات میں میرے ہم پلہ اور برابر کی تھیں۔ میں نے حضرت زینبؓ سے بڑھ کر دیندار عورت کبھی نہیں دیکھی۔ ان کے دل میں خوف خداوندی بہت زیادہ تھا۔ اور بہت زیادہ حق گو تھیں۔ صلہ رحمی کرنے اور صدقہ و خیرات

کرنے میں بہت آگے تھیں۔ وہ اپنے نفس کو بہت ذلیل کرتی تھیں۔

وہ آئیں تو حضور انور ﷺ سے حاضر باشی کی اجازت طلب کی۔ اور رسول اللہ ﷺ اسی طرح میرے ساتھ میری چادر میں لپٹے ہوئے تھے۔ جس حال میں حضرت فاطمہؓ تشریف آوری پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ نے انہیں اجازت دی' وہ اندر آئیں اور ازواج مطہرات کا پیغام پہنچایا۔ کہ ابوبکرؓ کی بیٹی کے بارہ میں آپ سے انصاف چاہتی ہیں۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں پھر زینبؓ نے مجھے سخت سست کہنا شروع کر دیا۔ میں کچھ دیر خاموش رہی اور جواب نہ دیا کہ حضور ﷺ رنجیدہ خاطر نہ ہوں' جب میں نے محسوس کیا کہ جواب دینے سے آپ ناراض نہیں ہوں گے تو میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا اور حضرت زینبؓ کو خاموش کر دیا۔ حضور انور ﷺ نے تبسم فرمایا اور فرمایا۔

انها ابنة ابی بکر۔[1]

آخر وہ بھی تو ابوبکرؓ کی صاحبزادی ہی تو ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ اس آخری جملہ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

انها شریفة' عاقلة' عارفة كابیها۔[2]

ترجمہ: وہ اپنے باپ کی طرح شرافت میں ممتاز' عقل و دانش میں بے مثال اور شریعت کے معارف سے آگاہی رکھنے میں یکتا تھیں۔

ظاہر ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح کون ہو سکتا ہے کیا وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے خالص و مخلص دوست نہ تھے۔ اور وہ کون خوش نصیب تھا کہ اگر نبی کریم ﷺ کسی کو خلیل بناتے تو اسی کو بناتے' کیا دوست بارش کی طرح نہیں ہوتا کہ جہاں آئے نفع پہنچائے' اللہ تعالیٰ اس وفا شعار پر رحمت فرمائے۔

لا تفضل علی الصدیق صدیقا فهو صدیق احمد المختار

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸۵ سنن نسائی ج ۲ ص ۱۲۷ کتاب عشرۃ النساء۔

[2] فتح الباری ج ۵ ص ۲۰۷ کتاب الہبہ حدیث نمبر ۲۵۸۱

ترجمہ: تحقیق (ابوبکرؓ) پر کسی اور دوست کو فضیلت نہ دو۔ وہ تو احمد المختار صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے ہیں۔

وان ارتبت فی الاحادیث فاقرأہ ثانی اثنین اذھما فی الغار

ترجمہ: اور اگر تجھے احادیث میں شک ہے تو یہ آیت پڑھ لے۔ ثانی اثنین اذھما فی الغار کیا یہ فضیلت سیدہ عائشہؓ کے لئے کافی نہیں۔[1]

مصلحانہ تنبیہ:

باہمی شیر و شکر ہونے اور ایک دوسرے کی محبت کا دم بھرنے کے باوجود اگر کسی وقت صدیقہؓ سے کوئی لغزش سرزد ہو جاتی تو اسے "محبوبہ کی من بھاتی ادا" سمجھ کر "مرفوع القلم" نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ اصلاح کی غرض سے مناسب تنبیہ ضرور کر دی جاتی تھی۔ تاکہ صدیقہ کائناتؓ کی غلطی سے امت غلط استدلال سے محفوظ رہے۔

"ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سید عالم ﷺ کسی غزوہ میں تشریف لے گئے اور میں آپ کی واپسی کی منتظر تھی۔ میں نے اپنے بستر کی چادر دروازے کے اوپر کی لکڑی پر ڈال کر پردہ بنا لیا' جب حضور انور ﷺ تشریف لائے' میں نے آپ کا استقبال کیا اور کہا سلام ہو آپ پر اے اللہ کے رسول اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں اور اس خدا کی تعریف ہے جس نے آپ کو عزت و اکرام بخشا"۔

آپؐ نے جب گھر کی طرف دیکھا اور اس پردہ پر نظر پڑی' تو میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ اور میں نے آپ کے چہرہ انور پر ناپسندیدگی کے آثار دیکھے۔ پھر آپ اس پردے کی طرف بڑھے اور اسے اتار کر پھاڑ ڈالا۔ اور فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ہمیں بخشا ہے اس میں اس بات کا حکم نہیں دیا کہ ہم پتھروں اور اینٹوں کو کپڑے پہنائیں"۔

---

[1] جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین ص ۳۰۔

میں نے اس کھچے ہوئے کپڑے کو کاٹ کر دو تکیے بنا لیے اور ان میں چھال بھر دی۔ حضور انور ﷺ نے اس کو ناپسند نہیں فرمایا۔[1]

سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غایت درجہ محبت کا اندازہ اس حدیث مبارکہ سے بخوبی ہوتا ہے۔ کہ ایک مرتبہ سفر میں سیدہ کا اونٹ بدک گیا اور انہیں لے کر ایک طرف بھاگ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر بے قرار ہوئے کہ بے اختیار زبان سے نکل گیا" واعروساہ" (ہائے میری دلہن)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے حرم میں تشریف فرما ہوئے۔ دیکھا کہ سیدہ عائشہ سر میں شدید درد سے کراہ رہی ہیں۔ آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا" ہائے میرا سر" اسی وقت حضور انور ﷺ کو بیماری شروع ہوگئی اور وہی بیماری جان لیوا ثابت ہوئی۔[2]

حب رسول ﷺ:

جس طرح رسول اللہ ﷺ کو صدیقہ کائنات سے محبت تھی' اسی طرح ان کے دل میں بھی سید عالم ﷺ کی محبت رچی بسی ہوئی تھی۔ نہ صرف شدید محبت تھی بلکہ عشق پایا جاتا تھا۔ اس عشق ومحبت کا کوئی اور دعویٰ کرتا تو صدیقہ کو ملال ہوتا تھا۔ تاہم ازواج مطہرات میں اس کا بڑا خیال تھا۔

صدیقہ کبھی رات کو بیدار ہوتیں' اور پہلو میں اپنے "محبوب" کو نہ پا کر بے قرار ہو جاتیں۔ ایک دفعہ رات کو آنکھ کھلی' تو اپنے بستر میں سرور عالم ﷺ کو نہ پایا۔ چونکہ راتوں کو گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے۔[3] آپ اضطراب بے تابی میں مبتلا ہو گئیں اندھیرے ہی میں ادھر ادھر ٹٹولنے لگیں۔ آخر ایک جگہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

---

1. ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۸ کتاب اللباس باب فی الصور۔
2. مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۲۸۔
3. صحیح بخاری ج ۲' مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۲۸۔
4. صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۰ باب ذکر فی غمز المراۃ' موطا امام مالک ج ۱ باب صلوۃ اللیل۔

قدم مبارک پایا۔ دیکھا تو آپ سر بسجود مناجات الٰہی میں مصروف ہیں۔[1]

ایک شب صدیقہ طاہرہؓ بیدار ہوئیں' لیکن محبوب کا جلوہ نظر نہ آیا۔ اٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ حضور انور ﷺ تسبیح و تہلیل میں مصروف' دنیا جہاں سے بے نیاز اپنے رب سے لو لگائے ہیں۔ صدیقہؓ اپنے قصور پر نادم ہوئیں اور بے اختیار زبان سے نکلا۔

بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَنْتَ لَفِیْ شَانٍ وَّاِنِّیْ لَفِیْ شَانٍ اٰخَرَ۔[2]

میرے ماں باپ آپ پر فدا' میں کس خیال میں ہوں اور آپ کس عالم میں ہیں۔

ایک شب کا واقعہ ہے کہ آنکھ کھلی تو رحمت عالم ﷺ کو اپنے بستر پر نہ پایا۔ نصف شب گذر چکی تھی۔ دل بے چین ہو گیا۔ ادھر ادھر ڈھونڈا مگر محبوب کا دیدار نہ ہوا۔ آخر تلاش کرتی ہوئی قبرستان جا پہنچیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دعا و استغفار میں مشغول ہیں۔ الٹے پاؤں واپس آ گئیں۔ صبح آپ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں رات کوئی کالی کالی چیز سامنے جاتی معلوم ہوتی تھی۔ وہ تم ہی تھیں۔

ایک مرتبہ سخت گرمی کے موسم میں سرور دو عالم ﷺ گھر میں اپنی جوتیوں کی مرمت کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کی پیشانی مبارک سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا۔ اے کاش! عروہ (شاعر) اس حالت میں آپ کو دیکھتے تو آپ ان اشعار کا مصداق ہیں۔

فلو سمعوا فی مصر اوصاف خدہ　　لما بذلوا فی سوم یوسف من نقد

لواحی زلیخا لو راین جبینہ　　لا ثرن بالقطع القلوب علی الایدی

ترجمہ: اگر اہل مصر آپ ﷺ کے حسن کی شہرت سن لیتے۔ تو یوسف علیہ

---

[1] موطا امام مالک ج ۱ ص ۔ ۔ ۔ ما جاء فی الدعاء ۔ ۔ ۔ ص ۲۱۸۔

[2] سنن نسائی ج ۲ ص ۔ ۔ ۔ کتاب عشرۃ النساء باب الغیرۃ۔

اسلام کی خریداری کے لئے بھی اپنی پونجی خرچ نہ کرے۔

اور اگر زلیخا کی سہیلیاں آپ ﷺ کی پرنور پیشانی کا جلوہ دیکھ لیتیں۔ تو ہاتھ کاٹنے کے بجائے دل کے ٹکڑے کر دینے کو ترجیح دیتیں۔[1]

ایک سفر میں سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں آپ کے ہمرکاب تھیں۔ حضور انور ﷺ رات کو بالالتزام سیدہ عائشہؓ کے محمل میں تشریف لاتے۔ اور جب تک قافلہ چلتا آپ باتیں کیا کرتے۔ ایک دن حضرت حفصہؓ نے صدیقہؓ سے کہا آؤ ہم دونوں اپنا اپنا اونٹ بدل لیں۔ چنانچہ سیدہ نے بخوشی بدل لیا۔ رات ہوئی تو حسب معمول آپ حضرت عائشہؓ کے محمل میں تشریف لائے دیکھا تو اس میں حضرت حفصہ تھیں۔ آپ سلام کر کے بیٹھ گئے۔ ادھر حضرت عائشہؓ تشریف آوری کی منتظر تھیں۔ جب قافلہ نے پڑاؤ کیا۔ تو سیدہ عائشہؓ اس جدائی کے صدمہ کو ضبط نہ کر سکیں۔ محمل سے اتر پڑیں۔ اور دونوں پاؤں گھاس پر رکھ دیئے اور کہنے لگیں خداوندا میں ان کو تو کچھ نہیں کہہ سکتی۔ تو کوئی بچھو یا سانپ بھیج جو مجھے ڈس لے۔[2]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سرور دو عالم ﷺ ایک رات میرے ساتھ بستر میں آرام فرما تھے۔ کچھ دیر بعد جب آپ کو یقین ہو گیا کہ عائشہؓ سو چکی ہیں۔ آپ چپکے سے اٹھے آرام سے جوتا پہنا آہستہ سے دروازہ کھولا اور جنت البقیع قبرستان کو تشریف لے گئے۔ میں نے بھی جلدی سے چادر اوڑھی ازار درست کی اور چپکے چپکے آپ کے پیچھے قبرستان پہنچ گئی۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اور دیر تک کھڑے رہے جب آپ واپس لوٹے تو میں بھی واپس ہوئی۔ آپ تیز چلے تو میں بھی تیز چلی۔ آپ لپکے تو میں بھی لپکی۔ اور جلدی سے آ کر بستر پر لیٹ گئی۔ آپ ﷺ بھی پہنچے۔

---

1. زرقانی ج ۵ ص ۲۹۰۔
2. صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۶ کتاب النکاح باب القرعۃ بین النساء و مسلم ج ۲ ص ۲۸۶ فضل عائشہ۔

آپ نے فرمایا" یا عائشہؓ تمہیں کیا ہوا' سانس کیوں چڑھا ہوا ہے۔ میں نے کہا کچھ نہیں۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا' عائشہؓ! بتا دو۔ ورنہ وہ لطیف وخبیر اللہ مجھے بتلا دے گا۔ میں نے عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ پھر میں نے سارا قصہ سنا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے میرے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا۔ کیا تم نے یہ خیال کیا تھا۔ کہ اللہ اور اس کا رسول تمہاری حق تلفی کریں گے۔

بات یہ ہے کہ میرے پاس حضرت جبریل آئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کا رب آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ بقیع کے قبرستان جائیں اور جو لوگ وہاں مدفون ہیں ان کے لئے استغفار کریں۔ میں نے تمہیں اس لئے نہیں جگایا تھا کہ تم اکیلی گھبراؤ گی[1]

جاں نثار بیوی کا اظہار محبت:

مولانا محمد حنیف عبدالمجید مدظلہ جاں نثار بیوی کا اپنے شوہر سے اظہار محبت کی منظر کشی کس دلربا پیرائے میں کرتے ہیں۔

"اسلام میں بیوی کو یہی تعلیم دی گئی ہے کہ بیوی بہ تکلف اپنی محبت شوہر کو دکھائے کہ" مجھے آپ سے بہت محبت ہے" میری نگاہ میں آپ ہی ہیں۔ آپ ہی کے لئے میں نے گھر' کنبہ' خاندان' عزیز واقارب' وطن' شہر' محلہ' دار ملک چھوڑا ہے۔

آپ ہی میرے لئے سب کچھ ہیں۔ آپ ہی میری زندگی کی بہار' میرے باغ کی زینت ہیں۔ آپ ہی میرے لئے مونس وغمخوار ہیں۔ آپ کی غیر موجودگی میں میری زندگی بالکل سونی سونی اور بے مزہ سی ہوتی ہے۔ آپ کے بغیر میری زندگی ویران و بے کیف ہے۔ میری بزم زندگی کی شمع آپ ہی ہیں۔

میری دنیا کی تمام رنگینیاں اور دلچسپیاں آپ ہی کے دم سے ہیں۔

اسی محبت کو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس طرح بیان فرماتی ہیں یعنی جب سید عالم ﷺ گھر تشریف لاتے تو سیدہ محبت بھرے لہجے میں ان

---

[1] سنن نسائی ج ۲ ص ۹۰ کتاب العشر النساء۔

وہ اشعار کا نذرانہ پیش کرتیں۔

لنا شمس وللآفاق شمس وشمسی خیر من شمس السماء
فان الشمس تطلع بعد الفجر وشمسی تطلع بعد العشاء

ترجمہ: ایک میرا سورج ہے اور ایک آسمان کا سورج ہے۔
اور میرا سورج آسمان والے سورج سے بہت زیادہ بہتر ہے۔
آسمان کا سورج تو فجر کے بعد طلوع ہوتا ہے۔
اور میرا سورج عشاء کے بعد طلوع ہوتا ہے۔

سیدتنا عائشہ صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا جیسی نیک خصائل خاتون کی اداؤں کو اگر مسلمان بیویاں اختیار کر لیں تو ان کے گھر بھی جنت نظیر بن جائیں۔ پھر ان کے شوہر کو کوئی خیالی، روحانی اور جسمانی بیماری چھو بھی نہ سکے۔ بیوی کی زبان سے نکلے ہوئے چند پھول اور تبسم سے دھلے ہوئے چند بول بڑھاپے میں جوانی کا مزہ تازہ کر دیں۔ بیماری میں صحت کا یقین دلوا دیں۔ پریشانیوں کی فضا میں خوشیوں کی لہر دوڑا دیں۔

آیئے ہم بھی ای عائشہ کی اپنے شوہر نامدار کے ساتھ بے مثالی محبت کے انمٹ نقوش سے ایمانی جذبات گرمائیں۔ ان کی پیروی کر کے بیویاں اپنے شوہروں سے سچی محبت کو پروان چڑھا کر گھروں کو جنت کا گہوارہ بنا لیں۔

سیدہ عائشہؓ کو آپ کی ذات والا صفات سے کس نوع کی محبت تھی یہ شعر کس طرح اس کی غمازی اور عکاسی کرتا ہے یہ کوئی رسمی اور ظاہر الفاظ ہی نہیں بلکہ دلی محبت اور سچی عقیدت کے جذبات کی ترجمانی کے لئے سیدہؓ نے ان الفاظ کا انتخاب فرمایا ہے۔ تاہم اس سے بھی ایک معمولی سی جھلک ہی دکھائی دیتی ہے۔ مکمل اظہار محبت تو پھر بھی نہیں ہو سکا۔ فرماتی ہیں۔

لو اسمع زلیخا لو رأین جبینہ لآثرن بالقطع القلوب علی الیدی

---

۱ تحفۃ العروس ص ۲۳۳۔

ترجمہ: اگر زلیخا کو ملامت کرنے والی عورتیں سید عالم ﷺ کے چہرہ انور کو دیکھ لیتیں۔ تو بجائے ہاتھ کاٹنے کے اپنے دلوں کے ٹکڑے کر دیتیں۔

یہ ایک حقیقی عاشق زار بیوی ہی کہہ سکتی ہے۔ جس کے اندر شوہر کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو۔

بیوی کی خوشنودی:

فخر دو عالم ﷺ کی مقدس زندگی انسانی معاشرت کے لئے کامل نمونہ تھی۔ اس لئے صرف اس تعلیم کے لئے کہ شوہر کو اپنی بیوی کی خوشنودی کی کس طرح کوشش کرنی چاہئے۔ آپ کبھی کبھار ان کے ساتھ غیر معمولی انبساط کے ساتھ پیش آتے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک انصاری لڑکی کی پرورش فرمائی تھی۔ جب اس کی شادی کا پروگرام طے ہوا۔ تو اس تقریب کو معمولی سادگی کے ساتھ انجام دینے لگیں۔ حضور انور ﷺ باہر سے تشریف لائے اور گھر میں خاموشی دیکھ کر فرمایا۔ عائشہؓ! گیت اور راگ تو ہے نہیں۔ یہ بچی انصار سے تعلق رکھتی ہے اور انصار گانے بجانے کو پسند کرتے ہیں۔[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کچھ فوجی نیزہ کے کھیل کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے (اپنے جسم مبارک سے) میرے لئے پردہ کیا۔ اور میں وہ مظاہرہ دیکھتی رہی۔ میں نے اسے دیر تک دیکھا اور خود ہی اکتا کر لوٹ آئی۔

فاقدروا قدر الجارية الحديثة السن تسمع اللهو[2]

ترجمہ: تم خود اندازہ لگا لو کہ ایک نو عمر لڑکی جب کھیل تکتی ہے۔ (تو کتنی دیر تک اس میں دلچسپی لے سکتی ہے۔) (ترجمہ تفہیم البخاری ج ۳ ص ۹۴)

---

[1] مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۶۹' صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۷۵ کتاب النکاح' باب النسوۃ اللاتی یحدین المراۃ الی زوجھا۔

[2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۰' باب حسن المعاشرت۔ مسند امام احمد ج ۶ ص ۵۶۔

حضور انور ﷺ ایک مرتبہ ایک لونڈی کو لیے ہوئے صدیقہؓ کے پاس تشریف لائے۔ آپؐ نے پوچھا عائشہؓ کیا تم اسے پہچانتی ہو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! نہیں۔ آپ نے فرمایا یہ فلاں شخص کی لونڈی ہے۔ کیا تم اس کا گانا سننا چاہو گی۔ سیدہؓ نے اپنی مرضی ظاہر کی، وہ کچھ دیر تک گاتا گاتی رہی۔ آپ نے گانا سن کر فرمایا۔ اس کے نتھنوں میں شیطان باجا بجاتا ہے۔ یعنی اس قسم کے گانے کو آپ نے بدتر مکروہ سمجھا۔[1]

ناز و انداز محبوبی:

علامہ سید سلیمان ندوی المتوفی ۱۹۵۳ء رقمطراز ہیں۔

"دریائے محبت کی بہت سی لہریں عورت کے خالص نسوانی خصوصیات کے اندر پنہاں ہیں۔ ناز و انداز عورت کی فطرت ہے۔ اس قسم کے واقعات جو احادیث میں مذکور ہیں۔ لوگ ان کو قابل تنقید سمجھتے ہیں۔ وہ ان کو اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ ایک امتی کا اپنے پیغمبر کے ساتھ یہ خطاب ہے اور اس کو بھول جاتے ہیں کہ بیوی اپنے شوہر سے باتیں کر رہی ہے۔ اس قسم کے جو چند واقعات حدیث کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان کو اسی نظر سے دیکھنا چاہیے۔"[2]

اسی سلسلہ میں یہ روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور انور ﷺ اپنی پہلی بیوی سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تعریف فرما رہے تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں مجھے اس پر رشک آیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ قریش کی بوڑھیوں میں سے ایک بوڑھی عورت کی، جس کے ہونٹ لال تھے اور جسے مرے ہوئے ایک زمانہ ہو چکا۔ اتنی دیر سے تعریف فرما رہے ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر بیویاں عطا فرمائی ہیں۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرمایا خدیجہؓ میری وہ

---

1. مسند امام احمد، مسند عائشہ۔
2. سیرت عائشہؓ ص ۶۳۔

بیوی تھی' کہ جب لوگوں نے میرا انکار کیا۔ تو وہ ایمان لائی۔ اور جب لوگ میری تکذیب کر رہے تھے تو اس نے میری تصدیق کی۔ اور جب لوگ مجھے اپنی امداد سے محروم کر رہے تھے۔ تو اس نے اپنی دولت میرے پاؤں پر نچھاور کر دی۔ اور اپنا مال میری غم خواری میں خرچ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسی سے مجھے صاحب اولاد بنایا۔ جبکہ دوسری کسی بیوی سے میری اولاد نہیں ہوئی[1]

ایک دفعہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سر میں درد تھا۔ ادھر سرور دو عالم ﷺ کا مرض الموت شروع ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: عائشہؓ! اگر تمہاری موت میرے سامنے واقع ہوتی' تو میں تمہیں اپنے ہاتھوں غسل دیتا اور اپنے ہاتھوں سے تمہاری تجہیز و تکفین کرتا تمہارا نماز جنازہ پڑھتا۔ تمہارے لئے دعا کرتا۔

سیدہ عائشہؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! آپؐ میری موت مناتے۔ اگر ایسا ہو جائے تو آپ اسی حجرہ میں نئی بیوی لا کر رکھیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبوبہ کی یہ بات سن کر تبسم فرمایا[2]

ایک مرتبہ کوئی قیدی گرفتار ہو کر آیا اور اسے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں بند کر دیا گیا۔ سیدہؓ عورتوں کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں اور وہ لوگوں کو غافل پا کر بھاگ گیا' جب آپ تشریف لائے تو گھر میں قیدی نہ پایا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ وہ تو بھاگ گیا ہے۔ آپؐ نے غصہ میں فرمایا۔ تمہارے ہاتھ کٹ جائیں۔

پھر آپ نے صحابہ کو حکم دیا اور وہ اسے گرفتار کر کے لے آئے۔ جب آپ گھر میں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عائشہؓ اپنے ہاتھوں کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی ہیں۔ آپؐ نے پوچھا عائشہ! کیا کرتی ہو۔ عرض کی "دیکھتی ہوں کون سا ہاتھ کٹے گا" کیونکہ آپ نے بددعا فرمائی تھی۔

حضور انور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی اور عائشہؓ کے لئے دعا کو

---

[1] مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۱۷ ص ۱۵۰۔

[2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۴۶ کتاب المرضیٰ باب عیادۃ المریض راکبا۔ مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۲۸۔

ہاتھ اٹھائے اور یوں گویا ہوئے کہ اے اللہ! میں انسان ہوں۔ اگر میں نے کسی مسلمان مرد یا عورت کو غصہ میں بد دعا دی ہو تو اسے اس کے حق میں گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ بنا دے[1]

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا۔ جب تم مجھ سے خوش ہوتی یا خفا ہوتی ہو تو مجھے معلوم ہو جاتا ہے۔ سیدہ نے عرض کیا۔ آپ کو کیسے معلوم ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ جب تم خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو ''ورب محمد'' رب محمدؐ کی قسم اور جب ناراض ہوتی ہو تو رب ابراہیم کی قسم کھاتی ہو۔ عرض کیا یا رسول اللہ! صرف زبان سے نام چھوڑ دیتی ہوں۔ یعنی دل میں تو آپ ہی بسے ہوتے ہیں[2]

خدمت گزاری:

بقول شخصے

ہر چہ خدمت کرد۔ مخدوم شد۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قلب اطہر جذبہ خدمت سے سرشار تھا۔ گھر میں اگر چہ بریرہؓ خادمہ موجود تھی۔ لیکن سیدہ سرور دو عالم ﷺ کا ہر کام خود کرتی تھیں[3] آٹا خود پیستی تھیں[4] خود گوندھتی تھیں[5] کھانا خود پکاتی تھیں[6] آپ کا بستر خود اپنے ہاتھ سے بچھاتی تھیں۔[7] وضو کا پانی خود اپنے ہاتھ سے لا کر رکھتی تھیں۔[8] قربانی کے اونٹوں کا قلادہ خود بٹتی تھیں[9] سید عالم ﷺ کے سر مبارک میں

---

1. مسند امام احمد ج ۶ ص ۵۲۔
2. صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹۹ باب ما یجوز من الهجران۔
3. ادب المفرد ص ۱۴ باب لا یؤذی جارہ۔
4. صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹۹، افک۔
5. صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹۹۔ 6. ایضاً۔
7. شمائل ترمذی۔
8. مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۸۔
9. بخاری ج ۱ ص ۲۳۰ مسند احمد ج ۶ ص ۷۸۔

کنگھا خود کرتی تھیں۔[1] آپ کے وجود باجود کو عطر لگاتی تھیں۔[2] آپ کے کپڑے خود دھوتی تھیں۔[3] اور سوتے وقت آپ کی مسواک اور پانی سرہانے خود رکھتی تھیں۔[4] مسواک کو صفائی کی غرض سے دھویا کرتی تھیں۔ گھر میں آپ کا کوئی مہمان آ جاتا تو مہمانی کی خدمت انجام دیتیں۔

حضرت قیس غفاری جو اصحاب صفہ میں سے تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ نے ہم لوگوں سے فرمایا۔ عائشہؓ کے گھر چلو جب آپ حجرہ میں تشریف فرما ہوئے تو فرمایا۔ عائشہؓ! ہم لوگوں کو کھانا کھلاؤ۔ وہ چونی کا پکا ہوا کھانا لائیں۔ آپ نے کھانے کی کوئی چیز مانگی' تو سیدہؓ نے چھوہارے کا حریرہ پیش کیا۔ پھر پینے کی چیز طلب فرمائی۔ تو ایک بڑے پیالے میں دودھ پیش کر دیا۔ اس کے بعد ایک چھوٹے پیالے میں پانی لائیں۔[5]

اطاعت رسولؐ:

بیوی کا سب سے بڑا جوہر اپنے شوہر کی اطاعت' فرماں برداری اور دل داری ہے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نو سال کے شب و روز کی طویل صحبت میں کبھی بھی حضور انور ﷺ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی۔ بلکہ انداز اور اشارہ سے بھی کوئی بات ناگوار بھی تو اسے فوراً ترک کر دیا۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔

صدیقہ کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بڑے شوق سے دروازہ پر ایک پردہ لٹکایا' حضور انور تشریف لائے اور اس پر نظر پڑی' تو فوراً تیوری پر بل پڑ گئے۔ سیدہ نے

---

[1] بخاری ج ا ص ۲۷۴۔

[2] بخاری ج ا ص ۲۰۸۔

[3] صحیح بخاری ج ا ص ۳۶۔

[4] مسند امام احمد ج ۶ ص ۵۲۔

[5] ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰۲ کتاب الادب ابواب النوم باب فی الرجل ینبطح علی بطنہ۔

دیکھ کر برہم ہوگئیں۔ عرض کی یا رسول اللہ! قصور معاف مجھ سے خطا سرزد ہوئی۔ ارشاد فرمایا۔ جس گھر میں تصویریں ہوں۔ وہاں رحمت کے فرشتے نہیں داخل ہوتے۔ یہ سنتے ہی سیدہ نے فوراً پردہ چاک کروالا۔ اور اسے دوسرے مصرف میں لے آئیں۔[1]

ایک صحابی نے دعوت ولیمہ کرنا تھی۔ لیکن گھر میں کچھ بھی نہیں تھا۔ انہوں نے جب حضور انور ﷺ سے اپنی تہی دستی اور فاقہ مستی کا اظہار کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ "جاؤ عائشہؓ سے کہو کہ غلہ کی ٹوکری بھیج دے۔"

انہوں نے سیدہ عائشہؓ کی خدمت میں پیغام نبویؐ پہنچایا۔ آپ نے اسی وقت پوری ٹوکری غلہ کی اٹھوادی اور گھر میں شام کے کھانے کا کچھ نہ رہا۔[2]

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دلی خواہش تھی کہ اگر عورتوں کو جہاد کی اجازت ہو تو جہاد اور شہادت کے بلند مراتب حاصل کرلیں۔

چنانچہ آپ نے حضور انور ﷺ سے جہاد کی اجازت چاہی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ "عورتوں کا جہاد حج ہے۔" اس فرمان ذی شان کے سننے کے بعد پھر حج کرنے کا التزام اس قدر سختی سے کیا کہ ان کا کوئی سال حج کے بغیر نہیں جاتا تھا۔[3]

عرفہ کے دن روزہ رکھنے کی فضیلت حضور انور ﷺ سے سننے کے بعد اس کی پابندی فرماتی تھیں۔

ایک مرتبہ عرفہ کے دن حضرت سیدہ کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ آپ روزہ سے ہیں اور گرمی کی شدت کے باعث سر پر پانی ڈال رہی ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے عرض کیا۔ کس قدر شدید تکلیف ہے آپ روزہ توڑ دیں۔ آپ نے فرمایا۔ جب سے حضور انور ﷺ سے سن

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۰ کتاب اللباس باب ما وطئ من التصاویر ج ۲ ص ۸۸۱ باب من لم یدخل بیتا فیہ صورۃ۔

[2] مسند امام احمد ج ۴ ص ۵۸۔

[3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۶ کتاب المناسک باب حج النساء۔

بھی ہوں کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے سال بھر کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ تو میں کیسے روزہ توڑ سکتی ہوں۔[1]

سیدہ چاشت کی نماز رسول اللہ ﷺ کی مقدس زندگی ہی سے پابندی کے ساتھ ادا کرتی تھیں۔ اور فرماتی تھیں کہ اگر میرے باپ بھی قبر سے اٹھ کر آئیں اور نماز چاشت پڑھنے سے منع کریں تو میں ان کی بھی نہ مانوں۔[2]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کاشانۂ نبوت کا خلوت کدہ تھا۔ دولت و ثروت نام کی وہاں کوئی چیز نہ تھی۔ اور نہ ہی پسند تھی۔ حضور انور ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب دولت کدہ میں تشریف فرما ہوتے تو باواز بلند فرماتے۔

"آدم کے بیٹے کی ملکیت میں اگر مال و دولت سے بھری ہوئی دو وادیاں ہوں۔ پھر بھی وہ تیسری کی حرص کرے گا۔ اس کی حرص کے منہ کو صرف قبر کی مٹی بھر سکتی ہے۔ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ ہم نے مال تو اپنی یاد دلانے اور مساکین و غرباء کی مدد کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ جو اللہ کی طرف لوٹنے اللہ بھی اس کی طرف لوٹے گا۔"[3]

ان الفاظ کو روزانہ تکرار سے مقصود یہ تھا۔ کہ اہل بیت نبوت کو دنیا کی بے ثباتی اور دولت کا حقیر ہونا یاد رہے۔

عبادت میں ہم آہنگی:

سرور کون و مکاں، سلطان زمین و زماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عشاء پڑھ کر حجرہ میں تشریف لاتے، مسواک کر کے فوراً سو جاتے۔ پہلے پہر سو جاتے۔ پچھلے پہر بیدار ہوتے، تہجد کی نماز ادا فرماتے۔[4] جب آخری رات ہوتی تو سیدہؓ کو اٹھاتے اور وہ

---

[1] مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۲۸۔

[2] مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۳۸۔

[3] مسند امام احمد ج ۶ ص ۵۵۔

[4] مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۵۳۔

اٹھ کر آپؐ کے ساتھ نماز تہجد میں شریک ہو جاتیں اور وتر ادا کرتیں۔[1]

جب صبح کا سپیدہ نمودار ہو جاتا تو آپ صبح کی سنت پڑھ کر کروٹ پر لیٹ جاتے اور حضرت عائشہؓ سے باتیں کرتے۔[2]

کبھی رات بھر رسول اکرم ﷺ اور سیدہؓ دونوں عبادت الٰہی میں مشغول رہتے امام الانبیاء ﷺ امامت کے فرائض انجام دیتے اور سیدہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مقتدی ہوتیں' حضور انور ﷺ سورۂ بقرہ' سورۂ آل عمران اور سورۂ نساء وغیرہ جیسی لمبی لمبی سورتیں پڑھتے۔

جہاں خدا سے ڈرنے والی کوئی آیت آتی۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے۔ اور جب کوئی رحمت و بشارت کا موقع آتا۔ اللہ رب العزت سے اس کی آرزو فرماتے' اسی طرح یہ ایمان افروز منظر تمام رات قائم رہتا۔[3]

غیر معمولی اوقات مثلاً کسوف وغیرہ کی حالت میں جب رسول اللہ ﷺ نماز کسوف پڑھاتے تو سیدہ عائشہؓ بھی ساتھ کھڑی ہو جاتیں۔ آپؐ تو مسجد میں جماعت کرا رہے ہوتے یہ اپنے حجرے ہی میں کھڑی ہو کر اقتداء کر لیتیں۔[4]

ایک دفعہ سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سید عالم ﷺ سے باتیں کرتے ہوئے تیزی آ گئی۔ اتفاق سے اسی اثنا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے۔ انہوں نے سیدہؓ کی تیزی اور سختی دیکھی' تو اس قدر برہم ہوئے کہ اپنی نور نظر لخت جگر بیٹی کو مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا۔ حضور ﷺ فوراً آڑے آ گئے اور ابوبکرؓ کا غصہ ٹل گیا۔ جب سیدنا صدیق اکبرؓ تشریف لے گئے تو فرمایا "کہو عائشہؓ میں نے تمہیں کیسے بچایا۔[5]

---

1. مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۸۲ بحوالہ سیرت عائشہؓ ص ۶۸۔
2. صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۵' تہجد باب من تحدث بعد الرکعتین' مسلم ج ۱ ص ۲۵۵ صلوٰۃ اللیل۔
3. مسند امام احمد ج ۶ ص ۹۲۔
4. صحیح بخاری صلوٰۃ الکسوف ج ۱ ص ۱۴۴۔
5. سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۱۱' کتاب الادب باب ماجاء فی المزاح۔

خوش طبعی:

شفیق ورحیم آقا ﷺ خوش طبعی کے طور پر کبھی کبھار سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کہانی سنایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ گفتگو کے دوران "خرافہ" کا نام آیا۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا' عائشہؓ! تم جانتی ہو "خرافہ" کون تھا؟۔

فرمایا خرافہ قبیلہ عذرہ کا ایک آدمی تھا' جسے جنات اٹھا کر لے گئے تھے وہاں اس نے بڑے بڑے عجائبات دیکھے تھے۔ واپس آ کر ان کو لوگوں سے بیان کیا تھا۔ اسی وجہ سے جب کوئی عجیب بات آپ لوگ سنتے ہیں تو کہتے ہیں۔ یہ تو خرافہ کی بات ہے۔[1]

ایک مرتبہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گیارہ سہیلیوں کی لطف و اندوز کہانی حضور انور ﷺ کو سنائی' آپؐ نہایت تحمل اور برداشت کے ساتھ دیر تک کہانی عائشہؓ کی زبانی سنتے رہے۔ پھر فرمایا عائشہؓ! میں تمہارے لئے ایسا ہی ہوں۔ جیسے ابو زرع ام زرع کے لئے۔[2] لیکن عین اس وقت جب آپؐ ایسی دل آویز باتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ دفعتاً اذان کی آواز آئی۔ آپؐ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے' صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ پھر ایسے معلوم ہوتا تھا کہ آپ ہمیں پہچانتے ہی نہیں۔ (آخری جملہ سیرت عائشہ ص ۶۰ سے منقول ہے۔)

ایک ساتھ کھانا:

رسول اکرم ﷺ اکثر صدیقہ کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ایک دسترخوان' بلکہ ایک ہی برتن میں کھانا کھاتے تھے۔ اور ایک ہی برتن سے پانی نوش فرماتے تھے۔

ایک دفعہ حضور انور ﷺ سیدہ عائشہؓ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ کہ حضرت عمرؓ پاس سے گزرے آپؐ نے ان کو بھی بلالیا اور تینوں نے ایک ساتھ کھانا کھایا۔[3] (اس وقت تک پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا) کھانے میں بھی محبت کا یہ عالم تھا کہ حضور

---

[1] شمائل ترمذی ص ۲۰۹ باب ما جاء فی کلام رسول اللہ مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۵۷۔

[2] بخاری ج ۲ ص ۸۰ ۷ حسن المعاشرۃ۔

[3] معجم طبرانی ادب المفرد ص ۲۷۷ باب نمبر ۴۸۳ حدیث نمبر ۱۰۵۳۔

اقدس ﷺ وہی ہڈی چوستے' جسے سیدہ عائشہؓ چوستی تھیں۔ پیالہ میں وہیں پر لب مبارک رکھ کر پیتے تھے۔ جہاں صدیقہؓ منہ لگاتی تھیں۔[1]

ایک مرتبہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی "محبوبہؓ" کے ساتھ رات کا کھانا تناول فرما رہے تھے کہ سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شکایت لے کر پہنچیں کہ عمرؓ مجھے رفع حاجت کے لئے بھی باہر نکلنے سے روکتے ہیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ اس وقت آپ کے دست مبارک میں گوشت کی ایک ہڈی تھی اس وقت آپ پر وحی نازل ہوئی اور ارشاد فرمایا۔ ضرورت کے لئے باہر جانے کی تمہیں اجازت دے دی گئی ہے۔[2]

چونکہ رات کے وقت گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا۔ اس لئے کبھی کبھی دونوں کا ہاتھ ایک ہی بوٹی پر پڑ جاتا تھا۔[3]

ایک مرتبہ ایک ایرانی پڑوسی نے حضور ﷺ کو دعوت دی۔ آپ نے فرمایا۔ عائشہؓ بھی ہوں گی؟ اس نے کہا نہیں۔ ارشاد فرمایا پھر مجھے دعوت قبول ہی نہیں۔ میزبان دوبارہ حاضر خدمت اقدس ہوا۔ پھر وہی سوال و جواب ہوا۔ اور وہ واپس لوٹ گیا۔ تیسری مرتبہ پھر آیا۔ آپ نے پھر ارشاد فرمایا۔ کہ عائشہؓ کی بھی دعوت ہے؟ اس نے عرض کی۔ جی ہاں۔ اس کے بعد حضور انور ﷺ سیدہ عائشہ کے ہمراہ اس کے گھر تشریف لے گئے۔[4]

سفر میں ہمراہی:

حضور انور ﷺ سفر میں تمام ازواج مطہرات کو ساتھ نہیں رکھ سکتے تھے اور کسی کو خاص وجہ سے ترجیح دینا بھی عدل و انصاف کے خلاف تھا۔ اس لئے آپ سفر کے وقت

---

[1] مسند امام احمد ج ۶ ص ۶۲ سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۹ کتاب الطہارۃ باب مواکلۃ الحائض۔

[2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۸ کتاب النکاح باب خروج النساء۔

[3] مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۱۷۔

[4] مسلم ج ۲ ص ۱۷۹ کتاب الاشربۃ باب ما یفعل الضیف اذا تبعہ۔ مسند امام احمد ج ۳ ص ۱۲۳۔

قرعہ ڈالتے، جن کا نام آتا وہ شرف ہمراہی سے ممتاز ہوتیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اکثر اسفار میں آپ ﷺ کے ساتھ رہیں۔

پردہ کا اہتمام:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پردہ کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ آیت حجاب نازل ہونے کے بعد تو یہ تاکیدی فرض ہو گیا تھا۔ سیدہ جن ہونہار طلباء کو اپنے یہاں بے روک ٹوک آنا جانا ضروری خیال فرماتیں۔ انہیں اپنی کسی بہن یا بھانجی سے دودھ پلوا دیتی تھیں۔ اور اس طرح ان کی رضاعی خالہ یا نانی بن جاتی تھیں۔ پھر ان سے پردہ نہیں رہتا تھا۔[1]

حج کے موقع پر چند عورتوں نے عرض کی کہ ام المومنینؓ چلئے حجر اسود کا بوسہ لیں۔ سیدہ نے فرمایا تم جا سکتی ہو۔ میں مردوں کے ہجوم میں نہیں جا سکتی۔[2]

ام المومنینؓ کو اگر کبھی دن کے وقت طواف کرنا پڑتا۔ تو خانہ کعبہ مردوں سے خالی کرا لیا جاتا تھا۔[3]

ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین طواف کی حالت میں بھی چہرہ ننگا نہیں کرتی تھیں۔ بلکہ چہرہ پر نقاب پڑی رہتی تھی۔[4]

ام المومنینؓ نے ایک غلام کو مکاتب کیا تھا۔ اس سے کہہ کر جب تمہارا زرفدیہ اتنا ادا ہو جائے تو میں تمہارے سامنے نہیں آ سکتی۔[5] یعنی پھر پردہ کرنا ضروری ہو جائے گا۔

غزوہ بنی مصطلق کے سفر میں جب ام المومنینؓ ہار کی تلاش میں اپنے قافلہ سے

---

1. صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۶۹ کتاب الرضاع و مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۷۱۔
2. صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۸ کتاب الحج باب طواف النساء۔
3. صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۹ مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۱۶۔
4. اخبار مکہ ازرقی ج ۲ ص ۱۳ باب ما جاء فی انتقاب النساء فی الطواف۔
5. مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۵

پیچھے رہ گئی تھیں۔ تو وہاں بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی۔ پھر جب صفوانؓ بن معطل آئے تو انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ تو سیدہ فوراً بیدار ہو گئیں اور فوراً چہرہ پہ چادر ڈال لی۔ یعنی پردہ کرلیا۔

فخمرت وجھی بجلبابی۔[1]

اسحاق تابعی نابینا تھے۔ وہ خدمت میں حاضر ہوئے' سیدہ نے ان سے پردہ کیا' وہ کہنے لگے مجھ سے کیا پردہ میں تو آپ کو دیکھتا نہیں۔ فرمایا تم مجھے نہیں دیکھتے' میں تو تمہیں دیکھ رہی ہوں۔[2]

شریعت میں مُردوں سے پردہ نہیں ہے۔ لیکن سیدہ کس قدر محتاط تھیں کہ جب ان کے حجرہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر بن گئی۔ حجرہ میں بغیر پردہ کے نہ جاتی تھیں۔

سوکنوں کے ساتھ مثالی سلوک:

عورت کے لئے دنیا کی سب سے تلخ ایک سوکن کا وجود ہے۔ لیکن ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک ہی نہیں بلکہ آٹھ تک سوکنیں ایک ساتھ رہی ہیں۔ تاہم شرف صحبت نبویؐ کے پرتو سے آپ کا آئینہ قلب ہر قسم کے زنگ و غبار سے پاک تھا۔ صدیقہؓ نے کبھی کسی سوکن کے متعلق کوئی نازیبا لفظ اپنے منہ سے نہیں نکالا۔ بلکہ جب بھی موقع آیا آپ نے ان کی تعریف ہی کی۔ ان کے ساتھ نہایت اچھا سلوک تھا۔ انہیں ہمیشہ عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ ان کی خوبیوں اور نیکیوں کا دل و جان سے نہ صرف اعتراف تھا بلکہ برملا اظہار بھی کرتی تھیں۔ اور اگر کبھی بشری فطرت کے تحت کوئی فعل سرزد ہو جاتا تو اس پر جلد ندامت ہوتی۔ سوکنوں پر زبانی کلامی حملہ کرنے میں پہل نہ کرتیں۔

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا احسان مندی کے ساتھ تعریف کرتی

---

1. صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۹۶ سورۃ نور۔
2. طبقات ابن سعد بحوالہ سیرت عائشہ ص ۱۸۲۔

تھیں۔ اکثر عائلی مشوروں میں وہ سیدہ عائشہؓ کی رفیق تھیں۔[۱]

سیدہ عائشہؓ فرماتی تھیں سودہؓ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ ان کے قالب میں میری روح ہوتی۔ گو ان کے مزاج میں تھوڑی سی تیزی تھی۔[۲]

عقل و شعور اور فہم و فراست میں سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام بیویوں میں ایک امتیازی حیثیت رکھتی تھیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر قربانی کرنے اور حجامت بنوانے کے متعلق حضور اکرم ﷺ کو انہوں نے جو مشورہ دیا تھا۔ وہ عورتوں کی تاریخ میں یادگار رہے گا۔[۳]

فقہی فتووں اور مسئلوں میں بھی صدیقہؓ کے بعد انہی کا مقام تھا۔[۴] علمی اعتبار سے وہ سیدہ عائشہؓ کی ہمسر تھیں۔ ایک معمولی سے اتفاقی واقعہ کے سوا ان میں کبھی کوئی باہمی اختلاف نہیں ہوا وہ واقعہ اس طرح ہوا کہ ازواج مطہرات نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سفیر بنا کر حضور انور ﷺ کی خدمت میں اس لئے بھیجا کہ آپؐ سے عرض کریں کہ آپ لوگوں سے کہیں کہ آپ جہاں بھی ہوں وہاں تحفے بھیجا کریں۔ اس میں حضرت عائشہؓ کی باری کی تخصیص نہ ہو۔

سیدہ ام سلمہؓ یہ پیغام لے کر سیدہ عائشہؓ کے حجرے میں آگئیں اور نہایت متانت سے اپنی درخواست پیش کی۔ آپ کے جواب پر وہ خاموش ہو گئیں۔ سیدہ عائشہؓ نے بھی یہ گفتگو سنی۔ لیکن کوئی آزردگی ظاہر نہیں کی۔[۵]

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا رشتہ کے لحاظ سے حضور انور ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ خوددار اور مزاج کی تیز تھیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ

۱۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۴۳۔

۲۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۸۳ کتاب الرضاع باب جواز ہبۃ نوبتہا لضرتہا۔

۳۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۰ کتاب الشروط۔

۴۔ طبقات ابن سعد ج ۸۔

۵۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۳۲ فضل عائشہ۔

طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں تمام ازواج میں یہی میرا مقابلہ کیا کرتی تھیں۔
باایں ہمہ ایک دو واقعات کے سوا ان کے درمیان کبھی کوئی پرخاش نہیں ہوئی۔

ایک مرتبہ بعض ازواج مطہرات نے پہلے سیدہ ام سلمہؓ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سفیر بنا کر بھیجا کہ لوگوں کے ہدیے اور تحفے جہاں بھی آپ قیام فرما ہوں وہیں بھیجے جائیں، ان میں سیدہ عائشہؓ کی باری کی تخصیص نہ ہو۔ ام سلمہؓ ناکام لوٹیں تو انہوں سیدہ زینبؓ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ وہ آئیں تو بڑی جرأت سے تقریر کی سیدہ عائشہؓ خاموشی سے ان کی گفتگو سنتی رہیں اور کنکھیوں سے آپؐ کے مزاج کا مطالعہ بھی کرتی رہیں۔

جب سیدہ زینبؓ خاموش ہوئیں تو حضور اقدس ﷺ کی مرضی پا کر سیدہ عائشہؓ نے ان سے ایسی مسکت اور مدلل گفتگو کی کہ سیدہ زینب لاجواب ہو کر رہ گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: "کیوں نہ ہو آخر وہ بھی ابوبکرؓ کی بیٹی ہے۔"[1]

ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا آ گئیں۔ اس زمانہ میں گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے۔ اسی اثنا میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور سیدھے ایک طرف کو بڑھے۔ سیدہ عائشہؓ نے کہا وہ زینبؓ ہیں۔ اس پر سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غصہ آ گیا اور کچھ بولیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی برابر کا جواب دیا۔ دونوں کی آوازیں کچھ بلند ہو گئیں۔ اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کے لئے باہر مسجد نبوی کے پاس سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے جو یہ آوازیں سنیں تو آ کر حضور ﷺ سے عرض کی۔ آپ باہر تشریف لے آئیں۔ اور نماز کے لئے چلیں۔ اور دونوں کو ڈانٹا۔

سیدہ عائشہؓ والد محترم کی ناراضگی دیکھ کر سہم گئیں۔ نماز سے فارغ ہو کر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹی کے گھر تشریف لائے۔ اگرچہ ابتدائی طور پر ان کا

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸۵ فضل عائشہ۔

قصور نہیں تھا۔ پھر بھی انہیں سخت تنبیہ کی۔[1]

ایک مرتبہ ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہودیہ کہہ دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو سخت ناراض ہوئے۔ اور دو ماہ تک سیدہ زینبؓ سے کلام نہ کیا۔ آخر وہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ کہ آپ درمیان میں پڑ کر میرا قصور معاف کرادیں۔ چنانچہ سیدہ صدیقہؓ نے حضور انور ﷺ سے اس سلیقہ سے گفتگو کی کہ معاملہ صاف ہو گیا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب بھی اس واقعہ کو بیان فرماتیں تو سیدہ زینبؓ کی تعریف بیان کرتی تھیں۔ سیدہ فرماتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے قدر و منزلت میں میری برابری کا دعویٰ صرف زینبؓ ہی کو تھا۔ میں نے کوئی عورت زینبؓ سے زیادہ دیندار زیادہ پرہیزگار، زیادہ راست گفتار، زیادہ فیاض، مخیر اور اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرنے میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی ذرا مزاج میں تیزی تھی۔ جس پر انہیں جلد ندامت بھی ہو جاتی تھی۔[2]

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کبھی کوئی ناخوشگوار واقعہ نہیں ہوا تھا۔ اس کے باوجود مرض الموت میں سیدہ ام حبیبہؓ نے صدیقہ کائنات کو بلوا بھیجا۔ وہ آئیں تو کہا کہ "سوکنوں میں بھی کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے۔ اگر کچھ ہوا ہو تو خدا ہم دونوں کو معاف فرمائے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا "اللہ تعالیٰ سب کو معاف فرمائے اور اس سے تمہیں بری کرے۔

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا عائشہؓ تم نے مجھے اس وقت خوش کیا۔ خدا

---

1. صحیح مسلم ج اص ۴۷۳ باب القسم بین الزوجات کتاب النکاح۔
2. صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸۵ فضل عائشہ۔
3. مسند امام احمد ج ۲ ص ۵۸ بحوالہ سیرت عائشہ ص ۹۸۔

انہیں خوش وخرم رکھے۔[1]

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت بھی احادیث میں کوئی ناخوش گوار واقعہ مذکور نہیں ہے۔ کتب رجال میں ہے کہ جب ان کا وصال ہوا تو سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے مثالی زہد و تقویٰ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''وہ ہم میں سب سے زیادہ پرہیزگار تھیں''۔[2]

سوتیلی اولاد کے ساتھ حسن سلوک:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اپنی سوتیلی اولاد کے ساتھ بھی نہایت مشفقانہ برتاؤ تھا۔ اور ایک حقیقی ماں کی طرح ان سے سلوک فرماتی تھیں۔ سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ سیدہ عائشہؓ کے بیت نبوت میں تشریف فرما ہونے سے پہلے سیدہ زینبؓ سیدہ ام کلثوم اور سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن اپنی سسرال جا چکی تھیں۔ گھر میں صرف سیدہ فاطمہ تھیں۔ سیدہ رقیہ ۲ھ میں انتقال فرما گئیں۔ سیدہ زینبؓ ۸ھ میں اور سیدہ ام کلثوم نے ۹ھ میں انتقال فرمایا اس طرح وہ سیدہ عائشہؓ کے ساتھ سات آٹھ سال تک زندہ رہیں۔ لیکن باہمی کوئی ناخوش گواری اور دل آزاری کا واقعہ پیش نہیں آیا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر میں بہت کم فرق تھا۔ تقریباً ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ ماں بیٹی ایک ساتھ رہیں۔ لیکن آپس میں کوئی ناخوش گوار واقعہ کبھی نہیں ہوا۔

سیدہ فاطمہؓ کی شادی کے لئے ان کے جہیز کی تیاری اور درستگی میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھرپور حصہ لیا۔ خود فرماتی ہیں۔ ''میں نے فاطمہؓ کی شادی سے کوئی اچھی شادی نہیں دیکھی'' حضور انور ﷺ کے حکم سے مکان لیپا بستر لگایا۔ اپنے ہاتھ سے کھجور کی چھال دھن کر تکیے بنائے چھوہارے اور منقی دعوت میں پیش کئے۔ لکڑی کی

---

[1] طبقات ابن سعد از سیرت عائشہ ص ۸۲۔

[2] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۵۳ بحوالہ سیرت عائشہ ص ۸۱۔

ایک الگنی تیار کی تا کہ اس پر پانی کی مشک اور کپڑے لٹکائے جائیں۔ ۱؎

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا شادی کے بعد کہیں دور نہیں گئیں۔ بلکہ جس گھر میں وہ گئیں اس میں اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں صرف ایک دیوار ہی کا فاصلہ تھا۔ دیوار میں ایک طاقچہ تھا جس سے ماں بیٹی بات چیت کرتی رہتی تھیں۔ دونوں کے دلوں میں محبت موجزن تھی۔

گھر کا کام کاج کرتے کرتے سیدہ فاطمہؓ تھک گئی تھیں۔ تو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ سے ایک لونڈی کی درخواست لے کر بارگاہ رسالت مآبؐ میں حاضر ہوئیں۔ اتفاق سے بازیابی نہ ہوئی۔ تو اپنی والدہ (سیدہ عائشہؓ) کو وکیل بنا کر واپس چلی گئیں۔ ۲؎

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا۔ کہ سرور دو عالم ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا؟ سیدہؓ نے فرمایا "فاطمہؓ"۔ ۳؎

ام المومنینؓ فرماتی ہیں کہ میں نے فاطمہؓ سے زیادہ نشست و برخاست اور چال ڈھال میں حضور انور ﷺ سے ملتا جلتا کسی اور کو نہیں دیکھا۔

جب سید عالم ﷺ کی خدمت میں فاطمہؓ آتی تھیں تو آپ سروقد کھڑے ہو جاتے۔ پیشانی چوم لیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ اسی طرح جب آپؐ ان کے گھر قدم رنجہ فرما ہوتے" نور نظر لخت جگر کھڑی ہو جاتیں۔ آپ کے بوسے لیتیں اور اپنی جگہ احترام کے ساتھ بٹھاتیں۔ ۴؎

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں۔ کہ ایک روز فاطمۃ الزہراؓ سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے چپکے سے ان

۱؎ ابن ماجہ کتاب النکاح باب الولیمہ ص ۱۳۷۔

۲؎ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۷ کتاب النفقات باب عمل المرأۃ فی بیت زوجہا۔

۳؎ سنن ترمذی ج ۲ ص ۲۲۷ ابواب المناقب باب فضل فاطمہؓ۔

۴؎ ترمذی ج ۲ ص ۲۲۷۔

کے کان میں کچھ کہا' تو وہ رونے لگیں۔ آپ نے دوبارہ ان کے کان میں سرگوشی کی تو وہ ہنسنے لگیں۔

جب حضور انور تشریف لے گئے تو میں نے فاطمہؓ سے کہا۔ تمہارے رونے اور ہنسنے کا سبب کیا تھا؟ سیدہ فاطمہؓ نے کہا میں اپنے والد گرامی قدر کا راز فاش نہیں کروں گی۔ سرورِ کائنات ﷺ کے وصال کے بعد سیدہ عائشہؓ نے پھر پوچھا۔ فاطمہؓ! تم پر میرا جو حق ہے۔ اس کا واسطہ دیتی ہوں مجھے بتاؤ اس دن رونے کی وجہ کیا تھی؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ہاں اب بتائے دیتی ہوں۔ میرے رونے کا سبب یہ ہوا کہ حضور ﷺ نے اپنی جلد وفات کی اطلاع دی تھی۔ دوبارہ آپ نے ارشاد فرمایا فاطمہؓ! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تم ساری دنیا کی عورتوں کی سردار ہو؟[1]

بہتان عظیم:

شعبان ۵ھ میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ایک ایسا المناک' جاں گداز اور روح فرسا واقعہ پیش آیا' جس نے نہ صرف سیدہؓ کو بلکہ خود سرورِ دو عالم ﷺ کی زندگی میں ایک اضطراب بپا کر دیا اس اندوہناک واقعہ کو قرآن مجید نے ''افک مبین'' اور ''بہتان عظیم'' کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔ اس کی تفصیلات بخاری شریف اور دیگر کتب احادیث اور تواریخ میں اس طرح پائی جاتی ہیں۔

نجد کے قریب بنی مصطلق کے ''مریسیع'' نامی ایک چشمہ کے پاس مسلمان بنی مصطلق کے ساتھ معرکہ آرا ہوئے تھے۔ صحابہ کرام کی ایک اچھی خاصی تعداد حضور انور ﷺ کے ہم رکاب تھی' منافقوں کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس غزوہ میں کوئی خون ریزی نہ ہو گی۔ اس لئے ان کی ایک بہت بڑی تعداد اسلامی فوج میں شامل ہو گئی۔ جب کہ اس سے قبل منافقین اتنی بڑی تعداد میں اسلامی لشکر میں کبھی شامل نہیں ہوئے تھے۔ جیسا کہ ابن سعدؒ کی روایت میں ہے۔

---

1. صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۰ کتاب الفضائل باب فضل فاطمہؓ۔

وخرج معه بشر كثير من المنافقين لم يخرجوا في غزاة قط مثلها۔[1]

ترجمہ: اس سفر میں منافقین کی بہت بڑی تعداد شریک تھی۔ جو کسی دوسرے غزوہ میں کبھی نہیں تھی۔

رسول اکرم ﷺ نے جب روانہ ہونے کی تیاری فرمائی تو حسب معمول سفر میں ساتھ لے جانے کے لئے بیویوں کے نام قرعہ ڈالا۔ جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نام نکلا۔ اور معمول یہ تھا کہ سیدہؓ اپنے ہودج میں سوار ہو جاتی تھیں اور اس ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا جاتا تھا۔

سیدہ رضی اللہ عنہا نے چلتے وقت اپنی بڑی بہن سیدہ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک ہار عاریتاً پہننے کے لئے لیا تھا۔ جسے آپ نے گلے میں پہن لیا۔ ہار کی لڑیاں کمزور ہونے کی وجہ سے ٹوٹ جاتی تھیں' اس زمانہ میں پردے کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ اس لئے سیدہؓ اپنے محمل میں سوار ہوتیں اور جب اتاری جاتیں تو محمل سمیت ہی اتاری جاتیں۔ اور محمل پر پردے لٹکے رہتے تھے۔

غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر مدینہ منورہ کے قریب ایک منزل پر حضور انور ﷺ نے قیام فرمایا۔ رات کے پچھلے پہر قافلہ کی روانگی کا حکم دیا۔ سیدہؓ قضائے حاجت کے لئے باہر چلی گئیں۔ جب واپس لوٹیں تو معلوم ہوا کہ ان کا ہار کہیں گر گیا ہے۔ وہ اس کی تلاش میں پھر اس جگہ گئیں۔ تلاش میں کافی دیر ہو گئی۔ آخر کار ہار مل گیا۔ جب واپس آئیں۔ تو معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر وہاں سے روانہ ہو چکا ہے۔

سیدہؓ اس وقت تک کم سن اور ہلکی پھلکی لڑکی تھیں۔ ان کی عمر اس وقت چودہ برس تھی۔ اس لئے محمل اٹھانے والوں کو اس کے خالی اور ہلکا ہونے کا کچھ احساس بھی نہ ہوا۔ اسے اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔

سیدہؓ بہت پریشان ہوئیں۔ لیکن یہ خیال کر کے کہ جب رسول اللہ ﷺ آئندہ

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۸۱ غزوہ مریسیع۔

منزل پر پہنچ کر مجھے نہ پائیں گے تو اسی جگہ میری تلاش کے لئے آدمی روانہ فرمائیں گے۔ اسی جگہ چادر اوڑھ کر بیٹھ گئیں۔ پھر نیند آ گئی۔

قدیم رواج کے مطابق ہر قافلہ کے پیچھے ایک آدمی خبر گیری کے لئے چلتا تھا تاکہ کسی کی کوئی چیز رہ جائے یا گر جائے یا کوئی ضرورت درپیش ہو تو وہ اسے پورا کر سکے اور رہنمائی کر سکے۔ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اسلامی لشکر کے پیچھے رہا کرتے تھے۔ صبح کو جب وہ پڑاؤ پر پہنچے۔ تو انہوں نے سیدہؓ کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ کیونکہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے انہوں نے سیدہ کو دیکھا ہوا تھا۔ انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ سیدہ جاگ اٹھیں اور فوراً چہرہ ڈھانپ لیا۔

ام المومنینؓ خود بیان فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم! صفوانؓ نے مجھ سے بات تک نہیں کی اور نہ ان کی زبان سے سوائے انا للہ وانا الیہ راجعون کے میں نے کوئی کلمہ سنا۔

سیدنا صفوانؓ نے اونٹ لا کر سیدہ کے قریب بٹھا دیا اور خود پیچھے ہٹ گئے۔ سیدہ اونٹ پر سوار ہو گئیں اور حضرت صفوانؓ مہار پکڑ کر اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گئے اور عین دوپہر کے وقت اسلامی لشکر میں جا پہنچے۔

اگرچہ یہ ایک معمولی نوعیت کا واقعہ تھا اور اکثر سفر میں ایسے واقعات پیش آ جاتے ہیں۔ لیکن منافقین نے اس واقعہ کو خوب اچھالا اور اتہامی باتیں کیں اور یہ مشہور کیا کہ نعوذ باللہ "اب وہ پاک دامن نہیں رہیں"۔

منافقین کے اس پروپیگنڈے کا اثر کچھ مسلمانوں پر بھی ہوا۔ وہ بھی کسی حد تک اس میں ملوث ہو گئے۔ اس سازش کا شکار ہونے والے حضرت حسان بن ثابتؓ مسطح بن اثاثہؓ اور حمنہؓ بنت جحش تھے۔ حالانکہ حضرت حسانؓ اور حمنہؓ اس سفر میں شریک ہی نہیں تھے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خلاف جو طوفان بد تمیزی بپا ہوا۔ سیدہؓ کو اس کا مطلق علم نہ تھا۔ کیونکہ وہ مدینہ منورہ پہنچتے ہی بیمار ہو گئی تھیں اور بیماری کی طوالت ایک ماہ تک رہی۔ البتہ اس عرصہ میں انہیں یہ بات کھٹکتی رہی کہ

سید عالم ﷺ اس سے قبل میری بیماری میں جس لطف و مہربانی اور مہر و محبت کا برتاؤ فرماتے تھے آج کل اس لطف و مہربانی کا انداز نہیں ہے۔ آپ تشریف لاتے اور مجھے سلام کر کے فرماتے تم کیسی ہو؟ اور واپس تشریف لے جاتے۔ سیدہؓ فرماتی ہیں کہ حضور نور ﷺ کی اس بے التفاتی سے میری تکلیف سوا ہو جاتی تھی۔ لیکن اس بے رخی کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

اس دوران ایک رات میں مسطح رضی اللہ عنہ کی والدہ ام مسطح رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ساتھ لے کر قضائے حاجت کے لئے باہر گئی۔ کیونکہ اس وقت گھروں میں بیت الخلاء بنانے کا رواج نہ تھا۔ اور عورتیں صرف رات کو قضائے حاجت کے لئے باہر جاتی تھیں۔

قضائے حاجت سے فارغ ہو کر مسطح کی والدہ کے ہمراہ گھر کی طرف آ رہی تھی' تو ان کا پاؤں چادر میں الجھ گیا' جس کی وجہ سے وہ گر پڑیں۔ اور اپنے بیٹے مسطح کی بد دعا "تعس مسطح" یعنی مسطح ہلاک ہو۔ ماں کی زبان سے اپنے بیٹے کے متعلق یہ بد دعائیہ کلمہ سن کر مجھے سخت تعجب ہوا۔ میں نے کہا یہ بڑی بری بات ہے جو تم ایک نیک آدمی کو کہتی ہو۔ جو غزوہ بدر میں شریک تھا۔

اس پر ام مسطح نے کہا اے بھولی بھالی! کیا تم کو اس قصہ کی خبر نہیں؟ سیدہ نے فرمایا کون سا قصہ؟ ام مسطح نے سارا واقعہ بیان کیا۔ یہ سنتے ہی میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور میرا مرض بڑھ گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ یہ سنتے ہی بے ہوش ہو کر گر گئیں۔[1]

حضور انور ﷺ نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشورہ کے لئے طلب فرمایا اور ان سے پوچھا اس معاملہ میں آپ کا کیا خیال ہے۔ تو انہوں نے آپؐ کے رنج و غم اور حزن و ملال کو دیکھتے ہوئے عرض کیا۔

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۹۶۴' ۹۶۵' طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۲۳' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۳۷ حدیث نمبر ۱۵۲۹۹ مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۹۶۔

"یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ پر تنگی نہیں فرمائی ان کے سوا عورتیں بہت ہیں اگر آپ گھر کی خادمہ سے دریافت فرمائیں تو وہ بالکل صحیح صحیح بتادے گی۔ یعنی آپ مجبور نہیں ہیں۔ مفارقت تو آپ کے اختیار میں ہے۔ لیکن پہلے گھر کی خادمہ سے تحقیق ضرور فرمالیں۔ وہ آپ کو بالکل صحیح بتادے گی۔ کیونکہ گھر کی خادمہ اور باندی دوسروں کی نسبت تو گھر کی حالات سے زیادہ باخبر ہوتی ہیں۔

بریرہ کی شہادت:

چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے خادمہ بریرہؓ کو بلوایا۔ اور اس سے پوچھا کیا تو گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ بریرہؓ نے عرض کیا جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا میں تجھ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ سچ سچ بتادینا۔ اسے چھپانا نہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ مجھے وحی کے ذریعہ بتادے گا۔ بریرہؓ نے عرض کیا میں ہرگز نہیں چھپاؤں گی۔ آپ دریافت فرمائیں۔

آپ نے فرمایا کیا تم نے عائشہؓ میں کوئی ناپسندیدہ بات کبھی دیکھی ہے؟ خادمہ نے عرض کیا نہیں۔ ایک روایت میں ہے۔

آپ نے بریرہؓ سے فرمایا اگر تم نے ذرہ برابر بھی کوئی چیز ایسی دیکھی ہو جس سے مجھے شبہ اور تردد ہو تو بتادے۔ بریرہؓ نے جواب میں عرض کیا۔

"قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ میں نے عائشہؓ کی کوئی عیب دار اور قابل نفرت بات کبھی نہیں دیکھی۔ البتہ وہ ایک کم سن لڑکی ہے۔ آٹا گوندھ کر سو جاتی ہے۔ بکری کا بچہ آکر اسے کھا جاتا ہے۔"[1]

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ طبری وغیرہ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

ہشام بن عروہ کی روایت میں ہے۔ بریرہؓ نے کہا۔

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۱۹۷۔

ما علمت منها الا ما یعلم الصائغ علی الذھب الا حمر۔[1]

ترجمہ: جس طرح سنار خالص سونے میں کسی طرح کا کوئی عیب نہیں پاتا۔ مجھے بھی عائشہؓ بے عیب دکھائی دیتی ہے۔

یعنی جس طرح جوہری خالص سونے کی ڈلی کو بے عیب جانتا ہے۔ میں بھی عائشہؓ کو بے عیب دیکھتی ہوں۔

حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ حبشی جاریہ (بریرہ) نے کہا۔

واللہ لعائشۃ اطیب من الذھب۔[2]

ترجمہ: خدا کی قسم حضرت عائشہؓ تو سونے سے بھی زیادہ پاکیزہ اور بے عیب ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ام المومنین سیدہ زینبؓ بنت جحش سے بھی دریافت فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے کانوں اور آنکھوں پر تہمت نہیں دھرتی۔ (کہ خواہ مخواہ تہمت لگانے والوں کے ساتھ شریک ہو جاؤں) اللہ کی قسم! میں تو عائشہؓ کے متعلق خیر و بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی ہوں۔

سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ کی بیویوں میں ایک زینب ہی ایسی تھیں۔ جو میرے مقابلہ میں فخریہ بات کر لیتی تھیں۔ اللہ جل شانہ نے ان کے تقویٰ کی وجہ سے تہمت میں شریک ہونے سے بچالیا۔ اور ان کی بہن حمنہ ان کی وجہ سے مد مقابل کھڑی ہوگئی اور تہمت میں حصہ لیا۔

(صحیح بخاری ج ا ص ۳۶۵' کتاب الشہادۃ' باب تعدیل النساء)

ایک روایت میں ہے کہ مجھے اس شدت سے بخار آیا کہ میری والدہ نے گھر میں موجود تمام کپڑے میرے اوپر ڈال دیئے۔[3]

---

۱ طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۰۹ حدیث نمبر ۱۵۰ مسند امام احمد ج ۶ ص ۶۰۔

۲ فتح الباری ج ۸ ص ۴۸۰ سورۂ نور حدیث ۴۷۵۰۔

۳ طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۱۹ حدیث نمبر ۱۵۳۔

جب حضور انور ﷺ تشریف لائے تو آپ سے اپنے ماں باپ کے ہاں جانے کی اجازت چاہی تا کہ ان کے ذریعہ اس واقعہ کی حقیقت معلوم کر سکوں۔ آپ نے اجازت دے دی اور میں والدین کے ہاں آ گئی۔

اپنی والدہ سے کہا۔ آپ کو معلوم ہے کہ لوگ میرے متعلق کیا کہتے ہیں۔ والدہ نے تسلی دی اور کہا کہ دنیا کا یہ دستور ہے کہ جو عورت خوب صورت اور خوب سیرت ہو اور اپنے شوہر کے نزدیک بلند مرتبت ہو تو حسد کرنے والی عورتیں اس کے درپے ہو جاتی ہیں۔ میں نے والدہ سے دریافت کیا کہ میرے والد گرامی قدر کو بھی اس کا علم ہے؟ والدہ نے اثبات میں جواب دیا۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے میں نے والدہ محترمہ سے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے لوگوں میں تو اس کا چرچا ہو رہا ہے اور آپ نے مجھ سے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ اس کے ساتھ ہی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور شدت غم سے چیخ نکل گئی۔ قسم بخدا میں اسی قدر زیادہ روئی کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ میرا دل پھٹ جائے گا۔[1]

سید سلیمان ندوی صاحب رقمطراز ہیں۔

دنیا میں عزت سے زیادہ کوئی چیز نازک نہیں یہ وہ شیشہ ہے جو پتھر پھینکنے سے نہیں بلکہ پتھر پھینکنے کے ارادے سے بھی چور چور ہو جاتا ہے۔ غلط سے غلط بات بھی جب کسی آبرو دار اور نیک آدمی کی نسبت کوئی شریر کہہ بیٹھتا ہے۔ تو وہ شرم سے پانی پانی یا غصہ سے آگ بگولا ہو جاتا ہے۔

اب تک یہ مریم اسلام کی مریم (یعنی عائشہ صدیقہؓ) ان واقعات سے بے خبر تھی۔ لیکن ام مسطح کی بات سنتے ہی ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ والدین کے گھر چلے جانے کے بعد دن رات آنکھوں سے آنسو جاری رہے۔ سیدہؓ فرماتی ہیں۔ نہ آنسو تھمتے تھے اور نہ ہی آنکھوں میں نیند کا سرمہ لگتا تھا۔ ایک دن اور دو راتیں اسی

[1] سیرت النبی ابن ہشام ج ۳ ص ۳۱۲۔

طرح روتے گذر گئیں۔ ایک مرتبہ دل میں آیا کہ کنویں میں گر کر جان تلف کرلوں۔[1]

طبرانی وغیرہ میں ہے:

اگرچہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی پاک دامنی اور بے گناہی مسلم تھی۔ لیکن شر پسند لوگوں کے الزام سے حضور انور ﷺ بے حد مضطرب تھے ادھر وحی کے نزول میں تاخیر ہوئی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی المرتضی اور سیدنا اسامہ رضی اللہ تعالی عنہما سے مشورہ فرمایا۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ تعالی عنہ نے انتہائی مفید مشورہ دیا عرض پرداز ہوتے ہیں۔

> "یا رسول اللہ ﷺ وہ آپ کی اہلیہ ہیں۔ جو آپ کی شایان شان اور منصب نبوت و رسالت کے مناسب ہیں۔ ان کی عفت و عصمت کا پوچھنا ہی کیا! آپ کے حرم محترم کی طہارت و نزاہت سورج سے زیادہ عیاں اور شبنم سے زیادہ پاکیزہ ہے، اس میں رائے اور مشورہ کی ضرورت ہی کیا ہے۔ تاہم اگر آپ نے ہماری رائے اور خیال دریافت کرنا ہی ہے تو جہاں تک مجھے علم ہے۔ آپ کے اہل اور ازواج مطہرات میں ہم نے کبھی سوائے خیر و خوبی اور نیکی و بھلائی کے کچھ دیکھا ہی نہیں"۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں۔ دن رات روتے گزر گیا ایک لمحہ کے لئے بھی آنسوؤں کی بارش نہیں تھمتی تھی۔ صبح ایک انصاری عورت آ گئی۔ مجھے روتا دیکھ کر وہ بھی میرے ساتھ رونے لگی۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ حضور انور ﷺ تشریف لے آئے اور سلام کر کے میرے قریب بیٹھ گئے۔ جب سے یہ قصہ شروع ہوا تھا اس وقت سے آپ میرے پاس کبھی بیٹھے نہ تھے۔ اور اس قصہ کو ایک ماہ کا عرصہ گذر چکا تھا۔ اور اس معاملہ میں آپ پر وحی بھی نازل نہیں ہوئی تھی۔ حضور انور ﷺ نے اول اللہ جل شانہ کی حمد و ثناء کی پھر مجھے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔

---

[1] سیرت عائشہ صدیقہ ص ۷۰۔

"عائشہ! مجھے تیرے متعلق یہ باتیں پہنچیں ہیں۔ اگر تم اس جرم سے بری ہو تو عنقریب اللہ رب العزت تجھے ضرور بری کر دے گا۔ اگر تم سے کوئی لغزش ہو گئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرو۔ کیونکہ جب بندہ اپنے گناہوں کا اقرار کر کے توبہ کر لیتا ہے۔ تو اللہ جل شانہ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں"۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ صلوٰۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے جب اپنا کلام پورا فرمالیا تو میرے آنسو بالکل خشک ہو گئے حتیٰ کہ میں نے محسوس کیا کہ آنکھوں میں ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔

میں نے اپنے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی بات کا جواب دیجئے۔ انہوں نے کہا میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا جواب دوں۔ پھر میں نے اپنی والدہ محترمہ سے کہا کہ آپ جواب دیجئے لیکن انہوں نے بھی عذر کیا کہ میں کیا کہہ سکتی ہوں۔

اب مجبور ہو کر مجھے خود ہی بولنا پڑا۔ میں ایک کم عمر لڑکی تھی۔ اب تک قرآن مجید بھی زیادہ نہیں پڑھ سکی تھی۔ تاہم رسول اللہ ﷺ اور اپنے والدین سے مخاطب ہوتے ہوئے عرض کیا۔ کہ بخدا میں سمجھتی ہوں کہ جو بات آپ حضرات سنتے رہے ہیں وہ آپ کے دلوں میں اس قدر راسخ ہو گئی ہے۔ اب اگر میں کہتی ہوں کہ میں اس سے بری ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو آپ حضرات تصدیق نہیں کریں گے۔ اور اگر میں ایسے کام کا اعتراف کر لوں جس سے میرا بری ہونا اللہ جل شانہ کو معلوم ہے تو آپ حضرات مان لیں گے۔ واللہ! اب میں اپنے اور آپ حضرات کے متعلق اس کے سوا کوئی مثال نہیں پاتی۔ جو یوسف علیہ السلام کے والد نے اپنے بیٹوں کی غلط بات سن کر فرمائی ہے۔

فصبر جميل والله المستعان على ما تصفون۔

اتنی بات کہہ کر میں اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتی
ہیں۔ کہ مجھے یقین تھا جیسا کہ میں فی الواقع بری ہوں اللہ جل مجدہ ضروری میری
ت کا اظہار فرما دیں گے لیکن یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ میرے متعلق قرآنی آیات
ل ہوں گی۔ جو ہمیشہ تلاوت کی جائیں گی۔

ایک روایت میں ہے کہ مجھے یہ گمان نہ تھا کہ قرآن کی آیتیں میرے بارے
نازل ہوں گی جو مسجدوں اور نمازوں میں پڑھی جائیں گی۔ صرف یہ امید تھی کہ
ور انور ﷺ کو بذریعہ خواب میری براءت ظاہر کر دی جائے گی۔ اور اس طرح اللہ
ٰ مجھے اس تہمت سے بری کر دے گا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا نے سلسلہ کلام جاری رکھتے
ے فرمایا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ عالم الغیب کی زبان گویا ہو۔ چنانچہ وہ گویا ہوئی۔
ول اللہ ﷺ ابھی اپنی جگہ سے اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ رفعتاً وحی کے آثار نمودار
ئے۔ باوجود شدید سردی کے آپ کی پیشانی مبارک سے موتیوں کی طرح پسینہ کے
رات ٹپکنے لگے۔[1]

ابن اسحاق کی روایت میں ہے۔

ام المومنین فرماتی ہیں جس وقت حضور انور ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہوا۔ بخدا
ے قطعاً گھبراہٹ نہیں ہوئی۔ میرا ضمیر مطمئن تھا۔ البتہ میرے والدین کا خوف سے یہ
ل تھا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کی جان نہ نکل جائے انہیں خوف تھا کہ مبادا وحی
ے کے مطابق نہ نازل ہو جائے جیسے لوگ کہتے ہیں۔[2]

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ کبھی حضور انور ﷺ کی
ف دیکھتے اور کبھی میری طرف۔ جب رسول اللہ ﷺ کی طرف نظر کرتے تو یہ اندیشہ
تا کہ نہ معلوم آسمان سے کیا حکم نازل ہوتا ہے۔ جو پھر قیامت تک نہیں ٹل سکے گا۔

---

[1] طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۰۵۔
[2] سیرت النبی ابن ہشام ج ۳ ص ۳۱۵۔

اور جب میری طرف دیکھتے تو میرے سکون اور اطمینان کو دیکھ کر آپ کو شادماں ہوتی۔ سیدہ عائشہؓ کے سوا سارا گھر اسی خوف و رجاء اور امید و بیم میں تھا۔ کہ وحی کا نزول ختم ہوا۔ آپ کے چہرۂ انور پر مسرت و بشاشت کے آثار نمودار ہوئے! چہرۂ اقدس خوشی سے شگفتہ تھا مسکراتے ہوئے اور دست مبارک جبین منور سے پسینہ پونچھتے ہوئے سیدہ طاہرہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور پہلا کلمہ جو زبان پاک سے صادر ہوا یہ تھا۔

ابشری یا عائشة فقد انزل الله برائتك۔

ترجمہ: اے عائشہؓ تجھے بشارت ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تیری برأت نازل فرمائی ہے۔

میری والدہ نے کہا۔ عائشہ! اٹھو اور رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کرو میں نے خدا کی قسم! میں صرف اپنے رب کا شکریہ ادا کروں گی۔ جس نے میری برأت نازل فرمائی ہے۔[1]

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ علیہ المتوفی ۸۵۲ھ نے اس سلسلہ کی متعدد روایات نقل کی ہیں۔

یا عائشة اما الله عزوجل فقد برأك۔

حضرت فلیح کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

یا عائشة احمدی الله۔ فقد برأك۔

معمر کی روایت میں اس کے ساتھ "البشریٰ" کا اضافہ بھی ہے۔ اسی طرح ہشام بن عروہ کی روایت میں بھی ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں ہے۔

ابشری یا عائشة۔ فقد انزل الله برائتك۔

اور عمران بن ابی سلمہ کی روایت میں ہے۔ فقال ابشری۔ یا عائشة۔[2]

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صفوان بن معطل رضی

---

[1] طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۵۰ و ص ۱۳۰ فتح الباری ج ۸ ص ۴۷۷۔

اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف شعر کہے۔ جب صفوانؓ کو اس ہجو کا علم ہوا تو انہوں قسم کھائی کہ میں نے اب تک کبھی کسی عورت کو چھوا بھی نہیں ہے۔ اور غصہ میں تلوار لے کر حضرت حسانؓ کی تلاش میں نکلے اور یہ شعر پڑھتے ہوئے تلوار کا وار کر دیا۔

تلق ذباب السیف عنی فاننی
غلام اذا ھو جیت لست بشاعر

ترجمہ: تو مجھ سے تلوار کی یہ دھار لے میں تو جوان ہوں۔ جب میری ہجو ہو۔ میں شاعر نہیں۔

حضرت حسانؓ پا بہ جواب کر کے بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر کیا۔ حضور انور ﷺ نے حضرت صفوانؓ کی تقصیر معاف کرائی اور اس کے عوض حضرت حسانؓ کو جائیداد عنایت فرمائی۔[1]

تبصرہ:

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ صلوات اللہ علیہا کے اس جواب کے متعلق لکھتے ہیں۔

"عائشہ صدیقہؓ کی اس صدمہ جانکاہ کی وجہ سے وہ کیفیت تھی جو مریم صدیقہ کی تھی"۔

یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا وَکُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا۔[2]

اس نا امیدی کے عالم میں جب قرآن کریم کی دس آیتیں (تلک عشرۃ کاملۃ) حضرت عائشہؓ کی کامل برأت اور طہارت کے بیان میں نازل ہوئیں۔ تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ایسے سکر اور بے خودی کی کیفیت طاری ہوئی کہ جمیع ماسوی اللہ سے نظر اٹھ گئی۔ ورنہ یہ انعام یزدانی اور وحی آسمانی سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت کے وسیلہ اور طفیل سے تھی اور واسطہ اور وسیلہ کا

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۳۱۸۔
[2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۰۔

شوہر بھی واجب ہے۔

حضرت عائشہؓ کا اس حالت سکر میں شکر نبوی سے انکار ناز محبوبی کے مقام سے تھا۔ اور ناز کی حقیقت یہ ہے کہ دل جس سے لبریز ہو زبان سے اس کے خلاف اظہار ہو۔ ظاہر میں ترش روئی اور بے پروائی ہو اور دل عشق و محبت سے لبریز ہو۔ ظاہر میں ایک ناز تھا۔ لیکن صد ہزار نیاز اس میں مستور تھے[۱] امام بخاریؒ نے اس واقعہ کو متعدد مقامات پر بیان فرمایا ہے۔ کتاب الشہادات کتاب الجہاد سورۂ نور اور غزوۂ بنی مصطلق وغیرہ۔

آیاتِ برأت:

رسول اللہ ﷺ نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ صلوٰۃ اللہ علیہا کی برأت میں نازل شدہ دس آیات کی تلاوت فرمائی۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ○ لَّوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ○ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ ○ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ○ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○

۱۔ سیرت المصطفیٰ ج۲ ص ۱۹۶۔

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ [1]

ترجمہ: تحقیق جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے۔ وہ تم میں ایک جماعت ہے۔ تم اس کو اپنے لئے شر نہ سمجھو۔ بلکہ وہ فی الحقیقت تمہارے لئے خیر ہے۔ ہر شخص کے لئے گناہ کا اتنا ہی حصہ ہے جتنا اس نے کمایا ہے۔ اور جو اس طوفان کے بڑے حصہ کا متولی بنا ہے۔ اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔ اس بات کو سنتے ہی مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے متعلق نیک گمان کیوں نہ کیا اور یہ کیوں نہ کہا کہ یہ صریح بہتان ہے۔ اور اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔ پس جبکہ یہ لوگ گواہ نہ لائے تو بس یہ لوگ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی تو تم کو اس چیز میں کہ جس میں تم گفتگو کر رہے ہو سخت عذاب پہنچتا۔ جبکہ تم اس کو اپنی زبانوں سے نقل کرتے ہو۔ اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے ہو جس کی تم کو تحقیق نہیں۔ اور تم اسے آسان سمجھتے ہو۔ اور اللہ کے نزدیک بہت بڑی ہے۔ اور تم نے اس خبر کو سنتے ہی کیوں نہ کہا کہ ہمارے لیے ایسی بات کا زبان پر لانا ہی زیبا نہیں۔ تمہیں یہ کہہ دینا چاہئے تھا کہ سبحان اللہ یہ تو بہتان عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔ اگر تم ایمان والے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے لئے احکام کو واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔ تحقیق جو لوگ اس

---

[1] سورۂ نور آیت نمبر ۱۱ تا ۲۰

بات کو پسند کرتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو۔
ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ
خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت نہ
ہوتی۔ تو نہ معلوم کیا مصیبت آتی۔

صدیقؓ کی لخت جگر کو بشارت دینا:

رسول اللہ ﷺ جب ان آیات برأت کی تلاوت سے فارغ ہوئے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی لخت جگر کے عصمت و عفت اور طہارت و نزاہت پر اللہ جل شانہ کی شہادت سن کر اٹھے اور عفت مآب اور عصمت جناب بیٹی کی مبارک پیشانی کو بوسہ دیا۔ نور نظر لخت جگر نے عرض کیا الا عذر تنی۔ اے والد گرامی قدر۔ آپ نے پہلے کیوں نہ مجھے معذور اور بے قصور سمجھا۔

صدیق اکبرؓ جن کے رگ و ریشہ میں صدق اور راستی سرایت کر چکی تھی۔ صدق اور سچائی کے جبل عظیم اور کوہ گراں تھے۔ بڑے سے بڑا حادثہ اور سخت سے سخت صدمہ بھی بال برابر انہیں جادۂ صدق سے ہٹا نہیں سکتا تھا۔ اس وقت بیٹی کے جواب میں کہتے ہیں۔ جو دلوں کی الواح (تختیوں) پر نقش کر لینے کے قابل ہے۔

ای سماء تظلنی وای ارض تقلنی اذا قلت مالم اعلم۔[1]

ترجمہ: کون سا آسمان مجھ پر سایہ ڈالے اور کون سی زمین مجھے اٹھائے اور تھامے۔ جبکہ میں اپنی زبان سے وہ بات کہوں۔ جس کا مجھے علم نہ ہو۔

خلاصہ کلام:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی برأت کے سلسلہ میں نازل ہونے والی آیات سے ان کی فضیلت و منقبت ظاہر و باہر ہے۔ اللہ جل مجدہ نے انہیں بری کیا اور "طیبہ" جیسے مقدس لقب سے نوازا۔ مغفرۃ اور رزق کریم کا وعدہ

---

[1] فتح الباری ج ۸ ص ۳۶۰۔ روح المعانی پ ۱۸ ص ۱۲۱ آیت نمبر ۱۹۔

فرمایا۔ جو سیدہ عائشہؓ کی مغفرت کی قطعی اور یقینی دلیل ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میرا خیال تھا کہ میری برأت کے متعلق حضور انور ﷺ کو کوئی خواب دکھا دیا جائے گا مگر یہ وہم وگمان بھی نہ تھا۔ کہ میری برأت کے سلسلہ میں قرآن مجید کی آیتیں نازل ہوں گی۔ جن کی ہمیشہ تلاوت ہوتی رہے گی۔ قیامت تک میری برأت اور نزاہت کا مساجد اور محرابوں' منبروں اور خلوت خانوں میں اعلان ہوتا رہے گا۔

علامہ احمد خلیل جمعہ اس موقعہ پر چند اشعار نقل کرتے ہیں۔ جو شیخ عبدالقادر جیلانی یا بقول بعض ابو عمرو بن موسیٰ بن محمد بن عبداللہ الاندلسی کے ہیں۔

۱- وتكلم الله العظيم بحجتی وبراتی فی محكم القرآن

ترجمہ: اللہ نے میری پاکی کی دلیل بیان فرمائی اور میری برأت محکم قرآن کریم میں نازل کی۔

۲- والله فی القرآن قد لعن الذی بعد البراة بالقبيح رمانی

ترجمہ: اور اللہ نے قرآن میں اس شخص پر لعنت کی ہے۔ جو برأت کے بعد بھی مجھے گندا الزام لگائے۔

۳- والله فضلنی وعظم حرمتی وعلی لسان نبيه براني

ترجمہ: اور اللہ نے مجھے فضیلت دی اور میری عزت کو عظمت عطا فرمائی اور اپنے نبی کی زبانی مجھے بری قرار دیا۔

۴- والله وبخ من اراد تنقصی افكاً وسبح نفسه فی شانی

ترجمہ: اور اللہ نے اسے ملامت کی ہے۔ جو میری تنقیص کرنا چاہے الزام لگا کر۔ اور اللہ نے میری شان میں اپنی تسبیح بیان کی ہے۔[1]

---

[1] کتاب الماس المجمد ص ۹۳ بحوالہ جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین۔ ص ۲۰۸۔

حضرت حسانؓ کی مدح سرائی:

اس واقعہ میں ملوث حمنہ بنت جحشؓ مسطح بن اثاثہ اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم نے صدق دل سے توبہ کر لی تھی۔ حضرت حسانؓ نے اپنی غلطی کا مداوا کرنے کے لئے اعتذاراً سیدہ عائشہؓ کی خدمت میں ایک قصیدہ پیش کیا اور سیدہ واقعی اس مدح سرائی کی اہل تھیں۔

۱- حصانٌ رزانٌ ماتزن بریبة وتصبح غرثی من لحوم الغوافل

۲- عقلیة حی من لوی من غالب کرام المساعی مجدھم غیر زائل

۳- مھذبة قد طیب اللہ خیمھا وطھرھا من کل سوء وباطل

ترجمہ ۱- پاک دامن اور باوقار سنجیدہ عورت جو کسی شک سے ملوث نہیں کی جا سکتی۔ اور وہ بے خبر عورتوں کے گوشت سے بھوکی صبح کرتی ہے۔

۲- لوی بن غالب کے قبیلے کی باشعور خاتون ہے۔ جن کی کوششیں کریم اور ان کی بزرگی بڑھنے والی ہے۔

۳- تہذیب پرور وہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے خیمے کو صاف رکھا اور ہر برائی اور باطل سے اسے پاک رکھا ہے۔

شہد نوشی کا واقعہ:

سرور دو عالم ﷺ کا معمول شریف تھا کہ نماز عصر کے بعد تھوڑی تھوڑی دیر تمام ازواج کے پاس تشریف لے جا کر بیٹھتے۔ اگرچہ آپ کے عدل کا یہ حال تھا کہ ذرا بھی کسی طرف پلہ جھک نہیں سکتا تھا۔ فھذا واقعہ یہ اتفاق سے سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں ان کے کسی عزیز نے شہد تحفۃً بھیجا۔ چونکہ آپ کو شہد بے انتہا مرغوب تھا۔ اس لئے سیدہ زینبؓ آپ کی خدمت میں شہد پیش فرماتیں۔ آپ اسے نوش فرماتے۔ اس سے روزانہ کے معمول میں ذرا فرق آ گیا اور آپ چند روز تک معمول سے زیادہ دیر تک تشریف فرما رہے۔ ادھر اوقات مقررہ پر تمام ازواج کو آپ

کی آمد کا انتظار رہتا تھا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رشک ہوا' انہوں نے سیدہ حفصہ اور سیدہ سودہؓ سے اس کا ذکر کیا اور مشورہ کیا کہ اس کی کوئی تدبیر کرنی چاہئے۔ چونکہ آپ نظافت پسند تھے۔ ذرا سی بو بھی نہایت ناگوار خاطر ہوتی تھی۔ اس لئے انہوں باہم طے کیا کہ جب حضور انور ﷺ ہمارے پاس تشریف لائیں۔ تو کہنا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے منہ مبارک سے مغافیر کی بو آ رہی ہے۔

عرب میں مغافیر ایک پودہ تھا جس کے پھول سے شہد کی مکھی رس چوستی تھی۔ جس کی بو میں ذرا تیندی سی کرختگی ہوتی تھی۔

جب حضور انور ﷺ سیدہ حفصہ اور سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاں تشریف لائے تو یکے بعد دیگرے دونوں نے یہ بات کہی۔ آپ نے فرمایا میں نے تو شہد نوش کیا ہے۔ انہوں نے کہا شاید یہ شہد مغافیر کا ہو۔ اس پر آپ نے شہد نہ کھانے کی قسم کھالی۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے ''کتاب الطلاق'' میں اس سلسلہ کی جو روایات بیان فرمائی ہیں ان میں شہد پلانے والی زوجہ مکرمہ حفصہؓ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کی ہیں۔ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں نے باہم مغافیر کی بات طے کی تھی۔[2]

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

ازواج مطہرات کی دو جماعتیں تھیں ایک میں سیدہ عائشہ، سیدہ سودہ' سیدہ حفصہ اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہن اور دوسری جماعت میں سیدہ زینب بنت جحش' سیدہ ام سلمہ

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۲۹۔

[2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹۲ تا ۷۹۳۔

اور دوسری بیویاں تھیں۔ اور شہد پینے کا واقعہ غالباً دو دفعہ پیش آیا ہے۔ اسی وجہ سے ایک روایت میں حضرت زینبؓ کی طرف منسوب ہے۔ جبکہ دوسری روایت میں حضرت حفصہؓ کا ذکر ہے دونوں صحیح ہیں۔[1]

نفاست طبع:

حضور انور ﷺ بے حد نفیس طبیعت کے مالک انتہائی صفائی پسند اور غیر معمولی طور پر پاکیزہ تھے۔ جس طرح آپ کی روح پاکیزہ تھی اسی طرح آپ کا جسم اطہر بھی ہمیشہ پاک اور بے حد صاف ستھرا رہتا تھا۔ آپ ہمیشہ منہ مبارک کی صفائی کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔ جسم مبارک اور لباس مبارک پر ہمیشہ خوشبو لگاتے تھے۔

یوں تو آپ کے تمام جسم مبارک سے قدرتی اور طبعی طور پر بھی خوشبو پھوٹتی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی چونکہ آپؐ مزاجی لحاظ سے بھی صفائی اور خوشبو پسند تھے۔ اس لئے آپؐ کی مجلسیں ہمیشہ معطر رہتی تھیں۔ آپؐ دوسروں کو بھی صفائی، ستھرائی اور خوشبو کے استعمال کی ہدایت فرماتے تھے۔ ذرا سی بھی بدبو سے آپؐ کو طبعاً نفرت تھی۔

یہی وجہ ہے کہ اس وقت جب آپؐ کی ان دو بیویوں نے یہ کہا کہ آپؐ کے منہ سے مغافیر کی بو آرہی ہے جب کہ آپ کا منہ مبارک ہمیشہ صاف رہتا تھا۔ اور اس میں سے بھینی بھینی خوشبو پھوٹتی تھی۔ تو آپ ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا کہ یہ غلط بات بھی آپؐ کے متعلق کسی اور کو معلوم ہو۔[2]

حکم تیمم:

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا ایک سفر میں سرور دو عالم ﷺ کے ساتھ تھیں۔ اسلامی لشکر واپسی پر جب مقام "ذات الجیش" پر پہنچا اور ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ چونکہ گذشتہ واقعے سے سیدہؓ کو تنبیہ ہو گئی تھی۔ اس لئے فوراً حضور انور ﷺ کو مطلع کیا۔ صبح کا وقت قریب تھا۔ آپ نے ٹھہرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اور

---

۱ فتح الباری ج ۹ ص ۲۷۶ کتاب الطلاق۔

۲ سیرت حلبیہ اردو ج ۲ ص ۹۰۔

ایک آدمی کو ہار کی تلاش کے لئے بھیجا۔

جہاں اسلامی فوج ٹھہری تھی وہاں پانی کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ نماز کا وقت آ گیا اور لوگ گھبرائے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ عائشہؓ نے فوج کو کس مصیبت میں ڈال رکھا ہے۔ نہ یہاں پانی ہے کہ نماز پڑھی جائے اور نہ اس حال میں روانگی ممکن ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بات ناگوار گزری وہ سیدھے حضرت عائشہؓ کے پاس پہنچے دیکھا تو سرور دو عالم ﷺ ان کے زانو پر سر مبارک رکھے آرام فرما تھے بیٹی سے کہا ہر روز تم نئی مصیبت کھڑی کر دیتی ہو۔ اور ان کے پہلو میں کئی کونچے دیئے۔ لیکن وہ آپ کی تکلیف کے خیال سے ہل بھی نہ سکیں۔

جب آپؐ بیدار ہوئے تو تیمم کا حکم نازل ہوا۔

کچھ دیر پہلے مجاہدین کی جو جماعت اس مصیبت میں تلملا رہی تھی۔ اس ابر رحمت کو دیکھ کر مسرت وشادمانی سے ان کے چہرے کھل گئے اور اسلام کے فرزند اپنی ماں کو دعائیں دینے لگے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بلند مرتبہ صحابیؓ جوش مسرت میں بول اٹھے۔" اے صدیق! کے گھر والو! اسلام میں یہ تمہاری پہلی برکت نہیں۔

اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ابھی لخت جگر کی تادیب کے لئے بے قرار تھے۔ بڑے فخر کے ساتھ صاحب زادی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ جان پدر! مجھے معلوم نہ تھا کہ تو اس قدر مبارک ہے۔ تیرے ذریعہ اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کو کتنی آسانی بخشی ہے[1] اس کے بعد جب قافلہ کی روانگی کے لئے اونٹ اٹھایا گیا تو وہیں اسی کے نیچے ہار پڑا مل گیا۔[2]

بعض روایت کے مطابق غزوہ بنی مصطلق کے سفر ہی میں دونوں مرتبہ ہار م

---

[1] مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۷۳۔
[2] صحیح بخاری ج ۱ باب تیمم۔

ہونے کا واقعہ پیش آیا ہے۔ جبکہ محقق علماء کا قول ہے۔ آیت تیمم کا نزول غزوۂ بنی مصطلق میں نہیں بلکہ اس کے بعد کسی دوسرے سفر میں پیش آیا ہے۔ جیسا کہ طبرانی کی روایت میں ہے۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ صلوٰۃ اللہ علیہا بیان کرتی ہیں ایک دفعہ میرا ہار گم ہو گیا جس پر اہل افک نے کہا جو کچھ کہا۔ اس کے بعد پھر دوسرے سفر میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھی اور میرا ہار گم ہوا۔ اور اس کی تلاش میں رکنا پڑا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے کہا تو ہر سفر میں لوگوں کے لئے مشقت اور مصیبت بن جاتی ہے۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے تیمم کا حکم نازل فرمایا۔ کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کر کے نماز ادا کرو۔ تیمم کی رخصت اور سہولت نازل ہونے پر حضرت صدیقؓ کو بہت زیادہ مسرت ہوئی اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

انک لمبارکۃ۔

”تحقیق تو بہت بڑی مبارک ہے۔“

واقعہ ایلاء:

شہنشاہ کون و مکاں، سلطان زمین و زماں ﷺ کی زندگی سراسر زاہدانہ تھی۔ دو دو مہینے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے۔ ازواج مطہرات کو شرف صحبت کی برکت سے تمام ابنائے جنس سے ممتاز ہو گئی تھیں۔ تاہم بشریت بالکل معدوم نہیں ہو سکتی تھی۔ خصوصاً وہ دیکھ رہی تھیں کہ فتوحات اسلام کا دائرہ بڑھتا جا رہا ہے۔ اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر جمع ہو گیا ہے کہ اس کا ادنیٰ حصہ بھی ان کی راحت و آرام کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ ان واقعات کا اقتضا تھا کہ ان کے صبر و قناعت کا جام لبریز ہو جاتا۔

ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما خدمت

۱۔ طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۲۱ حدیث ۱۸۵۔

نبوی میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ بیویوں کے بیچ میں آپ تشریف فرما ہیں۔ اور بیویاں کی جانب سے توسیع نفقہ کا تقاضا ہے ان دونوں حضرات نے اپنی صاحبزادیوں کو تنبیہ کی۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم آئندہ حضور ﷺ کو زائد مصارف کی تکلیف نہ دیں گی۔

دیگر ازواج مطہرات اپنے مطالبہ پر قائم رہیں۔ سید عالم ﷺ کے سکون خاطر میں یہ چیز اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپؐ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں آپ گھوڑے سے گر پڑے اور ساق مبارک پر زخم آیا۔ آپ نے بالا خانہ پر تنہا نشینی اختیار فرمائی۔

واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپؐ نے تمام ازواج مطہرات کو طلاق دے دی؟ لیکن جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضر خدمت اقدس ہو کر دریافت کیا کہ کیا آپؐ نے ازواج کو طلاق دے دی۔ تو آپ نے فرمایا "نہیں" یہ سن کر حضرت عمرؓ اللہ اکبر پکار اٹھے۔

جب ایلا کی مدت یعنی ایک مہینہ گذر چکا' تو آپ بالا خانہ سے اتر آئے۔ سب سے پہلے حضرت صدیقہؓ کے پاس تشریف لائے۔ وہ ایک ایک دن گنتی تھیں۔ عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ نے ایک مہینہ کے لئے عہد فرمایا تھا۔ ابھی تو انتیس دن ہوئے ہیں۔ ارشاد ہوا مہینہ کبھی انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔[1]

ازواج کو طلاق کی افواہ:

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں۔ میرا ایک انصاری دوست ایک رات میرے پاس آیا۔ اس نے دروازے پر دستک دی اور فاروق اعظمؓ کو آواز دی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں باہر آیا تو اس نے کہا ایک بہت بڑا واقعہ پیش آ گیا ہے۔ میں نے کہا کیا غسان کے لوگوں نے حملہ کر دیا ہے؟ میرے دوست نے کہا نہیں اس سے بھی بڑا واقعہ پیش آیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔

---

1. صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳۲، ص ۳۳۵ ج ۲ ص ۷۸۲ و صحیح مسلم باب الایلاء۔

حضرت عمرؓ کا اضطراب:

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے صبح کی نماز پڑھ کر جلدی جلدی لباس تبدیل کیا اور حفصہؓ کے پاس پہنچا۔ دیکھا کہ وہ رو رہی تھی۔ میں نے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ نے تم ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ اس نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ حضور انور ﷺ اس حجرہ میں گوشہ نشین ہیں۔ کیونکہ جب آپ کی ازواج نے جمع ہو کر آپؐ سے نفقہ کا مطالبہ کیا۔ تو آپؐ کو اس سے اتنی تکلیف ہوئی کہ آپ نے ایک مہینے تک ان سے نہ ملنے کی قسم کھائی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے کہ میں کچھ ایسی (خوش طبعی کی) باتیں کروں گا کہ آپ کو ہنسی آئے اور مزاج میں شگفتگی اور انشراح پیدا ہو۔ چنانچہ حضرت عمر حبشی غلام کے پاس آئے (جو حضور کی دربانی کر رہا تھا) اور اس سے کہا میرے لئے نبی کریم ﷺ سے باریابی کی اجازت حاصل کرو۔ غلام اندر گیا اور واپس آ کر کہا میں نے آپ کی اطلاع کر دی ہے۔ مگر حضور ﷺ خاموش رہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ جواب سن کر میں مسجد نبوی شریف میں آ گیا۔ وہاں تھوڑی دیر بیٹھا مگر پھر میرے دل میں خلش بڑھی اور میں نے پھر غلام سے آ کر کہا کہ عمرؓ کے لئے اجازت طلب کرو۔ وہ پھر اندر گیا اور واپس آ کر بتایا کہ میں نے آپ کی اطلاع کر دی۔ مگر جواب میں آپ نے سکوت فرمایا۔ اسی طرح جب چوتھی مرتبہ بھی غلام نے یہی جواب دیا اور میں واپس ہونے لگا۔ تو اچانک غلام نے مجھے آواز دی کہ باریابی کی اجازت مل گئی ہے اندر چلے جائیے۔

میں نے حاضر خدمت ہو کر آپؐ کو سلام عرض کیا۔ آپؐ اس وقت ایک ننگی چٹائی پر نیم دراز تھے۔ اور چٹائی کی بناوٹ کے نشان آپؐ کے پہلو پر ابھر آئے تھے۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپؐ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ آپؐ نے میری جانب سر مبارک اٹھایا اور فرمایا نہیں۔ میں نے اللہ اکبر کی صدا بلند کی۔

پھر میں نے عرض کیا کہ ہم قریش لوگ اپنی بیویوں پر غالب تھے۔ مگر مدینہ

آئے تو دیکھا کہ یہاں کے لوگوں پر ان کی بیویاں حاوی ہیں۔ اب ہماری عورتیں بھی ان سے یہی باتیں سیکھ رہی ہیں۔ مجھ سے فلاں عورت (مراد خود ان کی بیوی ہیں) نے بات کی اور الجھنے لگی۔ میں نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا تو اس نے کہا۔ میرا بحث کرنا آپ کو ناگوار ہوتا ہے۔ جبکہ خدا کی قسم میں نے دیکھا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج آپؐ سے الجھتی ہیں۔ یہاں تک کہ پورا پورا دن آپؐ سے یکسو ہو کر گزار دیتی ہیں۔

میں نے یہ سن کر کہا جس نے ایسا کیا وہ تباہ و برباد ہوگی کیا اپنے شوہر یعنی رسول اللہ ﷺ کو ناراض کر کے وہ اللہ کے غضب سے محفوظ رہ سکتی ہے۔

اس کے بعد میں (اپنی بیٹی) حفصہؓ کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کیا تم لوگ سید عالم ﷺ سے بحث و تکرار کرتی ہو۔ اس نے کہا جی ہاں۔ اور ہم میں سے ایک تو صبح سے شام تک آپؐ سے یکسو بھی رہتی ہے میں نے کہا تم میں سے جو ایسا کرے گی وہ تباہ و برباد ہوگی کیا تم سے کوئی بھی حضور انور ﷺ کو ناراض کر کے خدا کے غضب سے محفوظ رہ سکتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ سے کبھی بحث و تکرار نہ کرنا' نہ ہی آپ سے کچھ سوال و جواب کرنا۔ تمہیں جو کچھ پوچھنا ہے مجھ سے پوچھو۔ تم اپنی ساتھی یعنی عائشہ صدیقہؓ کو دیکھ کر دھوکہ میں نہ پڑ جانا۔ کیونکہ وہ تو رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب اور عزیز ہے یہ سن کر حضور انور ﷺ مسکرائے۔

آپ کی نشاط خاطر کے لیے عمرؓ کی کوشش:

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا میری باتوں سے کچھ دل لگ رہا ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں یہ سن کر میں بیٹھ گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے پہلو مبارک میں اس چٹائی کے نشان ابھر آئے ہیں۔ روم اور فارس (قیصر و کسریٰ) کے لوگ حالانکہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے' مگر ان کو کتنا آرام اور کتنی فراغت حاصل ہے۔ یہ سنتے ہی رسول اللہ ﷺ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا اے ابن خطاب! کیا تمہیں کچھ شک ہے۔ ان لوگوں کو تمام نعمتیں اسی

دنیا میں اور پہلے مل گئی ہیں۔ میں نے اپنی بات پر استغفار کی۔[1] (ترجمہ ماخوذ سیرت حلبیہ اردو ج ۲ ص ۳۲۵)

واقعہ تخییر:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا. وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا﴾[2]

اے نبی! کہہ دو اپنی عورتوں کو اگر تم چاہتی ہو دنیا کی زندگانی اور یہاں کی رونق تو آؤ کچھ فائدہ پہنچا دوں تم کو اور رخصت کر دوں تم کو بھلی طرح رخصت کرنا اور اگر تم چاہتی ہو اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول کو اور دار آخرت (کے درجات عالیہ) کو تو اللہ تعالیٰ نے رکھ چھوڑا ہے ان کے لیے جو تم میں نیکی پر ہیں بڑا ثواب۔

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۱۹۵۳ء رقمطراز ہیں۔

تحریم ہی کے سلسلہ میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا۔ یہ تحریم وایلاء ۹ھ کا واقعہ ہے اس وقت عرب کے دور دراز صوبے زیر نگیں ہو چکے تھے۔ مال غنیمت فتوحات اور سالانہ محصل کا بے شمار ذخیرہ رفتہ رفتہ مدینہ آتا رہتا تھا۔ بایں ہمہ آنحضرت ﷺ کی خانگی زندگی جس زہد وقناعت کے ساتھ بسر ہوتی تھی۔ اس کا ایک حصہ اس خانہ داری کے عنوان میں گزر چکا ہے۔

فتح خیبر کے بعد غلہ اور کھجوروں کی جو مقدار ازواج مطہرات کے لئے مقرر تھی۔ ایک تو وہ خود کم تھی۔ پھر فیاضی اور کشادہ دستی کے سبب سال بھر تک بمشکل کفایت کر سکتی تھی۔ آئے دن گھر میں فاقہ ہوتا تھا۔ ازواج مطہرات میں بڑے بڑے روسائے

---

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۸۱ کتاب الطلاق بخاری ج ۲ ص ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲۔

[2] سورۃ الاحزاب پ ۲۸۔

بابل کی بیٹیاں بلکہ شہزادیاں داخل تھیں۔ جنہوں نے اس سے پہلے خود اپنے یا اپنے پہلے شوہروں کے گھروں میں ناز ونعم کی زندگیاں بسر کی تھیں۔ اس لئے انہوں نے مال دولت کی یہ بہتات دیکھ کر آپؐ سے مصارف میں اضافہ کی خواہش کی۔[1]

مفتی اعظم مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۱۳۹۶ھ تحریر فرماتے ہیں۔

شروع آیات میں جو ازواج مطہرات کو طلاق لینے کا اختیار دینا مذکور ہے۔ اس کا ایک یا چند واقعات ہیں جو ازواج مطہرات کی طرف سے پیش آئے۔ جو رسول اللہ ﷺ کی منشاء کے خلاف تھے۔ جن سے بلا قصد و اختیار سرکار دو عالم ﷺ کو تکلیف پہنچی۔

ان واقعات میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت جابرؓ کی روایت سے متصل آیا ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ ازواج مطہراتؓ نے جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ سے اس کا مطالبہ کیا کہ ان کا نان نفقہ بڑھایا جائے۔ تفسیر بحر محیط میں ابوحیان نے اس کی تشریح یہ بیان کی ہے کہ غزوۂ احزاب کے بعد بنو نضیر پھر بنو قریظہ کی فتوحات اور اموال غنیمت کی تقسیم نے عام مسلمانوں میں ایک گونہ خوشحالی پیدا کر دی تھی۔ ازواج مطہرات کو اس وقت یہ خیال ہوا کہ ان اموال غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ نے بھی اپنا حصہ رکھا ہو گا۔ اس لیے انہوں نے جمع ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ کسریٰ و قیصر کی بیبیاں طرح طرح کے زیورات اور قیمتی لباسوں میں ملبوس ہیں اور ان کی خدمت کے لیے کنیزیں ہیں اور ہمارا حال فقر و فاقہ کا آپ دیکھتے ہیں' اس لیے اب کچھ توسع سے کام لیا جائے۔''

''رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے یہ مطالبہ سنا کہ ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو بادشاہوں اور دنیا داروں میں ہوتا ہے تو آپؐ کو اس سے بہت رنج ہوا کہ انہوں نے بیت نبوت کی قدر نہ پہچانی۔ ازواج مطہراتؓ کو خیال نہ تھا کہ اس سے آپ کو ایذاء پہنچے گی۔ عام مسلمانوں میں مالی وسعت دیکھ کر اپنے لیے بھی وسعت کا

[1] سیرت عائشہ صدیقہؓ ص ۱۱۵۔

خیال دل میں آ گیا تھا....''

''اس آیت نے سب ازواج مطہرات کو اختیار دے دیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی موجودہ حالت یعنی معاشی عسرت و تنگی کے ساتھ آپ کی زوجیت میں رہنا قبول کریں یا پھر آپ سے طلاق کے ساتھ آزاد ہو جائیں۔ پہلی صورت میں ان کو عام عورتوں کی نسبت سے بہت زیادہ اجر عظیم اور آخرت کے خاص درجات عالیہ عطاء ہوں گے اور دوسری صورت یعنی طلاق لینے میں بھی ان کو دنیا کے لوگوں کی طرح کسی تنگی و تکلیف کی نوبت نہیں آئے گی بلکہ سنت کے مطابق کپڑوں کا جوڑا وغیرہ دے کر عزت کے ساتھ رخصت کیا جائے گا۔''[1]

ترمذی نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے اظہار و اعلان کی ابتداء مجھ سے فرمائی اور آیت سنانے سے پہلے فرمایا کہ میں تم سے ایک بات کہنے والا ہوں مگر تم اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کر کے جواب دینا۔ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ یہ مجھ پر خاص عنایت تھی کہ مجھے والدین سے مشورہ کے بغیر اظہار رائے سے آپ نے منع فرمایا کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ میرے والدین مجھے کبھی یہ رائے نہ دیں گے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے مفارقت اختیار کر لوں۔ میں نے جب یہ آیت سنی تو فوراً عرض کیا کہ کیا میں اس معاملہ میں والدین سے مشورہ لینے جاؤں؟ میں تو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔ پھر میرے بعد سب ازواج مطہراتؓ کو قرآن کا یہ حکم سنایا گیا۔ سب نے وہی کہا جو میں نے اول کہا تھا۔ کسی نے بھی دنیا کی فراخی کو رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کے مقابلے میں قبول نہ کیا۔'' (قال الترمذی ہذا حدیث حسن صحیح)۔[2]

یہ روایت بخاری اور مسلم نے بھی نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری حدیث نمبر ۴۷۸۵۔

---

1. معارف القرآن ج ۷ ص ۱۲۹ تا ۱۳۰۔

۴۸۶ ؎۲۷ مسلم باب: بیان ان تخییر امراته لا یکون طلاقا، حدیث نمبر ۱۴۷۵

صحیح بخاری وغیرہ میں اس سلسلہ میں جو احادیث میں آیا ہے اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ حسب معمول ایک روز میرا پڑوسی انصاری گھبرایا ہوا آیا اور اس نے زور سے دروازہ کھٹکھٹا کر پوچھا کہ عمر بن الخطابؓ ہیں؟ چنانچہ میں بھی گھبرا کر باہر نکل آیا اور میں نے پوچھا۔ کیا غسانی آ گئے ہیں؟ اس نے کہا نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑا واقعہ پیش آیا ہے۔ وہ یہ کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی ازواج مطہراتؓ کو طلاق دے دی ہے۔ مجھے سخت رنج ہوا اور میں نے کہا کہ اگر ایسا ہوا تو حفصہؓ بڑی کم نصیب ہے۔ پھر میں صبح کو عوالی سے روانہ ہوا۔ کاشانہ نبوت پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہ بیٹھی رو رہی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تجھے رسول اللہ ﷺ نے طلاق دے دی۔ اس نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتی۔ میں نے پوچھا کہ سرکار دو عالم کہاں ہیں؟ حفصہؓ نے جواب دیا کہ وہ اس بالا خانے میں تشریف فرما ہیں۔ پھر میں نے کہا کہ تجھے یہ غرور نہ ہو کہ تیری سہیلی خوبصورت اور رسول اللہ ﷺ کی منظور نظر ہے یعنی سیدہ عائشہؓ کی جانب اشارہ کیا۔ پھر میں نکل کر ام سلمہؓ کے پاس گیا اور کہا کہ تم لوگ اس نعمت کی قدر نہیں کرتی ہو کہ تم اللہ کے رسول کی بیبیاں ہو اور بخدا! اگر وہ تم کو طلاق دے دیں تو بے شک اللہ تعالیٰ ان کے واسطے تم سے بہتر ازواج ان کے حبالہ عقد میں دے دے گا۔ سیدہ ام سلمہؓ اس بات سے تھوڑی سی برافروختہ ہو گئیں اور فرمانے لگیں! اے عمرؓ! تم ہر بات میں مداخلت کرتے ہو اور اب رسول خدا ﷺ کی ازواج کے درمیان بھی دخل دیتے ہو۔ میں یہ سن کر خاموش ہو گیا اور وہاں سے نکل کر مسجد میں آ گیا اور وہاں منبر کے پاس میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اسی بات کا تذکرہ کر رہے ہیں اور بہت سے رو بھی رہے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ میں یہ معاملہ تمہارے لیے حل کئے دیتا ہوں۔ چنانچہ میں سرکار دو عالم ﷺ کے در دولت پر حاضر ہوا۔ بالا خانے کے نیچے میں نے ایک دربان کو دیکھا۔ میں نے اس سے کہا کہ میرے لیے بارگاہ رسالت میں جانے کی اجازت طلب کرو۔ وہ آپ کی خدمت میں گیا اور

واپس آکر کہا کہ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر اتنے میں سیدنا ابو بکرؓ تشریف لے آئے۔ ان کے لیے بھی بارگاہ رسالت سے اجازت نہیں ملی۔

سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں پھر مسجد میں جا بیٹھا لیکن رنج و غم کی وجہ سے میری حالت غیر تھی تھوڑی دیر کے بعد میں نے پھر جا کر بارگاہ رسالت میں جانے کی اجازت طلب کی۔ اس بار آپؐ نے اجازت مرحمت فرما دی اور سیدنا ابو بکرؓ کو بھی اجازت مل گئی۔ سیدنا عمرؓ اوپر جب بارگاہ رسالت میں پہنچے تو دیکھا کہ ازواج مطہراتؓ آپ کے گرد بیٹھی ہیں مگر سر جھکائے خاموش ہیں۔ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ سے کوئی ایسی بات کہوں جس سے آپ خوش ہو کر ہنس دیں۔ پس میں نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ! آپ نے اس واقعہ کو ملاحظہ نہیں فرمایا کہ دختر فلاں نے یعنی اپنی بیوی کو کہا۔ (حدیث میں بنت خارجہ کا نام ہے) بھی مجھ سے نفقہ مانگا تھا تو میں نے اس کی گردن مروڑ دی۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے اگلے دندان مبارک ظاہر ہو گئے اور فرمایا کہ یہ عورتیں بھی میرے پاس بیٹھی نفقہ مانگ رہی ہیں۔ یہ سننا تھا کہ سیدنا ابو بکرؓ عائشہؓ کی طرف اور سیدنا عمرؓ حفصہؓ کی جانب مارنے کو اٹھے کہ تم دونوں سرکار دو عالم ﷺ کو ایسی چیز کی تکلیف دیتی ہو جو موجود نہیں ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو منع فرما دیا۔ پھر آپ کی ازواج نے یہ کہنا شروع کیا کہ بخدا! ہم عورتیں ہیں ہم کو یہ بات معلوم نہ تھی اور واللہ ہم آئندہ آپ سے کبھی ایسی چیز کی درخواست نہیں کریں گی۔

سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کو خوش کرنے کے بعد موقع پا کر آپ سے یہ پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ پس میں نے خوشی و مسرت سے اللہ تعالیٰ کی تکبیر کہی اور بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں جب مسجد میں آیا تو مسلمان یہ باتیں کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔ پس کیا میں بالا خانے سے اتر کر ان لوگوں کو آگاہ کر دوں کہ ایسا نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا اگر تمہارا جی چاہتا ہے

تو جاؤ۔ پس میں نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج کو طلاق نہیں دی۔

پھر سرکار دو عالم ﷺ ۲۹ روز تک اس بالاخانے میں علیحدہ رہے اور تیس کی صبح کو اتر کر سب سے پہلے سیدہ عائشہؓ کے پاس تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے جو آیت تخییر نازل فرمائی تھی اس کو پہنچانا چاہا۔ چنانچہ آپؐ نے پہلے سیدہ عائشہؓ سے فرمایا کہ میں تم پر ایک امر پیش کرتا ہوں لیکن اس کے جواب میں تمہیں جلدی نہ کرنا چاہئے یہاں تک کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کر لے۔ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ وہ کیا بات ہے؟ پس آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں آپ کے بارے میں اپنے والدین سے کوئی مشورہ لوں گی؟ مجھے ان سے مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔ پھر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اپنی ازواج میں سے کسی کو وہ جواب نہ بتلائیں جو میں نے دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سخت گیر بنا کر نہیں بھیجا بلکہ تعلیم اور آسانی دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ لہٰذا جو کوئی مجھ سے پوچھے گی میں اسے بتا دوں گا۔ پھر آپ کی کل ازواج نے وہی کچھ اختیار کیا جو سیدہ عائشہؓ نے اختیار کیا تھا۔[1]

اکثر علماء متقدمین اور متاخرین کا یہ قول ہے کہ یہ تفویض طلاق نہیں تھی بلکہ ان سے دنیا و آخرت میں سے کسی کو پسند کرنا دریافت کیا گیا تھا۔ چنانچہ آیت میں صریحاً یہ مضمون موجود ہے کہ اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہو تو آؤ میں تم کو طلاق دے کر متاع دے دوں اور دوسری دلیل یہ ہے کہ سیدہ عائشہؓ سے آپؐ نے فرمایا کہ جلدی مت کیجئے یہاں تک کہ اپنے والدین سے مشورہ کر لو۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ تفویض طلاق نہیں تھی کیونکہ تفویض طلاق میں تو یہ شرط ہے کہ فی الفور جواب ہو ورنہ مجلس بدلنے میں تفویض باطل ہو جاتی ہے۔

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۷۳۰ و ص ۷۹۲ مختصراً۔ ج ۲ ص ۷۹۲ مسلم ج ۱ ص ۴۸۰، ۴۸۳۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ اس آیت میں چند مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

اول:

یہ کہ ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہراتؓ کو دنیا یا آخرت اختیار کرنے میں تخییر دینا رسول اللہ ﷺ پر واجب تھا۔ یہ ذہن میں رہے کہ دنیا اختیار کرنے سے یہ مطلب نہیں ہے کہ آخرت سے منہ موڑ کر فقط دنیا اختیار کرو کیونکہ یہ تو کفر ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جو درجات آخرت تمہارے واسطے رسول اللہ ﷺ کی ازواج ہونے کے باعث ملتے ہیں ان کو چھوڑ کر تم تزویج اختیار کرو اور اس ہی کے عوض دنیا میں یہ دنیوی مال و متاع لے لو۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ سوائے سیدہ عائشہؓ کے جو بہ نص صریح آخرت میں سرکار دو عالم ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں دیگر زوجات بھی آخرت میں آپ کی ازواج ہوں گی کیونکہ سبھی نے آپ ہی کو اختیار کیا۔

دوم:

اگر فرض کرو کہ ان میں سے کوئی زوجہ دنیا کو اختیار کرتی تو کیا رسول اللہ ﷺ پر واجب ہوتا کہ آپ اس کو طلاق دے دیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ شان نبوت کے لائق یہی تھا کیونکہ آپ کی طرف سے خلاف وعدہ جائز نہیں ہے بخلاف عام لوگوں کے کہ اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی عورت کو یہ تہدید کرے تو شرعاً اس پر یہ وعدہ پورا کرنا ضروری نہ ہوگا۔

سوم:

یہ کہ قتادہؓ سے روایت ہے کہ جب ازواج مطہرات نے رسول اللہ ﷺ اور دار آخرت کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مشکور فرمایا اور رسول اللہ ﷺ کے واسطے انہی ازواج پر اختصار کر دیا۔ چنانچہ فرمایا:

" لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

شَیْءٍ رَّقِیْبًا ﴿۱﴾ (الاحزاب:۵۲)

ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لیے حلال نہیں ہیں اور نہ یہ درست ہے کہ آپ ان (موجودہ) بیویوں کی جگہ دوسری بیبیاں کر لیں اگرچہ آپ کو ان (دوسریوں) کا حسن اچھا معلوم ہو مگر جو آپ کی مملوکہ ہو اور اللہ تعالیٰ ہر شے (کی حقیقت اور آثار و مصالح) کا پورا نگراں ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہ لکھتے ہیں۔

آیت تخییر کے نزول کے بعد جب ازواج مطہرات نے رسول اللہ ﷺ کو اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے صلہ میں یہ حکم نازل کیا کہ اے پیغمبر! اب اس کے بعد یعنی ان نو بیبیوں کے جو اس وقت آپ کے عقد نکاح میں ہیں جنہوں نے دنیا کے مقابلہ میں دار آخرت اور اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا تو اب اس کے بعد آپ کے لیے اور عورتیں حلال نہیں یعنی اب کسی حال میں آپ کے لیے مزید کسی عورت سے نکاح حلال نہیں بلکہ انہی ازواج کو باقی رکھو جو موجودہ بیبیاں دنیا اور آخرت دونوں میں آپ کی ازواج ہیں۔ یہ نو بیبیاں آپ کے حق میں ایسی ہیں جیسے امت کے حق میں چار بیبیاں اور آیت کی یہ تفسیر ابن عباس سے منقول ہے۔ دیکھو تفسیر ابن جریر جلد ۲۲ ص ۲۱ اور ابن عباس کے علاوہ مجاہد اور ضحاک اور قتادہ وغیرہم سے بھی منقول ہے دیکھو تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۵۰۱ اور اسی تفسیر کو اختیار کیا۔ جو ہم نے ذکر کی حضرات اہل علم تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۲ اور حاشیہ شیخ زادہ دیکھیں ج ۴ ص ۷۷ ؎

محبوب کا فراق:

سن گیارہ ہجری اور ماہ صفر کی آخری تاریخوں کا واقعہ ہے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لائے۔ دیکھا کہ سیدہ درد سر سے بے قرار ہیں۔ آپ نے فرمایا عائشہ! اگر تم میرے

---

۱ تفسیر کبیر سورۂ احزاب۔

۲ معارف القرآن ج ۶ ص ۲۱۸۔

سامنے مر جاتی تو میں اپنے ہاتھوں تمہاری تجہیز و تکفین کرتا' تیری نماز جنازہ پڑھتا اور تیرے لئے دعائے مغفرت کرتا۔

سیدہ نے بے تکلفی سے عرض کیا یا رسول اللہ! شاید آپ اس لئے فرما رہے ہیں تا کہ اس حجرہ میں آپ کوئی نئی دلہن لا سکیں (یہ میاں بیوی کے درمیان ناز و نیاز کی گفتگو تھی) اسی وقت آپ نے سر پہ ہاتھ رکھ لیا اور فرمایا "ہائے میرا سر" اور آپ سر درد میں مبتلا ہو گئے۔ جو آخر جان لیوا ثابت ہوا۔[1]

وہاں سے حضور انور ﷺ سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور صاحب فراش ہو گئے۔ بیماری کی حالت میں بھی بیویوں کی خاطر داری ملحوظ رہی حسب دستور ایک دن ہر ایک کے حجرے میں قیام فرماتے' لیکن ہر روز استفسار فرماتے کہ کل کس کے ہاں قیام ہوگا؟ آپ کے لب و لہجہ سے ازواج مطہرات سمجھ گئیں کہ آپ سیدہ عائشہؓ کے ہاں قیام فرمانا پسند فرماتے ہیں۔ بنا بریں تمام ازواج نے سیدہ کے ہاں قیام کی اجازت دے دی۔ چنانچہ آپ پھر اس دار فانی سے رخصت ہونے تک سیدہ عائشہ صدیقہ کے حجرہ ہی میں قیام پذیر رہے۔[2]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

فلما کان یومی سکن۔[3]

جب میرے یہاں قیام کا دن آیا تو آپ کو سکون ہوا۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ کے ساتھ ان کے فضل و کمال اور اوصاف حمیدہ کی وجہ سے سب سے زیادہ محبت تھی۔ اسی بنا پر اللہ جل مجدہ کی بارگاہ میں آپ عرض پرداز ہیں یا اللہ جو چیز میرے امکان میں ہے یعنی مساوات بیویوں میں اس میں عدل و انصاف سے باز نہیں آ سکتا۔ اور جو چیز میرے اختیار سے باہر ہے یعنی عائشہ کی

---

[1] مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۲۸۔

[2] بخاری ج ۱ ص ۴۳۲ باب فرض الخمس حدیث نمبر ۳۱۰۰۔

[3] بخاری ج ۱ ص ۵۳۲ کتاب مناقب باب فضل عائشہ

محبت اسے تو معاف فرما دینا۔[1]

صدیقہؓ کے ہاں قیام فرمانے سے شاید آپ کا یہ مقصود ہو۔ کہ چونکہ اللہ جل شانہ نے صدیقہؓ کو جو عدیم النظیر قوت حافظہ، کمال عقل۔ سرعت فہم اور اجتہاد وفکر کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ اس لئے صدیقہؓ کی وجہ سے آپ کے آخری اقوال وافعال کا ایک ایک حرف دنیا میں محفوظ رہے۔ چنانچہ آپ کے وصال کے متعلق اکثر صحیح حالات سیدہ عائشہؓ ہی کے ذریعہ امت تک پہنچے ہیں۔ روز بروز مرض کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا۔ نوبت باین جارسید کہ مسجد میں امامت کے لئے بھی تشریف نہ لے جاسکے۔ جاں نثار بیویاں تیمارداری میں شب و روز مصروف تھیں۔ حضور انور ﷺ بیمار لوگوں کو جو دعائیں پڑھ کر دم کیا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ اور دیگر ازواج پڑھ پڑھ کر آپؐ پر برابر دم کرتی رہیں۔

بیماری کے ایام سے پہلے کچھ اشرفیاں حضور ﷺ سیدہ عائشہؓ کے ہاں رکھوا کر تقسیم کرنا بھول گئے تھے۔ اس وقت یاد آگئیں۔ فرمایا۔ عائشہؓ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ انہیں راہ خدا میں خرچ کر دو۔ کیا محمدؐ خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ چنانچہ اسی وقت خیرات کر دی گئیں۔[2]

سیدہ عائشہؓ سرہانے بیٹھی تھیں اور سرور دو عالم ﷺ ان کے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ اسی اثنا میں سیدہ کے بھائی عبدالرحمنؓ مسواک لئے اندر آئے' آپؐ نے مسواک کی طرف دیکھا مزاج شناس نبوت سمجھ گئیں آپ مسواک کرنا چاہتے تھے۔ سیدہ نے پوچھا مسواک لوں۔ آپؐ نے اشارے سے ہاں کہی۔ سیدہ نے مسواک لے کر اپنے دانتوں سے نرم کیا اور آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے صحیح تندرست آدمی کی طرح مسواک کیا۔

سیدہ عائشہؓ فخریہ کہا کرتی تھیں کہ تمام بیویوں میں مجھ ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ آخر وقت میں میرا جھوٹا آپ کے منہ مبارک میں گیا۔[3]

---

[1] نسائی ج ۲ ص ۹۷ کتاب عشرۃ النساء۔ [2] مسند امام احمد ج ۶ ص ۴۹۔
[3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۲ کتاب الجمعہ۔

سیدہ عائشہؓ آپ کی صحت و تندرستی کے لیے دعا مانگ رہی تھیں۔ جبکہ آپ کا دست مطہران کے ہاتھ میں تھا۔ فوراً دست مبارک کھینچ لیا اور فرمایا۔

اللھم بالرفیق الاعلی۔

ام المومنینؓ فرماتی ہیں کہ سید عالم ﷺ تندرستی کی حالت میں فرمایا کرتے تھے کہ نبی کو مرتے وقت دنیاوی اور اخروی زندگی میں سے ایک کے قبول کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے۔ آپ کی زبان پاک سے اللھم الرفیق الاعلیٰ کے الفاظ سن کر میں چونک پڑی۔ کہ سرور عالم ﷺ نے ہم سے کنارہ کشی کو اختیار فرما لیا ہے۔ آخر وہی ہوا جو ہونا تھا۔ حضور اقدس ﷺ کا سر مبارک سیدہ عائشہؓ کی آغوش میں تھا۔ سیدہ فرماتی ہیں دفعتاً مجھے آپ کے بدن کا بوجھ معلوم ہوا۔ آنکھیں دیکھیں تو پھٹ گئی تھیں۔ آہستہ سے میں نے سر اقدس تکیہ پر رکھ دیا اور رونے لگی۔[1]

ایک روایت میں ہے۔

آل ابوبکر کا ایک آدمی سبز مسواک ہاتھ میں لئے حجرہ پاک میں داخل ہوا۔ آپ نے نظر جما کر اس کی طرف دیکھا۔ عائشہ کے استفسار پر آپ کو مسواک پیش کی گئی اور آپ نے نہایت عمدگی سے مسواک استعمال فرمائی۔[2]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کتاب فضائل کا یہ ایک زریں باب ہے۔ سلطان کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین آپ ہی کے حجرہ میں ہوئی۔ جو "روضۃ من ریاض الجنۃ" کی شان کا حامل ہے۔

سیدہ عائشہؓ نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ ان کے حجرے میں تین چاند ٹوٹ کرے ہیں۔ انہوں نے اس خواب کا ذکر اپنے والد گرامی قدر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا تھا۔ جب سید عالم ﷺ اس حجرہ میں مدفون ہوئے تو حضرت صدیقؓ نے فرمایا۔

---

1. مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۷۴۔
2. ایضاً۔

"ان تین چاندوں میں سے ایک یہ ہے اور ان سب میں سے بہترین ہے۔"[1]

بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ دوسرے دو چاند سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔ جنہیں اس حجرہ میں دفن ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔

سید عالم ﷺ کے انتقال پر ملال کے بعد آپ سیدہ بیوہ تھیں۔ اور اسی عالم میں آپ نے زندگی کی پچاس منزلیں طے کیں۔ جب تک زندہ رہیں اسی مزار اقدس اور بقعہ نور کی مجاور رہیں۔ اور حضور انور ﷺ کے مرقد اقدس کے پاس سوتی تھیں۔ ایک روز آپ کو خواب میں دیکھا اس روز سے وہاں سونا چھوڑ دیا۔[2]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرض الموت میں فرمایا کہ غزوہ خیبر میں یہود نے جو زہر آلود گوشت کھلایا تھا۔ اس کا اثر اب محسوس کر رہا ہوں۔[3]

سیدہ عائشہ صدیقہؓ اپنے والد گرامی قدر کی تدفین تک حجرہ میں بے حجاب آتی جاتی تھیں۔ کیونکہ ایک شوہر اور دوسرے والد تھے۔ جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین ہوگئی تو پھر بے پردہ جاتے حجاب آتا تھا۔ پردہ کر کے جاتی تھیں۔[4]

عہد صدیقیؓ:

حضور انور ﷺ کے سانحہ ارتحال کے بعد سیدہ کے پدر بزرگوار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ ایک روز ازواج مطہرات نے چاہا کہ حضرت عثمان غنیؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس وراثت حاصل

---

1. طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۴۸، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۴۳ حدیث نمبر ۱۳۷۲۴۔
2. ابن سعد بحوالہ سیرت عائشہ ص ۱۴۲۔
3. طبرانی کبیر حدیث نمبر ۱۱۵۰۴، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۸ حدیث نمبر ۱۴۰۷۲۔
4. مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۰۲، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۳۳ حدیث نمبر ۱۲۱۰۔

کرنے کے لئے بھیجیں۔ لیکن سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یاد دلایا کہ سید عالم ﷺ نے اپنی زندگی میں فرمایا تھا کہ:

''ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہمارے تمام متروکات صدقہ ہوں گے۔''

یہ سن کر سب خاموش ہو گئیں۔[1]

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زندگی ''الفقر فخری'' کا مظہر اتم تھی۔ آپ نے ورثہ میں درہم و دینار، مال مویشی اور لونڈی غلام وغیرہ نہیں چھوڑے تھے۔[2] البتہ چند باغات قبضہ میں تھے۔ جن کی آمدنی مختلف اغراض و مقاصد میں صرف ہوتی تھی۔ جن مصارف میں آپ صرف فرماتے تھے خلافت راشدہ میں بھی بالکل اسی طرح خرچ کی جاتی رہتی۔ حضور انور ﷺ اپنی زندگی کے سالانہ مصارف اسی جائداد سے ادا فرماتے تھے۔ خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں بھی ان مصارف کو اسی طرح ادا فرمایا۔[3]

داغ بے پدری:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عہد خلافت صرف دو سال پر محیط ہے۔ ۱۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آخری لمحات میں سیدہؓ حاضر خدمت تھیں۔ باپ نے کچھ جائیداد بیٹی کو دے رکھی تھی۔ لیکن خیال آیا اس سے دوسرے ورثاء کی حق تلفی ہوگی۔ اس لئے فرمایا۔ جان پدر افلاس و امارت دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے زیادہ محبوب رہی ہو۔ لیکن جو جاگیریں میں نے تمہیں دی ہیں۔ کیا تم اس میں اپنے بھائی بہنوں کو شریک کرلو گی؟ سیدہ نے عرض کیا۔

''بسر و چشم''

---

[1] بخاری شریف ج ۱ ص ۹۹۶ کتاب الفرائض۔

[2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۲ کتاب الوصایا۔

[3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۹۹۶۔

پھر دریافت فرمایا سید عالم ﷺ کے کفن میں کتنے کپڑے تھے؟ عرض کیا۔ تین سفید کپڑے۔ پوچھا کس دن وفات پائی؟ فرمایا "پیر کے روز"

پھر ارشاد فرمایا۔ آج کون سا دن ہے؟ بتایا گیا "سوموار" کا دن ہے۔ فرمایا آج کی شب میرے بھی رخصت ہونے کا وقت ہے۔

پھر آپ نے اپنی استعمال شدہ چادر دیکھی اس میں زعفران کے دھبے تھے۔ فرمایا ان ہی کو دھو کر دوسرے کپڑوں کے ساتھ شامل کر لینا۔

سیدہ نے عرض کی یہ تو پرانا ہے۔ کفن کے لئے نیا کپڑا ہونا چاہئے۔ فرمایا۔ زندے مردوں کی بہ نسبت نئے کپڑوں کے زیادہ حق دار ہیں۔ میرے لئے یہی پھٹا پرانا بس ہے۔[1]

اسی روز سہ شنبہ (منگل) کی شب امیر المؤمنینؓ بھی داغ مفارقت دے گئے۔ اور حجرہ عائشہؓ میں سید عالم ﷺ کے پہلو میں ادبا آپ کے مزار اقدس سے قدرے پیچھے ہٹا کر دفن کئے گئے۔ اس طرح کاشانہ عائشہؓ میں، ماہتاب نبوت کے ساتھ خلافت کا چاند بھی غروب ہو گیا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بیوگی کے ساتھ جوانی ہی میں دو برس بعد یتیمی کا داغ بھی لگ گیا۔

عہد فاروقیؓ

خلیفہ ثانی امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عہد سعید نظم و نسق کے اعتبار سے ممتاز تھا۔ انھوں نے تمام مسلمانوں کے نقد وظیفے مقرر کئے۔ ازواج مطہرات کو بارہ بارہ ہزار درہم سالانہ دیا جاتا تھا۔[2]

امام حاکم کی روایت میں ہے۔

"دوسری ازواج مطہرات کو دس دس ہزار درہم اور سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے لئے بارہ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا۔"

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز۔

[2] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۲۵۔

اور اس ترجیح کا سبب یہ بیان کیا کہ وہ حضور انور ﷺ کی محبوب اور منظور نظر تھیں"۔ امام حاکمؒ نے اس روایت کو صحت کے اعتبار سے بخاری اور مسلم کے ہم رتبہ قرار دیا ہے۔[1]

عراق کی فتوحات میں موتیوں سے لبریز ایک ڈبہ ہاتھ آیا۔ مال غنیمت کے ساتھ وہ بھی بارگاہ خلافت میں بھیجا گیا۔ سب کو تو موتی نہیں دیئے جا سکتے تھے۔ اس لئے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں یہ موتی ام المومنین سیدہ عائشہؓ کی خدمت میں بھیج دوں۔ کیونکہ وہ حضور انور ﷺ کی محبوبہ تھیں۔ سب نے بخوشی اجازت دے دی اور وہ موتیوں والا ڈبہ سیدہؓ کی نذر کر دیا گیا۔

ام المومنین نے جب وہ ڈبہ کھول کر جواہرات دیکھے تو فرمایا عمرؓ بن الخطاب نے سرور دو عالم ﷺ کے بعد مجھ پر بڑے بڑے عظیم احسانات کئے ہیں۔ خداوندا! مجھے آئندہ ان کے عطیات کے لئے زندہ نہ رکھ۔[2]

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ دلی خواہش تھی کہ میں سرکار دو عالم ﷺ کے قدموں میں دفن ہوں۔ لیکن اس لئے کہہ نہیں سکتے تھے کہ اگرچہ شرعاً مردوں سے زیادہ پردہ نہیں۔ تاہم از بادفن کے بعد بھی وہ اپنے آپ کو غیر محرم سمجھتے تھے۔

نزع کے وقت اس خلش سے بیتاب تھے" آخر اپنے صاحبزادہ سیدنا عبداللہ کو بھیجا کہ ام المومنینؓ کی خدمت میں میرا سلام پیش کرنا اور عرض کرنا کہ عمرؓ کی خواہش ہے کہ وہ اپنے رفیقوں کے پہلو میں دفن ہوں۔

سیدہؓ نے جواب میں فرمایا۔ اگرچہ وہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی۔ لیکن عمرؓ کی خوشی کے لئے یہ ایثار گوارا کرتی ہوں۔

چنانچہ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انتقال کے بعد حجرہ

---

[1] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۸۔

[2] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۸۔

عائشہ میں دفن کر دیا گیا۔

اور اب اس طرح خلافت کا دوسرا چاند بھی اسی حجرہ میں روپوش ہو گیا اور سیدہ کی خواب پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔[1]

عہدِ عثمانی:

امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں بڑے اہم واقعات پیش آئے جن میں ام المومنینؓ نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ وہ قرآن الٰہی کی رو سے تمام مسلمانوں کی ماں تھیں۔ چنانچہ ان اہم واقعات میں انہوں نے ماں ہی کا کردار ادا کیا۔ حجاز، مصر، عراق اور شام وغیرہ ہر جگہ سے لوگ اپنی اپنی شکایات آ کر بیان کرتے اور سیدہ انہیں تسلی دیتی تھیں۔ تمام مسلمانوں میں بہت ہی مقبول تھیں امام حاکم کی روایت میں ہے۔

وَكَانَ أَحْسَنَ زِيًّا فِي الْعَامَّةِ۔[2]

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں عبداللہ بن سبا ایک یہودی نے اسلام کا روپ دھارا۔ اور خلافت اسلامیہ میں ایک بہت بڑا فتنہ برپا کیا جس کی چنگاریاں آج تک امت مسلمہ میں سلگ رہی ہیں۔

اس نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور انور ﷺ کا وصی قرار دیا کہ آپ نے ان کے حق میں خلافت کی وصیت فرمائی تھی اس لئے آپ کے اصل مستحق جانشین یہی ہیں۔

اس نے مملکت اسلامیہ میں سیاسی شورش کا بہانہ بنا کر اپنی سازش کا جال بچھایا اور سارے ملک کا طوفانی اور طولانی دورہ کیا۔ کوفہ، بصرہ اور مصر جہاں بڑی بڑی فوجی چھاؤنیاں تھیں۔ اور ایسے مقامات پر ہمہ وقت کچھ انقلاب پسند لوگ بھی موجود تھے۔ اس نے مصر کو انقلاب پسندوں کا مرکز بنا کر ان تمام متفرق اشخاص کو ایک رشتہ میں منسلک

---

[1] صحیح بخاری ج ا ص ۱۸۶ کتاب الجنائز باب ما جاء فی قبر النبی ﷺ وابو بکر وعمر۔

[2] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۰۳۔

کر دیا۔ ان لوگوں کو تاریخ میں "سبائیہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جزائر روم اور افریقہ میں لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ اس لئے فوج کی بہت بڑی تعداد ان مقامات پر قیام پذیر تھی۔ جنگ میں شرکت کے بہانے محمد بن ابو بکر (سیدنا ابو بکرؓ کے چھوٹے بیٹے اور سیدہ عائشہ کے بے ماں بھائی) اور محمد بن حذیفہ (حضرت عثمانؓ کے آغوش پرور دہ) اسلامی سپاہیوں سے آزادانہ ملتے تھے۔ اور ان میں سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بغاوت کے جراثیم پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ جس کے نتیجہ میں مصر سازشیوں کی آماجگاہ بن گیا۔ یہی کیفیت کوفہ اور بصرہ میں بھی تھی۔ آخر بغاوت کا لاوا پھٹ گیا اور مدینہ منورہ میں دھاوا بول دیا گیا دن دیہاڑے امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا۔[1]

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

محمد بن ابو بکر باغیوں کے لیڈر سمجھے جاتے تھے۔ سبائیوں نے ام المومنینؓ کے دامن اقدس کو داغدار کرنے کا بھی مذموم پراپیگنڈہ شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے سانحہ فاجعہ سے قبل اشترنخعی نے سیدہؓ سے پوچھا تھا۔

"اس شخص (سیدنا عثمانؓ) کے قتل کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے۔" ارشاد فرمایا۔

معاذ اللہ! کیا میں امانوں کے امام کے قتل کا حکم دے سکتی ہوں۔[2]

"بعض دشمنان اسلام و اعداء نے اہل بیت رسولؐ حضرت سیدہ صدیقہ بنت صدیقؓ حبیبہ حبیب دو عالم ﷺ کی ذات پاک پر بھی اس سلسلہ میں کیچڑ اچھالنے سے نہیں شرماتے اور یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ سیدہ ام

---

[1] سیرت عائشہ صفحہ ص ۱۳۰۔۱۳۳۔

[2] طبقات ابن سعد ج ۵ ، بحوالہ سیرت عائشہ ص ۱۳۳۔

المومنین کا بھی شہادت عثمانؓ میں ہاتھ ہے۔ اور آپ نے لوگوں کو آپ کے قتل پر اکسایا (معاذ اللہ) حالانکہ آپ کا دامن اس قسم کے ناپاک داغ دھبوں سے بالکل صاف ہے"۔

علامہ ابن حجر عسقلانی سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت نقل کرتے ہیں۔

آپ نے سیدنا عثمانؓ کی شہادت کا تذکرہ فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا۔

وددت انی کنت نسیاً منسیاً۔

کاش میں اس دن بھولی بسری نیست و نابود ہوتی۔

خدا کی قسم! میں نے حضرت عثمانؓ کی ہتک سے متعلق قطعاً کوئی بات پسند نہیں کی۔ مگر وہ جسے میں نے اپنے لئے پسند کیا۔ حتی کہ خدا کی قسم۔

لو احببت قتلہ لقتلت۔[1]

ترجمہ: اگر میں نے ان کے قتل کو پسند کیا ہو تو میں بھی قتل کر دی جاؤں۔

اے عبید اللہ بن عدی (ان کے باپ سیدنا علیؓ کے ساتھ تھے) تمہیں اس علم کے بعد کوئی دھوکا نہ دے۔ اصحاب رسول ﷺ کے کاموں کی تحقیر اس وقت تک نہیں کی گئی۔ جب تک وہ فرقہ پیدا نہ ہوا۔ جس نے حضرت عثمانؓ پر زبان طعن دراز کی۔ اور وہ کچھ کہا جو نہیں کہنا چاہیے تھا۔ وہ پڑھا جو نہیں پڑھنا چاہیے۔ اس طرح نماز پڑھی جس طرح نہیں پڑھنی چاہیے۔ ہم نے ان کے کارناموں کو غور سے دیکھا تو پایا کہ وہ صحابہ کے اعمال کے قریب تک نہ تھے۔[2]

خلیفہ ثالث امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محاصرہ کے دوران ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے سالانہ دستور کے مطابق حج کو چلی گئی تھیں۔ کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس طرح مظلومیت کے ساتھ شہید کر دیا جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام اور دوسری ازواج مطہرات

---

1. فتح الباری ج ۱۳ ص ۵۵۔
2. فتح الباری ج ۱۳ ص ۵۰۵ کتاب التوحید باب قول اللہ۔ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک۔

ازواج مطہرات بھی حج کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ چلی گئیں۔

ام المومنینؓ حج کی ادائیگی سے فارغ ہو کر واپس آ رہی تھیں کہ راستہ ہی میں سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی المناک خبر ملی۔ اس کے بعد دو جلیل القدر اور عشرہ مبشرہ کے صحابی سیدنا زبیر اور سیدنا طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ملے۔ جو مدینے سے بھاگ کر آ رہے تھے۔ انہوں نے بیان کیا۔

"ہم لوگ مدینہ منورہ سے بلوائی بدوؤں اور عوام الناس کی غارت گری کی وجہ سے بھاگ چلے آتے ہیں۔ اور لوگ حیران و سرگرداں ہیں نہ حق کو پہچان سکتے ہیں۔ نہ باطل سے انکار کر سکتے ہیں۔ اور نہ ہی اپنی حفاظت پر قادر ہیں۔"

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہیں سے مکہ واپس لوٹ گئیں۔ جب امام مظلومؓ کی المناک شہادت کی اطلاع عام لوگوں کو ہوئی تو ہر طرف سے لوگ سمت سمت ان کے پاس آنے لگے۔ انہیں طلب صلاح کی دعوت دی۔

عمرہ بنت عبدالرحمن فرماتی ہیں کہ ام المومنینؓ نے فرمایا۔ جو قوم اس حکم خداوندی سے اعراض کرتی ہو اس کی طرح کوئی قوم ہے۔

[۱] وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا [۲]

ترجمہ: اگر دو مسلمان جماعتیں لڑ پڑیں۔ تو دونوں کے درمیان صلح کرا دو۔ پس اگر ایک دوسرے پر ظلم کرے۔ تو ظلم کرنے والی جماعت سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ حکم الٰہی کی طرف رجوع کرے۔ تو دونوں میں صلح کرا دو۔"

۱۔ سورۃ حجرات رکوع نمبر ۱۔

۲۔ موطا امام محمد باب الشغب۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فطرتاً نہایت بلند حوصلہ جری اور بہادر خاتون تھیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضور انور ﷺ سے جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کی تھی۔

امام مظلوم سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد پوری مملکت اسلامیہ افتراق اور تشتت کا شکار ہوگئی۔ سارے ملک میں شورش پائی جاتی تھی۔ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا بغور حالات دیکھ رہی تھیں اور یہ بھی سمجھتی تھیں کہ اس گتھی کو سلجھانے والا کوئی مرد میدان نہیں ہے۔ اس لئے انہوں نے اصلاح بین المسلمین کے نظریہ کے تحت خود اس معاملہ کو سلجھانے کا بیڑہ اٹھایا۔ یہ حج کا موسم تھا اور حرمین شریفین ہی کے ۳۰۰۰ افراد نے ان کی آواز پر لبیک کہا۔ اور عرب کے دو نامور رئیسوں ابن عامر اور ابن منبہ نے کئی لاکھ درہم اور سواری کے اونٹ فراہم کئے۔ فوج کی روانگی کی سمت متعین کرنے کی غرض سے ام المومنینؓ کی قیام گاہ پر مشورہ کے لئے ایک میٹنگ ہوئی۔ سیدہ کی رائے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہونے کی تھی۔ لیکن باہمی مشاورت سے بصرہ کی جانب پیش قدمی مناسب سمجھی گئی۔ چنانچہ ام المومنینؓ قافلہ کے ساتھ بصرہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ دوسری امہات المومنینؓ اور عام مسلمانوں نے دور تک مشایعت کی۔

لوگ قافلہ کے ساتھ رواں دواں تھے لیکن آنکھیں خون کے آنسو بہا رہی تھیں۔ کہ اسلام پر کیسا دور آ گیا ہے کہ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے اور دوراسلام اور ام المومنینؓ اپنے بچوں کی محبت میں حریم خلوت سے نکلنے پر مجبور ہوگئی ہیں۔

حالات کی سنگینی اور جانبین میں مخالفت اور موافقت کے ہنگامہ خیز حالات نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی صورت پیدا کر دی۔ چونکہ سیدہؓ اونٹ پر سوار تھیں۔ اسی نسبت سے اسے جنگ جمل کہا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ جنگ بالکل اتفاقیہ طور پر پیش آئی تھی۔ تاہم ام المومنینؓ کو اس کا ہمیشہ افسوس رہا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس موقع پر ایک انتہائی موثر تقریر فرمائی تھی جس کے چند اقتباسات حسب ذیل ہیں۔

"لوگو! تم پر میرا مادرانہ حق ہے۔ مجھے نصیحت کی عزت حاصل ہے۔ سوا اس شخص کے جو اللہ تعالیٰ کا فرمان بردار نہیں۔ مجھے کوئی الزام نہیں دے سکتا۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سینہ پر سر رکھے ہوئے وفات پائی ہے۔ میں آپ کی محبوب ترین بیوی ہوں خدا تعالیٰ نے مجھے دوسروں سے ہر طرح محفوظ رکھا۔ اور میری ذات سے مومن و منافق میں تمیز ہوئی۔ اور میرے ہی سبب سے خدا نے تم پر تیمم کا حکم نازل فرمایا۔

علاوہ ازیں میرے والد بزرگوار دنیا میں تیسرے مسلمان تھے۔ اور غار حرا میں دو کا دوسرا تھا۔ اور پہلا شخص تھا جو "صدیق" کے مبارک لقب سے مخاطب ہوا۔ سرور دو عالم ﷺ نے ان سے خوش ہو کر انہیں خلعت خلافت پہنا کر وفات پائی۔ آپ کے بعد جب اسلام کی رسی ڈھیلی ہونے لگی تو وہ میرا باپ ہی تھا جس نے اس کے دونوں سرے مضبوطی سے تھام لئے۔

جس نے نفاق کی باگ روک دی۔ جس نے ارتداد کا سرچشمہ خشک کر دیا۔ جس نے یہود کی آتش افروزی سرد کی۔ تم لوگ اس وقت آنکھیں بند کئے غدر و فتنہ کے منتظر تھے۔ اور شور و غوغا پر گوش بر آواز تھے۔ اس نے شگاف کو برابر کیا۔ بگاڑ کو درست کیا۔ گرتوں کو سنبھالا۔ دلوں کی مدفون بیماریوں کو دور کیا۔ جو پانی سے سیراب ہو چکے تھے انہیں تھان تک پہنچایا جو پیاسے تھے انہیں گھاٹ تک لے آیا۔ اور جو ایک بار پانی پی چکے تھے انہیں دوبارہ پلایا۔ جب وہ نفاق کا سر کچل چکا اور اہل شرک کے لئے آتش جنگ مشتعل کر چکا اور تمہارے سامان کی گٹھڑی کو ڈوری سے باندھ چکا، تو خدا نے اسے اٹھا لیا۔ ہائے میں سوال کا نشانہ بن گئی ہوں۔ کہ کیوں فوج لے کر نکلی؟ میرا مقصد اس سے گناہ کی تلاش اور فتنہ کی جستجو نہیں ہے۔ جسے میں پامال کرنا چاہتی ہوں۔ جو کچھ کہہ رہی ہوں۔ سچائی اور انصاف کے ساتھ تنبیہ اور

اتمام حجت کے لئے ہے۔[1]

جنگ جمل کی مزید تفصیلات سیرت عائشہؓ میں ملاحظہ ہوں۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدہ کو بحفاظت مدینہ منورہ پہنچایا۔ اور سیدہ مدینہ پہنچ کر پھر بدستور روضہ نبوی کی مجاور رہیں اور تادم واپسیں لوگوں کو دین و شریعت کی تعلیم دیتی رہیں۔

سانحہ ارتحال:

صدیقہ کائنات، ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا و رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جب وقت آخر آ پہنچا۔ مرض کی شدت سے صاحب فراش ہو گئیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عیادت کے لئے تشریف لائے۔ تو سیدہ نے اس خیال سے اجازت دینے میں تامل کیا کہ وہ آ کر ان کی تعریف کریں گے۔ کسی شخص نے کہا کہ یہ تو رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں اور امت مسلمہ میں ذی وجاہت ہیں انہیں تو اجازت ملنی چاہئے۔

سیدہؓ نے فرمایا اجازت دے دو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اندر تشریف لائے اور پوچھا کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ سیدہؓ نے جواب میں فرمایا۔

"اگر مجھ میں تقویٰ ہے تو میں خیریت سے ہوں"

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا آپ انشاء اللہ تعالیٰ خیر و عافیت ہی میں جائیں گی۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ آپ کے علاوہ کسی کنواری لڑکی سے آپؐ نے نکاح نہیں کیا۔ آپ کی پاکدامنی کے سلسلہ میں آسمان سے آیات اتریں۔ آپ تو بس پیش رو رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ کے پاس جا رہی ہیں۔ فکر کس بات کا۔

یہ بات کہہ کر وہ چلے گئے۔ اتنے میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف

---

[1] عقد الفرید باب الخطیب وذکر واقعہ جمل ص ۱۳۱۔

لائے۔ تو سیدہ نے فرمایا ابن عباسؓ آئے تھے۔ انہوں نے میری تعریف کی۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ کہ بھولی بسری ہو جاتی۔

پھر سیدہؓ نے حضرت ابن زبیرؓ کو وصیت فرمائی کہ مجھے دوسری ازواج مطہرات کے پاس ہی دفن کر دینا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روضہ مبارک میں ایک جگہ جو ابھی باقی ہے وہاں دفن نہ کرنا۔ کیونکہ میں یہ بات پسند نہیں کرتی کہ مجھے دوسری ازواج کے مقابلہ میں کوئی برتر مقام دیا جائے۔¹

ایک روایت میں ہے کہ آپ کے پاس عبداللہ بن عبدالرحمٰن بیٹھے ہوئے تھے کہ جب سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آپ کی عیادت کے لئے اجازت کے طلبگار ہوئے تو سیدہؓ نے فرمایا۔ مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں وہ آ کر خواہ مخواہ میری تعریف کریں گے۔ پھر آپ سے کہا گیا۔ اے امی جان! عباسؓ کے نیک سرشت بیٹے ہیں۔ آپ کی خدمت میں ہدیہ مسنونہ پیش کرتے ہیں اور آپ کی عیادت کرنا چاہتے ہیں۔

فرمایا اگر تم چاہتے ہو تو انہیں اجازت دے دو۔ جب حضرت ابن عباسؓ تشریف لائے اور آپ کے پاس بیٹھ گئے تو کہنے لگے۔ آپ کو مبارک ہو۔ سیدہ نے فرمایا کس بات کی؟ ابن عباسؓ نے کہا نبی کریم ﷺ سے آپ کی ملاقات ہونے میں صرف روح اور جسم کا تعلق باقی ہے۔ پھر حضور انور ﷺ کی تمام بیویوں سے آپ زیادہ محبوب تھیں۔ اور رسول اللہ ﷺ پاکیزہ اور طیب کے سوا کسی کو پسند ہی نہیں کرتے تھے۔

اور ابواء کی رات جب آپ کا ہار گم ہو گیا تھا تو سید عالم ﷺ نے اس کی تلاش میں وہیں صبح کر دی تھی۔ پھر لوگوں کے پاس پانی نہیں تھا کہ وضو کر کے نماز ادا کریں۔ اللہ جل شانہ نے آپ کے سبب ان پر تیمم کا حکم نازل فرمایا۔ اس طرح ساری امت کو یہ رخصت حاصل ہو گئی۔ علاوہ ازیں جبرئیل امین سات آسمانوں کے اوپر سے آپ کی پاکدامنی کا مژدہ لے کر آئے۔ آج دنیا جہان میں کون سی مسجد ہے جس میں دن رات

---

¹ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۴۸۰۔

ان آیات کی تلاوت نہیں ہوتی۔

سیدہ نے فرمایا ابن عباسؓ بس کرو۔ بس خدا کی قسم۔ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ میں تو چاہتی ہوں کاش میں بھولی بسری ہو گئی ہوتی۔[1]

امام ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ فرماتے ہیں۔

سیدہؓ نے منگل کی شب ۱۷ رمضان المبارک ۵۸ھ کو نماز وتر کے بعد ۶۶ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔[2]

علامہ ابو محمد عبداللہ بن مسلم المتوفی ۲۷۶ھ نے بھی ۵۸ھ ہی بیان فرمایا ہے اور عمر مبارک تقریباً ستر سال بیان کی ہے۔[3]

علامہ ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ نے ۵۷ھ بیان کیا اور دوسری روایت المدینی سے ۵۸ھ بھی ذکر کی ہے۔[4] علامہ ابن اثیر اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس کو اختیار فرمایا ہے۔[5]

علامہ سید سلیمان ندوی عیسوی تاریخ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔ ۱۳ جون ۶۷۸ء نماز وتر کے بعد رات کے وقت وفات پائی۔[6]

سیدہ کی وصیت تھی کہ نماز جنازہ میں تاخیر نہ کی جائے اس لئے رات کے وقت ہی نماز جنازہ ادا کی گئی۔[7]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال پر ملال کی خبر سن کر لوگ گھروں سے نکل آئے۔ جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ لوگوں کا بیان ہے کہ رات

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۷۴۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۹۳۔

[2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۷۸۔

[3] معارف: ابن قتیبہ ص ۱۳۴ باب تزویج النبی۔

[4] الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ ج ۴ ص ۳۶۰۔

[5] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۰۴۔ الاصابہ ج ۴ ص ۳۶۰۔

[6] سیرت عائشہ ص ۱۶۹۔

[7] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۷۸۔

کے وقت اتنا ہجوم کبھی نہیں دیکھا۔ زبردست اجتماع اور ازدحام دیکھ کر روز عید کے ہجوم کا گمان ہوتا تھا۔[1]

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جنازہ کے وقت لوگوں کے غم و اندوہ کو دیکھ کر فرمایا عائشہؓ کے لئے جنت واجب ہو گئی ہے۔ خدا کی قسم! وہ اپنے باپ کے سوا حضور انور ﷺ کو سب سے زیادہ پیاری تھیں۔[2]

ام المومنینؓ بیماری کے ایام میں عموماً کہتی تھیں۔ کاش مجھے اللہ تعالیٰ پیدا ہی نہ کرتا۔ کاش میں پتھر ہوتی۔ اے کاش میں کسی جنگل کی جڑی بوٹی ہوتی۔ اے کاش میں کوئی درخت ہوتی۔ اے کاش میں کوئی مٹی کا ڈھیلہ ہوتی۔ اور یہ باتیں گویا توبہ کے طور پر فرماتی تھیں۔[3]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دنوں مدینہ طیبہ کے قائم مقام گورنر تھے۔ کیونکہ مروان بن الحکم عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ گئے ہوئے تھے۔ اس لئے سیدہ کی نماز جنازہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی اور سیدہ کی وصیت کے مطابق انہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ، عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابوبکرؓ، عبداللہ بن عتیقؓ، عروہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ یعنی بھتیجوں اور بھانجوں نے قبر میں اتارا۔ اس طرح علم و عرفان کا یہ مہتاب عالمتاب قبر کی آغوش میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔[4]

مدینہ منورہ کا ہر فرد بلکہ پوری مملکت اسلامیہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غم میں آبدیدہ تھی۔ ایک مدنی نے لوگوں سے پوچھا کہ سیدہ کی وفات کا غم اہل مدینہ نے کتنا کیا۔ اس نے جواب دیا جس جس کی وہ ماں تھیں اسی کو ان کا غم تھا۔ یعنی تمام

---

1. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۷۸۔
2. مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۳، ۱۴۔
3. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۷۴۔
4. طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۳۱، طبقات ابن سعد ص ۷۹۔

مسلمان مغموم تھے۔[1]

ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بعد جو متروکات چھوڑے ان میں ایک جنگل بھی تھا۔ یہ ان کی بہن اسماءؓ کے حصہ میں آیا۔ سیدنا معاویہؓ نے اسے تبرکاً ایک لاکھ درہم میں خرید لیا تھا۔ اور سیدہ اسماءؓ نے یہ ساری رقم اپنے اعزہ و اقارب میں تقسیم کر دی تھی۔[2]

---

1. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۳۲۔
2. صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۵۰ باب ہبۃ الواحد للجماعۃ۔

مکارم اخلاق

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ صدیقہ کائنات سلام اللہ علیہا اخلاق و کردار کی پاکیزگی، زہد و ورع، جود و سخا، راست گفتاری، شیریں کلامی، فصیح و بلیغ طرز ادا، ذرف نگاہی، دقیقہ رسی، زبردست حافظہ، ملکہ استنباط مسائل و حل مشکلات، مجتہدانہ بصیرت و نکتہ رسی کی فیضان میں اپنے معاصرین سے ممتاز تھیں۔ علم تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوف و اخلاق، سیرو تاریخ اور شعر و ادب ہر گوشہ و شعبہ علم میں اندرون آپ کی عبقریت، حکمت اور جلالت و امامت کے معترف نظر آتے ہیں۔

آپ کا بچپن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آغوش میں گزرا جن کا دولت کدہ دور جاہلی اور ابتدائے عہد اسلامی میں مادی و روحانی غذا کا مرکز تھا۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بقول۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دولت کدہ سے قریش جو گونہ صفات علم و طعام کی وجہ سے مانوس تھے۔ چنانچہ وہ جب اسلام لائے تو ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے بھی سب مسلمان ہو گئے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۳۰)

عنفوان شباب کا زمانہ کاشانہ نبوی میں بسر ہوا۔ جو اسلام کی دعوت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و ہدایت کا معدن و سرچشمہ تھا۔ سید عالم ﷺ کے وصال کے بعد بقیہ زندگی یاد الٰہی اور علم و دین کی خدمت میں گزری۔ انہی وجوہ کی بنا پر مورخین اور تذکرہ نگاروں نے آپ کا تذکرہ نہایت شاندار الفاظ میں کیا ہے۔

زہد و قناعت:

سید عالم ﷺ سید الزاہدین تھے۔ پیٹ بھرنے اور خوش ذائقہ چیزیں حاصل کرنے اور جمع کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے ام المومنین سیدہ

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا۔ کہ اے عائشہؓ! اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا جس کی کمر کعبہ تک پہنچ رہی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ آپ کے رب نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو عام بندوں کی طرح بندہ اور نبی بن کر رہیں۔ اور اگر چاہیں تو نبی اور بادشاہ بن کر رہیں۔

میں نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف مشورہ لینے کے طور پر دیکھا تو انہوں نے اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کریں۔ لہٰذا میں نے جواب دیا۔ کہ میں نبی ہوتے ہوئے عام بندوں کی طرح رہنا پسند کرتا ہوں۔ پھر سیدہ عائشہؓ نے فرمایا۔

اس کے بعد سید عالم ﷺ تکیہ لگا کر کھانا تناول نہیں فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے میں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھاتا ہے اور اس طرح بیٹھتا ہوں جیسے غلام بیٹھتا ہے۔

سید عالم ﷺ کا فقر اختیاری تھا۔ اگرچہ آپ اپنی حیات طیبہ کے آخری تین چار سال ازواج مطہرات کے لئے ایک سال کے لئے خرچ کا انتظام فرما دیا کرتے تھے۔ لیکن آپ کی صحبت کے اثر سے آپ کی ازواج مطہرات بھی اسے خیرات کر دیتی تھیں اور خود تکلیف برداشت کر لیتی تھیں۔

حضرت مسروق تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ام المؤمنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے میرے لئے کھانا منگوایا۔ پھر ارشاد فرمایا اگر میں پیٹ بھر کر کھا لوں اور اس کے بعد رونا چاہوں تو رو سکتی ہوں۔ میں نے عرض کیا آخر کیوں؟ فرمایا۔

میں اس حال کو یاد کرتی ہوں۔ جس حال میں سرورِ دو عالم ﷺ دنیا کو چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ اللہ کی قسم! کسی دن بھی دو مرتبہ آپ نے گوشت روٹی سے پیٹ نہیں بھرا۔[1]

---

[1] ترمذی ج ۲ ص ۸۵ ابواب الزہد باب ما جاء فی معیشۃ النبی ﷺ۔

ایک روایت میں ہے۔

"اگر ہم چاہتے تو پیٹ بھر کر کھا لیتے لیکن رحمت عالم ﷺ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ کے گھر والوں پر چراغ روشن کئے بغیر اور چولہے میں آگ جلائے بغیر کئی ماہ گزر جاتے تھے۔ اگر زیتون کا تیل مل جاتا (جس سے چراغ روشن کئے جاتے تھے) تو تھوڑا ہونے کی وجہ سے چراغ روشن کرنے کے بجائے بدن یا سر پر مل لیتے اور چربی مل جاتی تو اسے کھانے میں لے آتے تھے۔[2]

ام المومنین فرماتی ہیں کہ سید عالم ﷺ کے وصال کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تین صاع جو کے عوض گروی رکھی ہوئی تھی۔[3]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دنیا سے اعراض اور عبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی وجہ سے زہد کے اعلیٰ درجات پر فائز ہو چکی تھیں۔ جیسا کہ امام ابو نعیم اصبہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"سیدہ دنیا سے بیزار اور اس کی رنگینیوں سے بے خبر اور اپنے محبوب حقیقی کے اعمال کے کھو جانے پر رونے والی تھیں۔"[4]

سیدہ زہد میں بھی اسی طرح ضرب المثل تھیں۔ جس طرح وہ سخاوت میں ضرب المثل تھیں۔

جود و سخا:

اخلاقی حیثیت سے بھی سیدہ انتہائی بلند مرتبہ رکھتی تھیں۔ وہ نہایت فیاض تھیں۔

---

1. الترغیب والترہیب ج۴ ص۱۹۸۔
2. الترغیب والترہیب ج۴ ص۱۴۳۔
3. الترغیب ج۴ ص۵۵۔
4. [illegible]
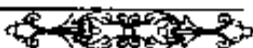
غیبت سے احتراز کرتی تھیں۔ احسان کو قبول کرتیں۔ اگرچہ خود سخاوت پسند تھیں تاہم نہایت خود دار تھیں۔ شجاعت اور دلیری بھی ان کا خاص جوہر تھا۔ لیکن ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سب سے نمایاں وصف جود و سخا تھا۔ نہایت فیاض، غریب پرور۔ اور مہمان نواز تھیں۔ سیدہ عائشہؓ اور ان کی ہمشیرہ سیدہ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہم دونوں نہایت کریم النفس اور فیاض تھیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ میں نے ان دونوں سے بڑھ کر سخی اور صاحب کرم کسی کو نہیں دیکھا لیکن ان دونوں کی سخاوت میں ایک فرق تھا۔ سیدہ عائشہ تھوڑا تھوڑا جمع کرتی رہتی تھیں جب کچھ رقم اکٹھی ہو جاتی تھی اسے راہ خدا میں خرچ کر دیتی تھیں اور سیدہ اسماءؓ کے ہاتھ جو کچھ آتا تو فوراً خیرات کر دیتی تھیں جمع نہیں کرتی تھیں۔[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا اکثر مقروض رہتی تھیں۔ ادھر ادھر سے قرض لیتی اور لوگوں کی حاجات پوری فرماتی تھیں۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا آپ کو قرض لینے کی کیا ضرورت ہے۔ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی قرض ادا کرنے کی نیت سے قرض لیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی اعانت فرماتا ہے۔ اور میں اللہ تعالیٰ کی اس اعانت ہی کی متلاشی ہوں۔[2]

خیرات میں تھوڑے بہت کا لحاظ نہ کرتیں، جو موجود ہوتا سائل کی نذر کر دیتیں۔ ایک دفعہ ایک سائلہ آئی جس کی گود میں دو ننھے منے بچے تھے اتفاق سے اس وقت گھر میں کھجور کے ایک دانہ کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ سیدہؓ نے وہی دے دی۔ اس عورت نے اس کے دو ٹکڑے کر کے دونوں میں تقسیم کر دیئے۔ جب حضور انور ﷺ باہر سے تشریف لائے تو ماجرا عرض کیا۔[3]

---

[1] ادب المفرد امام بخاری ص ۵۰ باب سخاوۃ النفس حدیث نمبر ۲۹۰۔

[2] مسند امام احمد ج ۶ ص ۹۹۔

[3] ادب المفرد فضل من یعول یتیما ص ۵۳ باب نمبر ۷۶۔

ایک مرتبہ ایک نادار شخص نے ام المومنینؓ سے کھانے کو کچھ مانگا، اس وقت ان کے پاس انگور تھا۔ اس میں سے ایک دانہ اسے دینے کو کہا۔ وہ شخص تعجب اور حیرت سے سیدہؓ کی طرف دیکھنے لگا، فرمایا کیا تم حیران ہوتے ہو، ذرا دیکھو تو سہی اس ایک دانے میں کتنے ذرے ہیں۔[1]

ام المومنینؓ کا اشارہ اس آیت کی طرف تھا۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ۔

حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہیں ایک مرتبہ سیدہؓ کے پاس ستر ہزار درہم کی خطیر رقم آئی۔ انہوں نے میرے سامنے کھڑے کھڑے ساری رقم راہ مولا میں خرچ کر دی۔ اور دوپٹہ کا پلو جھاڑ دیا۔ اور اپنا یہ حال تھا کہ تقسیم کے وقت اپنے کرتے میں پیوند لگا رہی تھیں۔[2]

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی خدمت میں ایک لاکھ درہم کا ہدیہ بھیجا۔ انہوں نے اسے قبول کر لیا اور حضور انور ﷺ کی ازواج مطہرات میں سارا تقسیم کر دیا اور اپنے لئے ایک درہم بھی نہ رکھا۔[3]

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو بورے بھر کر ہدیہ بھیجا۔ جس کی ایک لاکھ اسی ہزار کی مالیت تھی۔ سیدہؓ اسی وقت تقسیم کرنے بیٹھ گئیں۔ اور تھوڑی دیر میں تمام کر دیا۔ شام تک ایک درہم بھی پاس نہ رہا۔ اتفاق سے خود روزہ سے تھیں۔ افطار کے وقت باندی سے کہا افطاری لاؤ، چنانچہ وہ زیتون کا تیل اور روٹی لے کر آگئیں۔ ایک عورت ام درہ بھی موجود تھی۔ اور وہ بھی روزہ سے تھی۔ اس نے کہا ام المومنینؓ آج آپ نے اس قدر مال تقسیم کیا۔ آپ نے اتنا بھی نہ کیا کہ ایک درہم کا گوشت ہی منگوا لیتیں۔ جسے افطاری میں کھا لیتے۔ فرمایا اب کہنے کا کیا فائدہ۔ اس

---

[1] موطا امام مالک کتاب الصدقہ باب الترغیب فی الصدقہ۔

[2] صفوۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۲۹۔

[3] انساب الاشراف ج ۱ ص ۴۱۸، صفوۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۲۹، سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۸۷۔

وقت تم یاد دلا دیتیں تو میں اس کا خیال کر لیتی۔[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک دن روزے سے تھیں اور گھر میں ایک چپاتی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اتنے میں ایک سائلہ نے آواز لگائی۔ سیدہؓ نے خادمہ کو حکم دیا یہ روٹی سائلہ کو دے دو۔ خادمہ نے عرض کیا شام کو افطار کس چیز سے کریں گے۔ سیدہؓ نے فرمایا یہ تو اسے دے دو۔

جب شام ہوئی تو کسی نے ہدیہ آیا جس میں بھنی ہوئی بکری روٹیوں میں لپٹی ہوئی تھی۔ سیدہؓ نے باندی سے فرمایا۔ لو کھاؤ۔ یہ اس چپاتی سے کہیں بہتر ہے۔[2]

ام المومنینؓ کو اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ سب سے زیادہ چہیتے تھے۔ وہ زیادہ تر خدمت کیا کرتے تھے۔ لیکن اس فیاضی کو دیکھ کر وہ بھی گھبرا گئے۔ کہیں ان کے منہ سے یہ بات نکل گئی۔ اب ان کا ہاتھ روکنا چاہیے۔ سیدہؓ کو معلوم ہوا تو اس قدر رنجیدہ خاطر ہوئیں کہ قسم کھا لی اب کبھی ابن زبیرؓ سے بات نہیں کروں گی۔ وہ میرا ہاتھ روکے گا؟ ابن زبیرؓ ایک مدت تک معتوب رہے۔ آخر بڑی مشکل سے انہیں معافی ملی۔[3]

ام المومنینؓ کی خدمت میں محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ تابعی حاضر ہوئے اور اپنی سخت حاجت کا اظہار کیا۔ انہوں نے فرمایا میرے پاس اس وقت تو بالکل کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر میرے پاس دس ہزار بھی ہوتے تو سب کے سب تمہیں دے دیتی۔ مگر اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے۔

وہ واپس چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد خالد بن اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے دس ہزار کا ہدیہ سیدہ عائشہؓ کے پاس پہنچا۔ فرمانے لگیں کہ میری بات کا بہت جلد امتحان لیا گیا۔ اسی وقت ابن المنکدر کے پاس آدمی بھیجا اور ان کو بلا کر وہ ساری رقم

---

1. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۶۷ اعلام النساء ج ۲ ص ۳۹ ، ۳۰ الاصابہ الادب ج ۲ ص ۳۷۔
2. موطا امام کتاب الصدقۃ باب الترغیب فی الصدقۃ۔
3. صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۷ باب مناقب قریش۔

ان کے حوالے کر دی۔

انہوں نے اس میں سے ایک ہزار میں ایک باندی خریدی جس کے پیٹ سے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ محمد۔ ابوبکر اور عمر۔ تینوں مدینہ منورہ کے عابد لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔[1] (یہ اس حلال مال کی برکت کا اثر تھا)

کثرت عبادت:

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اکثر عبادت الٰہی میں معروف رہتیں۔ چاشت کی نماز خاص اہتمام سے پڑھتی تھیں۔ نماز چاشت آٹھ رکعت پڑھتی تھیں۔ اور فرمایا کرتی تھیں کہ اگر میرے باپ بھی قبر سے اٹھ کر آجائیں اور مجھے منع کریں۔ تب بھی اس نماز کو نہ چھوڑوں گی۔[2]

حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ بیان کرتے ہیں کہ میرا ہمیشہ یہ معمول رہا کہ جب نماز فجر کے لئے گھر سے نکلتا تو سب سے پہلے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور سلام کرتا۔ (یہ سیدہ کے بھتیجے تھے) ایک مرتبہ میں حاضر خدمت ہوا تو دیکھا نفل نماز میں مشغول ہیں اور بار بار یہ آیت پڑھ رہی ہیں۔

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُوْمِ۔

میں سلام پھیرنے کی انتظار میں دیر تک کھڑا رہا حتیٰ کہ طبیعت اکتا گئی اور میں انہیں اسی حال میں چھوڑ کر اپنی ضرورت کے لئے بازار چلا گیا۔ پھر جب واپس آیا تو دیکھا وہ اب بھی اسی طرح نماز میں کھڑی وہی آیت پڑھ رہی اور رو رہی ہیں۔[3]

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نماز تہجد پابندی سے ادا فرماتی تھیں۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر نماز تہجد ادا کرتی تھیں۔[4]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۳۹ روایت نمبر ۶۹۸۱۔ بحوالہ تحفۃ الحسن ص ۲۹۱۔

[2] مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۳۸۔

[3] صفۃ الصفوۃ ج ۲۔

[4] مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۳۸۔

آپؐ کے وصال کے بعد بھی تہجد کی اس قدر پابند تھیں کہ اگر اتفاق سے کبھی آنکھ لگ جاتی اور وقت پر نہ اٹھ سکتیں تو سویرے اٹھ کر نماز فجر سے پہلے تہجد ادا کر لیتیں۔

ایک دفعہ اسی موقعہ پر سیدہ کے بھتیجے قاسم آپ کے پاس آئے جب آپ نماز پڑھ رہی تھیں انہوں نے تعجب سے عرض کیا پھوپھی جان! یہ کیسی نماز ہے؟ فرمایا کہ میں رات کو نہیں پڑھ سکی اور اب اسے چھوڑ نہیں سکتی۔[1]

ام المومنینؓ رمضان المبارک میں نماز تراویح کا خاص اہتمام کرتی تھیں۔ بلکہ اپنے غلام ذکوان جو کچھ تعلیم یافتہ تھا۔ اسے امام بناتیں اور ان کے پیچھے کھڑی ہو کر نماز تراویح جماعت سے ادا کرتی تھیں۔[2]

سیدہ اکثر روزہ رکھا کرتی تھیں۔ حضرت قاسم بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ آپ ہمیشہ روزہ سے رہتی تھیں۔[3]

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ میں عرفہ کے دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ روزے سے تھیں گرمی اور تپش اس قدر شدید تھی۔ کہ سر پر پانی کے چھینٹے دے رہی تھیں۔ میں نے عرض کیا اس گرمی میں روزہ رکھنا کوئی ضروری نہیں آپ افطار کر لیجئے۔

فرمایا جب میں رسول اللہ ﷺ سے سن چکی ہوں کہ عرفہ کے دن کا روزہ رکھنا سال بھر کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ تو میں روزہ کیونکر چھوڑ دوں۔[4]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حج کی سختی سے پابند تھیں۔ کوئی سال ایسا نہ گزرتا جس میں حج نہ کرتی ہوں۔[5]

---

1. سنن دار قطنی کتاب الصلوٰۃ مواقیت [illegible] ص ۲۸۰۔
2. صحیح بخاری ج ا ص ۹۶۔
3. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۸۱۔
4. مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۲۸
5. صحیح بخاری ج ا ص ۲۵۰ باب حج النساء

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آخیر زمانہ میں سیدنا عثمان غنی اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ازواج مطہرات کے ساتھ حج کے سفر میں روانہ کیا تھا۔[1]

ام المومنین کا پہلے یہ دستور تھا کہ مناسک حج ادا کر لینے کے بعد مکہ ہی سے ذی الحجہ میں عمرہ ادا فرماتی تھیں۔ بعد میں یہ ترمیم کر لی کہ محرم الحرام کا چاند دیکھنے سے پہلے مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر ''جحفہ'' کے مقام پر آ کر قیام فرماتیں۔ پھر محرم کا چاند دیکھ کر عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہو جاتیں۔[2]

حج کے موقع پر ان کے ٹھہرنے کے مقامات مقرر تھے۔ پہلے یہ معمول تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کے خیال سے میدان عرفات کی آخری سرحد نمرہ میں اترتی تھیں۔ جب اس مقام پر لوگوں کا ہجوم ہونے لگا تو وہاں سے ذرا ہٹ کر ''اراک'' میں اپنا خیمہ لگاتیں اور کبھی جبل ثبیر کے دامن میں ٹھہرتی تھیں۔

جب تک وہاں قیام رہتا سیدہ خود بھی اور ان کے ہمراہی بھی ان کے ساتھ تکبیر پڑھتے تھے۔ جب موقف کی طرف روانگی ہوتی تو تکبیر موقوف کر دیتے تھے۔[3]

منہیات سے اجتناب:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا منہیات کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے پرہیز اور گریز کرتی تھیں۔ اگر دوران سفر گھنٹی کی آواز سنائی دیتی تو فوراً ٹھہر جاتیں تاکہ اس کی آواز کانوں میں نہ پڑے۔ اور اگر قافلے کے پیچھے سے گھنٹے کی آواز آتی تو تیز چلنے کا حکم فرماتیں۔ تاکہ اس آواز سے بچ جائیں اور فرماتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس آواز کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔[4]

۱۔ صحیح بخاری ج اص ۲۵۱ باب حج النساء۔

۲۔ مسند احمد باب [illegible] تلبیہ۔

۳۔ صحیح بخاری ج اص ۲۲۸ باب [illegible]۔

۴۔ مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۲۔

حضرت علقمہ بن ابی علقمہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدہ کو اطلاع ہوئی ان کے ایک گھر میں جو کرایہ دار تھے۔ وہ شطرنج کھیلا کرتے ہیں۔ سیدہ کو ان کی یہ حرکت اس قدر ناگوار گذری کہ انہیں کہلا بھیجا اگر تم اس حرکت سے باز نہ آئے تو تمہیں گھر سے نکلوا دوں گی۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے ایک موقعہ پر آپ سے فرمایا۔

يا عائشة اياك و محقرات الذنوب۔[2]

ترجمہ: اے عائشہؓ! معمولی گناہوں سے بھی بچا کرو۔ کیونکہ اللہ کے ہاں ان کی بھی پرسش ہوگی۔

ایک مرتبہ سیدہؓ کے گھر میں سانپ نکلا۔ اسے مار ڈالا۔ کسی نے کہا آپ نے غلطی کی اسے قتل نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ممکن ہے یہ کوئی مسلمان جن ہو۔ آپ نے فرمایا اگر یہ مسلمان ہوتا تو امہات المومنینؓ کے حجروں میں نہ آتا۔ اس نے کہا جب وہ آیا تھا آپ تو ستر پوشی کی حالت میں تھیں۔ یہ سن کر بہت متاثر ہوئیں اور اس کے فدیہ میں ایک غلام آزاد کیا۔[3]

غلاموں پر شفقت:

ام المومنینؓ کو غلام آزاد کرنے کا بہت شوق تھا۔ جیسا کہ آپ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے۔ ایک دفعہ قسم کے کفارہ میں چالیس غلام آزاد کیے تھے۔[4]

سیدہؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی مجموعی تعداد ۶۷ بیان کی جاتی ہے۔[5]

قبیلہ تمیم کی ایک لونڈی سیدہؓ کے پاس تھی۔ حضور انور ﷺ کی زبانی سنا کہ قبیلہ تمیم بھی سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہی کی اولاد سے ہے۔ لہٰذا اس باندی کو آزاد کر دو۔

---

1. ادب المفرد ص ۳۳۲ باب نمبر ۹۱۹۔
2. مسند امام احمد ج ۶ ص ۷۰۔
3. مسند امام احمد ج ۶ بحوالہ سیرت عائشہؓ ص ۲۱۲۔
4. صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۷ مناقب قریش نیز بخاری ج ۲ ص ۸۹۷ کتاب الادب باب الہجرہ۔
5. شرح بلوغ المرام بحوالہ سیرت عائشہؓ ص ۱۸۲۔

چنانچہ سیدہؓ نے اسے آزاد کر دیا۔[1]

بریرہ نام کی ایک لونڈی مدینہ منورہ میں تھیں۔ اس کے مالکوں نے انہیں مکاتب کر دیا۔ یعنی اگر تم اتنی رقم جمع کرا دو تو آزاد ہو۔ اس رقم کی فراہمی کے لئے انہوں نے لوگوں سے چندہ مانگا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معلوم ہوا تو انہوں نے پوری رقم اپنی طرف سے ادا کر کے اسے آزاد کر دیا۔[2]

ایک مرتبہ ام المومنینؓ بیمار ہو گئیں۔ لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید کسی نے کوئی ٹونا ٹوٹکا کر دیا ہے۔ سیدہؓ کو ایک باندی پر شبہ گذرا۔ اسے بلا کر پوچھا تو اس نے اقرار کیا۔ آپ نے کہا تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ باندی کہنے لگی: کہ آپ جلد مر جائیں اور میں جلدی آزاد ہو جاؤں۔ سیدہؓ نے حکم دیا کہ اسے کسی شریر آدمی کے ہاتھ بیچ دو اور اس کی قیمت سے دوسرا غلام خرید کر آزاد کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔[3]

خوف خدا اور فکر آخرت:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عابدہ زاہدہ ہونے کے با وصف اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والی اور آخرت کی بہت فکر رکھنے والی تھیں۔ خوف خدا اور خشیت الٰہی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ رقت قلب کا پیکر تھیں۔ بہت جلد آبدیدہ ہو جاتی تھیں۔

ایک مرتبہ دجال کا خیال دل میں آیا تو رقت طاری ہو گئی اور زار و قطار رونے لگیں۔ اتنے میں حضور انور ﷺ تشریف لائے آپ کو روتے دیکھ کر وجہ دریافت فرمائی۔ عرض کیا دجال کے خوف سے رونا آ گیا۔[4]

حجۃ الوداع کے موقع پر جب نسوانی مجبوری سے حج کے بعض ارکان ادا کرنے

---

1. صحیح بخاری ج اص ۳۴۵ کتاب العتق۔
2. صحیح بخاری و مسلم شریف۔
3. سیرت عائشہ ص ۱۸۴۔
4. مسند امام احمد ج ۲ ص ۷۵۔

سے معذوری پیش آئی۔ تو اپنی محرومی پر بے اختیار رونے لگیں اور پریشانی کے عالم میں کہہ رہی تھیں کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں اس سفر میں آپؐ کے ساتھ نہ آتی۔

شفیق ورحیم آقا ﷺ نے تشفی وتسلی دی تو قرار آیا۔[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بھانجے عبداللہ سے کلام نہ کرنے کی قسم کھائی تھی۔ یہ واقعہ بخاری شریف میں اس طرح مروی ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کسی ہدیہ کے سلسلہ میں جو ام المومنینؓ کو دیا تھا۔ کہا کہ بخدا! یا تو حضرت عائشہؓ یہ طرز عمل چھوڑ دیں ورنہ انہیں دینا بند کر دوں گا۔ ام المومنینؓ نے فرمایا۔ کیا اس نے یہ الفاظ کہے ہیں؟ لوگوں نے بتایا۔ جی ہاں ام المومنینؓ نے فرمایا پھر میں اللہ سے عہد کرتی ہوں کہ ابن زبیرؓ سے اب کبھی نہیں بولوں گی۔

اس کے بعد جب آپ کے قطع تعلق پر عرصہ گزر گیا۔ تو ابن زبیرؓ کے لئے آپ سے سفارش کی گئی (کہ انہیں معاف کر دیں) ام المومنینؓ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم اس کے بارے میں سفارش نہیں مانوں گی۔ اور اپنی قسم نہیں توڑوں گی۔ جب یہ قطع تعلق ابن زبیرؓ کے لئے بہت تکلیف دہ ہو گیا۔ تو انہوں نے مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن الاسود بن عبد یغوث سے اس سلسلہ میں بات کی۔ یہ دونوں حضرات بنی زہرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ابن زبیرؓ نے ان سے کہا میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کسی طرح تم لوگ مجھے حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں داخل کرا دو۔ کیونکہ ان کے لئے یہ جائز نہیں کہ میرے ساتھ صلہ رحمی کو توڑنے کی قسم کھائیں۔

چنانچہ مسور اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما دونوں اپنی چادروں میں لپٹے ہوئے ابن زبیرؓ کو ساتھ لے کر آئے اور حضرت عائشہؓ سے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ اور عرض کی السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔ کیا ہم اندر آ سکتے ہیں؟ ام المومنینؓ نے فرمایا آ جاؤ۔ انہوں نے عرض کیا ہم سب؟ فرمایا ہاں! سب آ جاؤ۔ ام المومنینؓ کو اس کا علم نہیں تھا کہ ابن زبیرؓ بھی ان کے ساتھ ہیں۔

---

1. صحیح بخاری ج اص ۲۲۰ کتاب الحج۔

جب یہ لوگ اندر داخل ہو گئے تو ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پردہ ہٹا کر اندر چلے گئے اور ام المومنینؓ سے لپٹ کر رونے لگے۔ یعنی معاف کر دیں۔ حضرت مسور اور عبدالرحمٰن نے بھی اللہ کا واسطہ دینے لگے کہ ابن زبیر کو معاف کر دیں۔ ان حضرات نے یہ بھی عرض کیا کہ آپ کو معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قطع تعلق توڑنے سے منع فرمایا ہے۔ کہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ کسی اپنے بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے۔

ام المومنینؓ نے فرمایا۔ میں نے تو قسم کھالی ہے۔ اور قسم کا معاملہ سخت ہے اور رونے لگیں۔ لیکن یہ حضرات مسلسل اصرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ام المومنین نے زبیر سے بات کر لی۔ اور اپنی قسم توڑنے کے عوض چالیس غلام آزاد کئے۔ اس کے بعد جب بھی آپ اپنی اس قسم کو یاد کرتیں تو رونے لگتیں۔ یہاں تک کہ آپ کا آنچل آنسو سے تر ہو جاتا تھا۔[1]

اگرچہ نذر کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کرنا کافی تھا۔ مگر سیدہ پر خشیت الٰہی اس قدر غالب تھی۔ چالیس غلام آزاد کر کے بھی قسم توڑنے کا قلق دل میں ہمیشہ رہا اور اسی وجہ سے روتی رہتی تھیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ جب سے آپ نے منکر نکیر کی (ہیبت ناک) آواز کا اور قبر کے بھینچنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اس وقت سے میرا دل لرزاں و ترساں رہتا ہے۔ کسی چیز سے تسلی نہیں ہوتی اور پریشانی دور نہیں ہوتی۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا عائشہؓ! منکر نکیر کی آواز مومن کے کانوں کو ویسا ہی ایسا ہوتا ہے۔ جیسے کسی کے سر میں درد ہو اور اس کی شفیق والدہ اس کے سر کو آہستہ آہستہ دبائے۔ اور وہ اس سے آرام و راحت پائے (پھر فرمایا) اے عائشہؓ اللہ کی ذات کے متعلق شک کرنے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے۔ اور انہیں قبر اس طرح بھینچے گی جیسے

---

[1] بخاری شریف ج ۲ ص ۸۹۶ کتاب الادب باب الہجرۃ۔

انڈے پر پتھر رکھ کر دبا دیا جائے۔[1]

ایک دفعہ ایک عورت جس کے ساتھ دو معصوم بچے بھی تھے ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سوال کیا۔ اس وقت کاشانہ نبوت میں کچھ اور نہ تھا۔ تین کھجوریں اسے دلوا دیں۔ سائلہ نے ایک ایک کھجور ان بچوں کو دی اور ایک اپنے منہ میں ڈال لی۔ بچوں نے اپنا اپنا حصہ کھا کر نہایت حسرت بھری نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔ ماں نے اپنے منہ سے کھجور نکال کر وہ بھی آدھی آدھی ان دونوں میں بانٹ دی اور خود کچھ نہ کھایا۔ ماں کی مامتا کا یہ حسرت ناک منظر دیکھ کر ام المومنینؓ بیتاب ہو گئیں۔ اور دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔[2]

چند نصائح:

ام المومنین انتہائی دانشمند، فہم و فراست میں فرزانہ اور بڑی صاحب حکمت و موعظت تھیں۔ بڑی معنی خیز اور پتہ کی بات فرمایا کرتی تھیں۔ بعض صحابہ کرام بھی ان سے نصیحت کرنے کی فرمائش کیا کرتے تھے۔

بسیار خوری یعنی زیادہ کھانے کے متعلق سیدہ نے فرمایا۔ حضور انور ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد سب سے پہلی مصیبت جو اس امت پر آئی وہ پیٹ بھر کر کھانے کی ہے۔ جب پیٹ بھرتے ہیں تو بدن موٹے ہو جاتے ہیں۔ اور دل کمزور ہو جاتے ہیں اور نفسانی خواہشات زور پکڑ لیتی ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ گناہوں کی کمی سے بہتر کوئی پونجی ایسی نہیں۔ جسے لے کر تم اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو۔ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ عبادت میں انہماک رکھنے والے سے بازی لے جائے تو اسے چاہئے کہ گناہوں سے بچے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ سیدہ کی خدمت میں ایک خط ارسال کیا۔ جس میں اپنے لئے مختصر نصیحت کرنے کی فرمائش کی۔ ام المومنینؓ نے اس

---

[1] شرح الصدور بحوالہ امہات المومنین بلندی شہری ص ۵۰۔

[2] ابوداؤد طیالسی ص ۲۰۳ مستدرک ج ۴ ص ۷۷ مسند امام احمد ج ۶ ص ۹۲۔

کے جواب میں فرمایا:

سلام علیک!

اما بعد! فانی سمعت رسول الله ﷺ یقول من التمس رضی الله بسخط الناس کفاه الله مونة الناس ومن التمس رضی الناس بسخط الله وکله الله الی الناس۔

والسلام علیک۔

ترجمہ: تم پر سلام ہو۔

بعد سلام کے واضح ہو کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص لوگوں کی ناراضگی کا خیال نہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی شرارتوں سے بھی اسے محفوظ فرماتے ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی رکھنا چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ (اس کی مدد نہیں کرتا) اسے لوگوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ وہ اس کو جیسے چاہیں استعمال کریں اور جس طرح چاہیں اس کا دلیہ بنائیں۔

والسلام علیک

(مشکوٰۃ شریف)

ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ کو یہ بھی لکھ بھیجا۔

اما بعد فان العبد اذا عمل بمعصیة الله تعالیٰ عاد حامده من الناس ذاماً۔

یعنی جب بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام کرتا ہے۔ تو اس کو اچھا کہنے والے بھی برا کہنے لگتے ہیں۔[1]

زریں اقوال:

امام اعمشؒ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی توصیف میں لکھتے ہیں:

---

[1] امہات المؤمنین جلد ثانی ص ۳۴۵۔

"رحلۃ الرائی"۔

پختہ رائے والی خاتون۔[1]

ام المومنینؓ سے جس قدر اقوال منقول ہیں وہ سب ان کے عظیم فہم اور پختہ عقل کی عکاسی کرتے ہیں۔ جو انہیں چشمہ نبوت سے فیض اور قرآن کریم سے حاصل ہوئے تھے۔

ام المومنینؓ کے اقوال زریں کو اگر سونے کے پانی سے لکھا جائے تو بھی ان کا حق ادا نہ ہوگا۔ سیدہ فرماتی ہیں۔

"عورت کے ہاتھ میں "تکلہ" (سوت کاتنے کا آلہ جو چرخہ میں لگایا جاتا ہے) مجاہد فی سبیل اللہ کے ہاتھ میں نیزے سے بہتر ہے۔[2]

سیدہ کا انتہائی بہترین ارشاد ہے۔

"رزق کو زمین کے پردے میں تلاش کرو"۔[3]

اللہ رب العزت کی رضا کے متعلق فرماتی ہیں۔

"جس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا کام کیا اس کی تعریف کرنے والے لوگ بھی اس کی برائی کرنے والے بن جائیں گے"۔

سیدہ کا انتہائی قابل رشک اور حیرت افزا ارشاد ہے۔

"تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اچھی چیز نہ ملے تب بھی تھوڑے سے گناہوں سے بہتر ہے جو چاہے کہ وہ بے انتہا محنت کرنے والے سے آگے نکل جائے۔ تو وہ گناہوں کی کثرت سے باز رہنا چاہئے"۔

کسی نے پوچھا کہ آدمی غلطی پر کب ہوتا ہے۔ تو ارشاد فرمایا جب وہ سمجھے کہ میں اچھا کر رہا ہوں۔[4]

---

[1] شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۱۔

[2] اعلام النساء ج ۳ ص ۱۸۰ بحوالہ جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین ص ۲۲۱۔ [3] ایضاً۔

[4] وفیات الاعیان ابن خلکان ج ۳ ص ۱۶ بحوالہ جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین ص ۲۲۱۔

ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا چونکہ افقہ الناس اور بہت بڑی عالمہ تھیں۔ وہ انصار کے بارے میں ان کے اچھا اور نیک ہونے میں ایک عظیم رائے رکھتی تھیں۔ فرماتی تھیں۔

"جب کوئی عورت دو نیک انصاریوں کے گھروں کے درمیان ہو تو اس بات سے بے پرواہ ہو جانا چاہئے کہ وہ اپنے والدین کے گھر رہے۔"[1]

---

[1] مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۶ بحوالہ اعلام النساء ج ۲ ص ۳۲۔

علوم نبوت اور مقام عائشہؓ

علمی فضل و کمال

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس علمی خانوادہ کی چشم و چراغ تھیں۔ جن کے قلوب عرب کے جہالت کدہ میں بھی نور علم و عرفاں سے منور تھے۔ ان کا گھرانہ فطری طور پر نیکی کا خوگر اور رسیہ تھا۔ گویا صدیقہؓ شکم مادر سے نیکی کا چسکا لے کر دنیا میں قدم رنجہ فرما ہوئی تھیں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نہایت ذہین' فطین' زیرک اور سمجھدار آدمی تھے۔ انہوں نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کا فریضہ بھی انتہائی احسن طریقہ سے انجام دیا تھا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے تو ویسے بھی ''کاتب تقدیر'' نے ''ام المومنین'' کا اعزاز مقدر کر رکھا تھا۔ اس لئے ان کی تعلیم و تربیت دوسری اولاد سے بھی زیادہ اعلیٰ درجہ سے ہوئی۔

جب معلم انسانیت ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا۔ تو اس وقت قریش کے سارے قبیلہ میں گنے چنے افراد لکھ پڑھ سکتے تھے۔ ان میں صرف ایک خاتون زیور علم سے آراستہ تھی۔ جن کا نام نامی ''شفا بنت عبداللہ العدویہ'' تھا۔ لیکن اسلام کے آنے کے بعد ''علم'' کے شعبے کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ کیونکہ تعلیم و تعلم کے فروغ کے لئے جس قدر جدوجہد اسلام نے کی ہے دوسرے مذاہب نہ کر سکے۔ کیونکہ اسلام کی خشت اول ہی لفظ ''اقراء'' سے رکھی گئی تھی۔

ازواج مطہرات میں ام المومنین سیدہ حفصہ اور ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ سیدہ حفصہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان نے خاص

سے حضرت شفا بنت عبداللہ عدویہ سے لکھنا پڑھنا سیکھا تھا۔[1]

محسن انسانیت ﷺ کی کثرت ازواج اور خصوصاً ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کم سنی کی شادی میں کئی حکمتیں پنہاں تھیں۔ جن میں سے ایک عظیم مصلحت یہ بھی تھی کہ نوعمری میں جو بہترین تعلیم و تربیت کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس میں سیدہ عائشہؓ جیسی کسی زیرک' ذہین و فطین اور ہونہار عورت کو فیضان رسالت سے مستفیض اور نور نبوت سے مستنیر کیا جائے۔

چنانچہ اس عظیم الشان مقصد کے لئے اللہ جل جلالہ کی نظر انتخاب حضرت صدیق اکبرؓ کی صاحبزادی عائشہؓ پر پڑی۔ چونکہ دوسری ازواج مطہرات بیوہ ہو کر یا کبر سنی میں حریم نبوت میں داخل ہوئی تھیں۔ اس وجہ سے یہ مقصد پورا کرنے سے وہ قاصر تھیں۔ علم نبوت کی جو روپہلی شعائیں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذریعہ چار دانگ عالم میں پھیلیں وہ صرف ان ہی کا حصہ تھا۔ سیدہ آفتاب رسالتؐ سے فیض یاب ہو کر دنیا کی نصف آبادی "عالم نسوانیت" کے لئے شمع راہ بن گئیں۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت میں سخت گیر تھے۔ ان کی لغزشوں پر سرزنش کرتے رہتے تھے۔ تاکہ ان کی تربیت میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اگر انہیں کسی پر سختی کرنا پڑتی تو اس سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے صاحبزادے عبدالرحمٰن کو صرف اس وجہ سے مارنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ کہ انہوں نے مہمانوں کو جلد کھانا کیوں نہیں دیا۔[2]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نو سال کی عمر میں حبالہ عقد میں داخل ہوئی تھیں لڑکپن کا زمانہ جو تعلیم و تربیت کا خاص زمانہ ہے۔ ابھی شروع ہوا ہی تھا کہ سعادت نے ظلمت اور نقص کمال کے ہر گوشے سے الگ کر کے کاشانہ نبوت میں پہنچا دیا۔ اور سیدہ اپنی جوش فشانی سے فیضان علم و عرفاں سے فیض یاب

---

[1] سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۹۔ کتاب الطب۔

[2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۰۷ کتاب الادب باب ما یکرہ من الغضب والجزع عند الضیف۔

ہونے لگیں۔ اور نبوت کی زیر نگرانی کامل و مکمل تربیت ہوئی۔

اسی زمانہ میں سیدہؓ نے پڑھنا اور لکھنا سیکھا۔ قرآن مجید دیکھ کر تلاوت فرماتی تھیں۔ اور لکھنا بھی سیکھ لیا۔ اگرچہ علامہ بلاذری کی ایک روایت کے مطابق آپ لکھنا نہیں جانتی تھیں۔[1] لیکن امام احمدؒ کی ایک روایت میں لکھنے کی نسبت ان کی طرف آئی ہے۔

امیر معاویہؓ نے ایک معاملہ کے متعلق آپ کی خدمت میں خط لکھا۔

حتیٰ کتب الی ام المومنین ان اکتبی الی به فکتبت الیه به کتابا۔[2]

ترجمہ: حضرت معاویہؓ نے ام المومنینؓ کی خدمت میں خط لکھا۔ کہ اس واقعہ کو لکھ کر میری طرف بھیجیں۔ چنانچہ آپ نے لکھ کر ان کی طرح بھیج دیا۔

احادیث میں ہے کہ ام المومنینؓ کے لئے ان کا غلام "ذکوان" قرآن مجید لکھتا تھا۔[3]

"اس سے یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ وہ خود لکھنا نہ جانتی ہوں۔ اور جن روایات میں لکھنے کی نسبت آپ کی طرف کی گئی ہے۔ ممکن ہے راوی نے مجازاً لکھوانے کے بجائے لکھنا کہہ دیا ہو۔ جیسا کہ ایسے مواقع پر بولتے ہیں"۔[4]

بہرحال نوشت و خواند تو انسان کی ظاہری تعلیم ہے۔ حقیقی تعلیم و تربیت کا معیار اس سے بدرجہا بلند ہے۔ انسانیت کی تکمیل' تزکیہ اخلاق' ضروریات دین سے آشنائی۔ اسرار شریعت سے آگاہی' کلام الٰہی کی معرفت' اور احکام نبوی کی واقفیت میں ان سے زیادہ کوئی خاتون تعلیم یافتہ نہ تھی۔ کیونکہ معلم انسانیت ﷺ ان کے گھر میں

---

[1] فتوح البلدان اردو ج ۲ ص ۲۶۷ "خط"۔
[2] مسند امام احمد ج ۶ ص ۸۷۔
[3] بخاری صلوٰۃ الوسطی۔ مسند امام احمد ج ۶ ص ۷۳
[4] سیرت عائشہ ص ۳۶۔

تھے۔ اور شب و روز ان کی صحبت میسر تھی۔ دینی علوم و معارف کے سینکڑوں مسائل روزانہ سنتی تھیں۔ سرور دو عالم ﷺ کی تعلیم و ارشاد کی مجالس مسجد نبوی شریف میں منعقد ہوتی تھیں۔ جو صدیقہؓ کے حجرہ کے بالکل متصل ہے۔ آپ ان باتوں سے بھی مستفید ہوتیں۔ اگر کوئی بات سمجھ نہ آتی تو بلا جھجک آپؐ سے پوچھ لیتیں۔ اور جب تک تسلی نہ ہوتی صبر نہ کرتیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ کے ارشادات عالیہ سننے کے لئے مسجد کے قریب چلی جاتیں۔[1] علاوہ ازیں عورتوں کی درخواست پر حضور انور ﷺ نے ہفتہ میں ایک خاص دن ان کی تعلیم وتلقین کے لئے متعین فرمایا تھا۔[2]

سیدہ نے علوم نبوت میں کامل رسوخ اور مہارت تامہ حاصل کر لی تھی اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خذوا ثلث دینکم من بیت الحمیراء۔[3]

ترجمہ: حضرت حمیراؓ سے تین حصے دین کے حاصل کرو۔

ایک روایت میں ہے خذوا شطر دینکم عن الحمیراء۔[4]

ترجمہ: نصف دین حضرت حمیراؓ سے حاصل کرو۔

ویسے سینکڑوں مسائل ہیں جو صدیقہؓ کے پوچھنے سے امت کے سامنے واضح ہوئے ہیں۔ ایک مرتبہ حضور انور ﷺ نے فرمایا "مَنْ حُوْسِبَ عُذِّبَ" قیامت کے دن جس کا حساب ہوا اسے عذاب ہوگیا۔ صدیقہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اللہ جل شانہ کا تو ارشاد ہے۔

﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا﴾۔[5]

اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔

حضور انور ﷺ نے فرمایا۔ یہ تو اعمال کی پیشی کے متعلق ہے۔ لیکن جس کے

---

[1] مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۴۹ [4] صحیح بخاری کتاب العلم۔
[2] زرقانی ج ۳ ص ۲۸۸ [3] ایضاً
[5] سورۂ انشقاق۔

اعمال پر جرح وقدح شروع ہوئی وہ تو برد باد ہو گیا۔[1]

قرآن مجید کی اس آیت کے متعلق بھی صدیقہؓ کو اشکال تھا۔

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ﴾۔[2]

حضرت صدیقہؓ کو شک تھا جو چور ڈاکو بدکار اور شرابی وغیرہ ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے ڈرتے بھی ہیں۔ کیا ایسے لوگ اس سے مراد ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا نہیں۔ اس سے تو وہ لوگ مراد ہیں جو نمازی ہیں۔ روزہ دار بھی ہیں۔ اور پھر بھی خدا سے ڈرتے ہیں۔[3]

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات پسند کرتا ہے۔ اور جو آدمی اس کی ملاقات کو ناگوار سمجھتا ہے۔ اس کو بھی اس سے ملنا ناگوار ہوتا ہے۔''

صدیقہ عرض پرداز ہوئیں۔ یا رسول اللہ! ہم میں سے موت کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اس کا یہ مطلب نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب مومن اللہ رب العزت کی رحمت' خوشنودی اور جنت کا حال سنتا ہے تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے بندے کے آنے کا خدا بھی مشتاق رہتا ہے۔ اور کافر جب اللہ کے عذاب اور ناراضی کے واقعات سنتا ہے۔ تو اسے خدا کے سامنے جانے سے نفرت ہوتی ہے۔ پھر خدا بھی اس سے نفرت کرتا ہے۔[4]

اس نوعیت کے سوالات اور مباحث جو احادیث کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ درحقیقت ام المومنینؓ کی روزانہ تعلیم وتربیت کے مختلف اسباق ہیں جو مدرسہ نبوت سے وہ لیتی تھیں۔

صدیقہؓ بعض ایسے مواقع پر بھی سوال کر لیتی تھیں۔ جو بظاہر نبوت کی برہمی اور

---

[1] صحیح بخاری ج اص ۲۱۔ مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۰۶۵
[2] سورۃ مومنون: ۶۰
[3] مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۵۹۔
[4] سنن ترمذی ج اکتاب الجنائز۔

آزردگی کا قوی اندیشہ ہوتا تھا۔ اور رحمت عالم ﷺ بھی صدیقہؓ کے بے محل سوالات پر برہم ہونے کی بجائے ان کی علم وتحقیق کی پیاس تسلی بخش جواب سے بجھانے کی کوشش فرماتے۔

جیسا کہ ایک دفعہ آپ نے کسی بات پر آزردہ ہو کر ایلاء کر لیا تھا۔ یعنی ایک مہینہ تک ازواج کے پاس نہ جانے کا عہد فرما لیا تھا۔ اور آپ ۲۹ روز تک ایک بالا خانے پر تشریف فرما رہے۔ صدیقہؓ سمیت تمام ازواج مطہرات سخت بے قرار اور پریشان تھیں۔ آپ ۲۹ دن تک بالا خانے پر تشریف فرما رہنے کے بعد چاند کی پہلی تاریخ یعنی تیسویں دن آپ بالا خانہ سے اتر کر سب سے پہلے سیدہ عائشہؓ کے پاس تشریف لائے۔ ایسے انتہائی مسرت کے موقع پر صدیقہؓ کو سب کچھ بھول جانا چاہئے تھا اور اس واقعہ کے متعلق لب کشائی نہ کرتیں۔ لیکن حریم نبوت کی اس ملکہ اور مدرسہ نبوت کی اس معلمہ نے ایک سوال کر ہی دیا۔ کیونکہ مزاج شناس نبوت نفس شریعت کی گرہ کشائی کو ہر ایک چیز پر مقدم سمجھتی تھی۔

چنانچہ صدیقہؓ یوں گویا ہوتی ہیں۔

یا رسول اللہ! آپ نے تو ایک ماہ تک ہمارے حجروں میں تشریف نہ لانے کو کہا تھا۔ آپ ایک روز پہلے کیسے تشریف لائے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

الشهر تسع وعشرون وكان ذلك الشهر تسعاً وعشرين۔[1]

ترجمہ: مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔ اور یہ مہینہ ۲۹ دن کا ہی تھا۔

بالعموم لوگ اور خصوصاً عورتیں معمولی گناہوں کی پرواہ نہیں کرتیں۔ لیکن محسن انسانیت ﷺ بطور اصلاح ایسے نامحمود کاموں سے بھی گریز اور پرہیز کی تاکید فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ لسان نبوت نے صدیقہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

یا عائشة اياك و محقرات الذنوب۔[2]

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳۵ باب المغالم والقصاص۔

[2] مسند امام احمد ج ۲ ص ۷۰۔

ترجمہ: عائشہ! معمولی گناہوں سے بھی بچا کرو۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس ﷺ سے کسی عورت کے متعلق کچھ بیان کر رہی تھیں۔ کہ اثنائے گفتگو میں منہ سے نکل گیا کہ وہ ''پست قد'' ہے۔ آپ نے فوراً توجہ دلائی کہ عائشہ! یہ بھی تو غیبت ہے۔[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن ایک دوسرے کو کوئی یاد بھی کرے گا؟ آپ نے فرمایا تین مقامات پر کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا۔ ایک تو جب اعمال تولے جائیں گے۔ دوسرے جب اعمال نامے دیئے جا رہے ہوں گے اور تیسرے جب جہنم گرج گرج کر کہہ رہی ہوگی کہ میں تین قسم کے آدمیوں کے لئے مقرر ہوئی ہوں۔[2]

مزید تفصیل کے لئے سید سلیمان ندوی کی ''سیرت عائشہؓ'' کی طرف رجوع کریں۔

اس قسم کی مختلف پند و نصائح کے علاوہ معلم انسانیت ﷺ حضرت صدیقہؓ کو عبادات اور شریعت کے اکثر مسائل سکھایا کرتے تھے۔ اور صدیقہ بھی بے حد ذوق و شوق سے انہیں سیکھتیں۔ اور ہر ایک فرمان کی شدت کے ساتھ پابندی کرتی تھیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا علم انساب اور علم شعر میں بھی مہارت کاملہ رکھتی تھیں۔ کیونکر نہ ہو جس باپ کی آغوش میں انہوں نے تربیت پائی تھی وہ بھی علم انساب اور شعر و ادب کے ماہر تھے۔ اور بڑے بڑے نامی گرامی ماہرین فن ان سے اصلاح لیتے تھے۔ گویا کہ یہ علوم آپ کو پدری وراثت میں ملے تھے۔

اعتراف فضیلت:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی علمی مہارت اور فضیلت صحابہ کرام اور تابعین کے نزدیک مسلم ہے۔ اس کی تفصیل امام محمد بن یوسف

---

[1] مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۰۶۔

[2] مسند امام احمد ج ۶ ص ۹۳ بحوالہ سیرت عائشہ ص ۳۴۸۔

الصالحی الدمشقی المتوفی ۹۴۲ھ کی تصنیف لطیف "ازواج النبیؐ" سے پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ جب کبھی ہم لوگوں یعنی اصحاب رسول اللہ ﷺ کو کسی بات اور کسی مسئلہ میں اشتباہ ہوا تو ہم نے ام المومنین سیدہ عائشہؓ سے پوچھا تو ان کے پاس اس کے متعلق علم پایا۔[1]

حضرت زہری سے روایت ہے کہ:

لو جمع علم نساء هذه الامة فيهن ازواج النبي ﷺ كان علم عائشة اكثر من علمهن۔[2]

ترجمہ: اگر اس امت کی تمام عورتوں اور ازواج مطہرات کا علم جمع کیا جائے تو پھر بھی حضرت عائشہؓ کا علم سب سے زیادہ ہے۔

حضرت مسروقؒ تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے حضور انور ﷺ کے اکابر صحابہ اور شیوخ کو دیکھا۔ جو عمر میں بڑے تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرائض کے متعلق معلومات لیا کرتے تھے۔[3]

حضرت عروہ بن زبیرؓ (حضرت عائشہؓ کے بھانجے) فرماتے ہیں۔

"میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو اللہ کی کتاب قرآن پاک اور فرائض کے متعلق اور حرام وحلال اور فقہ کے بارے میں اور شعر اور طب میں اور عربوں کے واقعات اور تاریخ کے متعلق اور انساب کے بارے سیدہ عائشہؓ سے زیادہ علم رکھتا ہو۔"[4]

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

واللہ ما رأیت خطیباً قط بلیغ ولا افصح ولا افطن من

---

[1] سنن ترمذی ج ۲ ص ۲۲۸ ابواب المناقب۔

[2] طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۸۲ حدیث نمبر ۲۹۹ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۸۵ حدیث نمبر ۱۵۳۱۸۔

[3] طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۸۲ حدیث نمبر ۲۹۰ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۱۔

[4] طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۸۳ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۸۵۔

عائشة[1]

ترجمہ: خدا کی قسم! میں نے کوئی خطیب نہیں دیکھا جو فصاحت و بلاغت اور ظرافت میں حضرت عائشؓ سے فائق ہو۔

موسیٰ بن طلحہ فرماتے ہیں۔

ما رأیت کان افصح من عائشة[2]

میں نے سیدہ عائشؓ سے زیادہ فصیح کوئی نہیں دیکھا۔

عطا بن ابی رباح فرماتے ہیں۔

کانت عائشة أفقه الناس۔ واعلم الناس واحسن الناس رأیا فی العامة۔[3]

ترجمہ: حضرت عائشؓ فقاہت میں علم میں سب سے بڑھ کر تھیں۔ اور لوگوں کی رائے ان کے متعلق بہت اچھی تھی۔

یہی وہ خداداد کمالات تھے جن کی وجہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں[4] رضی اللہ عنہا وارضاھا۔

ام المومنینؓ کے لئے فخر کو اتنا ہی کافی ہے۔ کہ علماء وفقہاء اور محدثین ومورخین وغیرہ ان کے فضائل ومناقب کی اشاعت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ گئے اور آج تک ان کے فضائل کی اشاعت کر رہے ہیں۔

علمی فضل وکمال میں یگانہ وفرزانہ ہونا یہ کوئی اچنبے کی بات نہیں۔ جس پاک طینت خاتون کی نشوونما سچائی کے گھر میں ہوئی اور نبوت کے گھر میں زندگی گزری۔ اور نبوت کے صاف اور خالص چشمہ سے سیراب ہوئی اور اسباب نزول قرآن کا اپنی

---

1. ازواج النبی ص ۱۲۳ طبرانی کبیر ۲۳ ص ۱۸۲ مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۱ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۵۔
2. طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۸۲ مستدرک ج ۴ ص ۱۱۔
3. مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۴۔
4. ازواج النبی ص ۱۲۴ و ۱۲۵۔

آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہو تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ وہ امت کی خواتین میں سب سے زیادہ فقیہ ہوں۔

تفسیری نکات:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نزول قرآن کے چودھویں سال نو برس کی عمر میں حریم نبوت میں آئی تھیں اور دس سال تک سرور دو عالم ﷺ کی رفاقت میں رہیں اس طرح نزول قرآن کا نصف سے زیادہ حصہ ان کے ابتدائے ہوش سے پہلے کا واقعہ ہے۔ لیکن ذہین و فطین ہستی نے اس زمانہ کو بھی جو عموماً طفلانہ بے خبری اور کھیل کود کا عہد ہے رائیگاں نہیں کیا۔

حضور انور ﷺ روزانہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لاتے تھے۔ اور صدیقؓ نے اپنے گھر میں ایک مسجد بنائی تھی۔ اس میں بیٹھ کر نہایت رقت اور خشوع کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے[1] نا ممکن ہے کہ سیدہ عائشہؓ کے فوق الفطرۃ حافظہ نے ان موقعوں سے فائدہ نہ اٹھایا ہو۔ سیدہ فرماتی تھیں جب یہ آیت اتری تھی۔ تو میں کھیل رہی تھی۔

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ۔[2]

ترجمہ: بلکہ قیامت کا روز ان کے وعدے کا دن ہے اور وہ گھڑی نہایت سخت اور شدید تلخ ہوگی۔

ام المومنین کو تیرہ چودہ سال کی عمر تک (یعنی ۶ ہجری تک) قرآن زیادہ یاد نہیں تھا۔ جس کا اقرار وہ خود کرتی ہیں۔

وانا جارية حديثة السن لا اقراء من القران كثيراً۔[3]

ترجمہ: میں اس وقت (واقعہ افک کے وقت) کم سن تھی۔ زیادہ قرآن

---

[1] صحیح بخاری ج۱ ص۵۵۳ باب الہجرۃ۔
[2] صحیح بخاری ج۲ ص۷۲۲ کتاب التفسیر سورۃ قمر۔
[3] صحیح بخاری ج۲ ص۶۹۸ واقعہ افک۔

پڑھی ہوئی نہیں تھی۔

سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک قرآن مجید کتاب کی صورت میں مدون نہیں ہوا تھا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں اسے کاغذ پر لکھوایا۔ اسی اثنا میں بعض دوسرے صحابہ نے بھی اپنے طور پر روزانہ تلاوت کرنے کے لئے قرآن ترتیب دے لیا تھا۔ ان میں سورتوں کے تقدیم و تاخیر کا اختلاف تھا۔

سیدہ عائشہؓ کے غلام ابو یونس جو فنِ کتابت سے آشنا تھے۔ سیدہ نے ان کے ہاتھ سے اپنے لئے قرآن لکھوایا تھا۔[1]

اختلافِ قراءۃ کا اثر عجم کے میل جول سے عراق میں سب سے زیادہ تھا۔ چنانچہ عراق کے ایک صاحب سیدہؓ کی ملاقات کو آئے۔ اور درخواست کی کہ اے ام المومنینؓ! مجھے اپنا قرآن دکھائیں۔[2] وجہ دریافت کی گئی تو کہا ہمارے ہاں لوگ اب تک قرآن بے ترتیب پڑھتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے قرآن کی ترتیب آپ ہی کے قرآن کے مطابق کر دوں۔ سیدہؓ نے فرمایا سورتوں کے آگے پیچھے ہونے میں کوئی نقصان نہیں۔ پھر اپنا قرآن نکال کر ہر سورت کی ہر آیات پڑھ کر لکھوا دی۔[3]

ام المومنینؓ کی آیاتِ قرآنی کی تفسیر کے سلسلہ میں بہت بڑی تعداد میں روایات پائی جاتی ہیں۔ لیکن جن آیتوں میں کوئی خاص نکتہ بیان کیا گیا ہے۔ ان میں سے چند بطورِ نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔ حج کے اعمال کے سلسلہ میں کوہِ صفا و مروہ کی سعی بھی ہے۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح پایا جاتا ہے۔

﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ

---

1. مسند امام احمد ج ٦ ص ٣۔
2. صحیح بخاری ج ٢ ص تفسیر سورۃ الموطی۔ مسند امام احمد ج ٦ ص ٣٧۔
3. صحیح بخاری ج ٢ ص ٧٤٦ باب جمع القرآن۔
4. صحیح بخاری ج ٢ ص ٧٤٦ باب تالیف القرآن۔

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ [۱]

ترجمہ: صفا اور مروہ شعائر الٰہی میں سے ہیں۔ لہٰذا جو کوئی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر ان کا بھی طواف کرے۔

حضرت عروہ نے عرض کی۔ خالہ جان۔ اس کا تو معنی یہ ہوا کہ اگر کوئی آدمی صفا ومروہ کی سعی نہ کرے تو بھی کچھ حرج نہیں۔

ارشاد فرمایا: تمہاری بات درست نہیں۔ اگر آیت کا وہ مطلب ہوتا جو تم سمجھے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا:

﴿لَا جُنَاحَ أَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾۔

اگر ان کا طواف نہ کرو تو کوئی حرج نہیں۔

اصل میں یہ آیت انصار کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اوس اور خزرج اسلام سے پہلے "مناۃ" کی جے پکارتے تھے۔ جب اسلام قبول کر لیا۔ تو حضور انور ﷺ سے عرض کیا کہ ہم پہلے تو ایسا کرتے تھے۔ اب کیا حکم ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ صفا ومروہ کا طواف کرو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ حضور انور ﷺ نے بھی صفا ومروہ کا طواف ادا فرمایا ہے۔ اس کے بعد کسی کو ترک کرنے کا حق نہیں ہے۔

ابوبکر بن عبدالرحمٰن ایک محدث تھے۔ جب انہیں سیدہ عائشہؓ کی یہ تقریر معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا کہ علم اسے کہتے ہیں۔ [۲]

سورۂ یوسف میں ہے۔

﴿حَتَّى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا﴾۔ [۳]

---

۱ سورۂ بقرہ رکوع نمبر ۱۹۔

۲ صحیح بخاری ج ص ۲۲۳ کتاب الحج باب وجوب الصفا والمروۃ۔

۳ سورۂ یوسف رکوع نمبر ۱۳۔
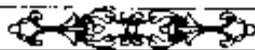
ترجمہ: یہاں تک کہ جب پیغمبر نا امید ہو گئے اور ان کو خیال ہوا کہ وہ جھوٹ بولے گئے ہیں۔ تو ہماری مدد آ گئی۔

عروہ بن زبیر نے پوچھا آیت میں کُذِبُوْا۔ (تخفیف کے ساتھ۔ ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا) یا کُذِّبُوْا ہے۔ (تشدید کے ساتھ یعنی وہ جھٹلائے گئے) عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔ کُذِّبُوْا (تشدید کے ساتھ ہے)۔ اس پر میں نے ان سے کہا کہ انبیاء تو یقین کے ساتھ جانتے تھے۔ کہ ان کی قوم انہیں جھٹلا رہی ہے۔ ظن وگمان کا اس میں کیا سوال تھا کہ قرآن نے ظن کے ساتھ بیان کیا۔ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا تم نے صحیح کہا۔ انہیں یقین کے ساتھ معلوم تھا۔ اس پر میں نے آیت یوں پڑھی۔ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا: (تخفیف کے ساتھ)

تو سیدہ عائشہؓ نے فرمایا۔ معاذ اللہ! انبیاء کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس طرح کا گمان نہیں تھا۔

عروہ نے پھر عرض کیا کہ پھر آیت کا مطلب کیا ہے؟ سیدہ نے ارشاد فرمایا۔

"آیت میں انبیاء کے ان متبعین کا ذکر ہوا ہے۔ جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور انبیاء کی بھی تصدیق کی۔ لیکن آزمائش کا سلسلہ ان پر بہت طویل ہو گیا اور اللہ کی مدد میں تاخیر ہوئی۔ حتیٰ کہ پیغمبر اپنی قوم کے ان لوگوں سے مایوس ہو گئے۔ جنہوں نے ان کی تکذیب کی تھی۔ اور انہیں یہ بھی خیال گزرا کہ کہیں ان کے متبعین بھی ان کی تکذیب نہ کر بیٹھیں۔ اس وقت ان کے پاس اللہ کی مدد پہنچی"۔[1]

(ترجمہ تفہیم البخاری ج ۲ ص ۹۳۷)

قرآن مجید کی جس آیت میں چار بیویوں تک کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۸۰ سورۂ یوسف۔

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾۔ (النساء)

ترجمہ: اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کرسکو گے۔ تو عورتوں میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کرلو۔ (اگر عدل نہ ہو تو ایک)

اس آیت کے پہلے اور پچھلے حصے میں باہم ربط نہیں معلوم ہوتا۔ یتیموں کے حقوق میں عدم انصاف اور نکاح کی اجازت میں باہم کیا مناسبت ہے؟ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایک شاگرد نے یہ اشکال ان کی خدمت میں پیش کیا۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا۔

آیت کا شان نزول یہ ہے کہ بعض لوگ یتیم لڑکیوں کے ولی بن جاتے ہیں۔ ان سے موروثی رشتہ داری ہوتی ہے۔ وہ اپنی ولایت کے بل بوتے پر چاہتے ہیں کہ اس یتیم لڑکی سے نکاح کرکے اس کی جائیداد پر قبضہ کرلیں۔ چونکہ لڑکی کی طرف سے کوئی بولنے والا نہیں ہے۔ اس لئے اسے مجبور پاکر اسے ہر طرح دباتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان مردوں کو خطاب کرتا ہے کہ تم ان یتیم لڑکیوں کے معاملہ میں انصاف سے پیش نہ آسکو تو ان کے علاوہ دوسری عورتوں سے دو تین چار نکاح کرلو۔ اور یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے سے منع کردیا گیا۔[1]

کسی عورت کو اپنے شوہر سے شکایت ہو تو ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَآ اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَیْرٌ﴾[2]

''اور اگر کسی کو اپنے شوہر کی طرف سے لڑنے سے اور اعراض کا خوف ہو تو اس میں مضائقہ نہیں کہ دونوں آپس میں صلح کرلیں۔ اور صلح تو بہتر

1۔ صحیح بخاری ج ۲ ص کتاب التفسیر صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۲۰ کتاب التفسیر۔

2۔ سورہ نساء۔ رکوع ۱۹

حال میں بہتر ہے۔"

ناراضگی کی حالت میں صلح کر لینا یہ ایک واضح حقیقت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کو اس خاص حکم کے نزول کی کیا حاجت تھی۔

سیدہ فرماتی ہیں۔ اس آیت میں ایسی عورت کا ذکر ہے جس کا شوہر اس کے پاس زیادہ آتا جاتا نہیں۔ یا وہ عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے شوہر کی خدمت گزاری کے قابل نہیں رہی۔ اس خاص حالت میں اگر بیوی طلاق لینا پسند نہ کرے اور بیوی رہ کر شوہر کو اپنے حق سے سبک دوش کر دے۔ تو یہ باہمی مصالحت بری نہیں۔ بلکہ قطعی علیحدگی سے یہ صلح بہتر ہے۔[1]

علم حدیث:

علم حدیث کا موضوع درحقیقت ذات نبویؐ ہے۔ اس لیے اس فن کی مہارت اور واقفیت کے ذرائع سب سے زیادہ اس کو حاصل تھے جسے سب سے زیادہ آپ کا تقرب حاصل تھا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قدرۃً اس قسم کے مواقع زیادہ مل سکتے تھے ہجرت سے تین سال پہلے سیدہ کا عقد آپؐ سے ہوا تھا' اس اثنا میں آپؐ تقریباً روزانہ ان کے گھر تشریف لاتے تھے۔ ہجرت کے بعد چھ ماہ تک وہ زیارت نبوی سے محروم رہیں۔ شوال میں رخصت ہو کر کاشانۂ نبوت میں آ گئیں' اس وقت سے لے کر تا دم واپسیں اس ذات اقدسؐ سے جدا نہ ہوئیں خلوت و جلوت میں آپ کو دیکھا اور آپ کی ایک ایک ادا اور ایک ایک قول کو اپنی فطری ذہانت اور قوت حافظہ میں محفوظ رکھا۔

سیدہؓ کی روایت کی ہوئی احادیث کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ ازواج مطہرات کے علاوہ عام عورتوں بلکہ مرد حضرات میں بھی چار پانچ کے سوا کوئی ان کے ہم پلہ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اکابر صحابہ کرام مثلاً سیدنا ابوبکر صدیقؓ سیدنا عمر فاروقؓ سیدنا عثمان غنیؓ اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا پایۂ شرف صحبت

[1] صحیح بخاری ج ۲۔ ص ۶۶۲۔ سورہ نساء۔

اختصاص کلام اور قوت فہم و ذکاء میں اگرچہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے بہت بلند تھا لیکن بیوی جو کچھ گھنٹوں میں معلوم کر سکتی ہے احباب خاص کو برسوں میں بھی اس کی واقفیت نہیں ہو سکتی۔

علاوہ ازیں ان مقدس اور بزرگ شخصیات کو سرور کائنات ﷺ کے وصال کے بعد خلافت کے عظیم الشان فرائض اور مہمات میں مصروف رہنا پڑا۔ اس لیے ان حضرات کو احادیث کی روایات کی فرصت بہت کم ملی یہی وجہ ہے کہ روایت حدیث کا فرض دوسرے فارغ البال حضرات نے انجام دیا ہے۔ جن صحابہ کرام کی روایات کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے وہ کثیر الروایات صحابہ سات ہیں۔

	اسماء گرامی	تعداد مرویات
۱	سیدنا ابو ہریرہؓ	۵۳۷۴
۲	سیدنا عبداللہ بن عباسؓ	۲۲۶۰
۳	سیدنا عبداللہ بن عمرؓ	۲۶۳۰
۴	سیدنا جابرؓ	۱۵۴۰
۵	سیدنا انسؓ	۲۲۸۶
۶	سیدہ عائشہؓ	۲۲۱۰
۷	سیدنا ابو سعید خدریؓ	۱۱۷۰

مکثرین روایات میں سیدہؓ کا مقام:

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا درجہ مکثرین روایات میں چھٹا ہے۔ ان سے بھی زیادہ احادیث روایت کرنے والے صحابہ ان کے بعد بھی کچھ عرصہ زندہ رہے اس وجہ سے ان کی روایات کا سلسلہ جاری رہا۔ علاوہ ازیں ام المؤمنینؓ ایک پردہ نشین خاتون تھیں۔ وہ اپنے ہم عصر مردوں کی طرح ہر مجلس میں حاضر نہیں ہو سکتی تھیں اور نہ ہی ہر طالب علم ان کی خدمت میں ہر وقت پہنچ سکتا تھا۔ اور نہ

ان بزرگوں کی طرح مملکت اسلامیہ کے بڑے بڑے شہروں میں سیدہؓ کا گزر رہوا۔ اگر ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھا جائے اور پھر سیدہؓ کی مرویات کو دیکھا جائے تو ان کی حیثیت ان "کج سیاروں" میں سب سے زیادہ روشن اور تابندہ نظر آئے گی۔

مرویات کی تفصیل:

یہ بیان ہو چکا ہے کہ سیدہؓ کی مرویات کی کل تعداد ۲۲۱۰ ہے۔ جو حسب ذیل کتب احادیث میں پائی جاتی ہیں۔

بخاری اور مسلم میں ۲۸۶ تعداد۔

ان میں سے ۱۷۴ احادیث دونوں میں مشترک ہیں۔ جب کہ ۵۴ احادیث صرف بخاری میں اور ۵۸ صرف مسلم شریف میں ہیں۔ اس حساب سے سیدہؓ کی مرویات بخاری شریف میں ۲۲۸ اور مسلم شریف میں ۲۳۲ پائی جاتی ہیں۔

اور بقیہ مرویات احادیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔ بالخصوص مسند امام احمد کی چھٹی جلد میں ام المومنین کی مرویات کی بہت بڑی تعداد مرقوم ہے۔ جو مصری مطبوعہ باریک ٹائپ کے ۲۵۳ صفحات پر مشتمل ہیں۔ اگر ان کو الگ کتاب کی شکل دی جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

لیکن محض روایات کی کثرت سیدہؓ کی فضیلت کا سبب نہیں۔ بلکہ اصل جوہر تو دقت رسی اور نکتہ سنجی ہے۔ مکثرین روایت میں جن اکابرین کے نام شامل ہیں۔ ان میں سے پانچ حضرات "اصولیین" کے نزدیک صرف روایت کش سمجھے جاتے ہیں۔ ان کا شمار فقہائے صحابہ میں نہیں ہے۔ فقہی اجتہاد اور غیر منصوص مسائل کا استنباط کرنے میں ان سات حضرات میں سے سیدہ عائشہؓ کے ہم پلہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔ جو کثرت روایات کے ساتھ تفقہ اجتہاد فکر اور قوت استنباط میں بھی ممتاز تھے۔

روایت کی کثرت کے ساتھ تفقہ اور قوت استنباط کے علاوہ ام المومنینؓ کی روایات کی ایک خاص خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ وہ جن احکام اور واقعات کو نقل کرتی ہیں اکثر ان کے علل اور اسباب بھی بیان فرماتی ہیں۔ اور وہ خاص حکم جن مصلحتوں پر

بھی ہوتا ہے۔ ان کی تشریح بھی کرتی ہیں۔

مثال کے طور پر جمعہ کے دن غسل کرنے کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوسعید خدری اور سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تینوں کی روایات صحیح بخاری میں پائی جاتی ہیں۔ تو ان کے اندر بیان کو ملاحظہ کریں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من جاء منکم الجمعۃ فلیغتسل۔[1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا کہ جو جمعہ کے لئے آئے، وہ غسل کرے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال غسل یوم الجمعۃ واجب علی کل محتلم۔[2]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جمعہ کا غسل ہر بالغ پر فرض ہے۔

اب یہی مسئلہ سیدہ عائشہؓ کے الفاظ میں سنئے۔

قالت کان الناس ینتابون الجمعۃ من منازلھم والعوالی فیأتون فی الغبار یصیبھم الغبار والعرق، فیخرج منھم العرق۔ فاتی رسول اللہ ﷺ انسان منھم وھو عندی۔ فقال النبی ﷺ لو انکم تطھرتم لیومکم ھذا۔[3]

ترجمہ: لوگ نماز جمعہ کے لئے اپنے اپنے گھروں اور مدینہ منورہ سے باہر آبادیوں سے آتے تھے۔ اور گرد و غبار اور پسینہ میں شرابور ہوتے

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۲۔

[2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۱۔

[3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۳۔

تھے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب ان میں سے آئے اور حضور ﷺ میرے پاس بیٹھے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا بہتر ہوتا اگر تم اس دن غسل کر لیا کرتے۔

سیدہؓ کی دوسری روایت یوں ہے۔

قالت عائشة كان الناس مهنة انفسهم وكانوا اذا راحوا الى الجمعة راحوا فى هيأتهم فقيل لهم لو اغتسلتم۔[1]

ترجمہ: سیدہ عائشہ کہتی ہیں کہ لوگ اپنے کام اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے (یعنی کھیتی باڑی وغیرہ) جب وہ جمعہ کے لئے جاتے تھے۔ تو اسی ہیئت میں چلے جاتے تھے۔ اس لئے ان سے کہا گیا کہ تم غسل کر لیا کرو۔

حضور انور ﷺ نے ایک سال حکم دیا کہ قربانی کا گوشت تین دن کے اندر اندر کھا لیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس حکم کو دائمی سمجھا۔ لیکن سیدہ عائشہؓ نے اس کو حکم استحبابی سمجھا۔ چنانچہ بیان فرماتی ہیں۔

الضحية كنا نملح منها فنقدم به الى النبى صلى الله عليه وسلم بالمدينة فقال لا تاكلوا ثلثة ايام۔ وليست بعزيمة ولكن اراد ان يطعم منه والله اعلم۔[2]

ترجمہ: ہم قربانی کا گوشت نمک لگا کر رکھ لیتے۔ مدینہ میں آپ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا تین دن کے بعد نہ کھایا کرو۔ یہ حکم قطعی نہیں تھا۔ بلکہ آپ چاہتے تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی اس سے کھلایا جائے۔

---

[1] صحیح بخاری ج ا ص ۱۲۳۔

[2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۵ کتاب الاضاحی۔

دوسری روایت میں اس کی اصل وجہ بھی بیان کر دی ہے۔

ایک شخص نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ نے قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ فرمایا نہیں۔ لیکن ان دنوں قربانی کرنے والے کم تھے۔ اس لئے حضورؐ نے چاہا کہ جو لوگ قربانی نہیں کر سکتے ان کو کھلائیں۔[1]

علم الاسرار:

"علم اسرار الدین" کے عنوان سے سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ان علمی اسرار و رموز کا تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ جو شرعی احکام میں مصلحتوں کے حامل ہیں۔ ہم ان سے استفادہ کرتے ہوئے قدرے اختصار سے نئے اسلوب میں انہیں پیش کرتے ہیں۔

علمی حیثیت سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ بحوالہ دلائل کے ہیں اور فقہ ان دلائل کے نتائج اور مستنبطات کا نام ہے۔ فقہ اور قیاس میں بھی ام المومنینؓ کا درجہ بہت بلند تھا۔ اور ان کے استنباط کا اصول یہ تھا کہ وہ سب سے پہلے قرآن مجید پر نظر ڈالتیں اگر قرآن سے واضح رہنمائی حاصل نہ ہوتی تو پھر احادیث کی طرف رجوع کرتیں۔ اور احادیث سے بھی مسئلہ حل نہ ہونے کی صورت میں پھر ان کے نزدیک قیاس عقلی کا درجہ تھا۔

یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ شریعت کے تمام احکام مصلحتوں پر مبنی ہیں۔ لیکن ان مصلحتوں پر بندوں کا مطلع ہونا ضروری نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے بعض مواقع پر ان مصلحتوں کو بیان بھی کر دیا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے جو احکام دیئے ان کی مصلحتیں کبھی خود ظاہر فرما دیں اور کبھی کسی کے پوچھنے پر بیان فرما دیں۔

صحابہ کرام میں جو لوگ شریعت کے راز دان تھے وہ بھی ان نکات سے بخوبی

---

[1] ترمذی ج۱ ص ۱۸۲ کتاب الصوم باب الاضاحی۔

آ گاہ تھے۔ اور اللہ رب العزت نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی حظ وافر عطا فرمایا تھا۔ ان مصالح کو سیدہ نے کئی مواقع پر بیان فرمایا ہے۔ مثال کے طور پر۔

حضور انور ﷺ کے عہد مبارک میں عورتیں بے تکلف مسجد نبوی شریف آتیں اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں۔ مردوں اور بچوں کے پیچھے وہ صف بندی کرتی تھیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کا بھی تاکیدی حکم تھا کہ عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکا نہ جائے۔

لیکن عہد نبوت کے اختتام کے بعد مال و دولت کی فراوانی اور غیر قوموں کے اختلاط نے ان کی سادگی، بے تکلفی اور پاکیزہ نفسی میں خلل ڈال دیا۔ جس کا نظارہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کر رہی تھیں۔ اس سے متاثر ہو کر ارشاد فرمایا! اگر آج حضور انور ﷺ زندہ ہوتے اور عورتوں کی موجودہ جدت پسندی کو ملاحظہ فرماتے تو انہیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے۔[1]

یہ تو ایک جزوی واقعہ تھا۔ لیکن اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ ام المومنینؓ کے نزدیک شریعت کے احکام مصالح اور حِکَم پر مبنی ہیں اور ان کے بدلنے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔

جمعہ کے دن غسل:

جمعہ کے دن غسل کرنا ضروری ہے۔ لیکن اسے کیوں ضروری قرار دیا گیا۔ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں۔ "لوگ اپنے گھروں سے اور مدینہ منورہ سے باہر کی بستیوں سے نماز جمعہ کے لئے مسجد نبوی شریف آتے تھے۔ وہ سفر کی وجہ سے گرد و غبار میں آئے ہوئے ہوتے اور جسم پر پسینہ بہہ رہا ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ان میں سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جبکہ آپ میرے ہاں تشریف فرما تھے۔ آپ نے اسے فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۰ باب خروج النساء الی المساجد۔

''اس دن کے لئے تو تم تنہا لیجئے''۔

سفر میں قصر:

وہ فرض نمازیں جو چار رکعت پر مشتمل ہیں۔ سفر کی حالت میں صرف دو ادا کی جاتی ہیں۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ چار میں سے دو سہولت کی خاطر ساقط کر دی گئی ہیں۔ لیکن اس کی مصلحت ام المومنینؓ یوں بیان فرماتی ہیں۔

مکہ مکرمہ میں جب نماز فرض ہوئی تو دو دو رکعت نماز فرض تھی۔ جب حضور انور ﷺ نے ہجرت فرمائی۔ تو مدینہ منورہ آنے کے بعد دو رکعت کا اضافہ ہو گیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے چار رکعت فرض کر دیں۔ اور سفر کی نماز اپنی اصلی حالت میں باقی رکھی گئی جو دو رکعت تھی۔[1]

جب ہجرت کے بعد نمازوں میں دو رکعتوں کے بجائے چار ہو گئیں۔ لیکن مغرب کی رکعات میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی وہ برابر تین رکعتیں ہی رہیں۔ ایسا کیوں ہوا۔ ام المومنینؓ ارشاد فرماتی ہیں۔

''مغرب کی رکعات میں اضافہ نہ ہوا۔ اس لئے کہ وہ دن کی وتر نماز ہے''۔[2]

یہاں ایک سوال اور ذہن میں ابھرتا ہے کہ صبح کی نماز میں سکون و اطمینان تو زیادہ ہوتا ہے۔ اس میں دو کے بجائے زیادہ رکعات ہونی چاہئیں تھیں۔ ام المومنینؓ اس کی حکمت یوں بیان فرماتی ہیں۔

''نماز فجر کی رکعات میں اضافہ نہ ہوا۔ کیونکہ صبح کی دونوں رکعات میں لمبی سورتیں پڑھی جاتی ہیں''۔[3]

نماز فجر اور عصر کے بعد نماز کی ممانعت:

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نماز فجر اور نماز عصر کے بعد

---

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۴۱ صلوۃ المسافرین۔ مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۴۱۔

[2] مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۴۱۔ [3] ایضاً۔

نہ کوئی سنت نماز جائز ہے اور نہ نفل۔ اس ممانعت کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اللہ کی عبادت کا حکم تو ہر وقت ہے۔ یہ حیرت اور استعجاب سیدہ عائشہؓ دور فرماتی ہیں۔

"حضرت عمرؓ کو وہم ہوا۔ کہ آپؐ نے نماز سے منع فرمایا ہے۔ کہ کوئی شخص آفتاب کے طلوع یا غروب کے وقت کو تاک کر نماز پڑھے"۔[1]

یعنی سورج کی پوجا کرنے والوں کے ساتھ عبادت میں بھی تشابہ کا گمان نہ ہو۔ اور نہ ہی آفتاب پرستی کا شبہ پیدا ہو۔

بیٹھ کر نماز پڑھنا:

حضور انور ﷺ کی نسبت ثابت ہے کہ آپ نفل نماز بیٹھ کر بھی ادا فرماتے تھے۔ شاید اسی لیے بعض لوگ بلا عذر بیٹھ کر نفل نماز پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے سے آدھا ہے۔ ایک شخص نے ام المومنینؓ سے دریافت کیا کہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ جواب میں فرمایا۔

حین حطمه الناس۔[2]

ترجمہ: جب لوگوں نے آپ کو توڑ دیا۔ یعنی آپ کمزور ہو گئے۔

دوسری روایت میں ہے۔

"میں نے کبھی آپ کو تہجد کی نماز بیٹھ کر پڑھتے نہیں دیکھا۔ لیکن ہاں۔ جب آپ عمر رسیدہ ہو گئے تھے۔"[3]

حج کی حقیقت:

بعض ناواقف لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ حج کے ارکان مثلاً طواف کرنا۔ بعض مقامات میں دوڑنا۔ کہیں کھڑا ہونا۔ حج میں کہیں ٹھہرنا۔ کسی جگہ کنکریاں پھینکنا ایک بے سود سا عمل ہے۔ سیدہ عائشہؓ اس کی حقیقت اسی طرح بیان فرماتی ہیں۔

---

1. مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۲۴۔
2. سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۹۴ باب فی صلوٰۃ القاعد۔
3. ابو داؤد ج ۱ ص ۹۵ باب فی صلوٰۃ القاعد۔

"خانہ کعبہ صفا مروہ کا طواف۔ شیطانوں کو کنکریاں مارنا۔ یہ اعمال تو صرف خدا کی یاد قائم کرنے کے لئے ہیں"۔

یعنی اصل مقصود یہ اعمال نہیں بلکہ یاد الٰہی کے مقامات ہیں اور قرآن مجید دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں بھی یہ ایک طرز عبادت تھا۔ حج جو یادگار ابراہیمی ہے۔ اس میں وہی پہلا طرز عبادت باقی رکھا گیا۔

سوار ہو کر طواف کرنا:

حضور انور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اونٹنی پر سوار ہو کر طواف ادا فرمایا۔ اس سے بعض حضرات کو یہ شبہ ہوا کہ سوار ہو کر طواف کرنا سنت ہے۔ بعض مجتہدین کا یہ مسلک ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے کسی خاص سبب سے ایسا کیا تھا۔ صحابہ کرام میں سے تین صحابہ نے اس کی تین وجوہات بیان فرمائی ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ نے بیماری کی وجہ سے سوار ہو کر طواف کیا تھا۔[1]

سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کا منشا یہ تھا کہ سب لوگ آپ کو دیکھ سکیں اور پوچھ سکیں کلام سن سکیں کیونکہ ہجوم کے سبب آپ لوگوں کو نظر نہیں آتے تھے۔[2]

لیکن ام المومنین فرماتی ہیں۔

آپ نے اس سبب سے سوار ہو کر طواف کیا تھا کہ لوگوں کی بے انتہا بھیڑ تھی۔ اور ہر شخص کی کوشش تھی کہ میں آپ کے قریب پہنچ جاؤں۔ کشمکش تھی ہجوم تھا۔ اور آپ کو یہ گوارا نہیں تھا کہ لوگوں کو زبردستی ہٹایا جائے اس لئے آپ سوار ہو گئے تھے۔

جمیع علوم میں مہارت:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو متعدد علوم میں خاص

---

1. سنن ابوداؤد ج اص ۲۵۹۔ باب الطواف الواجب۔
2. صحیح مسلم ج اص ۴۱۳۔

مہارت حاصل تھی۔ انہیں بیک وقت تاریخ ' ادب ' خطابت ' شاعری اور علم طب میں بھی خاصی دسترس حاصل تھی۔ جس کی تائید وتوثیق حضرت ہشام بن عروہ کی روایت سے ہوتی ہے۔

فرمایا میں نے قرآن ' فرائض ' حلال وحرام ' یعنی فقہ ' شاعری ' تاریخ عرب اور علم الانساب کا سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے زیادہ عالم اور واقف کسی کو نہیں دیکھا۔[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے کسی شخص نے کہا کہ آپ کے شعر گوئی پر مجھے کوئی تعجب نہیں۔ کیونکہ آپ ابوبکرؓ کی صاحبزادی ہیں۔ شعر کہنے کا ملکہ آپ کو وراثت میں ملا ہے۔ لیکن حیرت تو اس بات کی ہے کہ آپ کو علم طب سے واقفیت کیونکر ہوئی۔

سیدہؓ نے فرمایا۔ حضور انور ﷺ جب آخر میں بیمار رہا کرتے تھے۔ عرب کے طبیب آتے آپ کے لیے ادویات تجویز کرتے اور میں یاد کر لیتی تھی۔[2]

تاریخ دانی:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عرب کے حالات ' جاہلیت کے رسومات اور قبائل کے باہمی انساب کی واقفیت میں مہارت تامہ حاصل تھی۔[3]

ام المومنین بھی ان ہی کی بیٹی تھیں۔ اس لئے ان علوم وفنون کی آشنائی ان کا خاندانی ورثہ تھا۔ عرب کی جاہلیت کی رسوم اور معاشرتی حالات کے متعلق نہایت قیمتی معلومات سیدہ ہی کی زبانی منقول ہیں۔

مثال کے طور پر عرب میں شادی کے کتنے طریقے رائج تھے؟[4] طلاق کی کون کون سی صورتیں پائی جاتی تھیں۔[5] شادیوں میں کیا گایا جاتا تھا۔[6] کعبہ کے پاس روزہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ سیدہ عائشہؓ۔
[2] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۱ مسند امام احمد ج ۶ ص ۶۷۔
[3] اسد الغابہ ' ادر الاستیعاب ' تذکرہ ابوبکر بروایات عروہ بن جعفر ' مسند امام احمد ج ۶ ص ۹۷۔
[4] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۹ کتاب النکاح باب من قال لا نکاح الا بولی۔
[5] ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۴۲ ابواب الطلاق باب ما جاء فی طلاق المعتوہ۔
[6] معجم طبرانی صغیر باب الالف بحوالہ سیرت عائشہؓ ص ۲۶۹۔

کس دن رکھا جاتا تھا۔[1] قریش حج میں کس مقام پر اترتے تھے۔ ملکیت کو دیکھ کر کیا کیا کہا جاتا تھا۔[3]

اسلام کے بعض اہم تاریخی واقعات مثلاً آپؐ کے آغاز وحی اور ابتدائے نبوت کے مفصل حالات[4] ہجرت کے تفصیلی واقعات۔[5] خود اپنے واقعہ افک کی من وعن مفصل کیفیت کو سیدہؓ ہی کی زبان سے لوگوں نے سنا[6] اور یہ واقعات کتب صحاح میں دو دو، تین تین صفحات پر مسلسل بیان ہوئے ہیں۔

قرآن مجید کیونکر اور کس ترتیب سے نازل ہوا[7] نماز کی کیا کیا صورت اسلام میں پیدا ہوئی۔ یہ بھی سیدہؓ ہی نے بیان کی ہیں۔

حضور انور ﷺ کے مرض الموت کی شروعات سے آخر تک کی مفصل کیفیت صرف سیدہ عائشہؓ ہی کی زبانی دنیا نے سنی۔ آپؐ کے کفن میں کپڑے کتنے تھے اور کس قسم کے تھے۔ کس رنگ کے تھے۔ ان ہی کے ذریعہ دنیا کو معلوم ہوا۔[9]

ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گھریلو واقعات و حالات کے علاوہ میدان کارزار اور جنگ و جدال کے حالات سے بھی امت کو معلومات فراہم فرمائی ہیں۔ غزوہ بدر کے بعض واقعات[10] جنگ احد کی کیفیت[11] غزوہ خندق کی بعض تفصیلات[12] غزوہ بنی

۱۔ مسند امام احمد ج ۱ ص ۲۴۴۔
۲۔ صحیح بخاری ج ۲ تفسیر ثم افیضوا من حیث۔
۳۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۴۳۔ باب ایام الجاہلیۃ، باب بنیان الکعبہ۔
۴۔ صحیح بخاری باب بدء الوحی۔
۵۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۱ باب الہجرۃ۔
۶۔ صحیح بخاری باب الافک۔
۷۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۶ باب تالیف القرآن۔
۸۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۱ باب وفات النبی۔
۹۔ مسند امام احمد ج ۶ ص ۵۰، ۱۵۰، ۱۶۵۔
۱۰۔ مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۹۔
۱۱۔ مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۴۱۔

قریظہ کی جزئیات[1] غزوہ ذات الرقاع، نماز خوف کی کیفیت،[2] فتح مکہ کے موقع پر عورتوں کی بیعت، حجۃ الوداع کے واقعات کے ضروری اجزاء[3] ان ہی کی وساطت سے ہمیں معلوم ہوئے۔

حضور انور ﷺ کی سیرت طیبہ کے متعلق صحیح و مفصل معلومات ان ہی نے بہم پہنچائی ہیں۔ آپ کی عادت شبانہ روز،[4] آپ کے خانگی مشاغل،[5] آپ کے پاکیزہ اخلاق و عادات کی صحیح منظر کشی ان ہی نے فرمائی۔[6]

علم ادب:

ادب سے مراد گفتگو کا بانکپن اور خوبی اور نثر کی انشاء پردازی ہے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت شیریں کلام اور فصیح اللسان تھیں۔ ان کے تلمیذ رشید موسیٰ بن طلحہ فرماتے ہیں۔

ما رأیت افصح من عائشة۔[7]

ترجمہ: میں نے حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کوئی فصیح اللسان نہیں سنا۔

احنف بن قیس لکھتے ہیں۔

ما سمعت الكلام من فم مخلوق افخم ولا احسن من عائشة۔[8]

ترجمہ: کسی مخلوق کے منہ کی بات حسن بیان اور متانت میں سیدہ عائشہؓ کے منہ کی بات سے عمدہ اور بہتر میں نے نہیں سنی۔

سیدہؓ نے متعدد احادیث بیان کرنے میں ایسے ایسے فقرے اور جملے بیان کئے

۱۔ صحیح بخاری ذکر قریظہ۔
۲۔ صحیح بخاری کتاب الحج۔
۳۔ مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۷۵۔
۴۔ صحیح بخاری قیام اللیل۔
۵۔ صحیح بخاری کتاب الادب۔
۶۔ مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۸۲۔
۷۔ مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۱۔
۸۔ مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۱ مسند امام احمد ج ۶ ص ۶۷۔

جو پوری حدیث میں جان ڈال دیتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث بدء الوحی میں جہاں فرماتی ہیں وحی کے نزول سے پہلے رویا صادقہ دیکھتے تھے۔ اس موقع پر یوں گوہر افشانی فرماتی ہیں۔

فما رای رؤیا الا جاءت مثل فلق الصبح۔[1]

ترجمہ: آپ جو خواب دیکھتے تھے وہ سپیدۂ صبح کی طرح نمودار ہوتا تھا۔

جب آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہوتی تو پیشانی مبارک عرق ریز ہو جاتی تھی۔ سیدہؓ اس کیفیت کو اس طرح بیان فرماتی ہیں۔

مثل الجمان۔

پیشانی پر موتی ڈھلکتے تھے۔

ام المومنینؓ پر جب بدطینت لوگوں نے تہمت لگائی۔ تو آپ کو اس کرب اور بے چینی میں راتوں کو نیند نہیں آتی تھی۔ اس غم و اندوہ کے عالم میں بھی اس حالت کو عربی ادب کے سانچے میں ڈھلے ہوئے الفاظ میں یوں بیان فرماتی ہیں۔

ما اکتحل بنوم۔

میں نے سرمہ خواب نہیں لگایا۔

خطابت:

خطابت یا قوت تقریر عربوں کی آزاد طبیعتوں کا فطری جوہر تھا۔ مردوں کے علاوہ عورتوں میں بھی بلند پایہ مقررہ اور خطیبہ گذری ہیں۔ ان نامور مقررہ عورتوں میں سیدہؓ کا نام نامی اسم گرامی سرفہرست ہے۔ خطابت میں وہ ایک نمایاں مقام رکھتی تھیں۔ جنہیں حسن گفتار اور فصاحت لسانی کے ساتھ آواز میں بلندی اور لہجہ میں رفعت اور بلاغت بھی حاصل تھی۔

تاریخ طبری میں ہے۔

"پھر سیدہؓ نے تقریر کی وہ بلند آواز تھیں۔ ان کی آواز اکثر لوگوں پر

---

[1] صحیح بخاری کتاب بدء الوحی۔

غالب آ جاتی تھیں۔ گویا وہ ایک صاحب جلال خاتون تھیں۔"[1]

تاریخ کی کتابوں میں سیدہؓ کی وہ تقریر مذکور ہے جو جنگ جمل کے موقع پر کی تھیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

"میں نے عائشہؓ سے زیادہ بلیغ، زیادہ فصیح اور زیادہ تیز فہم کوئی خطیب نہیں دیکھا۔"[2]

شاعری:

سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شعر و سخن کا بھی اچھا خاصا ذوق رکھتی تھیں۔ ان کے والد گرامی قدر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ شعر و سخن کے جوہری تھے۔ اس لئے یہ فن آغوش پدری میں ہی انہوں نے سیکھا۔ سیدہؓ کے شاگرد کہا کرتے تھے کہ آپ کی شاعری پر ہم تعجب نہیں کرتے۔ اس لئے کہ آپ حضرت ابوبکر کی بیٹی تھیں۔[3]

سیدہ عائشہؓ کو عرب کے نامور شعراء کے کتنے ہی قصیدے ازبر یاد تھے۔ سیدہ جب اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر مکہ مکرمہ آئیں تو ایک جاہلی شاعر کے یہ دو شعر ان کی زبان پر تھے۔

وکنا کندمانی جذیمة حقبة من الدهر حتیٰ قیل لن یتصدعا

ترجمہ: ہم موت تک بادشاہ جذیمہ کے دونوں مصاحبوں کی طرح ایک ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ لوگ کہنے لگے اب ہرگز یہ علیحدہ نہ ہوں گے۔

فلما تفرقنا کانی ومالکا لطول اجتماع لم نبت لیلة معاً

ترجمہ: جب ہم علیحدہ ہو گئے تو گویا میں نے اور مالک نے۔ طول

---

[1] تاریخ طبری بحوالہ سیرت عائشہ ص ۲۷۔

[2] زرقانی علی مواہب ج ۳ ص ۲۸۹

[3] مسند امام احمد ج ۶ ص ۶۷۔ [4] صحیح بخاری باب الہجرت۔

اجتماع کے باوجود ایک شب بھی ساتھ بسر نہیں کی۔

تعلیم و تعلم:

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے تاریخی خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا۔

فلیبلغ الشاھد الغائب۔

جو حاضر ہیں وہ غائب تک پہنچا دیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے علم دین کی نشر و اشاعت اور تعلیم و تعلم میں ساری زندگی بسر فرمادی۔ عموماً علم کی اشاعت و ترویج اور تعلیم و تعلم کا فریضہ مرد انجام دیتے ہیں۔ لیکن حرم نبوت کی یہ شمع مبارک اس بزم میں بھی کس شان سے جلوہ افروز ہے۔

حضور انور ﷺ کے بعد صحابہ کرام علم کی نشر و اشاعت اور تبلیغ و ترویج کی غرض سے تمام اسلامی ممالک میں پھیل گئے تھے۔ مکہ مکرمہ' طائف' بحرین' یمن' دمشق' کوفہ اور بصرہ وغیرہ بڑے بڑے مرکزی شہروں میں ان مقدس معلمین کی ایک جماعت قیام پذیر تھی۔ خلافت اور حکومت کا سیاسی مرکز ۲۷ برس بعد مدینہ منورہ سے کوفہ اور پھر دمشق منتقل ہو گیا تھا۔ لیکن مدینہ منورہ کی روحانی عظمت اور علمی مرکزیت ان انقلابات سے بھی مٹ نہ سکی۔

مدینہ منورہ میں اس وقت حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ کی متعدد درسگاہیں قائم تھیں۔ لیکن سب سے عظیم درسگاہ مسجد نبوی کا وہ مقدس گوشہ جو حجرہ نبوی میں اور زوجہ رسولؐ کے مسکن میں تھا۔

عورتیں' بچے اور جن مردوں کا سیدہؓ سے پردہ نہ تھا۔ وہ حجرہ کے اندر مجلس میں بیٹھتے اور دوسرے لوگ باہر مسجد میں بیٹھتے تھے۔ دروازہ پر پردہ ہوتا تھا اور سیدہ خود پردہ کی اوٹ میں حجرہ کے اندر تشریف فرما ہوتیں۔ اس طرح یہ تعلیمی محفل جمتی۔ سوالات

ل مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۷ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۷۴ بحوالہ سیرت عائشہؓ ص ۲۴۹۔

کرنے والے سوالات کرتے۔ سیدہ علمی و تحقیقی جوابات دیتیں۔ کبھی کبھار کوئی سلسلہ بحث چھڑ جاتا۔ اور استاد اور شاگرد اس موضوع پر اظہار خیال کرتے۔[1] بعض اوقات سیدہ خود کسی بحث کا آغاز فرماتیں اور لوگ خاموشی کے ساتھ سنتے۔

حج کے موقع پر ام المومنین کی فرودگاہ تشنگان علوم کا مرکز ہوتی' دور دراز ممالک سے آئے ہوئے۔ لوگ جوق در جوق حلقہ درس میں شریک ہوتے۔ مسائل پیش کر کے اپنے شبہات کا ازالہ چاہتے۔ بعض آدمی مسائل پوچھنے میں جھجک محسوس کرتے تو آپ انہیں حوصلہ دلاتیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعری غسل کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتے تھے۔ لیکن شرم کے مارے بول نہیں سکتے تھے۔ آپ نے فرمایا میں تو تمہاری ماں ہوں۔ جو تم اپنی ماں سے پوچھ سکتے ہو۔ مجھ سے بھی پوچھ سکتے ہو۔[2]

آپ سے مستفیدین کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔ مسند امام احمد میں دو سو کے قریب حضرات کی روایات موجود ہیں۔ صحابہ کرام میں سیدنا ابو موسیٰ اشعری۔ سیدنا ابو ہریرہ' سیدنا عبداللہ بن عمر۔ سیدنا عبداللہ بن عباس' سیدنا عمرو بن العاص' سیدنا زید بن خالد رضی اللہ عنہم جیسے اجلہ شامل تھے۔

آپ کے عزیزوں میں ام کلثوم بنت ابو بکر' عوف بن حارث' رضاعی بھائی۔ قاسم بن محمد اور عبداللہ بن زبیر دونوں بھتیجے۔ حفصہ بنت عبدالرحمٰن اور اسماء بنت عبدالرحمٰن دونوں بھتیجیاں۔ عبداللہ بن زبیر اور قاسم بن زبیر دونوں بھانجے وغیرہ ان سے علمی استفادہ کرتے رہے۔ اسی طرح تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت نے ان سے علمی خوشہ چینی کی۔

افتاء و ارشاد:

رحمت عالم ﷺ کے وصال کے بعد سیدہ کو منصب افتاء بھی حاصل ہو گیا تھا۔ اس منصب میں انہیں ایک امتیازی مقام حاصل تھا۔ اور خلفائے راشدین کے دور میں

1۔ مسند امام احمد ج ۶ ص ۶۲ ' طبقات ابن سعد ج ۸ بحوالہ سیرت عائشہ ص ۱۴۹۔

2۔ مسند امام احمد ج ۶ ص ۹۷۔ موطا امام مالک' باب الغسل۔

وہ ہمیشہ اس منصب پر فائز رہیں۔ حضرت قاسم بن محمد جو صحابہ کے بعد مدینے کے سات مشہور تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا فرمان ہے۔

"ام المومنین سیدہ ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت ہی میں مستقل طور پر افتاء کا منصب حاصل کر چکی تھیں۔ سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا عثمان ذوالنورین کے عہد میں اور ان کے بعد بھی زندگی کے آخر تک برابر فتویٰ دیتی رہیں۔[1]

سیدنا عمر فاروق اور سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی سیدہ سے اکثر استفتا فرماتے تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دمشق میں حکومت کرتے تھے۔ لیکن ضرورت پڑنے پر قاصد دمشق سے چل کر سیدہؓ کے در پر حاضر ہوتا اور خلیفہ وقت کے لیے مسائل دریافت کرتا اور مواعظ و نصائح کا ذخیرہ حاصل کرتا تھا۔[2]

بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ مشکل امور میں سیدہؓ کی طرف رجوع کرتے اور وہ انہیں تسلی بخش جواب دیتیں۔ جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں۔

ما اشكل علينا اصحاب محمد ﷺ حديث قط فسألنا عائشة الا وجدنا عندها علما۔[3]

ترجمہ: ہم اصحاب محمد ﷺ کو کبھی کوئی مشکل مسئلہ پیش نہیں آیا۔ مگر عائشہؓ کے پاس اس کا علم موجود پایا۔

ابن سعد کی روایت میں ہے۔

يسئلها الاكابر من اصحاب رسول الله ﷺ۔[4]

ترجمہ: ان سے بڑے بڑے صحابہ مسائل دریافت کرنے آتے تھے۔

---

1. طبقات ابن سعد ج ۸۔
2. مسند امام احمد ج ۶ ص ۷۸، ترمذی ج ۲ ص ۶۴ باب حفظ اللسان ابواب الزہد۔
3. جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۲۸ فضل عائشہؓ۔
4. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۵۔

حضرت مسروق علیہ بیان کرتے ہیں۔

"ہم نے شیوخ صحابہ کو ان سے فرائض کے مسائل پوچھتے ہوئے دیکھا۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ جو فقہ و اجتہاد میں ام المومنینؓ کے ہم پلہ تھے۔ وہ بھی بعض مسائل میں سیدہ کی طرف رجوع کرتے اور مسائل دریافت کر کے تسلی کر لیتے تھے۔[2]

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ اس مسئلہ میں مجھے دیگر صحابہ کا اختلاف شاق گزرتا ہے۔ میں وہ مسئلہ آپ سے بالمشافہ پوچھتا بھی نہیں جسارت سمجھتا ہوں۔ سیدہؓ نے فرمایا۔ جو بات آپ اپنی والدہ سے پوچھ سکتے ہیں۔ وہ مجھ سے بھی پوچھ سکتے ہو۔

چنانچہ حضرت ابوموسیٰؓ نے مسئلہ دریافت کیا اور سیدہ کا تسلی بخش جواب سن کر فرمایا۔ اب مجھے یہ مسئلہ کسی بھی دوسرے فرد سے پوچھنے کی ضرورت نہیں رہی۔[3]

سیدنا ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خود بھی منصب افتاء پر فائز تھے۔ انہیں بھی پیچیدہ مسائل سیدہ ہی سے حل کرنا پڑتے تھے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر آپ سے دریافت کیا گیا کہ ایک آدمی نے نماز وتر تہجد کے ساتھ پڑھنے کا خیال کیا۔ مگر صبح ہونے تک وہ نماز وتر نہ پڑھ سکا۔ تو اب کیا کرے۔ انہوں نے کہا طلوع فجر کے بعد وتر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن لوگ اس جواب سے مطمئن نہ ہوئے۔ تو لوگوں نے ام المومنینؓ سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا۔

"حضور انور ﷺ صبح ہو جانے پر بھی نماز وتر پڑھ لیتے تھے۔"[4]

---

1. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۵۶۰۔ زرقانی طبع جدید ج ۴ ص ۳۸۹۔
2. صحیح بخاری ج ۱ نسائی شریف ج ۱ ص ۵۵ کتاب غسل باب الغسل یدخل ...... الخ
3. موطا امام مالک کتاب طہارت باب واجب الغسل اذا التقی الختانان۔
4. مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۴۲۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں افطار کے وقت کی نسبت اختلاف تھا۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ افطار کر کے فوراً نماز مغرب کے لئے کھڑا ہو جاتے تھے۔ جبکہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ افطار اور نماز دونوں میں تاخیر فرماتے تھے۔

لوگوں نے ام المومنینؓ سے فیصلہ چاہا۔ سیدہ نے دریافت فرمایا ان دونوں میں تعجیل کون صاحب کرتے ہیں؟ بتایا گیا کہ عبداللہ بن مسعودؓ سیدہ نے فرمایا حضور انور ﷺ کی عادت مبارک یہی تھی۔[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتویٰ دیتے تھے کہ اگر جنبی آدمی نے صبح تک غسل نہ کیا تو اس دن کا روزہ درست نہ ہوگا۔ کسی آدمی نے پہلے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور پھر ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے فرمایا۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ حضور انور ﷺ کا عمل اس کے خلاف تھا۔

امیر مدینہ مروان بن الحکم کو جب سیدہ کے فتویٰ کا علم ہوا۔ تو اس نے حضرت ابوہریرہؓ کو اس سے آگاہ کیا انہوں نے یہ جواب سن کر اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیا۔[2]

ایک مرتبہ ایک مجلس میں سیدنا ابوہریرہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم دونوں بزرگ تشریف فرما تھے۔ مسئلہ یہ پیش نکلا کہ اگر کوئی حاملہ عورت بیوہ ہو گئی اور چند روز بعد وضع حمل ہو گیا۔ تو اس کی عدت کا زمانہ کس قدر ہوگا۔ قرآن مجید میں دونوں کے الگ الگ احکام مذکور ہیں۔ بیوگی کے لئے چار ماہ دس دن اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔ دونوں میں سے جو زیادہ طویل مدت ہوگی۔ وہ عدت کا زمانہ ہوگا۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "وضع حمل تک عدت کا زمانہ ہے"۔

---

1. مسند امام احمد ج ۶ ص ۴۸، نسائی ج ۱ ص ۲۱۸ کتاب الصوم باب السحور۔
2. صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵۳ کتاب الصیام۔

دونوں حضرات میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ تو لوگوں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (اور ام سلمہؓ) کے پاس آدمی بھیجا۔ انہوں نے عدت کا زمانہ وضع حمل بتایا۔ اور دلیل میں سبیعہؓ کا واقعہ پیش کیا' جن کے بیوہ ہونے کے تیسرے ہی روز ولادت ہوئی اور اسی وقت ان کو دوسرے نکاح کی اجازت مل گئی۔[1]

ام المومنینؓ کا یہ فیصلہ ایسا مدلل اور بہترین تھا کہ اسی پر جمہور کا عمل ہے۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں اس مسئلہ پر اختلاف رائے ہوئی حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے تھے کہ جو شخص جنازہ کے ساتھ جاتا ہے اسے ایک قیراط اجر ملتا ہے۔ لیکن حضرت ابن عمرؓ کو شک تھا کہ یہ بات درست نہ ہو جب سیدہؓ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ سے میں نے بھی سنا ہے۔[2]

غرض کہ عراق' شام اور مصر وغیرہ دور دراز شہروں سے مرد اور عورتیں اپنے مسائل دریافت کرنے ام المومنینؓ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوتے اور ان کے مدلل اور مدلل جوابات سے تشفی اور تسلی پاتے تھے۔[3]

آپ کی خدمت میں حاضر رہنے والے تلامذہ سے لوگ اپنی غرض متعدی سے فیض حاصل کرتے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ بنت طلحہ بیان کرتی ہیں۔

"لوگ سیدہ عائشہؓ کی خدمت میں ہر شہر سے آتے تھے۔ سیدہ کے ساتھ میرے تعلق کی وجہ سے عمر رسیدہ حضرات مجھ سے ملنے آتے تھے۔ جوان آدمی مجھ سے برادرانہ دخواہرانہ رشتے قائم کر لیتے تھے۔ مجھے لوگ تحفے بھیجا کرتے تھے اور شہر شہر سے خطوط لکھتے تھے۔ میں سیدہ عائشہؓ کی

---

[1] ترمذی ج ۱ ص ۱۴۳ کتاب النکاح۔ باب ما جاء فی الطلاق۔ مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۸۹' دارمی ج ۲ ص ۸۔

[2] بخاری ج ۱ ص ۱۷۷ کتاب الجنائز باب فضل اتباع الجنائز۔

[3] مسند امام احمد ج ۶ ص ۴۲' ۹۵' ۱۶۴' ۲۵۸۔

خدمت میں عرض کرتی۔ خالہ جان! یہ فلاں شخص کا خط اور تحفہ آیا ہے۔
آپ فرماتیں اس کا جواب لکھ دو اور بدلے میں تم بھی کچھ بھیجو۔"[1]

لیکن قابل رشک علم وفضل کے باوصف اگر کسی پیش آمدہ مسئلہ میں آپ واقفیت نہ ہوتی یا اس مسئلہ کے متعلق ان سے بہتر کوئی جواب دینے والا موجود ہو سیدہ سوال پوچھنے والے کو اس کے پاس جانے کا حکم دیتیں۔

چنانچہ ایک مرتبہ ایک سفر میں کسی شخص نے موزوں پر مسح کرنے کے استفسار کیا۔ تو فرمایا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں جا کر دریافت کر اکثر سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے ہیں۔[2]

ایک بار ایک سائل نے ریشم پہننے کی نسبت فتویٰ پوچھا۔ سیدہ نے ارشاد عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس جاؤ اور ان سے یہ مسئلہ پوچھو۔[3]

دعوت وارشاد:

حریم نبوت کی یہ شمع جہاں علم کی شعاعیں بکھیرتی تھی وہاں دعوت وارشا پھیلی کرنیں بھی پھوٹتی تھیں۔ جب کبھی بھی کوئی منکر کام دیکھا تو فوراً دعوت وا فریضہ ادا فرمایا۔ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں سازشی لوگوں نے سیدنا عثمانؓ کے خلاف طوفان بدتمیزی برپا کیا۔ جس سے دین ا تار پود بکھر رہا تھا۔ اس زبوں حالی کو دیکھ کر سیدہ کا دل کڑھتا۔ اسی درد دروں۔ میں آپ نے جنگ جمل میں شرکت فرمائی تھیں۔

مصر وعجم کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے بعض لوگ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تع جیسے جلیل القدر صحابی پر "لعنت" بھیجنے لگے۔ چنانچہ مسروق بن شماس رئیس بصرہ بیٹی کو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں بھ

---

[1] الادب المفرد ص ۲۸۶ حدیث نمبر ۱۱۱۸ باب نمبر ۵۲۴۔

[2] مسند احمد ج ۶ ص ۵۵ اکوالہ سیرت عائشہ ص ۲۹۱۔

[3] سنن نسائی ج ۲ ص ۲۵۷ باب الشدید فی لبس الحریر۔

غلاۓ عام کے بارے میں وہ اپنی راۓ ظاہر فرمائیں۔

سیدہؓ نے ارشاد فرمایا۔ میرے بیٹوں سے میری طرف سے سلام کے بعد کہہ
کہ میں نے اسی حجرہ مبارکہ میں یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ حضور اقدس ﷺ
پاس جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر تشریف لاتے اور حضرت عثمانؓ آپ کی خدمت
موجود ہوتے۔ آپ ان کے کندھے پر ہاتھ مار کر فرماتے۔ عثمان! یہ آیات لکھیں۔
نے بزرگ و برتر اس قدر بلند رتبہ فرد تو لوگوں کو عطا نہیں کرتا۔ اس لئے جو لوگ
ت عثمانؓ کی شان میں بدکلامی کرتے ہیں۔ ان پر اللہ کی لعنت ہو۔[1]

امام احمدؒ کی روایت میں ہے۔

ام المومنینؓ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ جو لوگ حضرت عثمان پر لعنت بھیجے
۔ ان پر خدا کی لعنت ہو۔ میں نے دیکھا کہ جبرئیلؑ وحی لے کر آتے۔ اور حضور
ﷺ عثمانؓ کے بدن کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوتے۔ آپ نے یکے بعد
ے ان کے عقد میں دو بیٹیاں دیں۔ قرآن مجید کی کتابت کی خدمت ان کے سپرد
ں۔ اللہ تعالیٰ یہ رتبہ اور تقریب ایسے آدمی کو عطا نہیں کرتا جو خدا اور رسول کے
یک معزز نہ ہو۔[2]

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ابو سلمہؓ سے ایک
ن کے متعلق چند آدمیوں کا نزاع تھا۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے
لمہؓ کو بلا کر سمجھایا کہ اے ابو سلمہ! اس زمین سے دست بردار ہو جاؤ۔ حضور
ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک بالشت بھر زمین کے لئے بھی اگر کوئی ظلم کرے گا تو
ن زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔[3]

مدینہ منورہ میں پیدا ہونے والے بچوں کو سیدہؓ کی خدمت میں تبرکاً لایا جاتا وہ

---

[1] ادب المفرد ص ۱۵۲ باب من دعا صاحبہ حدیث نمبر ۸۴۹۔

[2] مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۵۰، ۲۶۱۔

[3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳۲ کتاب المظالم والقصاص۔ باب اثم من ظلم شیئاً من الارض۔

انہیں دعائیں دیتیں۔ اسی طرح ایک بچہ لایا گیا۔ سیدہؓ نے دیکھا کہ اس کے سر
نیچے استرا رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے استرا رکھنے کی وجہ پوچھی تو بتایا گیا۔ کہ اس سے
بھوت بھاگ جاتے ہیں۔ یہ سن کر سیدہؓ نے استرا اٹھا کر پھینک دیا۔ اور فرمایا
انور ﷺ نے شگون سے منع فرمایا ہے ایسا نہ کیا کرو۔[1]

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں جب مجاہدین ا
نے ایران فتح کیا' تو مسلمانوں اور ایرانیوں کا آپس میں اختلاط ہوا۔ لیکن فا
عظمت وجلالت اور رعب و دبدبہ کی وجہ سے عجمی کے جراثیم مسلمانوں میں سرایت
کر سکے۔ عہد عثمانی میں اس اختلاط نے عرب کی آب و ہوا کو مسموم کرنا شروع کر
چنانچہ کبوتر بازی' شطرنج بازی' نرد بازی۔ اور لہو ولعب اور تضیع اوقات کے مختلف
اور طریقے اس زمانہ میں پھیلنے لگے۔

چونکہ ابھی صحابہ کرام زندہ تھے۔ لہٰذا انہوں نے سخت دار و گیر شروع کر دی
المومنینؓ کے ایک مکان میں کرایہ دار رہتے تھے۔ سیدہؓ کو معلوم ہوا کہ وہ شطرنج
ہیں۔ سیدہؓ سخت برافروختہ ہوئیں۔ اور انہیں کہلا بھیجا کہ اگر تم اس کھیل سے باز نہ
تو میں تمہیں گھر سے نکلوا دوں گی۔[2]

ابن ابی السائب تابعی مدینہ منورہ کے واعظ تھے۔ واعظین کی مجلس کے
نہایت مسجع دعائیں بنا بنا کر پڑھا کرتے اور اپنے تقدس کے اظہار کے لئے موقع
موقع ہر وقت وعظ کے لئے آمادہ رہتے تھے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے فرمایا۔ تم مجھ سے تین با
عہد کرو۔ ورنہ میں تم سے بزور باز پرس کروں گی۔ عرض کی اے ام المومنین
کیا باتیں ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ دعاؤں میں عبارتیں مسجع نہ کرو۔ کیونکہ حضور انور
اور آپ کے صحابہ کرام ایسا نہیں کرتے تھے۔ ہفتہ میں صرف ایک روز وعظ کہا

1۔ ادب المفرد ص ۳۲۵ باب الطیرۃ من الجن باب نمبر ۴۰۳ حدیث نمبر ۹۱۲۔

2۔ ادب المفرد ص ۳۴۷ باب الادب واخراج الذین یلعبون بالنرد۔ باب نمبر ۷۷۱ حدیث نمبر ۴۔

اگر یہ منظور نہ ہو تو دو دن اور اس سے بھی زیادہ چاہو تو تین دن تاکہ لوگ خدا کی کتاب سے اکتا نہ جائیں۔

ایسا نہ کرنا کہ جہاں لوگ بیٹھے ہیں آ کر بیٹھ جاؤ اور قطع کلام کر کے اپنا وعظ شروع کر دو۔ بلکہ جب ان کی خواہش اور رغبت ہو اور وہ کہیں تب وعظ کہو۔[1]

مطلقہ عورتوں کو عدت کے ایام شوہر کے گھر گذارنے کا شرعاً حکم ہے۔ البتہ فاطمہ بنت قیس کا واقعہ اس کے خلاف پایا جاتا ہے۔ انہیں شوہر نے طلاق دے دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر دوسرے گھر میں عدت پوری کی تھی۔ فاطمہ اس واقعہ سے اجازت انتقال مکان پر استدلال کرتی تھیں۔

سیدہ عائشہؓ کے عہد میں اس واقعہ کو دلیل بنا کر ایک معزز باپ نے اپنی مطلقہ بیٹی کو شوہر کے یہاں سے بلوالیا۔ سیدہؓ نے اس عام حکم اسلامی کی مخالفت پر سخت اعتراض کیا۔ مدینہ کے گورنر مروان بن الحکم کو بلوایا اور کہا کہ تم سرکاری حیثیت سے مطلقہ کو شوہر کے گھر عدت پوری کرنے کا حکم دو۔ مزید فرمایا۔ کہ فاطمہ بنت قیس کے واقعہ سے عام استدلال جائز نہیں۔ کیونکہ فاطمہ کے شوہر کا گھر شہر کے کنارہ پر تھا۔ جہاں رات کو جانوروں کا خوف رہتا تھا۔ اس بنا پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی تھی۔[2]

امہات المومنینؓ کی خدمت میں مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ حاضر ہوتی تھیں۔ عام نسوانی مسائل کے ساتھ انہیں مردوں کے متعلق بھی ہدایات دیتی تھیں۔ کہ اپنے اپنے شوہروں کو آگاہ کر دیں۔

بصرہ سے کچھ عورتیں حاضر خدمت ہوئیں۔ سیدہؓ نے انہیں ہدایت فرمائی کہ مجھے مردوں کو کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ لہٰذا تم اپنے اپنے مردوں کو مطلع کر دو کہ پانی

1۔ مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۱۷۔

2۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۲ کتاب الطلاق باب قصہ فاطمہ بنت قیس۔

سے طہارت کیا کریں یہ مسنون طریقہ ہے۔[1]

ایک مرتبہ شام کی کچھ عورتیں زیارت کو آئیں۔ وہاں عورتیں حمام میں برہنہ ہو کر غسل کرتی تھیں۔ سیدہؓ نے ان سے کہا تم ہی وہ عورتیں ہو جو حماموں میں جاتی ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت اپنے گھر سے باہر کپڑے اتارتی ہے۔ وہ اپنے اور خدا میں پردہ دری کرتی ہے۔[2]

حج کے موقعہ پر ام المومنینؓ کی قیام گاہ لاکھوں مسلمان عورتوں کا مرکز بن جاتی تھی۔ عورتیں چاروں طرف سے گھیر لیتی تھیں۔ سیدہ امام کی صورت میں آگے آگے اور تمام عورتیں ان کے پیچھے پیچھے چلتیں۔[3]

اسی دوران ارشاد و ہدایت کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ ایک مرتبہ ان ہی عورتوں میں ایک عورت کو دیکھا جس کی چادر میں نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ دیکھتے ہی اسے سختی سے ڈانٹا اور فرمایا یہ چادر اتار دو۔ آقائے نامدار ﷺ ایسے کپڑے کو دیکھتے تو پھاڑ ڈالتے تھے۔[4]

حفصہ بنت عبدالرحمٰنؓ آپ کی بھتیجی تھیں۔ ایک دن بہت باریک دوپٹہ اوڑھ کر پھوپھی کے پاس آئیں۔ دیکھتے ہی اس کا دوپٹہ غصہ سے چاک کر ڈالا۔ پھر فرمایا تمہیں معلوم نہیں کہ سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے کیا احکام نازل کئے ہیں۔ پھر اسے موٹا دوپٹہ منگوا کر اوڑھایا۔[5]

ایک مرتبہ سیدہؓ کسی کے ہاں مہمان ٹھہریں۔ دیکھا کہ صاحب خانہ کی دو لڑکیاں جو تقریباً جوان تھیں بغیر چادر اوڑھے نماز پڑھ رہی تھیں۔ انہیں تاکید فرمائی کہ آئندہ

---

1. مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۴۳ بحوالہ سیرت عائشہ ص ۲۰۰۔
2. مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۷۳۔
3. مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۲۵ موطا امام مالک کتاب الحج باب الاقتداء۔
4. مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۲۵۔
5. موطا امام مالک کتاب اللباس۔

کوئی لڑکی چادر اوڑھے بغیر نماز نہ پڑھے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا ہے۔[۱]

ایک مرتبہ ایک عورت حاضر خدمت ہوئی اور عرض پرداز ہوئی میری بیٹی دلہن بنی ہے۔ لیکن بیماری کی وجہ سے اس کے بال جھڑ گئے ہیں۔ کیا دوسرے بال جوڑ دوں۔ سیدہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بال جوڑنے والیوں اور جڑوانے والیوں پر لعنت بھیجی ہے۔[۲]

جنس نسوانی پر سیدہ کے احسانات

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پردہ میں رہتے ہوئے علمی، عملی اجتماعی، معاشرتی، پند و نصائح اور اصلاح، ارشاد اور امت کی بھلائی کے لئے بے پناہ کام کیا۔ جس کی مختصر سی روداد گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے۔ بالخصوص جنس نسوانی پر آپ کے احسانات کی ایک طویل فہرست ہے۔ جس کا ایمان افروز خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

معلم انسانیت ﷺ کے عہد ہمایوں میں صحابیات سیدہ کی وساطت سے اپنی عرض داشتیں حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچاتی تھیں۔ اور سیدہ ان کی عرضیاں آپ تک پہنچاتی تھیں بلکہ حتی المقدور ان کی بھرپور حمایت بھی کرتی تھیں۔

سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک نہایت پارسا اور نیک خصال صحابی تھے۔ جو راہبانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک دن ان کی اہلیہ سیدہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ سیدہ نے دیکھا کہ وہ ہر قسم کی زنانہ زیب و آرائش سے خالی ہیں۔ سیدہ نے اس کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے کہا میرے شوہر دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر نمازیں پڑھا کرتے ہیں۔ (یعنی انہیں عورت سے رغبت ہی نہیں)

جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو سیدہ عائشہؓ نے باتوں باتوں میں ان کا تذکرہ کیا۔ حضور انور ﷺ بنفس نفیس حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پاس تشریف لے

۱۔ مسند احمد، ج ۶ ص ۹۷۔

۲۔ مسند احمد، ج ۶ ص ۱۱۱۔

گئے۔ اور فرمایا عثمانؓ! ہم کو رہبانیت کا حکم نہیں ہوا ہے۔ کیا میرا طرز زندگی پیروی کے لائق نہیں ہے؟ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اور اس کے احکام کی سب سے زیادہ نگہداشت کرتا ہوں[1] یعنی پھر بھی بیویوں کے فریضہ کو ادا کرتا ہوں۔

ابن سعد کی روایت میں ہے۔

سیدہ عائشہؓ نے جب حضرت عثمانؓ کی بیوی کو خراب حالت میں دیکھا تو پوچھا تم نے ایسی حالت کیوں بنا رکھی ہے؟ تمہارے شوہر سے زیادہ تو قریش میں کوئی دولت مند نہیں۔ وہ کہنے لگی۔ مجھے اس سے کیا سروکار وہ تو ساری ساری رات نمازیں پڑھتے ہیں اور دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ ام المومنینؓ نے اس کا تذکرہ حضور انور ﷺ سے کیا تو آپ اسی وقت حضرت عثمانؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔ عثمان! کیا میری ذات تمہارے لئے نمونہ نہیں ہے؟ عثمانؓ نے عرض کی۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ کیا بات ہوئی؟

ارشاد ہوا تم ''رات بھر عبادت کرتے ہو۔ دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہو''۔ عرض کی جی ہاں۔ ایسا کرتا ہوں۔ حکم ہوا ''ایسا نہ کرو۔ تمہاری آنکھ کا حق تمہارے جسم کا حق تمہارے اہل وعیال کا حق تم پر ہے۔

نمازیں بھی پڑھو اور آرام بھی کرو۔ روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو۔'' غرض اس فہمائش کے بعد ان کی بیوی پھر امہات المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو ایک دلہن کی طرح معطر تھی۔[2]

ایک صحابیہ کو ان کے شوہر نے بہت مارا جس سے ان کے بدن پر جابجا نیل پڑ گئے۔ وہ صبح کو سیدہ عائشہؓ کی خدمت میں آئیں اور اپنا بدن دکھایا۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو ام المومنینؓ نے عرض کیا۔

''مسلمان بیویاں جو تکلیف اٹھاتی ہیں۔ میں نے اس کی مثال نہیں

---

1. مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۲۶، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۸۵، کتاب النکاح، باب النہی عن التبتل۔
2. طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۲۱۱۔

دیکھیں۔ اس بیچاری کا بدن اس کے کپڑے سے زیادہ سبز ہو رہا ہے۔[1]
اس کے شوہر کو معلوم ہوا کہ اس کی بیوی بارگاہ نبویؐ میں پہنچ گئی ہے۔ تو وہ بھی دوڑے آئے اور بارگاہ رسالت مآب میں مارنے کی وجہ بیان کی۔ جس سے فریقین کا قصور ثابت ہوا۔[1]

جو لوگ عورتوں کو ذلیل وحقیر سمجھتے تھے۔ ام المومنین ان سے سخت برہم ہوتی تھیں۔ اگر کسی مسئلہ میں ان کی ذلت اور حقارت کا پہلو نکلتا تو وہ اسے واضح کر دیتی تھیں۔ بعض صحابہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ عورت' کتا اور گدھا اگر نماز میں نمازی کے سامنے سے گذر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

سیدہؓ نے یہ سنا تو فرمایا۔ تو عورت بھی ایک برا جانور ہے۔ تم نے کیا برا کیا۔ کہ ہم عورتوں کو کتے اور گدھے کے برابر کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے اور میں آگے لیٹی رہتی تھی۔[2]

ایک روایت میں ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ سجدہ کرنا چاہتے تو میرے پاؤں دبا دیتے اور میں سمیٹ لیتی تھی۔[3]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزوں میں نحوست ہے۔ گھوڑا' گھر اور عورت' یہ سن کر سیدہؓ کو سخت غصہ آیا۔ اور کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے "محمد" پر قرآن نازل فرمایا۔ آپ نے یہ ہرگز نہیں فرمایا۔ البتہ یہ فرمایا ہے کہ اہل جاہلیت ان سے نحوست کی فال لیتے تھے۔

عورتیں بارگاہ نبوت میں مسائل دریافت کرنے آیا کرتی تھیں۔ بعض پردہ کے مسائل ہوتے۔ جو کم فہم بیبیوں کی سمجھ میں نہ آتے۔ اور آپ خود حیا سے اس کی تفصیل

---

1. صحیح بخاری ص ۸۶۹ کتاب اللباس باب الثیاب الخضر۔
2. ابو داؤد طیالسی ص ۲۰۵ بحوالہ سیرت عائشہ ص ۲۰۳۔
3. سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۱۰۱ کتاب الصلوۃ باب المرأۃ لا تقطع الصلوۃ۔

نہیں فرما سکتے تھے۔ تو ایسے موقع پر امہات المومنین ہی اپنی جنسوں کی امداد فرماتی تھیں اور ان عورتوں کو اپنے پاس بلا کر آپ کا مطلب سمجھا دیتی تھیں۔[1]

عرب میں دامن کا اتنا بڑا رکھنا کہ زمین پر گھسٹتا ہوا چلے۔ فخر اور عزت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص غرور وتکبر سے اپنا دامن گھسیٹ کر چلے گا۔ اللہ اس کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا۔ یہ سن کر سیدہ نے عرض کیا۔

یارسول اللہ! عورتوں کے متعلق کیا حکم ہے۔ فرمایا ایک بالشت نیچے لٹکا لیں۔ عرض کی اتنے میں تو پنڈلیاں کھل جائیں گی۔ فرمایا تو ایک ہاتھ لٹکا لیں۔[2]

شوہر کی وفات کے بعد عورت کو چار ماہ دس دن تک عدت میں بیٹھنے کا حکم ہے اور گھر سے نکل کر کسی دوسرے مقام پر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اس حکم سے بعض فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اگر عورت شوہر کے ساتھ ہے۔ تو شوہر کی وفات جہاں ہو اسی مقام پر عدت پوری کرے۔ اور اگر ساتھ نہیں ہے تو جہاں اسے خبر ملے۔ وہیں ٹھہر کر عدت کے دن گزارنے چاہئیں۔ یعنی اس حالت میں اسے سفر کرنا حرام ہے۔

اس دعویٰ کے ثبوت میں وہ جس قدر احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ وطن اور گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہئے۔ حالانکہ انہیں یہ ثابت کرنا چاہئے کہ وہ سفر سے گھر بھی نہیں آنا چاہئے۔ اور مسافرت سے وطن میں بھی وہ منتقل نہیں ہو سکتی۔

لیکن ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے استدلال کو تسلیم نہیں کرتی تھیں۔ سیدہ کی ایک بہن ام کلثوم حضرت طلحہؓ کے عقد میں تھیں۔ جنگ جمل میں وہ اپنے شوہر کے ساتھ تھیں۔ حضرت طلحہؓ اس جنگ میں شہید ہو گئے۔ عام خیال کے مطابق انہیں زمانہ عدت وہیں بسر کرنا چاہئے تھا۔ لیکن سیدہ انہیں اپنے ساتھ مدینہ لے آئیں۔ راستہ میں مکہ مکرمہ میں بھی ان کا قیام رہا۔

---

۱ صحیح بخاری باب دلک المراۃ تعرف الدم کی۔

۲ مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۳۔

لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ تو ایوب ایک تابعی تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ گھر سے باہر نکلتا نہیں بلکہ گھر کے اندر آتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے مسافرت سے انہیں وطن میں منتقل کر دیا ہے۔[۱]

خصوصیات و امتیازات سیدہؓ:

سرور دو عالم ﷺ کی گیارہ بیویاں تھیں۔ لیکن اللہ جل شانہ نے جن خصوصیات اور امتیازات سے سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نوازا تھا۔ یہ اعزازات اللہ رب العزت نے کسی دوسری زوجہ محترمہ کو عطا نہیں فرمائے۔ آئیے احادیث کے دریچے سے ان کا ایمان افروز نظارہ کرتے ہیں۔

جنت میں رفاقت:

۱۔ ان خصوصیت میں سے ایک یہ ہے۔ کہ سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرور دو عالم ﷺ کی دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں بیوی تھیں۔

چنانچہ سیدہ خود بیان فرماتی ہیں۔ کہ ایک دن سید عالم ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر فرمایا۔ میں عرض پرداز ہوئی۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ فاطمہؓ کا ذکر تو فرما رہے ہیں۔ اور میرے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے یوں گوہر افشانی فرمائی۔

"کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تو دنیا اور آخرت میں میری بیوی ہو"۔

قلت بلیٰ واللہ۔

قسم بخدا میں اس پر دل و جان سے راضی ہوں۔

حضور ﷺ نے مکرر فرمایا:

فانت زوجتی فی الدنیا والآخرۃ۔[۲]

۱۔ طبقات ابن سعد ج۸ ص۵۰۰

۲۔ مستدرک حاکم ج۴ ص۱۰ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج۹ ص۲۳ طبقات ابن سعد ج۸ ص۴۲۰

تو دنیا اور آخرت میں میری بیوی ہے۔

ابن ابی شیبہ میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عائشة زوجتي في الجنة۔[1]

ترجمہ: عائشہؓ جنت میں میری بیوی ہے۔

عبداللہ بن زیاد الاسدی سے روایت ہے کہ میں نے عمارؓ بن یاسر سے سنا وہ کہتے تھے۔

هي زوجته في الدنيا والآخرة يعني عائشة هذا حديث حسن صحيح۔[2]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ آپ کی دنیا اور آخرت میں بیوی ہیں۔

بخاری شریف میں ہے۔ ابو وائل کہتے ہیں کہ عمار بن یاسر نے کوفہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔

انها زوجته في الدنيا والآخرة۔[3]

بے شک وہ آپ کی دنیا اور آخرت میں بیوی ہیں۔

ایک حدیث میں ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔

من أزواجك في الجنة؟ قال: أما إنك منهن۔ أو قال: أما إنك منهن۔[4]

---

1. ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۳۹۵ حدیث نمبر [illegible] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۶۵۔
2. ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۶ ابواب المناقب باب فضل عائشہ مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۰ طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۸ حدیث نمبر [illegible]۔
3. صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۱ کتاب فضائل صحابہ باب فضل عائشہ حدیث ۳۷۷۲ صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۰ کتاب الفتن حدیث نمبر ۷۱۰۰، ۷۱۰۱۔
4. طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۳۹ حدیث نمبر ۹۹ مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۳ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۶۵۔

جنت میں آپ کی بیویاں کون ہوں گی؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تو ان میں سے ایک ہے۔

ایک روایت میں ہے ام المومنین فرماتی ہیں کہ حضور انور ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔

اے عائشہ! اب موت مجھ پر آسان ہوگئی ہے۔ کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ جنت میں تو میری بیوی ہوگی۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بے شک میں نے عائشہؓ کو جنت میں دیکھا۔ گویا کہ میں اس کی ہتھیلیوں کو دیکھ رہا ہوں۔ اس سے میری موت میں آسانی ہوگئی ہے"۔[2]

ابوالفرج بن شیرازی الحتوفی ۹۱۶ھ روایت بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یا عائشۃ انت تحشرین مع اھلک۔[3]

"اے عائشہ! تو اپنے گھر والوں کے ساتھ قیامت کے دن اٹھائی جائے گی"۔

محبوبہ محبوب خدا:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ محبوبۂ محبوب خدا ﷺ کے ساتھ سید عالم ﷺ کو تمام بیویوں کی نسبت بہت زیادہ محبت تھی۔ صدیقہؓ سے آپ کی محبت اور قدر و منزلت کا باعث ظاہری حسن و جمال نہیں تھا۔ بلکہ ان کے باطنی فضل و کمال اور علمی اوصاف و

۱۔ طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۳۹۔

۲۔ مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۳۸، ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۵۲۸، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۹۵۔

۳۔ ازواج النبی ص ۹۰۔

کمالات کی وجہ سے تھی۔ اللہ جل شانہ نے انہیں فہم و فراست، حفظ احکام و مسائل اور استنباط و اجتہاد میں تمام ازواج مطہرات سے ممتاز مقام مرحمت فرمایا تھا۔ اسی وجہ سے محبوب انس و جان صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب تھیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔ آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون؟ حضور نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ عائشہؓ۔ انہوں نے مکرر سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ مردوں میں سب سے زیادہ آپ کو کون محبوب ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ عائشہ کے والد۔ سائل نے سہ بارہ سوال کیا۔ ان کے بعد کون؟ ارشاد ہوا۔ عمر بن خطاب۔[۱]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا۔ آپؐ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپ نے فرمایا۔ عائشہؓ۔ آپ سے پھر دریافت کیا گیا۔ اور مردوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ عائشہ کے والد۔[۲]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ محبوبۂ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضور انور ﷺ سے عرض کیا۔ کہ آپ کو تمام لوگوں میں سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کیوں؟ میں نے عرض کیا۔ میں چاہتی ہوں جس سے آپ محبت کرتے ہیں میں بھی اس سے محبت کروں۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا۔ مجھے سب سے زیادہ محبوب "عائشہؓ" ہے۔[۳]

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تنبیہ فرمائی تھی۔ تم عائشہ کی ریس نہ کرنا۔ وہ اور حسن و صحت

---

۱ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۷ کتاب المناقب باب لو کنت متخذا خلیلا، مسلم ج ۲ ص ۲۷۳ کتاب فضائل باب فضل ابوبکر۔ ترمذی ج ۲ ص ۲۲۸ فضل عائشہ، مسند امام احمد ج ۴ ص ۲۰۳، طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۴۳۔

۲ سنن ترمذی ج ۲ ص ۲۲۸ باب فضل عائشہ۔

۳ جمع الفوائد ج ۲ ص ۲۰۳ حدیث نمبر …۔

واحب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جس روز رحلت فرمائی۔ تو ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔

"آج اس ہستی کا انتقال ہوا ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ پیاری اور محبوب تھی"۔

پھر فرمایا۔ استغفر اللہ۔ اس کے والد گرامی قدر کو چھوڑ کر۔[2]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے۔ کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیوی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تمام بیویوں کے ساتھ ہی محبت تھی۔ لیکن جو قلبی تعلق اور محبت سیدہ عائشہؓ سے تھی وہ کسی اور بیوی سے نہ تھی۔

ام المومنینؓ کے حاجب ذکوان بیان کرتے ہیں۔

سیدہؓ کے مرض الموت میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ اس وقت سیدہؓ کے بھتیجے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیقؓ آپ کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کی کہ ابن عباسؓ ملنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ فرمایا میں اس وقت کسی سے ملنا نہیں چاہتی۔ بھتیجے عبداللہ نے عرض کیا اماں جان ابن عباسؓ تو آپ کے نہایت نیک اور صالح بیٹوں میں سے ہیں۔ وہ سلام کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ فرمایا۔ اگر تم چاہتے ہو تو بلا لو۔ چنانچہ میں نے انہیں اندر بلا لیا۔

جب وہ تشریف فرما ہوئے۔ تو کہنے لگے۔ آپ کو خوشخبری ہو۔ جب آپ کی روح آپ کے جسم پاک سے نکلے گی۔ تو آپ سیدھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ جائیں گی۔ کیونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے سب

---

1. صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۵۔
2. طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۴۶ و مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۳ حدیث نمبر ۱۵۳۱۲

سے زیادہ حسین بیوی ہیں۔ اور آپ ﷺ سوائے اچھی چیز کے اور کسی سے محبت نہیں فرماتے تھے۔[1]

بخاری شریف کی روایت میں ہے۔

جب ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سیدہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

كيف تجدينك؟ قالت بخير ان اتقيت. قال. فانت بخير ان شاء الله تعالىٰ، زوجة رسول الله ﷺ ولم ينكح بكرا غيرك.[2]

ترجمہ: انہوں نے مزاج پرسی کی۔ سیدہ نے کہا اگر میں نے تقویٰ اختیار کیا ہوگا تو خیر کے ساتھ ہی گذرے گی۔ اس پر ابن عباسؓ نے کہا انشاء اللہ آپ خیر کے ساتھ ہی ہوں گی۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں اور آپ کے سوا حضورؐ نے کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں کیا۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے ام المومنینؓ کی شان میں کچھ نازیبا الفاظ کہے اس وقت وہاں سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے۔ وہ اس سے سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تو حضور انور ﷺ کی "محبوبہ" کو اذیت دیتا ہے۔[3]

باری میں امتیاز:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ امتیاز بھی حاصل تھا کہ حضور اقدس ﷺ نے تمام ازواج مطہرات کے لئے صرف ایک ایک رات کے لئے باری مقرر کر رکھی تھی۔ لیکن سیدہ کے لئے دو راتیں مقرر تھیں۔ جیسا کہ سیدہؓ خود

---

1. مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۷۶، ۲۶۸۔ مستدرک حاکم ج ۴ ص ۸۔ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۱۔ معجم طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۴۱ حدیث نمبر ۲۸۰۔ حلیۃ ابو نعیم ج ۲ ص ۴۵۔ ابن حبان کما فی الاحسان حدیث نمبر ۷۱۰۳۔
2. صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۹ کتاب التفسیر باب ولولا اذ سمعتموہ حدیث نمبر ۴۷۵۳۔
3. ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۸ ابواب المناقب باب فضل عائشہؓ۔

بیان فرماتی ہیں۔

"جب سیدہ سودہ بنت زمعہ عمر رسیدہ ہوگئیں تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنا دن عائشہؓ کو تفویض کرتی ہوں۔ اس طرح سرور کائنات ﷺ سیدہ عائشہؓ کے ہاں دو دن قیام فرماتے۔ ایک دن ان کا اپنا اور ایک دن سیدہ سودہؓ کا"۔[1]

جبرئیل کا دیدار:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خصوصیات میں سے یہ بھی ایک انتہائی عظیم المرتبت خصوصیت ہے کہ انہوں نے جبریل علیہ السلام کا دیدار کیا ہے۔

ام المومنینؓ بیان فرماتی ہیں۔ کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھے ہوئے ایک شخص سے باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے آپ کو دحیہ کلبیؓ کے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھے ہوئے۔ ان سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کیا تو نے اسے دیکھا ہے؟ عرض کی جی ہاں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ وہ دحیہ کلبی نہیں تھے۔ بلکہ جبرئیل علیہ السلام تھے۔ اور وہ تمہیں سلام کہتے تھے۔

سیدہؓ نے جواب میں فرمایا۔

وعلیہ السلام ورحمة الله وبركاته۔

اللہ تعالیٰ انہیں عمدہ جزاء عطا فرمائے۔ میزبان بھی بہترین اور مہمان بھی بہترین۔[2]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۵۸ صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۲ کتاب الرضاع باب جواز ہبتہا نوبتہا۔

[2] مسند امام احمد ج ۶ ص ۷۴ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۶۶ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۱۳۸ بیہقی دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۶۶۔

ان امتیازات کا تذکرہ تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا کرتی تھیں۔

جو علامہ محمد منظور نعمانی المتوفی ۱۴۱۸ھ کے الفاظ میں پیش خدمت ہے۔

ازواج مطہرات میں صرف انہی کو شرف حاصل تھا کہ وہ صغر سنی یعنی قریباً ۹-۱۰ سال کی عمر سے رسول اللہ ﷺ کی صحبت و رفاقت اور تعلیم و تربیت سے مستفید ہوتی رہیں۔ اس طرح چند سعادتیں تھا انہیں کے حصہ میں آئیں۔ جن کا وہ خود اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ ذکر فرماتی تھیں۔

۱- فرماتی تھیں تنہا مجھے ہی یہ شرف نصیب ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے عقد نکاح میں آنے سے پہلے ہی آپ کو خواب میں میری صورت دکھائی گئی۔ اور فرمایا گیا کہ یہ دنیا اور آخرت میں آپ کی زوجہ ہونے والی ہے۔

۲- اور آپ کی ازواج میں سے تنہا میں ہی ہوں۔ جس کا آپ کی زوجیت میں آنے سے پہلے کسی دوسرے کے ساتھ یہ تعلق اور رشتہ نہیں ہوا۔

۳- اور تنہا مجھ پر اللہ تعالیٰ کا یہ کرم تھا کہ آپ جب میرے ساتھ ایک لحاف میں آرام فرما ہوتے تو آپ پر وحی آتی۔ دوسری ازواج میں سے کسی کو یہ سعادت میسر نہیں ہوئی۔

۴- اور یہ کہ میں ہی آپ کی ازواج میں سے آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھی۔ اور اس باپ کی بیٹی ہوں جو حضور ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔

۵- اور یہ شرف بھی آپ کی ازواج میں سے مجھے ہی نصیب ہے کہ میرے والد اور میری والدہ دونوں مہاجر ہیں۔

۶- اور یہ کہ بعض منافقین کی سازش کے نتیجہ میں جب مجھ پر ایک گندی تہمت لگائی گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے میری برأت کے لئے قرآنی آیات نازل فرمائیں۔ جن کی قیامت تک اہل ایمان تلاوت کرتے رہیں گے۔

اور ان آیات میں مجھے نبی پاک (طیب) کی پاک بیوی (طیبہ) فرمایا گیا۔ نیز اس سلسلہ کی آخری آیت میں "اولئك لهم مغفرة ورزق كريم"۔ فرما

اور میرے لئے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔
۷- اس سلسلہ میں بھی اپنی اس خوش نصیبی کا بھی ذکر فرماتیں کہ آپ نے زندگی کا آخری پورا ایک ہفتہ میرے ہی گھر میں میرے ساتھ قیام فرمایا۔ اور حیات طیبہ کا آخری دن میری باری کا دن تھا۔
۸- اور اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص کرم مجھ پر یہ ہوا کہ آخری دن میرا آب دہن آپ کے آب دہن کے ساتھ آپ کے شکم مبارک میں گیا۔
۹- اور آخری لمحات میں ہی آپ کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھی تھی۔ اور جس وقت بحکم خداوندی روح مبارک نے جسد اطہر سے مفارقت اختیار کی اس وقت آپ ﷺ کے پاس میں ہی تھی۔ بجز موت کا فرشتہ۔
۱۰- اور آخری بات یہ کہ میرا ہی گھر قیامت تک کے لئے آپ کی آرام گاہ بنا یعنی اسی میں آپ کی تدفین ہوئی۔[1] (ترجمہ معارف الحدیث ج ۸ ص ۳۵۰-۳۵۱)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔
"جن فضائل وخصائل سے مجھے نوازا گیا ہے۔ وہ بی بی مریم بنت عمران کے علاوہ کسی اور کو نہیں عطا ہوئے"۔[2]

علامہ احمد خلیل جمعہ مدظلہ ان خصوصیات کو نقل کرنے کے بعد شیخ المشائخ امام الاتقیاء، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک پرلطف قصیدہ پیش کرتے ہیں۔

انی خصصت علی لسان محمد

بصفات بر تحتهن معانی

ترجمہ: مجھے محمد ﷺ کی زبان پاک سے چند نیک صفات کی خصوصیت عطا کی گئی ہے۔ جن کے چند معانی ہیں۔

---

[1] طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۳۱ حدیث نمبر ۷۵ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۵۱۸۔
[2] طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۳۱ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۳ حدیث نمبر ۱۵۳۴۸۔

وسبقتهن الى الفضائل كلها

فالسبق سبقي والعنان عناني

ترجمہ: اور میں ان کے ساتھ تمام فضائل میں سبقت لے گئی۔ پس جیت میری جیت ہے اور یہی فوقیت میری فوقیت ہے۔

زوجي رسول الله لم ار غيره

الله زوجني به وحباني

ترجمہ: میرے شوہر رسول اللہ ہیں۔ جن کے علاوہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ (یعنی بالکل کنواری) اللہ نے میرا ان سے نکاح کرایا، مجھے تحفہ عطا فرمایا۔

واتاه جبريل الامين بصورتي

فاحبني المختار حين راني

اور ان کے پاس جبریل امین میری تصویر لائے۔ تو مختار نے جب مجھے دیکھا تو پسند کر لیا۔

وانا ابنة الصديق صاحب احمد

وحبيبه في السر والاعلان

ترجمہ: اور میں احمد ﷺ کے ساتھی اور ان کے راز اور اعلان کے وقت کے محبوب صدیق کی بیٹی ہوں۔

۱: [illegible] ص ۱۹۹ ۔

يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ۔ (القرآن)

﴿۳﴾

ام المومنین

سیدہ

سودہ رضی اللہ عنہا

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

● كَانَتْ ذَاتَ عِبَادَةٍ وَّوَرَعٍ وَّزَهَادَةٍ۔

نے بھی دعوت اسلام پر لبیک کہا۔ اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس طرح یہ دونوں میاں بیوی کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حبشہ کی پہلی ہجرت کے وقت تک حضرت سودہؓ اور ان کے شوہر مکہ مکرمہ میں اقامت گزیں رہے۔ اور قریش مکہ کی سختیاں جھیلتے رہے۔ لیکن جب مشرکین کا ظلم وستم اپنی انتہاء کو پہنچ گیا۔ تو مہاجرین کی ایک بہت بڑی تعداد حبشہ کی ہجرت پر آمادہ ہو گئی۔ ان میں سیدہ سودہؓ اور ان کے شوہر سکران بھی شامل تھے۔ کئی برس حبشہ میں گزارنے کے بعد جب سیدہ سودہؓ اپنے خاوند کے ساتھ مکہ مکرمہ واپس آ گئیں۔ تو ان کے خاوند سکران کا مکہ مکرمہ میں انتقال ہو گیا۔

مورخین کے نزدیک سکران بن عمرو کا انتقال ہجرت مدینہ سے پہلے مکہ مکرمہ میں ہوا تھا۔[1] بعض کے نزدیک سکران کا انتقال حبشہ میں ہوا تھا۔

حریم نبوت میں آمد:

سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر کے وصال کے بعد سرور دو عالم ﷺ کے حبالہ عقد میں آ گئیں۔ مورخین کرام کی تصریحات کے مطابق ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے بعد سب سے پہلی خاتون جسے ''ام المومنین'' ہونے کا شرف حاصل ہوا وہ سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔[2]

امام ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ رقمطراز ہیں۔

فكانت اول امرأة تزوجها رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد خديجة۔[3]

ترجمہ: حضرت خدیجہؓ کے وصال کے بعد سب سے پہلی عورت جس سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح فرمایا وہ سودہ تھیں۔

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۹۸۔ زرقانی جدید ج ۴ ص ۳۷۸۔

۲۔ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۷ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۹۸۔

۳۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۹۸۔

علامہ ابن اثیر المتوفی ۶۳۰ھ اور علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔[1]

امام ابن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ مزید لکھتے ہیں۔

تزوج رسول اللہ ﷺ سودة في رمضان سنة عشر من النبوة بعد وفاة خديجة وقبل تزوج عائشة ودخل بها بمكة وهاجر بها الى المدينة۔[2]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد رمضان المبارک دس نبوی میں حضرت سودہؓ سے نکاح کیا اور یہ حضرت عائشہؓ سے پہلے نکاح کیا اور حضرت سودہؓ مکہ ہی میں آپ کے گھر آگئیں اور مدینہ منورہ کی ہجرت کی۔

سیدہ خدیجہؓ کے وصال کے بعد رحمت عالم ﷺ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ سے نکاح فرمایا تھا ان دونوں میں پہلے کس سے نکاح فرمایا سیرت نگاروں نے اس میں دو قول نقل فرمائے ہیں۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوا کہ بعض سیرت نگاروں کے نزدیک پہلے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا اور بعد میں حضرت عائشہؓ سے عقد فرمایا تھا۔ حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ نے مسند امام احمد کی ایک روایت سے استدلال فرماتے ہوئے لکھا ہے۔

کہ سیدہ خدیجہؓ کے وصال کے بعد آپ نے پہلے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا تھا۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق فرماتی ہیں۔

وكانت اول امرأة تزوجها بعدي۔[3]

---

1. اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۸۴۔ الاصابہ ج ۴ ص ۳۳۸۔
2. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۵۳۔
3. مسلم شریف ج ۱ ص ۴۷۳ کتاب الرضاع باب جواز هبتها نوبتها لضرتها ۔ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۲۹۔

ترجمہ: میرے بعد سب سے پہلے آپؐ نے جس سے نکاح کیا وہ سودہؓ تھیں۔

ان روایات میں تطبیق کی ایک صورت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ سیدہ خدیجہؓ کے انتقال کے بعد آپؐ نے سیدہ عائشہؓ سے نکاح فرمایا اور ان کے بعد آپ نے سیدہ سودہؓ سے نکاح کیا۔ البتہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ ہی میں آپ کے ہاں آ گئی تھیں۔ لیکن سیدہ عائشہؓ کی رخصتی ہجرت مدینہ کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔[1]

حضور انور ﷺ سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال سے غمگین اور پریشان تھے وہ ہر مشکل وقت میں آپؐ کی غم خوار اور غمگسار تھیں۔ اب آپ کی دلداری اور غمگساری کرنے والی کوئی نہ تھی۔ آپؐ کی اس حالت کو دیکھ کر حضرت عثمانؓ بن مظعون کی اہلیہ محترمہ حضرت خولہؓ بنت حکیم نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپ کو ایک مونس وغم گسار رفیق کی ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں گھر بار کا انتظام اور بال بچوں کی پرورش سب خدیجہؓ کے متعلق تھا۔

خولہ نے کہا کیا میں آپ کے لئے کہیں پیغام نہ دوں؟ آپؐ نے فرمایا مناسب ہے اور عورتیں ہی اس کام کے لئے موزوں ہیں۔ آپ نے فرمایا کس جگہ پیام دینے کا خیال ہے۔ خولہ نے کہا کہ اگر آپ کنواری سے نکاح کرنا چاہیں تو آپ کے نزدیک تمام مخلوق میں جو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کی بیٹی عائشہؓ سے نکاح فرمائیں۔ اور اگر بیوہ سے چاہیں تو سودہ بنت زمعہ موجود ہے۔ جو آپ پر ایمان لائی اور آپ کا اتباع کیا۔ آپ نے فرمایا دونوں جگہ پیغام دے دیں۔

خولہ اول سودہ کے پاس گئیں اور کہا اللہ جل مجدہ نے آپ پر خیر و برکت کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ انہوں نے کہا وہ کیا؟ حضرت خولہ نے کہا۔ مجھے رسول اللہ ﷺ نے تمہارا پیام دے کر بھیجا ہے۔ حضرت سودہؓ نے فرمایا مجھے کوئی عذر نہیں۔ لیکن میرے والد کے پاس جائیں اور انہیں یہ بتائیں۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۳۲ زرقانی طبع جدید ج ۳ ص ۳۷۸۔

حضرت خولہؓ کہتی ہیں میں سودہؓ کے والد کے پاس گئی جو نہایت بوڑھے تھے اور انہیں جاہلیت کے طریقہ کے مطابق "انعم صباحا" کہہ کر سلام کیا انہوں نے دریافت کیا کون ہے؟ میں نے جواباً عرض کیا "خولہ" انہوں نے کہا "مرحبا" کہو کیسے آنا ہوا۔

حضرت خولہ نے جواب دیا "محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب" کی طرف سے آپ کی بیٹی کے لئے نکاح کا پیغام لائی ہوں۔ انہوں نے سن کر کہا۔ ہاں محمد ﷺ بڑے شریف کفو ہیں۔ "ھو کفو کریم" لیکن معلوم نہیں سودہ کی کیا رائے ہے؟ حضرت خولہ نے کہا اسے یہ رشتہ قبول ہے۔

حضرت سودہؓ کے والد ماجد نے کہا محمد ﷺ یہاں تشریف لائیں۔ آپ کی تشریف آوری پر زمعہ نے اپنی صاحبزادی سودہؓ سے نکاح کی اجازت طلب کی۔ ان کے مبارک الفاظ اس طرح ہیں۔

ای سودۃ رفعت ھذہ ان محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب یخطبک وھو کفو کریم اتحبین ان ازوجہ قالت نعم۔

ترجمہ اے جان پدر! یہ خولہ کہتی ہیں کہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب نے تجھے نکاح کا پیغام بھیجا ہے میرے نزدیک انتہائی عزت دار گھرانہ ہے کیا تو راضی ہے کہ تیرا نکاح ان سے کر دوں؟ حضرت سودہ نے کہا جی ہاں۔ میری رائے بھی یہی ہے۔

غرض اس طرح بحسن و خوبی اور خوش اسلوبی سے تمام مراحل طے ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور حضرت سودہؓ کے والد گرامی قدر نے نکاح پڑھایا اور چار سو درہم مہر مقرر ہوا۔

نکاح ہو جانے کے بعد حضرت سودہؓ کے بھائی عبداللہ بن زمعہ جو اس وقت تک دولت ایمان سے محروم تھے آ گئے اور انہیں معلوم ہوا کہ سودہؓ کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہوا تو انتہائی سخت پیچ و تاب کھائے اور اپنے غم و الم کا اظہار سر میں خاک ڈال کر کیا۔ بعد

ازاں جب وہ دولت ایمان سے سرفراز ہوئے تو ساری زندگی اپنی اس حماقت پر افسوس کرتے اور کف حسرت ملتے رہے۔[1]

غیبی اشارہ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب سکرانؓ کے نکاح میں تھیں۔ تو انہوں نے ایک خواب دیکھا۔ کہ سید عالم ﷺ سامنے سے تشریف لا رہے ہیں۔ اور آ کر ان کی گردن کو چھوا ہے۔ یہ خواب انہوں نے اپنے خاوند سکرانؓ سے بیان کیا انہوں نے فرمایا اگر تمہارا یہ خواب سچا ہے۔ تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ میرا انتقال ہو جائے گا اور تیرا نکاح حضور اقدس ﷺ سے ہوگا۔

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ پھر خواب میں دیکھا کہ وہ سوئی ہوئی ہیں اور چاند ٹوٹ کر ان پر گر گیا ہے۔ یہ خواب بھی انہوں نے شوہر سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا اگر تمہارا خواب سچا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ میں عنقریب انتقال کر جاؤں گا۔ چنانچہ اسی روز سکرانؓ بیمار پڑے اور کچھ دنوں بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی رسول اللہ ﷺ سے ہو گئی۔[2]

ہجرت:

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کرنے کے بعد سرور دو عالم ﷺ تین سال تک مکہ معظمہ میں اقامت گزیں رہے۔ پھر جب اللہ جل شانہ کی طرف سے ہجرت کی اجازت مل گئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اور دونوں حضرات اپنے اہل وعیال کو مکہ میں چھوڑ گئے۔ جن میں سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔

---

1. معجم طبرانی کبیر ج ۲۴ ص ۳۰ حدیث نمبر ۸۰ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۳۲ زرقانی ج ۳ ص ۲۲۷ طبع جدید ج ۴ ص ۳۰۹۔
2. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۵۴۔ زرقانی جدید ج ۴ ص ۳۷۸

مدینہ پہنچ کر حضور انور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ اور ابورافع کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے کر بھیجا اور فرمایا ایک اونٹ قدید کے مقام سے خرید لینا۔ تاکہ حضرت فاطمہؓ، ام کلثومؓ اور حضرت سودہؓ کو لے آئیں۔ جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے کنبے کو اپنے ساتھ مدینے لے کر گئے جن میں سیدہ صدیقہ اور ان کی والدہ ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔[1]

قد و قامت:

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دراز قد اور فربہ اندام تھیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس نے انہیں دیکھا اس سے وہ چھپ نہیں سکتی تھیں[2] کیونکہ دوسری ازواج مطہرات سے وہ بلند و بالا تھیں۔

دیگر مورخین نے بھی لکھا ہے کہ سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دراز قد تھیں۔[3]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج قضائے حاجت کے لئے رات کے وقت باہر جایا کرتی تھیں۔ ایک رات سودہ بنت زمعہ زوج النبی ﷺ نکلیں۔ چونکہ وہ دراز قد عورت تھیں۔ حضرت عمرؓ نے انہیں دیکھ کر کہا اے سودہ! میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔ آپ (ازواج) بلا پردہ باہر نہ نکلا کریں۔[4]

زہد و تقویٰ:

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ میں بلند شان کی حامل تھیں۔ علامہ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ رقمطراز ہیں۔

وکانت ذات عبادۃ و ورع و زھادۃ۔[5]

---

[1] سیرت النبویہ ج ۲ ص ۱۳۱۔ [2] بخاری ج ۲ ص ۷۰۷۔

[3] زرقانی ج ۳ ص ۲۵۹، زرقانی طبع جدید ج ۴ ص ۳۷۷، الاصابہ ج ۴ ص ۳۳۸۔

[4] بخاری ج ۱ ص ۲۶ کتاب الوضوء۔

[5] البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۷۰ وفیات ۵۴ھ۔

ترجمہ: حضرت سودہؓ عبادت' تقویٰ اور زہد والی خاتون تھیں۔

حضور انور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازواج مطہراتؓ سے فرمایا کہ میرے بعد گھر میں بیٹھنا۔ اس پر سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس سختی سے عمل کیا۔ کہ پھر کبھی حج کو بھی نہ گئیں۔ فرماتی تھیں کہ میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں۔ اب رسول خدا کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔[1]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔ حضور انور ﷺ کے اس ارشاد کے بعد سب ازواج مطہرات نے آپؐ کے انتقال کے بعد کئی حج کئے لیکن سیدہ زینبؓ بنت جحش اور سیدہ سودہؓ بنت زمعہ نے آپ کے بعد کوئی حج نہیں کیا اور برابر گھر میں رہیں۔ اور فرمایا کرتی تھیں۔ "بخدا! رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے بعد ہم اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گی۔[2]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

ما من امرأة احد احب الی ان اکون فی مسلاخها من سودة الا ان فیها حدة تسرع منها۔[3]

ترجمہ: حضرت سودہ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی۔ ان میں صرف اتنی بات تھی کہ مزاج میں تیزی تھی جو ظاہر ہو جاتی تھی اور جلد چلی جاتی تھی۔

ظرافت:

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزاج میں ظرافت بھی تھی۔ حضور انور ﷺ کو کبھی کبھی ہنسا دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ عرض کرنے لگیں کہ کل رات میں نے آپؐ کے پیچھے نفل نماز پڑھی۔ باوجودیکہ میں ساتھ تھی آپؐ نے اتنا لمبا رکوع کیا۔ جس

---

1. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۷' زرقانی ج ۳ ص ۲۹۱۔
2. مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۲۴' مجمع الزوائد ج ۳۔
3. مسلم شریف ج ۱ ص ۴۷۲ کتاب الرضاع' طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۷' زرقانی جدید ج ۴ ص ۳۷۸۔

سے مجھے نکسیر پھوٹ جانے کا خوف ہوا۔ اور میں نے اس ڈر سے اپنی ناک پکڑ لی۔ یہ سن کر نبی پاک ﷺ کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔[1]

سخاوت و فیاضی:

یوں تو اس زمانہ کی مسلمان عورتوں میں اس دنیا کی فانی چیزوں کو جوڑ جوڑ کر اور گن گن کر جمع کر رکھنے کا دستور اور رواج نہ تھا۔ اور اس دنیا اور اس کی چیزوں کے فانی اور ختم ہونے کا تصور ہمیشہ آنکھوں کے سامنے رہتا تھا۔ لیکن بعض عورتیں اپنی طبعی فیاضی و کشادہ دلی کی بناء پر اس میں خاص درجہ رکھتی تھیں۔

ایک مرتبہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی جس میں کافی رقم تھی۔ لانے والے سے پوچھا۔ اس تھیلی میں کیا ہے؟ وہ بولے: درہم ہیں۔ فرمایا کیا کھجور کی طرح تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر اسی وقت وہ سب اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیئے۔[2]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا طائف سے آئی ہوئی کھالیں خود بناتی تھیں۔ اور اس سے جو آمدنی ہوتی تھی۔ اسے نہایت آزادی کے ساتھ نیک کاموں میں خرچ کرتی تھیں۔[3]

ازواج مطہراتؓ میں حشر کی تمنا:

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب عمر رسیدہ اور بوڑھی ہو گئیں۔ تو ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں سرکار دو عالم ﷺ مجھے طلاق نہ دے دیں۔ اور وہ شرف صحبت اور شرف زوجیت سے محروم نہ ہو جائیں۔ ان کی دلی تمنا تھی کہ وہ قیامت کے روز آپ کی ازواج میں سے اٹھیں۔

چنانچہ حضور انور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ میں بوڑھی ہو

۱۔ الاصابہ ج ۴ ص ۳۳۸، زرقانی ج ۳ [illegible] ص ۲۳۹

۲۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۳۸ [illegible]

۳۔ الاصابہ ج ۴ ص ۳۳۹ [illegible]

گئی ہوں۔ مجھے شوہر والی خواہش تو ہے نہیں۔ آپ مجھے اپنے نکاح میں رکھیں میں اپنی باری عائشہؓ کو ہبہ کر دیتی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس پر راضی ہو گئے اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اس پیش کش سے خوش ہو گئیں۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خطرہ ہو گیا تھا کہ سرور دو عالم ﷺ انہیں طلاق دے دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے طلاق نہ دیں۔ مجھے اپنی زوجیت کے شرف سے محروم نہ فرمائیں۔ اور میری باری کا دن عائشہؓ کو دے دیا کریں۔ چنانچہ آپ نے منظور فرما لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾[2]

ترجمہ: اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال نامناسب رویہ یا بے پروائی کا ہو۔ سو دونوں کو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کر لیں۔ اور صلح بہتر ہے۔[3] (امہات المومنین بلند شہری)

جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فارغ کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گواہ بنانے کے لئے بلا لیا۔ لیکن سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔ مجھے دنیا کی رغبت نہیں ہے۔ میں تو آپ کی بیویوں کے ساتھ اپنا حشر چاہتی ہوں۔ تاکہ قیامت کے دن جو ثواب ان کو ملے وہ مجھے بھی مل جائے۔[4]

---

1. طبرانی کبیر ج ۲۴ ص ۳۱، ۳۲، ۳۳۔ ذہبی تاریخ اسلام عہد خلفاء ص ۴۸۰
2. سورۃ نساء آیت نمبر ۱۲۸۔
3. طبرانی کبیر ج ۱۱ ص ۲۸۴ حدیث نمبر ۱۱۷۴۶، طبرانی کبیر ج ۲۴ ص ۳۲ حدیث نمبر ۸۵، سنن کبریٰ بیہقی ج ۷ ص ۲۹۷۔
4. طبرانی کبیر ج ۲۴ ص ۳۴ حدیث نمبر ۹۰ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۶۔

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایثار کا یہ عدیم النظیر اور فقید المثال واقعہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی منظور نظر اور محبوبہ کو اپنی باری کا دن تفویض فرما کر اپنے شوہر کی رضا کا تمغہ بھی حاصل کر لیا اور اپنی سوکن کو بھی راضی کر لیا۔

قربان ہوں میرے ماں باپ معلم ہادی کائنات محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ نے نیک وصالح عورت کی صفات میں یہی صفت بیان ارشاد فرمائی۔

ان امرھا اطاعتہ۔

اگر شوہر بیوی کو حکم دے۔ تو بیوی اس کے حکم کو بجا لائے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خصائص میں سے یہ ایک خصوصیت تھی کہ انہوں نے اپنی باری سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سپرد کر دی۔ ان کا یہ جذبہ ایثار اس وجہ سے تھا کہ وہ اس محبوبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے بارگاہ نبوت میں تقرب حاصل کریں۔[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

ان سودۃ بنت زمعۃ وھبت یومھا ولیلتھا لعائشۃ زوج النبی ﷺ تبتغی بذلک رضی رسول اللہ ﷺ۔[2]

ترجمہ- حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (کبر سنی کی وجہ سے) اپنی باری کا دن اور رات عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دی تھی۔ ان کا مقصد حضور اکرم ﷺ کی رضا وخوشنودی حاصل کرنا تھا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ اپنی نو بیویوں کے پاس باری باری رات بسر کرتے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں دو راتیں بسر فرماتے تھے۔[3]

---

1. جلاء الافہام ص ۲۸۱ بحوالہ حاشیہ نمبر ۲ ازواج النبی امام محمد۔
2. بخاری شریف ج ۱ ص ۳۵۳ کتاب الہبہ۔
3. مسلم شریف ص ۳۷۳ باب جواز ہبتہا نوبتہا۔

حکم حجاب:

عرب کے قدیم طرز کے مطابق عورتیں قضاء حاجت کے لئے صحرا کو جایا کرتی تھیں۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات کے خواہشمند تھے۔ کہ عورتوں کے لئے پردہ کا حکم نازل ہو جائے۔ خصوصاً حضور انور ﷺ کی ازواج مطہرات کے پردہ کے بہت ہی خواہاں تھے۔ لیکن حضور اقدس ﷺ نزول وحی کے بغیر حکم جاری نہ فرما رہے تھے۔ آپ کی بیویاں بھی دیگر صحابیات کی طرح رات کے وقت قضاء حاجت کے لئے جنگل جایا کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قضائے حاجت کو جارہی تھیں کہ راستہ میں حضرت عمرؓ کا سامنا ہوا۔ سیدہ کے دراز قد ہونے کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے ان کو پہچان لیا۔ اگرچہ وہ کپڑوں میں اچھی طرح لپٹی ہوئی تھیں۔ پھر بھی قد کی وجہ سے پہچان ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے آواز دی۔ اے سودہؓ! ہم تمہیں پہچان گئے۔ اور ان کی خواہش یہی تھی کہ پردہ کا حکم نازل ہو جائے۔ چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پردہ کا حکم نازل فرمایا[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد ایک رات سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قضاء حاجت کے لئے نکلیں۔ راستہ میں حضرت عمرؓ مل گئے سیدہ سودہؓ دراز قد اور فربہ اندام تھیں۔ جو انہیں جانتا تھا اس سے وہ پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے پہچان لیا۔ اور بولے سودہؓ ہاں خدا کی قسم! آپ ہم سے اپنے آپ کو نہیں چھپا سکتیں۔ دیکھئے آپ کس طرح باہر نکلی ہیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ بات ناگوار گزری۔ الٹے پاؤں وہاں سے واپس آ گئیں۔

سرور دو عالم ﷺ اس وقت میرے حجرہ میں تشریف فرما تھے اور رات کا کھانا تناول فرما رہے تھے۔ آپ کے دست مبارک میں اس وقت گوشت کی ایک ہڈی تھی۔

---

[1] بخاری ج اص ۲۶۔

حضرت سودہ نے داخل ہوتے ہی عمر کی شکایت کرتے ہوئے کہا۔ یا رسول اللہ! میں قضائے حاجت کے لئے نکلی تو عمر نے مجھے یہ باتیں کہیں۔

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اسی وقت حضور انور ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا۔ اور تھوڑی دیر بعد یہ کیفیت ختم ہوئی۔ اب بھی ہڈی آپ کے دست مبارک میں تھی۔ آپ نے اسے رکھا نہیں تھا۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں قضائے حاجت کے لئے باہر جانے کی اجازت دے دی گئی ہے۔[1]

مناسک میں رعایت:

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں حج ادا فرمایا۔ اس موقع پر آپ کی تمام ازواج مطہرات ہمراہ تھیں۔ سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی اس سفر میں آپؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل تھا۔ چونکہ آپ دراز قد اور فربہ اندام تھیں۔ تیزی کے ساتھ چل پھر نہ سکتی تھیں۔ بلکہ سست رفتار تھیں۔ حضور انور ﷺ سے اجازت چاہی کہ لوگوں کے مزدلفہ سے منیٰ روانہ ہونے سے قبل انہیں جانے کی اجازت دی جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے کمال شفقت فرماتے ہوئے اجازت مرحمت فرما دی۔ چنانچہ سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رات ہی میں لوگوں سے پہلے مزدلفہ سے روانہ ہو گئیں۔ کیونکہ انہیں بھیڑ میں چلنا دشوار تھا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس واقعہ کو بیان کرتے کے بعد فرماتی ہیں۔ اگر میں بھی سیدہ سودہؓ کی طرح اجازت طلب کر لیتی تو ہر خوشی سے مجھے زیادہ پسند ہوتا۔[2]

سانحہ ارتحال:

یک مرتبہ ازواج مطہراتؓ بارگاہ رسالت پناہ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ! ہم میں سب سے پہلے کس کا انتقال ہوگا؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] بخاری شریف ج ۲ ص ۷۰۷ سورۃ الاحزاب۔

[2] بخاری شریف ج ۱ ص ۲۲۸۔

اسرعکن لحوقا بی اطولکن یداً۔

ترجمہ: تم میں سب سے پہلے وہ مجھ سے ملے گی۔ جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا۔

انہوں نے ظاہری ہاتھ کی لمبائی سمجھی' ہاتھ ناپے گئے تو سب سے دراز ہاتھ سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا۔ لیکن جب سب سے پہلے سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی لمبائی سے آپ ﷺ کی مراد سخاوت اور فیاضی تھی۔[1]

امام ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں۔

توفیت سودۃ بنت زمعۃ بالمدینۃ فی شوال سنۃ اربع و خمسین فی خلافۃ معاویۃ ابن ابی سفیان۔[2]

علامہ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں بیان کی ہے۔ اور یہی قول علامہ ابن حجر عسقلانی نے ابن ابی خثیمہ سے نقل کیا ہے۔ اور لکھا ہے۔

ویقال ماتت سنۃ اربع و خمسین' ورجحہ الواقدی۔[3]

ترجمہ: یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۵۴ھ میں وفات پائی۔ اور واقدی نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ابن جوزی کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی وفات ۵۴ھ ہی ذکر کی ہے۔ اور آخر میں ابن خثیمہ کا قول بھی نقل کر دیا ہے۔

توفیت فی اخر خلافۃ عمر بن الخطاب واللہ تعالیٰ اعلم۔[4]

---

1. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۶۹۔
2. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۷۱، ۲۶۹۔
3. الاصابہ ج ۴ ص ۳۳۹۔
4. البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۷۰۔

لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (القرآن)

(۴)

ام المومنین

سیدہ

حفصہ رضی اللہ عنہا

سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

☆ "حفصہؓ سے وہ شخص نکاح کرے گا جو عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر ہے۔ اور عثمانؓ اس خاتون سے نکاح کرے گا۔ جو حفصہ سے بہتر ہے"۔ (الحدیث)

☆ "حفصہؓ صوم وصلوٰۃ کی بہت پابند اور آپ کی جنت میں بیوی ہوں گی"۔ (الحدیث)

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نام ونسب:

نام: حفصہؓ والد کا نام عمرؓ بن الخطاب۔

سلسلہ نسب یہ ہے۔

حفصہؓ بنت عمرؓ بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی۔[1]

والدہ کا نام۔ زینب بنت مظعون بن حبیب بن وھب بن حذافہ بن جمح۔

سیدہ حفصہؓ کی والدہ محترمہ زینب مشہور صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعون کی حقیقی ہمشیرہ تھیں۔[2]

سیدہ حفصہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ حقیقی بھائی بہن ہیں۔ یعنی دونوں کی والدہ حضرت زینب ہیں۔[3]

ولادت باسعادت:

سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعثت نبوی سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ اس وقت قریش بیت اللہ شریف کی تعمیر میں مصروف تھے۔[4]

---

۱ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۸۱، الاستیعاب برحاشیہ الاصابہ ج ۴ ص ۲۶۸۔

۲ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۸۱، الاستیعاب برحاشیہ الاصابہ ج ۴ ص ۲۶۸۔

۳ ایضاً۔

۴ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۸۱، الاصابہ ج ۴ ص ۲۷۳۔

خاندانی عظمت:

عظیم خاتون ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت منصۂ شہود پر آئیں۔ جب قریش نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پانچ سال قبل کعبہ کی عمارت کی تجدید کر رہے تھے۔ اور یہ قریش کی بھلائیوں کی ابتدا تھی۔ اس طرح کہ حجر اسود کے نصب کرنے کے مسئلہ میں قریش میں اختلاف نے ایسی شدت اختیار کر لی کہ ہر آدمی نے تلوار نیام سے نکال لی اور لڑنے مرنے پر کمر بستہ ہو گیا تھا۔ لیکن حضور انور ﷺ کی دانشمندی سے اختلاف کی آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ انہی مبارک ایام میں ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت ہوئی۔ اور فضیلت ان کے لئے تمام اطراف سے جمع کر دی گئی۔ اور روز اول ہی سے برکت ان کے ساتھ رہی۔

ان کے والد گرامی قدر کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ان کی بے مثال فضیلت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ سرور دو عالم ﷺ کے دوسرے وزیر اور اہل جنت کے تابناک چراغ ہیں اور منطقی پہلوؤں سے انہیں اتنا کافی ہے جو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے راہنمائی فرمائی۔

"جب تم چاہو کہ تمہاری مجلس مہکنے لگے۔ تو مجلس میں حضرت عمرؓ بن الخطاب کا تذکرہ کرو۔"

ان کی والدہ محترمہ زینب بنت مظعون، جو جلیل القدر صحابہؓ مہاجرین کے نیک سردار متقین اولیاء اللہ میں سے ایک جو نبی کریم ﷺ کی زندگی ہی میں واصل باللہ ہوئے اور ان کی نماز جنازہ آپ نے پڑھائی۔ اور سب سے پہلے جنت البقیع میں راحت گزیں ہوئے۔ یعنی حضرت عثمانؓ بن مظعون کی بہن ہیں۔

سیدہ کے نامور بھائی عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔ جن کے تقویٰ اور نیکی کی گواہی خود سرور دو عالم ﷺ نے دی۔ حضور کا ارشاد گرامی ہے۔

"عبداللہ اچھا انسان ہے۔ کاش یہ رات کو عبادت کرے۔"

اس کے بعد عبداللہ رات کو بہت کم سوتے تھے اور بیشتر وقت عبادت میں گزرتا

تھا۔ اور اسی گواہی نے انہیں متقین کی صف میں شامل کر دیا۔

ان کے چچا زید بن خطاب ہیں۔ جو متقی سردار عابد اور شہید ہیں۔ جن کے متعلق سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔

"یہ مجھ سے پہلے اسلام لائے اور مجھ سے پہلے جامِ شہادت نوش کیا"۔

مزید فرمایا۔

"جب بھی بادِ صبا چلتی ہے مجھے زید کی خوشبو کا پیغام دیتی ہے"۔

سیدہ حفصہؓ کی پھوپھی فاطمہ بنت خطاب ہیں۔ جو ایمان کے آنگن میں سب سے پہلے داخل ہونے والی خواتین میں سے ہیں۔ اپنے شوہر سعید بن زید جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک درخشندہ ستارہ ہیں کے ساتھ ایمان لائیں[1]

پاکیزہ پرورش:

اسی یکتا جماعت میں سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پرورش پائی جب کہ مکہ معظمہ نورِ اسلام سے چمکا' تو ان کے والد بھی سابقین اولین کے قافلے میں شامل ہو گئے۔ اور اپنے دل کو نورِ ایمان سے منور کر لیا۔ ان کے اسلام لانے پر نوری فرشتوں نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔ ان کا اسلام قبول کرنا اسلام اور مسلمانوں کے لئے شہادتیں ادا کرنے کے ساتھ ہی برکت وعظمت کا پیغام ثابت ہوا۔

سیدہ حفصہؓ کی نشو ونما معرفت کی محبت پر ہوئی۔ اور یہ علم وادب کے چشموں سے سیراب ہوئیں۔ حتیٰ کہ قریشی خواتین میں فصیح شمار ہونے لگیں۔ نوشت وخواندگی کی تربیت حضرت شفاء بنت عبداللہ العدویہ سے حاصل کی۔

نکاح:

جب سیدہ جوان ہوئیں اور نسوانیت کامل ہوئی تو ان کا نکاح خنیس بن حذافہ بن قیس سہمی سے ہو گیا۔ ان کی خوش نصیبی کہ حضرت خنیسؓ بھی سابقین اولین میں سے ہیں۔ یہ حضور انور ﷺ کے "دار ارقم" منتقل ہونے سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق

[1] جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین ص ۲۲۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت پر مسلمان ہو گئے تھے۔

ہجرت:

جب مسلمانوں پر قریش کے مظالم بڑھ گئے۔ تو حضرت خنیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حبشہ ہجرت کرنے والوں کے ساتھ ہجرت کر گئے اور پھر مکہ مکرمہ لوٹے۔ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمراہ مدینہ منورہ ہجرت کی وہاں رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں حضرت ابو عبس بن جبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھائی بنایا۔

جب غزوہ بدر ہوا تو قبیلہ بنو سہم کے افراد میں سے صرف حضرت خنیس غزوہ میں شریک ہوئے تو یہ بھی اللہ کا کلمہ بلند کرنے والے مجاہدین شہسواروں میں سے تھے۔ اور بے جگری سے لڑے اور شدید زخمی ہوئے۔ لیکن زخمی ہونے کے باوجود آخر دم تک لڑے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح ونصرت سے سرفراز فرمایا۔ جب مسلمان مدینہ منورہ لوٹے۔ تو حضرت خنیسؓ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے انتقال کر گئے۔ حضور انور ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور انہیں جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عین جوانی میں بیوہ ہو گئیں۔ اور انہیں اپنے شوہر نامدار کی وفات کا شدید رنج ہوا۔ جس کے آثار ان کے چہرے کے حسن پر نمایاں تھے۔ لیکن انہوں نے صبر واستقلال اور ایمان کے ساتھ اس غم کو برداشت کیا۔ ان کے والد گرامی قدر ان کے پاس تشریف لاتے اور ان کے غم والم کو ہلکا کرنے کی کوشش فرماتے۔ اور اپنی محبت وشفقت سے ان کا دل بہلاتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے احساس فراست اور شعور سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ بیٹی بڑی شان والی قرار پائے گی۔

حریم نبوت میں آمد:

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عبادت گزار اور متقی خواتین میں سے صاحب

فضیلت خاتون تھیں۔ اور ان کا شمار ان پاکباز یقین والی صابر خواتین میں ہوتا تھا۔ جنہوں نے عبادت وریاضت کے میدان میں بلند مقام تک ترقی کی۔

ان کے والد اپنی صفت مآب صاحبزادی میں یہ صفات دیکھ کر بہت خوش بھی ہوتے مگر ساتھ ہی اس کی نوعمری میں بیوگی سے رنجیدہ خاطر بھی ہوتے۔ انہیں اپنے گوہر یکتا حفصہؓ کے رتبے کے آدمی کی تلاش بھی تھی۔ بالآخر ان کی نظر انتخاب ایک ایسے مرد صالح پر پڑی جو سابقون الاولون کی صفت سے متصف تھا (یعنی حضرت عثمانؓ) جو اپنی رفیقہ حیات حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد اکیلے رہ گئے تھے۔ چنانچہ سیدنا فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے ہاں تعزیت کرنے اور ان کے غم واندوہ کو ہلکا کرنے تشریف لے گئے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنی بیٹی کی نسبت کی پیش کش بھی کر دی۔ کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارا نکاح حفصہؓ سے کر دوں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں اس معاملہ میں غور کروں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ دن انتظار کے بعد پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے۔ تو انہوں نے بتایا کہ وہ فی الحال شادی کا ارادہ نہیں رکھتے' حضرت عمرؓ کو اس جواب سے ملال ہوا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے بھی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رشتہ کی بات کی۔ مگر وہ خاموش رہے اور جواب نہ دیا۔ حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکرؓ کی اس بات سے کچھ رنج ہوا۔ بعد میں خود سرور دو عالم ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کی خواہش ظاہر فرمائی اور نکاح ہو گیا۔ کچھ روز بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔ تو سیدنا صدیق اکبرؓ نے کہا عمر! چند دن قبل تم نے مجھے حفصہؓ سے نکاح کی پیشکش کی اور میں تمہاری بات سن کر خاموش رہا اور تمہیں میری خاموشی یقیناً بے اتفاقی ناگوار گذری۔ لیکن میرے جواب نہ دینے کی وجہ یہ تھی۔ کہ سرور دو عالم ﷺ نے مجھ سے حفصہ کا ذکر فرمایا۔ اور میں آپ ﷺ سے

راز کو فاش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر حضور انور ﷺ حضرت حفصہؓ سے نکاح نہ کرتے تو پھر میں اس کے لئے آمادہ تھا۔[1]

ابن سعد وغیرہ کی روایت میں ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔ جب خنیسؓ بن حذافہ جنگ بدر میں شہید ہو گئے تو میں نے اپنی بیٹی حفصہؓ کی حضرت عثمان کو نکاح کی پیشکش کی۔ لیکن انہوں نے میری اس درخواست کو قبول نہ کیا۔ میں نے اس بات کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے عثمانؓ سے حفصہؓ کے نکاح کی پیشکش کی۔ لیکن انہوں نے بے التفاتی سے کام لیا اور میری پیشکش ٹھکرا دی' حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

''اللہ جل شانہ نے عثمانؓ کا نکاح تیری بیٹی سے بہتر عورت سے کر دیا اور تیری بیٹی کا نکاح عثمان سے زیادہ اچھے آدمی سے کر دیا''۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ پیشکش اس وقت کی۔ جبکہ ان کی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا تھا۔ اور ان دنوں حضرت عثمانؓ کی یہ خواہش تھی کہ سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ سے ان کا نکاح ہو جائے۔ اس لئے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشکش سے اعراض کیا تھا۔ چنانچہ سرور دو عالم ﷺ نے حفصہؓ کو اپنے حبالہ عقد میں لے لیا اور سیدہ ام کلثومؓ کا نکاح سیدنا عثمانؓ سے ہو گیا۔[2]

یہاں یہ نصیحت آموز بات قابل توجہ ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنی صاحبزادی کا رشتہ کفو اور اہل خیر پر پیش کرنا اس میں خیر کی کنجی' برکت کا باب

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۵ ص ۷۹۲ کتاب النکاح' باب عرض الانسان ابنتہ او اختہ علی اہل الخیر۔ سنن نسائی ج ۲ ص ۷۳ کتاب النکاح باب عرض الرجل ابنتہ علی من یرضی۔ نیز نسائی ج ۲ ص ۶۴ مسند امام احمد ج ۱ ص ۱۲۔

[2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۵۶' ۵۷ الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ ج ۴ ص ۲۶۹' الاصابہ ج ۴ ص ۲۷۳۔

اور ایک پاکیزہ سنت بھی ہے۔ اس مبارک شادی کی برکات میں سے یہ بھی ہے امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک مستقل باب قائم فرمایا ہے۔

"باب عرض الانسان ابنته او اخته علی اهل خیر"

ترجمہ: کسی انسان کا اپنی بیٹی یا بہن کا رشتہ اہل خیر پر پیش کرنے کا بیان۔

یہ محاسن ہمیشہ پڑھے جاتے رہیں گے۔ اور اہل خیر اس سنت کے ادا کرنے میں اس کی اقتدا کرتے رہیں گے۔

عقد مسنونہ کی تاریخ

امام زہری کی روایت کے مطابق سرور دو عالم ﷺ نے ۲ھ میں سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عقد فرمایا تھا۔ اور دوسرے حضرات کے نزدیک ۳ھ میں نکاح ہوا ہے۔

امام ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ فرماتے ہیں اکثر علماء کا یہی قول ہے[1] اور علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں یہی قول راجح ہے۔[2]

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں حالات واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ بدر کے بعد ۳ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عقد فرمایا تھا۔ جیسا کہ امام ابن سعدؒ نے واقدی سے روایت بیان کی ہے۔

"جب سیدہ رقیہؓ کا انتقال ہوا تو سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حفصہؓ کے رشتہ کی حضرت عثمانؓ کو پیشکش کی۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارادہ سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ سے نکاح کرنے کا تھا"۔

اس سے دلالت ہوتی ہے کہ حضرت خنیسؓ کی موت بدر کے بعد ہوئی جبکہ سیدہ

---

[1] الاستیعاب مع حاشیہ الاصابہ ج ۴ ص ۲۶۹۔

[2] الاصابہ ج ۴ ص ۲۷۳۔

رقیہؓ غزوہ بدر کے ایام میں فوت ہوئیں۔ کیونکہ حضرت عثمانؓ ان کی تیمارداری کی وجہ سے غزوہ بدر میں شامل نہ ہو سکے۔ اور اسحاق اور ابن سعد نے سعید بن المسیب سے روایت نقل کی ہے۔

"حفصہؓ اپنے شوہر سے بیوہ ہوگئیں۔ اور حضرت عثمان رافع ہوئے اپنی بیوی رقیہؓ کے فوت ہونے سے۔ اسی دوران سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گزر سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے ہوا۔ تو انہیں غمگین پایا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا فلاں (رقیہؓ) کی عدت پوری ہوجانے پر آپ حفصہؓ سے نکاح کرلیں"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے حضرت خنیسؓ کا انتقال غزوہ بدر کے بعد ہوا ہے۔ اگر غزوہ احد کے بعد ہوتا تو پھر ۳ھ میں حضرت حفصہؓ کی عدت پوری ہوتی۔

ان کے وصال کے متعلق کئی روایات پائی جاتی ہیں۔

☆ ایک قول یہ ہے کہ غزوہ بدر کے زخموں ہی سے غزوہ احد کے بعد انتقال ہوا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ غزوہ بدر کے بعد ہی انتقال ہوگیا تھا۔

☆ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے ہجرت کے ۲۵ ماہ بعد نکاح فرمایا تھا۔

☆ ایک روایت میں ہے کہ ہجرت کے تیس ماہ بعد اور ایک روایت میں بیس ماہ بعد کا ذکر ہے۔

جبکہ غزوہ احد جنگ بدر کے بعد تیس ماہ سے کچھ زائد عرصہ بعد واقع ہوا۔

ابن سعد کہتے ہیں غزوہ بدر سے حضور انور ﷺ کے لوٹنے کے موقع پر ان کا انتقال ہوا اور یہی قول درست ہے۔ اور ابن سید الناس نے بھی اس کی توثیق فرمائی ہے۔

سیدہ حفصہؓ اپنے بھائی عبداللہ سے عمر میں بڑی تھیں۔ سیدہ کی ولادت حضور انور ﷺ کی بعثت سے پانچ سال قبل ہوئی۔ جبکہ عبداللہ بعثت نبوی کے تین یا چار سال

بعد پیدا ہوئے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر چار سو درہم ادا فرمایا اور ان پر اور ان کے والد گرامی قدر پر بہت بڑا اکرام اور احسان تھا۔

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دوسری ازواج مطہرات کے مابین حیرت انگیز مرتبہ حاصل تھا۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ "یہی وہ خاتون ہیں جو ازواج مطہرات میں سے میری برابری کرتی تھیں"۔[2]

یونہی سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سرور دو عالم ﷺ کے نزدیک بھی ان کے شایان شان مرتبہ حاصل تھا۔ سیدہ حفصہ حضور انور ﷺ کی پانچ قریشی بیویوں میں سے ایک تھیں۔ جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ سیدہ عائشہؓ سیدہ حفصہ، سیدہ ام حبیبہؓ سیدہ ام سلمہ اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہن۔

عبادت و ریاضت:

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان نیک سرشت اور پاک طینت عبادت گزار خواتین میں شمار ہوتی ہیں۔ جو ہمہ وقتی عبادت و ریاضت میں منہمک رہتی تھیں۔ سیدہ کثرت صوم و صلوٰۃ میں مشہور تھیں۔ اور یہ دونوں صفات عبادت کی اعلیٰ اور اہم منزلیں ہیں۔ حضور انور ﷺ نے بھی ان صفات کی حامل خواتین سے نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے۔ فرمایا:

"دین دار خاتون تلاش کرو"۔

ابن سعد کی روایت میں ان کی عبادت گزاری کا یوں تعارف کرایا گیا ہے۔

اِنَّهَا صَوَّامَةٌ قَوَّامَةٌ۔[3]

سیدہ حفصہ صائم النہار اور قائم اللیل ہیں۔

---

1. فتح الباری ج ۹ ص ۱۷۵ تا ۱۷۶۔
2. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۲۷۔
3. المستدرک ج ۴ ص ۱۵ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۸۴۔

دوسری روایت میں ہے۔

مَاتَتْ حَفْصَةُ حَتّٰی مَا تُفْطِرُ[1]

ترجمہ: حضرت حفصہؓ نے اس حال میں وفات پائی کہ روزے پہ روزے رکھتی جاتی تھیں۔

كَانَتْ صَالِحَةً[2]

وہ نیکوکار خاتون تھیں۔

تفقہ فی الدین:

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو صحبت نبویؐ سے علمی فیوض و برکات سے بھی وافر حصہ حاصل ہوا۔ سیدہ سے ۶۰ احادیث مروی ہیں جو انہوں نے سرور عالم ﷺ اور اپنے والد مکرم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنی تھیں۔

سیدہ میں تعلیم کا ذوق بھی پایا جاتا تھا۔ اسی شوق کا اثر تھا کہ حضور انور ﷺ کو ان کی تعلیم کی فکر رہتی تھی۔ چنانچہ حضرت شفاء عدویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چیونٹی کے کاٹنے کا منتر آتا تھا۔ ایک دن وہ آئیں تو حضور ﷺ نے انہیں فرمایا کہ تم حفصہ کو منتر سکھا دو۔[3]

تفقہ فی الدین کا اظہار اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے۔

حضرت ام مبشر انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت حفصہؓ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اس اثنا میں سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا۔

"انشاء اللہ تعالیٰ ان لوگوں میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہ جائے گا۔ جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی اور حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے مجھ سے بیعت کی۔

یہ سن کر سیدہ حفصہؓ نے تعجب سے کہا۔ اچھا۔ (یہ آپ نے کیسے فرمایا) حضور ﷺ نے انہیں اس بات پر جھڑک دیا۔

---

1. الاصابہ ج ۴ ص ۲۷۳۔
2. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۸۶۔
3. مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۸۵۔

سیدہ حفصہؓ نے قرآن مجید کی آیت پڑھ کر پھر سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا۔

ترجمہ: تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا اس پر (جہنم) سے گزر نہ ہو۔

جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے تو پھر آپؐ نے یہ کیسے فرمایا کہ درخت کے نیچے حدیبیہ کے موقع پر بیعت کرنے والے دوزخ میں نہ جائیں گے۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں۔

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا۔[1]

ترجمہ: پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اسی حال میں پڑا رہنے دیں گے کہ غم کی وجہ سے گھٹنوں کے بل گرے پڑے ہیں گے۔

اس آیت مبارکہ میں پل صراط کا ذکر ہے جو دوزخ کی پشت پر قائم ہے۔ سب کو اس پر سے گزرنا ہوگا۔ پرہیزگار اور نیک بندے اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے جلد یا آہستہ پل صراط سے گزر کر جنت میں پہنچ جائیں گے۔ اور کافر اس میں گر جائیں گے اور پار نہ ہوسکیں گے اور جہنم میں ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ نیز گنہگار مسلمان بھی اس میں گریں گے جنہیں بعد میں اللہ بخش کر جنت میں داخل کر دیں گے۔

موطا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ عمرو بن رافع کہتے ہیں کہ میں ام المومنین سیدہ حفصہؓ کے لئے مصحف لکھا کرتا تھا۔[2]

مزاج کی تیزی:

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزاج میں شگفتگی بے باکی اور

---

[1] مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۸۵۔

[2] ازواج مطہرات حیات وخدمات ص ۱۴۱۔

تیزی تھی۔ سید عالم ﷺ سے کبھی کبھی دو بدو گفتگو کرتیں اور برابر کا جواب دیتی تھیں۔ اور خاوند سے دو بدو بات کرنا اسلام کی عطا کردہ وہ آزادی ہے جو ہر عورت کو حاصل ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو ذرہ برابر بھی وقعت نہ دیتے تھے۔ لیکن اسلام نے انہیں ایک خاص مقام عطا فرمایا۔ اور قرآن مجید میں ان کے متعلق آیات نازل ہوئیں۔ تب ہمیں عورت کی قدر و قیمت اور ان کا مرتبہ و مقام معلوم ہوا۔ ایک روز میری بیوی نے مجھے رائے دی۔ میں نے اسے کہا کہ تمہیں رائے اور مشورہ سے کیا تعلق ہے۔

بیوی نے کہا ابن خطاب! تم کو ذرا سی بات بھی برداشت نہیں۔ حالانکہ آپ کی بیٹی رسول اللہ ﷺ کو برابر کا جواب دیتی ہے۔ یہاں تک کہ آپ دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ سن کر میں فوراً حفصہؓ کے پاس آیا۔ میں نے کہا بیٹی! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کو برابر کا جواب دیتی ہو۔ بیٹی نے جواب میں کہا ہاں ہم ایسا کرتی ہیں۔ میں نے کہا خبردار! میں تمہیں عذاب الٰہی سے ڈراتا ہوں۔ تم اس عورت (سیدہ عائشہؓ) کی ریس نہ کرنا۔ جس کے حسن نے رسول اللہ ﷺ کو فریفتہ کر لیا ہے۔ ۱؎

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزاج کی تیزی اس واقعہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ سرور دو عالم ﷺ گھر میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رو رہی ہیں۔ حضور انور ﷺ نے رونے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے جواب میں عرض کیا۔ کہ مجھے حفصہؓ نے کہا ''تم یہودی کی بیٹی ہو'' سید عالم ﷺ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا۔ ''حفصہؓ خدا سے ڈرو'' پھر سیدہ صفیہ رضی

۱؎ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۳۰ کتاب التفسیر سورۃ تحریم، صحیح بخاری کتاب النکاح باب موعظۃ الرجل ابنتہ، حدیث نمبر ۵۱۹۱۔

اللہ تعالیٰ عنہا کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''صفیہؓ تم تو نبی کی بیٹی ہو۔ تمہارا چچا نبی تھا اور تم نبی کی بیوی ہو حفصہؓ تم پر کس بات میں فخر کر سکتی ہے'' [1]

ایک مرتبہ سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا۔

''ہم رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تم سے زیادہ معزز ہیں۔ ہم آپ کی بیوی بھی ہیں اور چچا زاد بہن بھی''۔

سیدہ صفیہؓ کو یہ بات ناگوار گذری انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ سے اس کی شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا تم نے یہ کیوں نہیں کہا۔ تم مجھ سے زیادہ معزز کیسے ہو سکتی ہو۔ جبکہ میرے شوہر محمد ﷺ ہیں۔ میرے باپ حضرت ہارون علیہ السلام ہیں اور میرے چچا حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ [2]

غیور مزاج:

ازواج مطہرات بلند مراتب اور اعلیٰ اخلاق کی حامل ہونے کے باوصف بعض بشری پہلوؤں سے مبرا نہ تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں غیرت، سبقت اور اس کے مشابہ بعض باتیں کبھی کبھار لاحق ہو جاتی تھیں۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بھی کبھی کبھی غیرت غالب آ جاتی تھی۔ جیسا کہ انہوں نے دیکھا کہ سرکار دو عالم ﷺ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو زیادہ وقت دے کر ترجیح دے رہے ہیں۔ یا آپؐ ام ولد ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ خلوت کرتے ہیں۔ تو غیرت نے انہیں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا تعاون حاصل کرنے پر ابھارا۔ تاکہ مذکور دونوں خواتین سے آپؐ کے دل کو دور کریں۔ لیکن اللہ جل شانہ نے قرآن مجید کی آیات مبارکہ نازل فرما کر اس میں ان دونوں اور دوسری ازواج مطہرات کے لیے تعلیم اور رسول اقدس ﷺ کے لئے تائید نازل فرما دی۔ اور یہ ایک حکمت سے معمور درس تھا جس نے امہات المومنین

---

[1] ترمذی ج ۲ ص ۲۲۹ ابواب المناقب فضل ازواج النبیؐ۔ [2] ایضاً۔

کے دل سے نامناسب غیرت و نخوت دور کر دی۔

چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں رسول کریم ﷺ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس شہد پینے کے لئے کچھ دیر ٹھہر جایا کرتے تھے۔ میں نے اور حفصہؓ نے مشورہ کیا کہ آپ ہم میں سے جس کے پاس تشریف لائیں۔ وہ آپ سے کہے کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے۔ مجھے آپ کے دہن مبارک سے مغافیر کی بو آ رہی ہے۔ (تو ایسا ہی کیا گیا)

آپ نے ارشاد فرمایا نہیں۔ البتہ میں نے زینبؓ کے ہاں شہد ضرور پیا ہے۔ لیکن اب ہرگز نہیں پیوں گا۔ تم اس بات کا اظہار کسی سے نہ کرنا۔[1]

حضرت حفصہؓ اس بات کو چھپا نہ سکیں اور رسول اللہ ﷺ کی نصیحت پر عمل کرنا بھول گئیں اور اپنی ہمراز حضرت عائشہؓ کو یہ بات بتا دی۔ اور یہ گمان کیا کہ شاید اس میں کوئی حرج نہیں۔

ایک دوسرا واقعہ بھی روایات میں مذکور ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں اس جستجو میں رہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کروں کہ وہ دو عورتیں کون سی تھیں۔ جنہوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ تو آپ نے بتایا وہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ اور یہ واقعہ حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجہ سے پیش آیا۔ کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت حفصہؓ کے گھر میں حضرت ماریہؓ سے خلوت میں ملاقات کی۔ اور حضرت حفصہؓ نے دیکھ لیا۔ اور آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آج آپ نے میرے ہاں ایسا کام انجام دیا ہے جو اور کسی زوجہ کے ہاں نہیں کیا ہے۔ میرے گھر میرے دن اور پھر میرے ہی بستر پر۔

حضور انور ﷺ نے فرمایا کیا تم اس سے خوش نہیں ہوگی کہ میں اس سے ملنا حرام کر لوں۔ اور اس کے قریب بھی نہ جاؤں۔ تو حفصہؓ نے کہا کیوں نہیں۔ تو آپ نے

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۲۹ ح ۴۹۱۲۔

اسے حرام قرار دے دیا اور فرمایا "اس بات کا تذکرہ کسی سے نہ کرو"۔ حضرت حفصہؓ نے کہا آپ اسے کیسے حرام قرار دے سکتے ہیں وہ تو آپ کی لونڈی ہے اس پر آپ نے قسم اٹھائی کہ میں اس سے قربت نہیں کروں گا۔ لیکن حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے اس کا ذکر کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس سے آگاہ فرما دیا۔[1]

جب حضور انور ﷺ کو راز کے افشاء کا علم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور اپنی بیویوں سے ایک ماہ تک کے لئے جدا ہو گئے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت حفصہؓ کے گھر میں حضور انور ﷺ تشریف فرما تھے۔ اس وقت حفصہؓ موجود تھیں۔ جب وہ آئیں تو آپ کو حضرت ماریہ قبطیہؓ کے ساتھ مشغول پایا۔ انہیں یہ بات ناگوار گزری حضورؐ نے فرمایا میں تمہیں ایک بشارت سناتا ہوں کہ میرے وصال کے بعد ابوبکر صدیق خلیفہ ہوں گے اور ان کے بعد تمہارے باپ خلیفہ ہوں گے۔ لیکن یہ بات تم عائشہ سے نہ کہنا۔ لیکن حفصہؓ نے حضور انور ﷺ کا راز افشاء کر دیا اور اس بات سے حضرت عائشہؓ کو آگاہ کر دیا۔

جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں اور عرض کرتی ہیں کہ آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ مجھے علیم وخبیر خداوند قدوس نے بتایا ہے۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگیں۔ جب تک آپ ماریہ کو اپنے لئے حرام نہیں قرار دے دیتے میں آپ کی طرف نہیں دیکھوں گی۔ چنانچہ آپ نے اسے اپنے لئے حرام قرار دے دیا۔ تب اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ۔[2]

---

1. سنن دارقطنی ج ۴ ص ۴۰ کتاب الطلاق۔ تفسیر ابن کثیر سورۃ تحریم ۳۸۶۔
2. طبرانی کبیر ج ۱۲ ص ۹۱، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۲۶ [illegible] ۳۲۳ [illegible] ۹۱۹ [illegible] ج ۴ ص ۳۰ تفسیر
[illegible]

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

طبرانی نے الاوسط اور عشرت النساء میں اس واقعہ کو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور اسی طرح ابن مردویہ نے عن الضحاک عن ابن عباسؓ سے روایت بیان کی ہے۔[1]

ایک روایت میں بکری کا گوشت تقسیم کرنے کا ذکر بھی ہے۔ جس میں سیدہ حفصہؓ اپنے حصہ پر ناراض ہوئی تھیں۔ ابن حجر فرماتے ہیں ممکن ہے یہ سارے واقعات تحریم کا سبب بنے ہوں۔[2]

حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۱۳۶۲ھ لکھتے ہیں۔

"ممکن ہے کہ کئی واقعات ہوئے ہوں اور سب کے بعد یہ آیتیں نازل ہوئی ہوں"۔[3]

چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی قسم کا کفارہ ادا فرمایا اور ازواج مطہرات نے اللہ کے حضور توبہ کی اور خلوص اور استقرار کی زندگی پھر سے ان کی طرف لوٹ آئی۔

طلاق اور رجعت :

سرکار دو عالم ﷺ نے ایک مرتبہ ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق رجعی دے دی تھی۔ بعد میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے رجوع کر لینے کا حکم آ گیا۔ طلاق کس وجہ سے دی تھی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے۔ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے معاملہ کو پوشیدہ رکھنے کو کہا تھا۔ لیکن سیدہ حفصہؓ نے حضور انور ﷺ کا راز افشا کر دیا۔ اس لئے آپ نے انہیں طلاق دے دی تھی۔

ایک روایت میں ہے۔ کہ اللہ جل شانہ نے رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی اطلاع دی کہ حضرت حفصہؓ کو آپؐ نے ماریہ قبطیہؓ کو حرام کرنے اور حضرت عمرؓ کی

---

[1] فتح الباری ج ۸ ص ۶۵۸۔

[2] فتح الباری ج ۸ ص ۶۵۸۔

[3] تفسیر بیان القرآن سورۃ تحریم۔

خلافت کے متعلق جو راز بتایا تھا۔ انہوں نے اس کو حضرت عائشہؓ پر افشاء کر دیا ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے اس راز کا کچھ حصہ ذکر فرمایا۔ یعنی صرف حضرت ماریہؓ کو اپنے اوپر حرام کرنے کا تذکرہ کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ کی خلافت کا ذکر نہیں کیا۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو یہ بات عوام میں پھیل جائے حضرت عائشہؓ نے آپؐ سے پوچھا کہ آپ کو اس کی خبر کس نے دی؟ آپ نے فرمایا مجھے علیم وخبیر خدا نے اس کی خبر دی۔[2]

سیدنا قیس بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں سرور دو عالم ﷺ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے دی۔ اسی اثنا میں ان کے دو ماموں قدامہ بن مظعون اور عثمان بن مظعون ان کے پاس آئے دیکھا کہ سیدہ حفصہؓ رو رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے مجھے کسی عیب کی وجہ سے طلاق نہیں دی۔

پس حضور انور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا مجھے جبریل امین نے کہا ہے کہ حفصہؓ کی طلاق سے رجوع فرما لیجئے۔ کیونکہ وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والی عبادت گذار اور پرہیزگار ہے۔ اور وہ جنت میں بھی آپ کی بیوی ہوگی۔[3]

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے دی تھی۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا۔ اے محمد ﷺ! آپ نے حفصہؓ کو طلاق دے دی ہے۔ جب کہ وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والی اور بہت زیادہ نماز پڑھنے والی ہیں اور جنت میں بھی آپ کی بیوی ہوں گی۔[4]

---

[1] سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۲۱۹۔

[2] سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۲۱۹۔

[3] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۵ طبرانی کبیر ج ۱۸ ص ۳۶۵ حدیث نمبر ۹۳۴ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۸ حدیث نمبر ۱۵۳۴۳۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۶۹ ۲۸ الاستیعاب ج ۴ ص ۲۶۹ برحاشیہ الاصابہ الاصابہ ج ۴ ص ۲۷۳۔

[4] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۵ طبرانی اوسط حدیث نمبر ۱۵۱ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۸ حدیث نمبر ۱۵۳۴۴ حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۵۰۔

جب سید عالم ﷺ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دی اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ کو خبر ہوئی تو انہیں سخت صدمہ ہوا۔ اور دکھ کے مارے اپنے سر میں مٹی ڈالنے لگے۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا۔ بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ حفصہ کی طلاق سے رجوع کریں۔[1]

قربان جائیں ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قدر و منزلت اور عزت و عظمت پر کہ سرور دو عالم ﷺ کسی بشری تقاضے کے تحت انہیں طلاق دیتے ہیں اور جبرئیل امین اللہ رب جلیل کا حکم لے کر حاضر ہوتے ہیں۔ اور سید عالم ﷺ کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا پیغام دیتے ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ آپ کو یہ مژدہ ایمان افروز بھی سناتے ہیں کہ یہ عبادت گزار پاک باز اور صوم و صلوٰۃ کی پابند خاتون جنت میں بھی آپ کی بیوی ہوں گی۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے سیدہ حفصہ کو طلاق دینے کا ابھی ارادہ ہی فرمایا تھا کہ جبرئیل علیہ السلام اللہ جل شانہ کا پیغام لے کر آ گئے اور ان کی آپس میں مصالحت کرا دی اور یہ بشارت بھی سنائی کہ یہ تو آپ کی جنت میں رفیقہ حیات ہوں گی۔[2]

شیخین کی خلافت:

قولہ تعالیٰ:

﴿ وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا ﴾۔

اس آیت مبارکہ سے بعض صحابہ کرام نے سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت پر استدلال کیا ہے۔ جیسا کہ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۱۱۷۶ھ لکھتے ہیں۔

مروی ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا

---

[1] طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۸۸، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۴، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۵۰، زرقانی جدید ج ۴ ص ۳۹۲

[2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۸۶، سیرت حلبیہ مترجم ج ۲ ص ۴۱۰۔

ارشاد ہے کہ خدا کی قسم! سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کی خلافت کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اسی طرح میمون بن مہران سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو خفیہ بات سیدہ حفصہؓ سے کہی تھی وہ ابو بکرؓ اور عمرؓ کی خلافت کے متعلق تھی۔

اور حبیب بن ابی ثابتؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

یوں ہی ضحاک سے مروی ہے کہ سرور دو عالم ﷺ نے سیدہ حفصہؓ کو چپکے سے فرمایا کہ میرے بعد خلیفہ ابو بکرؓ اور ان کے بعد عمرؓ خلیفہ ہوں گے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ عرف بعضه و اعرض عن بعض سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے ماریہ والا واقعہ تو جتلا دیا اور ابو بکرؓ و عمرؓ کی خلافت کا معاملہ اس اندیشہ سے کہ یہ لوگوں میں مشہور نہ ہو جائے اعراض کیا۔[1]

<u>ایک لطیف نکتہ:</u>

ارشاد باری تعالیٰ:

﴿إِن تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا﴾۔

ترجمہ: اگر تم دونوں اللہ کی طرف توبہ کرو۔ تو بے شک دل جھک گئے ہیں۔

اس ارشاد ربانی اور کلام یزدانی میں اجتماع ضدین کی عجیب منظر کشی کی گئی ہے۔

اس کلام میں لطف اور عتاب دونوں جمع ہیں۔ لطف و عنایت اس سے آشکارا ہے کہ سید عالم ﷺ کی دو ازواج کو صریح مخاطب فرمایا اور یہ ایک بہت بڑی فضیلت اور عظمت کی بات ہے۔ اس لئے کہ اللہ جل شانہ نے قرآن مجید میں کسی عورت کو مخاطب نہیں فرمایا۔

قرآنی اسلوب بیان اس پر شاہد ہے کہ اللہ جل جلالہ نے ہمیشہ مردوں کو مخاطب فرمایا ہے۔ اگر سیدنا موسیٰ کلیم اللہ اور سیدنا عیسیٰ روح اللہ کی والدہ کو خطاب کیا گیا تو وہ بذریعہ ملائکہ خطاب کیا گیا۔ لیکن یہاں صریح اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

اور عتاب کا عنصر اس ارشاد باری میں ہے۔ "تم دونوں کے دل جھک گئے

---

[1] [illegible]

ہیں" اس کلام مقدس میں انتہائی بلیغ طریقہ سے ارشاد ہے۔ کہ یہ جھکنا ایسا خفیف ہے اس سے توبہ واجب نہیں ہوتی۔

لیکن رسالت مآب ﷺ کی بیویوں کی اتنی لغزش پر بھی توبہ واجب ہے کیونکہ کلام کا منشا یہی ہے "اگر تم دونوں توبہ کرو اللہ تعالیٰ کی طرف تو لائق ہے۔ اس لئے کہ تمہارے دل جھک گئے ہیں۔ جملہ شرطیہ اسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔

اختلاف سے اجتناب:

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اختلاف سے سخت نفرت تھی۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں جب جنگ صفین ہوئی اور پھر "تحکیم" کے ذریعہ جنگ کا خاتمہ ہوا تو سیدہؓ کے بھائی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان واقعات کو فتنہ سمجھ کر گوشہ نشین رہنا چاہتے تھے۔ لیکن سیدہؓ نے انہیں مشورہ دیا۔ اگرچہ اس میں شرکت کرنے سے آپ کا کوئی فائدہ نہیں۔ پھر بھی آپ کو ضرور شریک ہونا چاہئے۔ کیونکہ لوگوں کو آپ کی رائے کا انتظار ہوگا۔ اور اس بات کا امکان بھی ہے کہ آپ کی عزلت گزینی ان میں مزید اختلاف پیدا کر دے۔[1]

سیدہؓ دجال سے بہت ڈرتی تھیں۔ مدینہ منورہ میں "ابن صیاد" نامی ایک شخص تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کی جو علامتیں بتائی تھیں۔ اس میں بہت سی موجود تھیں۔ ایک دن اس کی سیدنا ابن عمرؓ سے سر راہ ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے اسے بہت سخت وسست کہا اور ڈنڈے سے اس کی پٹائی کی۔ اس پر وہ اس قدر پھولا کہ راستہ بند ہو گیا۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خبر ہوئی تو کہا تمہیں اس سے کیا غرض تم اسے چھوڑ دو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ دجال کے خروج کا محرک اس کا غصہ ہوگا۔[2]

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۹۔

[2] مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۸۳ مسلم کتاب الفتن ذکر ابن صیاد۔

محبوب کے تقرب کی جستجو:

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور تقرب حاصل کرنے کی جستجو میں رہا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک سفر تھیں۔ رات کو رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ صدیقہ کے اونٹ پر چلتے اور ان سے محو گفتگو رہتے۔ ایک روز سیدہ حفصہؓ نے سیدہ عائشہؓ سے کہا آیئے ہم اپنی سواریاں بدل لیں آپ میرے اونٹ پر اور میں آپ کے اونٹ پر سوار ہو جاؤں سیدہ عائشہؓ خوشی اس پر راضی ہو گئیں۔ سرور دو عالم ﷺ جب سیدہ عائشہؓ کے اونٹ کے پاس آئے تو معلوم ہوا کہ اس پر حضرت حفصہؓ سوار ہیں۔ جب منزل پر پہنچے تو سیدہ عائشہؓ محبوب کی جدائی کے صدمہ میں گھاس میں پاؤں مارنے لگیں اور کہنے لگیں۔ اے اللہ! کسی بچھو یا سانپ کو مقرر کر جو مجھے ڈس جائے [1]

سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی ازدواجی زندگی میں بھی سرور دو عالم ﷺ کی خوشنودی کو چاہتی رہیں اور اس معاملہ میں وہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسی سلسلہ کا ایک دلچسپ واقعہ منقول ہے۔

"رسول اللہ ﷺ صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ میں نے ان کے لئے کھانا تیار کیا اور حضرت حفصہؓ نے بھی تیار کیا۔ اور میرے کھانے سے پہلے وہاں پہنچا دیا۔ میں نے باندی سے کہا کہ جلدی جاؤ اور ان کے برتن کو گرا دو۔ وہ پیالہ رکھے جانے کے قریب تھا کہ باندی نے اسے گرا دیا۔ اور کھانا بکھر گیا۔ تو حضور انور ﷺ نے اس کھانے کو اکٹھا کیا اور سب نے اسے کھایا۔ اور پھر میرا پیالہ لے کر اسے حضرت حفصہؓ کے ہاں بھجوا دیا اور فرمایا کہ یہ برتن اپنے برتن کے بدلے میں رکھ لو

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۵ کتاب النکاح باب القرعۃ بین النساء۔

اور جو کھانا اس میں سے ہے وہ کھالو۔[1]

والد گرامی کی خدمت:

معلم انسانیت' سید عالم ﷺ کے سانحہ ارتحال کے بعد ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خانہ نشین ہو گئیں اور علم و دانش کا ایک مرکز بن گئیں۔ خلافت صدیقی میں یہ عظمت اور قدر و منزلت کے بلند مقام پر فائز تھیں۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب "امیر المومنین" کے عظیم منصب پر فائز ہوئے۔ تو سیدہؓ کے دل و دماغ میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ میں "امیر المومنین" کی صاحبزادی ہوں۔ نہ ہی والد کی خلافت کے باعث غرور و نخوت ان کے دل میں جگہ بنا سکی' ان دونوں حضرات کا زہد اور دنیا سے بے رغبتی کا عظیم کردار موجب حصول رضائے الٰہی تھا۔

ایک مرتبہ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحبزادی کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے ٹھنڈا سوپ یا شوربا اور روٹی پیش کی اور شوربے میں زیتون کا تیل بھی ملا دیا۔ یہ دیکھ کر امیر المومنینؓ نے فرمایا۔ دو سالن ایک برتن میں؟ میں تو مرتے دم تک بھی نہ چکھوں گا۔[2]

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے والد گرامی قدر کی سخت زندگی دیکھ رہی تھیں۔ ایک دن عرض کی اے امیر المومنین! اگر آپ قدرے نرم کپڑے پہن لیں اور اس کھانے سے ذرا بہتر کھانا کھائیں تو مناسب ہے۔ کیونکہ اللہ جل مجدہ نے آپ کو رزق میں وسعت عطا فرمائی ہے اور خیر و برکت بھی فراوانی سے عطا کی ہے۔

امیر المومنینؓ نے ارشاد فرمایا۔ جان پدر! کیا تمہیں سرور دو عالم ﷺ کی سخت زندگی یاد نہیں؟ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کو بار بار دہرایا کہ سیدہ حفصہؓ پر گریہ طاری ہو گیا اور وہ رو نے لگیں۔

---

1. حیات الصحابہ ج ۳ ص ۱۰۵ صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸۰ مطبوعہ دہلی۔
2. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۔

پھر فرمایا میں حتی المقدور ان دونوں (نبی وصدیق) کی سی سخت زندگی کا ہی اتباع کروں گا شاید اس طرح میں ان کی پر لطف اور آسائش والی جنت کی زندگی میں ان کا شریک بن جاؤں۔ ؎

علمی فضیلت:

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا علم وفقہ میں اچھی شہرت کی مالک تھیں۔ اوران ہی صفات نے انہیں حضور انور ﷺ کے نزدیک بڑے محترم مقام پر فائز کر دیا تھا۔ ان کی فقہی آراء کو معتبر مانا جاتا تھا۔

ام المومنین بے شمار صحابہ کے لئے علم حدیث کا مرکز ومرجع تھیں۔ خود ان کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان سے حضور ﷺ کے طریقہ وعمال کی تفصیلات دریافت کرتے رہتے تھے۔

امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ازواج مطہرات میں سے حفاظت قرآن کے لئے چنا تھا۔ اس لئے کہ یہ قرآن کی حافظہ بھی تھیں اور ممکن ہے کہ ان کی علمی برتری۔ تقویٰ وزہد اور عبادت وریاضت میں ممتاز ہونے کی وجہ سے ان کا انتخاب فرمایا ہو۔

قرآن کی محافظ:

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس امانت کا بار احسان مسلمانوں کی گردنوں پر قیامت تک رہے گا۔ جب بھی ہم تلاوت قرآن مجید سے لطف اندوز ہوں گے تو سیدہ کی اس قرآن پاک کی اپنے گھر میں حفاظت کی فضیلت یاد آتی رہے گی۔

یوں ہی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ احسان بھی ہمیشہ یاد رہے گا۔ جن کی تحریک اور تجویز پر امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن مجید کو یکجا جمع کرنے پر آمادہ ہوئے انہوں نے اس مشورہ سے اتفاق کیا اور حضرت زید بن ثابت

؎ جنت کی بشارت پانے والی خواتین ص ۲۷ بحوالہ حیات الصحابہ ج ۲ ص ۲۱۳۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ ذمہ داری سونپی کہ تم جوان، عقل مند آدمی ہو اور پھر حضور انور ﷺ کے کاتب وحی بھی رہ چکے ہو۔ لہٰذا اب قرآن کے متفرق اوراق تلاش کر کے جمع کر دو۔

چنانچہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چمڑے کے ٹکڑوں، تختیوں اور پتھروں پر لکھی متفرق آیات کو محنت شاقہ اور عرق ریزی سے جمع کیا۔ اس طرح وہ صحیفہ امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہا ان کے بعد امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ کے پاس یہ امانت رہی پھر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عظیم امانت کی حفاظت کے لئے ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتخاب فرمایا۔ اور یہ نسخہ ان ہی کے پاس محفوظ رہا یہاں تک کہ جب دور عثمانیؓ میں اس کی نقول کی ضرورت پیش آئی تو ان سے خلیفۃ المسلمین نے وہ قرآن طلب فرمایا۔ اس سے دوسرے نسخے تیار کر لینے کے بعد سیدہ حفصہؓ قرآن کی محافظ کو ان کا نسخہ واپس کر دیا۔

ام المومنینؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد یہ قرآن مجید میرے بھائی عبداللہ کی تحویل میں دے دیا جائے۔

سانحہ ارتحال:

آخر وہ وقت آ گیا جس سے کسی فرد بشر کو مفر نہیں۔ زوجۃ النبی ﷺ ام المومنین، محافظ قرآن سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شعبان المعظم ۴۵ھ میں ۶۰ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں رحلت فرمائی یہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اس وقت کے والی مدینہ مروان بن الحکم نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنازہ کو کاندھا دیا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنت البقیع تک لے گئے۔ اور ان کے بھائی عاصم اور عبداللہ اور عبداللہ کے تین بیٹے سالم، عبداللہ اور حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے قبر کے سپرد کیا۔[1]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۸۶ / اصابہ ج ۴ ص ۲۷۴۔

ام المومنینؓ کے سن وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے جمادی الاولیٰ سنہ ۴۱ھ میں وفات پائی۔ اس وقت عمر مبارک ۵۹ سال تھی۔ اور اسی سال سیدنا حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سیدنا معاویہؓ سے بیعت کی تھی۔[1]

ایک روایت یہ بھی ہے کہ سیدہ کا انتقال سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ۲۷ھ میں ہوا تھا۔ اس روایت کا دارومدار وہب کی اس روایت پر ہے جو انہوں نے ابن مالک سے بیان کی ہے کہ جس سال افریقہ فتح ہوا سیدہ حفصہ نے اسی سال وفات پائی جبکہ افریقہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دوران ۲۷ھ میں فتح ہوا تھا۔

لیکن یہ روایت اس بنا پر صحیح نہیں کہ افریقہ دو مرتبہ فتح ہوا۔ پہلی مرتبہ سیدنا عثمانؓ کی خلافت میں ۲۷ھ میں اور دوسری مرتبہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ۵۰ھ میں معاویہ بن خدیج کے زیر قیادت فتح ہوا۔[2]

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات کے وقت اپنے بھائی سیدنا عبداللہ کو وصیت فرمائی کہ "غابہ" والی جائیداد جو سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی نگرانی میں دے گئے تھے اسے صدقہ کرکے وقف کر دینا۔[3]

۱۔ [illegible]

۲۔ [illegible]

۳۔ [illegible]

لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ (القرآن)

(۵)
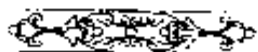
ام المومنین

سیدہ

زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نام ونسب:

نام زینب اور کنیت ''ام المساکین'' تھی۔

سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

زینب بنت خزیمہ بن الحارث بن عبداللہ بن عمر بن عبدالمناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ۔[1]

سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی رحم دل جود وسخا کی حامل تھیں۔ فقراء ومساکین کو نہایت فیاضی سے کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ اسی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں انہیں ''ام المساکین'' کہا جاتا تھا۔ اور یہ ایسا ہی ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر بن ابو طالب کو غریبوں سے محبت اور ان کے ساتھ ہم نشینی کی وجہ سے ''ابو المساکین'' کا خطاب دیا تھا۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسکینوں کے ساتھ بیٹھتے اٹھتے اور ان کے ساتھ ہمیشہ احسان ومروت کا معاملہ کرتے تھے۔[2] ابن شہاب زہری سے روایت ہے۔ جب زینبؓ سرور دو عالم ﷺ کے عقد میں آئیں تو اس وقت بھی ان کی کنیت ''ام المساکین'' تھی اور یہ کنیت ان کی اس وجہ سے تھی کہ وہ فقراء اور مساکین کو نہایت کثرت سے کھانا کھلایا کرتی تھیں۔[3]

---

[1] الاستیعاب ج ۴ ص ۳۱۲ برحاشیہ الاصابہ۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۰۳۔

[2] سیرت حلبیہ اردو ج ۶ ص ۴۱۲۔ زرقانی طبع جدید ج ۴ ص ۴۱۶۔

[3] طبرانی کبیر ج ۲۴ ص ۵۷ حدیث نمبر ۱۴۸، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۳ حدیث نمبر ۱۵۳۵۷۔

سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ماں شریک بہن تھیں۔[1]

بیوگی:

سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلے طفیل بن حرث کی بیوی تھیں۔ طفیل نے انہیں طلاق دے دی تھی۔ پھر طفیل کے بھائی عبیدہ بن حرث نے ان سے شادی کر لی۔ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوہ بدر میں جام شہادت نوش فرمایا۔ تو حضرت زینبؓ بیوہ ہو گئیں۔[2]

ایک روایت میں ہے کہ حضرت زینبؓ عبداللہ بن جحشؓ کے نکاح میں تھیں۔ اور عبداللہؓ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کے بعد حضور انور ﷺ نے ان سے ۳ھ میں نکاح فرمایا۔[3]

طبرانی کی روایت میں ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سید عالم ﷺ کے حبالۂ عقد میں آنے سے پہلے حصین یا طفیل بن الحارث کے نکاح میں تھیں۔[4]

عبداللہ کی شہادت:

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابی تھے۔ ۳ ہجری میں حضرت عبداللہؓ نے غزوۂ احد کے موقع پر جنگ شروع ہونے سے پہلے یہ دعا مانگی تھی۔

"اے خالق کون و مکاں! مجھے ایسا مقابل عطا کر جو نہایت شجاع اور غضب ناک ہو۔ میں تیری راہ میں لڑتا ہوا اس کے ہاتھوں قتل کر دیا جاؤں۔ اور وہ میرے ہونٹ ناک اور کان کاٹ ڈالے تا کہ میں جب تجھ سے ملاقات کروں اور تو مجھ سے پوچھے عبداللہ! تیرے ہونٹ ناک

---

1. اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۶ ۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۱۶ ۔ 2. ابن سعد ج ۸ ص ۱۱۵ ۔
3. الاستیعاب ج ۴ ص ۳۱۳ بر حاشیہ الاصابہ ۔ الاصابہ ج ۴ ص ۳۱۵ ۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۶ ۔ زرقانی جلد ۳ ص ۲۱۶
4. طبرانی کبیر ج ۲۴ ص ۵۸ ۔

اور کان کیوں کاٹے گئے۔ تو میں عرض کروں یا باری تعالیٰ! تیرے اور تیرے رسول کے لئے۔ بارگاہ خداوندی میں ان کی دعا کو شرف قبولیت نصیب ہوا۔ اور ایک ہاتف غیبی نے انہیں شہادت کی بشارت سنائی"۔

چنانچہ انہوں نے فرمایا:

اللہ کی قسم! اس دشمن سے لڑوں گا۔ حتیٰ کہ وہ مجھے قتل کر کے میری لاش کا مثلہ کرے گا۔ معرکہ برپا ہوا تو حضرت عبداللہ بن جحش اس بے جگری سے لڑے کہ تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ سید عالم ﷺ نے انہیں کھجور کی ایک چھڑی عطا فرمائی۔ جس سے انہوں نے تلوار کا کام لیا اور اسی حالت میں لڑتے ہوئے مقام شہادت پر فائز ہوئے۔[1]

حریم نبویؐ میں آمد:

سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیوہ ہو جانے کے بعد جب عدت گذر گئی تو حضور انور ﷺ نے انہیں اپنے لئے پیغام بھیجا۔ تو انہوں نے اپنے معاملہ کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو ہی دے دیا۔ چنانچہ حضور انور ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا۔

مہر میں بارہ اوقیہ اور ایک نش عطا فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رمضان المبارک میں غزوۂ احد سے ایک مہینہ پہلے اور ہجرت کے اکتیس ماہ بعد ۳ھ میں نکاح فرمایا تھا۔[2]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ نے سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نکاح کرنے کے بعد انہیں ازواج مطہرات کے زمرہ میں شامل فرمایا تھا۔[3]

سانحہ ارتحال:

ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عین عنفوان شباب میں تھیں

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۶۔

[2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۹۲۔

[3] الاصابہ ج ۳ ص ۳۱۵۔

سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہہ کر خلد بریں میں جا گزیں ہو گئیں۔ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد سید عالم ﷺ کی سب سے پہلی بیوی ہیں جنہوں نے آپ کی زندگی میں انتقال فرمایا۔ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرور دو عالم ﷺ کے حبالہ عقد میں بہت تھوڑا عرصہ رہیں۔[1]

سید عالم ﷺ کے حبالہ عقد میں رہنے کی مدت بعض روایات میں صرف دو ماہ اور بعض میں تین ماہ جبکہ بعض میں آٹھ ماہ بیان ہوئی ہے۔ لیکن سیرت نگار حضرات اور مورخین اس پر متفق ہیں کہ وفات ربیع الثانی کی آخری تاریخوں میں ہجرت کے ۳۹ ماہ بعد ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن فرمایا۔ ازواج مطہرات میں پہلی بیوی ہیں جو جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔[2]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۰۲ الاستیعاب ج ۴ ص ۳۱۲۔

[2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۰۲' الاستیعاب ج ۴ ص ۳۱۲ بر حاشیہ الاصابہ۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (القرآن)

﴿٢﴾

ام المومنین

سیدہ

ام سلمہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

ہند نام اور کنیت ام سلمہ تھی۔ قریش کے خاندان مخزوم سے تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

ہند بنت ابی امیہ سہیل بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم

والدہ بنو فراس سے تھیں۔ ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن مالک بن جذیمہ بن علقمہ بن جذل الطعان بن فراس بن غنم بن مالک بن کنانہ۔[1]

ابو امیہ (حضرت ام سلمہؓ کے والد) مکہ مکرمہ کے مشہور مخیر اور فیاض شخص تھے سفر میں جاتے تو تمام قافلہ والوں کی کفالت خود کرتے تھے اس وجہ سے انہیں "زاد الراکب" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا یوں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قلم ہاتھ سے چاندی کا چمچ لے کر پیدا ہوئی تھیں اور انہی کے آغوش تربیت میں نہایت ناز و نعم سے پرورش پائی تھی۔[2]

نکاح:

سیدہ ام سلمہؓ کا نکاح ان کے چچا زاد بھائی عبداللہ بن عبدالاسد سے ہوا جو "ابو سلمہ" ہی کے نام سے مشہور ہیں۔[3]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سید عالم ﷺ کی پھوپھی کے بیٹے ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد کے نکاح میں تھیں یہ ابو سلمہ آپ کی پھوپھی "برہ بنت عبدالمطلب" کے بیٹے تھے اور حضور انور ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔[4]

---

۱ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۸۶ ۲ اصابہ ج ۴ ص ۴۵۸

۳ اصابہ ج ۴ ص ۴۵۸ ۴ سیرت صحابیات ج ۱ ص ۱۲۸

ابوسلمہؓ سے سیدہ ام سلمہؓ کے ہاں سلمہ، عمر، درہ اور زینب پیدا ہوئے۔[1]

ہجرت حبشہ:

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آغاز نبوت ہی میں اپنے شوہر کے ساتھ ایمان لائیں مشرکین کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر نہیں بلکہ کفر و شرک کے فتنہ سے گھبرا کر اپنے دین کو ایمان کے رہزنوں کی دست برد سے بچانے کے لئے اللہ کی طرف بھاگنے والے پہلے گیارہ رکنی قافلہ میں شامل تھیں جو رجب ۵ ہجری حبشہ کو روانہ ہوا۔ اسی قافلہ میں سیدہ ام سلمہؓ اپنے شوہر عبداللہ کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئی تھیں حبشہ میں کچھ زمانہ تک قیام کے بعد واپس مکہ مکرمہ آ گئے اور پھر مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔ دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت کی سعادت حاصل کی ہے۔[2]

امام نووی لکھتے ہیں:

هما اول من هاجر الى الحبشة [3]

دونوں میاں بیوی نے سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

ہجرت مدینہ:

مورخین اور اہل سیر لکھتے ہیں:

"وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئی تھیں۔"[4]

دوسری روایت کے مطابق حضرت عامرؓ بن ربیعہ کی زوجہ محترمہ لیلیٰ بنت حثمہ پہلی عورت تھیں جو ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچیں۔[5]

بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق حضرت ابوسلمہؓ سب سے پہلے مہاجر تھے جو سرزمین مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے لیکن دوسری روایت میں اولیت کا سہرا سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر بجا ہے علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ

---

1. جمہرۃ انساب العرب ص ۱۱۹، طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۸۷، زرقانی طبع جدید ج ۴ ص ۳۰۶
2. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۸۶، الاستیعاب ج ۴ ص ۴۵۳ — 3. ازواج النبی ص ۱۴۸
4. الاستیعاب ج ۴ ص ۴۵۴، زرقانی جدید ج ۴ ص ۳۹۹
5. الاستیعاب ج ۴ ص ۴۵۴، زرقانی جدید ج ۴ ص ۳۹۷

ان روایات میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حبشہ سے مکہ مکرمہ واپس آئے تو مشرکین نے پھر انہیں اذیت کا ہدف بنایا اس پر ان کا مدینہ آنا گویا مشرکین کے خوف سے تھا مستقل ہجرت کا ارادہ نہ تھا لیکن اس کے برعکس حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مدینہ تشریف فرما ہوئے اس وقت مستقل ہجرت کا حکم ہو چکا تھا اس لئے ان دونوں روایات میں کوئی تخالف نہیں ہے۔[1]

بہرکیف حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے پہلے مدینہ منورہ پہنچے یہ محرم کی دسویں تاریخ تھی خاندان عمرو بن عوف نے انہیں پورے دو ماہ یعنی رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری تک اپنا مہمان رکھا جب کہ رسول اللہ ﷺ ربیع الاول میں مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔[2]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہجرت کا واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے حضرت ام سلمہؓ اپنے شوہر ابوسلمہؓ کے ہمراہ ہجرت کرنا چاہتی تھیں ان کا بچہ سلمہ بھی ساتھ تھا۔ لیکن ام سلمہؓ کے قبیلہ نے مزاحمت کی اور کہا کہ ابوسلمہؓ کیلئے مدینہ جا سکتے ہیں لیکن ہم اپنی بیٹی ام سلمہ کو جانے کی اجازت نہیں دیں گے چنانچہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوی اور بچے کو مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ چلے گئے۔

ام سلمہؓ بچے کو گود لئے گھر واپس لوٹ آئیں۔ ابوسلمہؓ کے گھر والے ام سلمہؓ سے شیرخوار بچے کو بھی چھین کر لے گئے اب حضرت ام سلمہؓ عجیب کرب اور اضطراب میں مبتلا ہو گئیں شوہر ابوسلمہؓ مدینہ چلے گئے لخت جگر شیرخوار سلمہ اپنی ددھیال میں اور ام سلمہؓ بے یار و مددگار اپنے گھر میں رہ گئیں۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے یہ بات انتہائی تکلیف دہ تھی خاوند کی جدائی کے ساتھ بچے کی جدائی نے سیدہ کو اضطراب پریشانی میں مبتلا کر دیا۔

---

۱ صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳۹ کتاب مناقب الانصار، باب ہجرت النبی الی المدینہ

۲ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۲۸

چنانچہ سیدہ روزانہ گھبرا کر گھر سے نکل جاتیں اور "ابطح" کے مقام پر بیٹھ کر رویا کرتی تھیں۔ سات آٹھ روز تک یہی حالت زار رہی لیکن خاندان کے لوگ ٹس سے مس تک نہ ہوئے آخر ایک دن ان ہی کے خاندان کا ایک آدمی سیدہ کے پاس سے گزرا انہیں روتے دیکھا تو اس کا دل بھر آیا اور اس کے دل میں ام سلمہؓ کے لیے رحم کے جذبات پیدا ہوئے گھر آ کر اس نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور ان سے کہا: اس غریب پر کیوں ظلم کرتے ہو اسے مدینہ جانے دو اور اس کا بچہ بھی اس کے حوالے کر دو۔

لوگوں نے اس کی بات مان لی اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کا بچہ دے کر مدینہ روانگی کی اجازت دے دی چنانچہ وہ اپنے لخت جگر کو گود لے کر اونٹ پر سوار ہوئیں اور مدینہ منورہ کا راستہ لیا۔

چونکہ سیدہؓ کے ساتھ کوئی مرد نہ تھا بلکہ بالکل تنہا تھیں لیکن دیار حبیب کا شوق انہیں کشاں کشاں لے جا رہا تھا جب تنعیم کے مقام پر پہنچیں تو کلید بردار کعبہ عثمان بن طلحہ جو اس وقت تک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے کی نظر پڑی عثمان نے ام سلمہؓ کو پہچان لیا کیونکہ ان کے شوہر ابو سلمہ سے ان کے بہت اچھے تعلقات تھے۔ عثمان نے پوچھا کدھر کا ارادہ ہے؟ ام سلمہؓ نے کہا: مدینہ کا۔ عثمان نے پوچھا "کوئی ساتھ بھی ہے؟" سیدہ سلمہؓ نے کہا: بس خدا اور یہ بچہ۔ عثمان نے کہا: یہ نہیں ہو سکتا کہ تم تنہا بغیر کسی مرد کے چلی جاؤ یہ کہہ کر عثمان بن طلحہ نے اونٹ کی مہار پکڑی اور مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ عثمان راستہ میں اگر کہیں ٹھہرتا تو اونٹ بٹھا کر خود دور کہیں درخت کے نیچے چلا جاتا اور میں نیچے اتر جاتی اور جب روانگی کا وقت ہوتا تو اونٹ پر کجاوہ رکھ کر دور ہٹ جاتا اور مجھے کہتا سوار ہو جاؤ۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے ساری زندگی میں ایسا شریف آدمی کوئی نہیں دیکھا اس طرح مختلف منازل پر قیام کرتا ہوا وہ مجھے مدینہ لایا جب قبا کی آبادی پر نظر پڑی تو کہنے لگا اب تم اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ وہ یہیں قیام پذیر ہیں۔ سیدہ ام سلمہؓ ادھر روانہ ہوئیں اور عثمان نے مکہ کا راستہ لیا۔

۱ اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۸۸ /۱۴۳۸ اصابہ ج ۴ ص ۴۵۸

الا صابہ اور زرقانی[1] کی روایت میں سیدہ ام سلمہؓ کے گھر سے نکل کر سات آٹھ دن رونے کا ذکر ہے لیکن اسد الغابہ اور فتح الباری میں ایک سال تک رونے کا ذکر ہے شاید یہ لغزش قلم ہو کیونکہ حضرت ابو سلمہؓ کی ہجرت سرور عالم ﷺ سے صرف دو ماہ پہلے ہوئی اور سیدہ ام سلمہؓ ہجرت کرنے والی پہلی خاتون قرار دی جاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سات آٹھ دن ہی صحیح ہے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب قبا پہنچیں تو لوگ ان کے تنہا سفر کرنے پر تعجب کا اظہار کرنے لگے کیونکہ شرفاء کی عورتیں اس طرح تنہا باہر نکلنے کی جرات نہیں کرتی تھیں اس لئے سب سے والد کا نام پوچھتے کہ واقعی یہ امیہ کی بیٹی ہے آپ والد کا نام بتاتیں لیکن لوگوں کو یقین نہیں آتا تھا اور ام سلمہؓ مجبوراً خاموش ہو جاتی تھیں۔ جب کچھ عرصہ بعد چند آدمی حج بیت اللہ کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے اور سیدہؓ نے ان کے ہاتھ اپنے گھر خط بھیجا تب ان کو یقین آیا کہ واقعی وہ ابو امیہ کی بیٹی ہیں۔

ابو امیہ چونکہ قریش میں بے حد معزز اور مشہور آدمی تھے کیونکہ وہ اپنی فیاضی اور سخاوت کی وجہ سے ''زاد الراکب'' سمجھے جاتے تھے اس لئے مدینہ منورہ میں ام سلمہؓ بڑی قدر اور وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔[2]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ایک مرتبہ میرے شوہر ابو سلمہؓ گھر میں آئے اور کہا کہ آج میں رسول اللہ ﷺ سے ایک ایسی حدیث سن کر آیا ہوں جو مجھے نزدیک دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہے وہ یہ کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ عِنْدَكَ اَحْتَسِبُ مُصِيْبَتِيْ هٰذِهٖ اَللّٰهُمَّ اخْلُفْنِيْ فِيْهَا بِخَيْرٍ مِّنْهَا[3]

---

1. زرقانی طبع جدید ج۳ ص ۲۴۰
2. مسند امام احمد ج۶ ص ۳۰۷
3. سنن ابو داؤد ج۲ ص ۹۰ کتاب الجنائز باب الاسترجاع

"اے اللہ! میں تجھ سے اپنی اس مصیبت میں اجر کی امید رکھتا ہوں۔ اے اللہ! تو مجھے اس کا نعم البدل عطا فرما۔"

بعض روایات میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

اَللّٰهُمَّ عِنْدَكَ اَحْتَسِبُ مُصِيْبَتِيْ فَاْجُرْنِيْ فِيْهَا وَاَبْدِلْ لِيْ بِهَا خَيْرًا مِنْهَا۔[1]

بیوگی:

غزوہ احد میں سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی بے جگری، جان بازی اور شوق شہادت سے سرشار ہو کر قتال میں حصہ لیا۔ اسی موقعہ پر انہیں بہت گہرا زخم لگا جو کچھ دنوں میں ٹھیک ہو گیا اور حضرت ابو سلمہؓ صحت یاب ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں بنو اسد سے جہاد کرنے والی جماعت کا امیر بنا کر بھیجا اس جنگ میں ان کا پرانا زخم پھر ہرا ہو گیا اور اس کی شدید تکلیف ہونے لگی اور اسی زخم کی وجہ سے ۸ جمادی الاخریٰ ۴ھ کو حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہو گئی۔ اور یہی جمہور کا قول ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ عین حالت نزع میں عیادت کے لئے تشریف لائے تھے حضرت ابو سلمہؓ کی روح ایسے رحمان کی منتظر تھی ادھر آپ تشریف فرما ہوئے، ادھر روح نے جسم کا ساتھ چھوڑا۔ آپ نے دست مبارک سے ان کی دونوں آنکھیں بند کر کے فرمایا:

"انسان کی روح جس وقت اٹھائی جاتی ہے تو اس کی آنکھیں اس کے دیکھنے کے لئے کھلی رہ جاتی ہیں۔"

رحمت عالم ﷺ نے سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے دعائے مغفرت فرمائی

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَبِيْ سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِي الْمَهْدِيِّيْنَ وَاخْلُفْهُ فِيْ

---

1. جمع الفوائد ج ۲ ص ۳۶۳ ترمذی ج ۲ ص ۱۹۹ ابواب الدعوات ابن ماجہ کتاب الجنائز۔ مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۷ نیز ص ۳۰۱۲ ۔
2. زرقانی طبع مصر ج ۳ ص ۲۳۸

عَقِبِهٖ فِي الْغَابِرِيْنَ وَاغْفِرْلَنَا وَلَهٗ يَارَبَّ الْعٰلَمِيْنَ وَافْسَحْ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ وَنَوِّرْلَهٗ فِيْهِ [1]

''اے اللہ! ابوسلمہ کی مغفرت فرما، اور ہدایت یافتہ لوگوں میں ان کا درجہ بلند فرما اور اس کے پس ماندگان کا حامی بن جا اور ہماری اور اس کی بخشش فرما اے رب العالمین اور اس کی قبر کشادہ فرما اور اسے منور فرمادے۔''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے پہلے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت محبت تھی ایک مرتبہ ام سلمہؓ نے ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے اگر مرد اور عورت دونوں جنتی ہوں اور عورت مرد کے بعد کسی سے نکاح نہ کرے تو وہ عورت جنت میں بھی اسی مرد کو ملے گی۔ اسی طرح اگر بیوی پہلے مر جائے اور شوہر دوسری شادی نہ کرے تب بھی دنیا کا یہ رشتہ جنت میں بھی باقی رکھا جائے گا۔ آیئے! ہم دونوں عہد کریں کہ ہم دونوں میں سے جو پہلے فوت ہو جائے زندہ رہ جانے والا دوسری شادی نہیں کرے گا۔ یہ سن کر حضرت ابوسلمہؓ نے فرمایا: ''تم میرا کہا مانو گی؟''

حضرت ام سلمہؓ نے کہا کہ ماننے کے لئے تو مشورہ کر رہی ہوں سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر میرا انتقال پہلے ہو جائے تو تم نکاح کر لینا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی کی۔

''اے اللہ! میرے بعد ام سلمہؓ کو مجھ سے بہتر خاوند عطا فرما جو نہ اسے رنج پہنچائے نہ تکلیف دے۔''

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا اور میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان سے بہتر کون ہو سکتا ہے یہاں تک کہ سرور دو عالم ﷺ کے نکاح کا پیغام آیا۔ [2]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے پردیس میں شوہر کی وفات بہت بڑا

---

1. صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۰۰ کتاب الجنائز: طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۸۹۔
2. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۸۸

مار رہی تھا اور اپنے شوہر کو بے مثال شوہر سمجھتی تھیں اور ان کے بعد ان سے بہتر یا ان جیسے شوہر کے ملنے کی امید نہ تھی سیدہ کہتی ہیں اپنے خاوند کی موت پر میں چیخی چلائی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کیا تم شیطان کو اس گھر میں دوبارہ داخل کرنا چاہتی ہو جسے اللہ نے نکال دیا ہے۔" تو میں نے رونا بند کر دیا۔

ایک روایت میں ہے جب حضرت ابو سلمہ کا انتقال ہو گیا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دی کہ ابو سلمہ انتقال کر گئے ہیں آپ نے فرمایا: تم اس طرح دعا کرو:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلَہٗ وَاَعْقِبْنِیْ مِنْہُ عُقْبٰی حَسَنَۃً۔

ترجمہ - اے اللہ میری مغفرت فرما اور ان کی بھی اور مجھے ان کا اچھا جانشین عطا کر۔

حضرت ام سلمہ کہتی ہیں میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق دعا کی

فاعقبنی اللہ من ھو خیر لی منہ محمدا صلی اللہ علیہ وسلم۔[2]

ترجمہ تو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ان سے بہتر جانشین محمد ﷺ کو دے دیا۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تو یہ وہم بھی نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان سے نکاح کریں گے ان کا تجربہ یہی تھا کہ حضرت ابو سلمہ سے بہترین خاوند نہیں؟ انہوں نے دعا تو کر لی مگر دل میں یہ خیال تھا کہ اس کی قبولیت کی کیا صورت ہوگی؟ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور وہ ازواج مطہرات میں شامل ہو گئیں۔

سیدہ کہتی ہیں:

ای المسلمین خیر من ابی سلمۃ اول بیت ھاجر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[3]

---

۱ صحیح مسلم کتاب الجنائز ۲ ایضاً
۲ صحیح مسلم کتاب الجنائز

"ابوسلمہؓ سے بہتر کون مسلمان ہو سکتا ہے یہ پہلا گھرانہ تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی۔"

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوسلمہؓ کو تمام مسلمان صحابہ سے بہتر اور افضل نہیں خیال کرتی تھیں بلکہ ان کا خیال یہ تھا کہ میرے لئے ان سے بہتر کون ہو سکتا ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے:

من لی بخیر من ابی سلمۃ [1]

"کہ میرے لئے ابوسلمہؓ سے بہتر کہاں سے خاوند آئے گا۔"

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ:

من هذا الفتی الذی هو خیر لی من ابی سلمۃ؟ [2]

مگر جب سرورِ دو عالم ﷺ نے نکاح کا پیغام دیا تو سیدہ نے خود اعتراف کیا:

فاخلفنی اللہ من هو خیر لی منہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

جب کہ پہلے تو یہ کہتی تھیں: من خیر من ابی سلمۃ [3]

حریم نبوت میں آمد:

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ابوسلمہؓ نے وفات پائی تو مجھے وہ حدیث یاد آئی کہ جس کو وہ مجھ سے بیان کیا کرتے تھے اور میں نے دعا شروع کی تو جب میں یہ کہنا چاہتی کہ خداوندا! مجھے ابوسلمہؓ سے بہتر جانشین عطا فرما تو دل کہتا کہ ابوسلمہؓ سے بہتر کون مل سکتا ہے لیکن میں نے یہ دعا مانگنا شروع کر دی تو اللہ رب العزت نے ابوسلمہؓ کے جانشین حضور انور ﷺ کو بنا دیا۔ [4]

---

1. مسند احمد ج ۲ ص ۲۷
2. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۸۸
3. صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۰۰ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۶۵
4. مسلم شریف ج ۱ ص ۳۰۰ کتاب الجنائز مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۱۲ ابن ماجہ ص ۱۱۴، ۱۱۵ کتاب الجنائز باب ما جاء فی الصبر علی المصیبۃ

حضرت ابو سلمہؓ کے انتقال کے وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حاملہ تھیں جب وضع حمل کے بعد عدت گزر گئی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کا پیغام بھیجا لیکن سیدہ نے انکار کر دیا بعد میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے لئے پیغام نکاح دیا لیکن ام سلمہؓ نے انہیں بھی انکار کر دیا لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کا پیغام لے کر آئے تو انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے پیغام کو قبول کرنے میں مجھے چند عذر ہیں۔

۱۔ میں بہت غیرت مند ہوں۔ (جس کی وجہ سے سوکنوں کے ساتھ رہنا مشکل ہو گا)

۲۔ میں عیال دار ہوں۔ یعنی یتیم بچے بھی ہیں۔

۳۔ میری عمر زیادہ ہو گئی یعنی اب مجھ سے اولاد پیدا نہ ہو گی۔

۴۔ میرا کوئی ولی بھی نہیں۔

(۱) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جہاں تک مزاج میں غیرت زیادہ ہونے کا تعلق ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا تمہاری غیرت والی بات جاتی رہے گی۔

(۲) تمہارے بچوں کا اللہ حافظ ہے۔ ان کی پرورش میں تمہیں کوئی دشواری نہ ہو گی۔

(۳) میری عمر تم سے زیادہ ہے یہ کوئی عذر نہیں۔

(۴) رہا معاملہ ولی کا تو تمہارا کوئی ولی میرے ساتھ رشتہ ہو جانے کو ناپسند نہیں کرے گا۔

اس پر حضرت ام سلمہؓ نے کہا: اے عمرؓ! اٹھو اور رسول اللہ ﷺ سے میرا نکاح کر دو۔

ایک روایت میں ہے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جب میری عدت پوری ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاں تشریف فرما ہونے کی اجازت چاہی میں اس وقت ایک چمڑے کو پکانے کے لئے رنگ دینے میں مشغول تھی میں نے قرظ کے پتوں سے رنگین ہاتھ دھو لئے اور آپ کو تشریف لانے کو کہا اور آپ کے لئے ایک گدا بچھا دیا آپ اس پر تشریف فرما ہوئے اور مجھے اپنے لئے نکاح کا پیغام دیا جب آپ کی بات پوری ہو گئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مجھے آپ سے رغبت نہ ہو لیکن میں سخت غیرت

مند ہوں مجھے خدشہ ہے کہ اگر مجھ سے کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا عتاب نہ آ جائے۔ اور میں بہت عمر رسیدہ ہو چکی ہوں اور میرے بچے بھی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہاں تک تیری نازک مزاجی اور رشک کا تعلق ہے سو اللہ تعالیٰ اسے تجھ سے دور کر دے گا۔ رہا معاملہ کبرسنی کا تو میں تجھ سے زیادہ عمر رسیدہ ہوں اور تیرا بچوں کے لئے فکر مند ہونا تو اب وہ تیرے بچے نہیں بلکہ اب میرے بچے ہیں چنانچہ میں نے اپنا آپ حضورؐ کے سپرد کر دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا۔ ام سلمہؓ کہتی ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ نے ابو سلمہ سے بہتر مجھے رسول اللہ ﷺ عطا فرما دیئے۔[1]

مسلم شریف کی روایت میں ہے

رسول اللہ ﷺ کا پیغام حاطب بن ابی بلتعہ لے کر سیدہ ام سلمہؓ کے پاس تشریف لائے تھے۔[2]

ایک روایت میں ہے:

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیغام دے کر رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا۔[3]

طبرانی کی ایک روایت میں ہے:

رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس خود تشریف لے گئے تھے۔

حضور اکرم ﷺ حضرت ام سلمہؓ کے ہاں تشریف لائے تو اپنی ردائے مبارک لپیٹ کر دروازہ کی دہلیز پر رکھی ہوئی تھی اس پر بیٹھ گئے اور فرمایا: "هل لك يا ام سلمة؟" ام سلمہؓ نے کہا میں سخت غیرت مند ہوں مجھے ڈر ہے کہ آپ کے مزاج کے خلاف کوئی بات مجھ سے نہ ہو جائے جو آپ کو ناگوار ہو۔ آپ لوٹ گئے پھر دوبارہ تشریف لائے اور فرمایا: "ام سلمہ کیا خیال ہے؟ اگر تجھے مہر زیادہ چاہیے تو ہم زیادہ کر دیتے ہیں

---

[1] مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۲۲ ص ۳۱۸۔

[2] مسلم شریف ج ۳ ص ۲۰۰۔

[3] سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۳۱۔

لیکن ام سلمہؓ نے وہی پہلی بات عرض کی اور واپس تشریف لے گئے۔

ام عبیدؓ نے حضرت ام سلمہؓ سے کہا: تمہیں معلوم ہے قریشی عورتیں کیا کہیں گی؟ وہ کہیں گی کہ ام سلمہؓ نے حضرت محمد ﷺ کو مسترد کر دیا ہے اور ام سلمہ کسی قریشی نوجوان سے نکاح کرنا چاہتی ہے جو مالدار بھی ہو۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔[1]

ابن سعد کی ایک روایت میں ہے:

رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور دروازہ کے پاس کھڑے ہو کر ام سلمہؓ کے بھتیجے یا ان کے بیٹے یا ان کے ولی کو نکاح کا پیغام دیا لیکن ام سلمہؓ نے اپنے عذر پیش کئے حضور انور ﷺ واپس تشریف لے گئے پھر دوسرے دن تشریف لائے اور نکاح کا پیغام دیا۔ ام سلمہ نے پھر بھی عذر پیش کئے آپ واپس چلے گئے پھر ام سلمہؓ نے اپنے ولی سے کہا کہ اب اگر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو ان سے نکاح کر دینا جب آپ پھر تشریف لائے تو ان سے نکاح کر دیا۔[2]

قم یا عمر:

جب سرور دو عالم ﷺ سے سیدہ ام سلمہؓ نے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا اور کہا:

قم یا عمر فزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عمر سے مراد کون تھے؟ روایات میں دو قول پائے جاتے ہیں عمر سے مراد سیدہ ام سلمہؓ کے فرزند دلبند تھے۔ (۲) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد تھے۔

سیدہ ام سلمہؓ کے فرزند عمر کے متعلق حسب ذیل روایات پائی جاتی ہیں:

فقالت لابنها یا عمر قم

(سنن نسائی ج ۲ ص ۶۲ کتاب النکاح باب انکاح الابن امہ، مستدرک

---

[1] طبرانی بیرج ۲۳ ص ۲۵۳ حدیث ۵۰۸، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۸ حدیث نمبر ۱۵۳۲۸

[2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۸۸

حاکم ج۲ ص۱۷۹ کتاب النکاح۔ سنن کبریٰ للبیہقی ج۷ ص۱۳۱ کتاب النکاح۔ باب الابن یزوجھا اذا کان عصبۃ۔ اسد الغابہ ج۵ ص۵۸۹۔ الاصابہ ج۴ ص۴۵۹)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے[1] اور علامہ شمس الدین ذہبی نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔[2]

جبکہ مسند امام احمد کی روایات میں "قم یا عمر" کے الفاظ مروی ہیں جن سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد لئے جاتے ہیں۔

(مسند امام احمد ج۶ ص۲۹۵، ۳۱۴، ۳۱۷، طبقات ابن سعد ج۸ ص۸۹)

تبصرہ:

علامہ ابن قدامہ المتوفی ۶۲۰ھ نے نسائی شریف کی روایت نقل فرمائی ہے اور اس پر "الاثرم" کا یہ قول نقل فرمایا۔

"میں نے ابوعبداللہ سے عرض کیا اس حدیث کے مطابق عمر بن ابی سلمہ نے جب اپنی والدہ کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کیا کیا وہ چھوٹے نہیں تھے؟ تو ابوعبداللہ نے فرمایا: کیوں کہا ہے وہ چھوٹے تھے وہ تو ان کے حقیقی ولی تھے۔"[3]

امام بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ دوسری روایت اس طرح نقل فرماتے ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطب ام سلمۃ قال مری ابنک ان یزوجک او قال زوجھا ابنھا وھو یومئذ صغیر لم یبلغ۔[4]

---

۱ الاصابہ ج۴ ص۴۵۹
۲ سنن کبریٰ للبیہقی ج۷ ص۱۳۱
۳ المغنی ابن قدامہ ج۶ ص۴۶۵
۴ سنن کبریٰ للبیہقی ج۷ ص۱۳۱، زرقانی جدید ج۴ ص۴۰۱

اس حدیث سے جمہور علماء نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ نکاح کے معاملہ میں بیٹا دوسرے تمام ولیوں میں شامل ہے۔ اور امام شافعی اور محمد بن الحسن کہتے ہیں الناصر سے مروی ہے "ان ابن المراۃ اذا لم یجمعہما و ایاہ جد فلا ولایۃ لہ"

لیکن اس نظریہ کو رد کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ بیٹا بالاتفاق عصبہ میں شامل ہے کیونکہ وہ اس عموم میں داخل ہے ارشاد باری تعالیٰ "وانکحوا الایامیٰ منکم" اس میں اقرباء کو خطاب کیا گیا ہے اور بیٹے سب سے زیادہ قریبی ہوتے ہیں۔[1]

مذکورہ محدثین اور علماء کرام نے "عمر" سے مراد عمر بن ابو سلمہ قرار دیا ہے عمر بن الخطاب مراد نہیں لئے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کی یہ تقریب شوال ۴ھ کی آخری تاریخوں میں انجام پائی۔

سرور دو عالم ﷺ نے انہیں ایک چکی ایک گھڑا اور چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی مہر میں عطا فرمائی۔ ایک روایت کے مطابق ایک رکابی اور ایک پیالہ بھی دیا سارے سامان کی قیمت دس درہم تھی۔ حضور انور ﷺ ام سلمہؓ کو اسی حجرے میں لے آئے جس میں سیدہ زینب بنت خزیمہ رہا کرتی تھیں۔ سیدہ ام سلمہؓ نے وہاں دیکھا ایک مٹکے میں جو رکھے ہیں ایک چکی اور ہانڈی بھی موجود ہے شب عروسی میں خود اپنے ہاتھ سے جو پیسے اور چکنائی ملا کر مالیدہ تیار کیا۔ پہلے ہی دن یہ خدمت انجام دے کر حضور انور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور خود بھی ساتھ کھایا۔[2]

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت شرمیلی اور حیادار تھیں ابتداء میں جب رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لاتے تو سیدہ فرط غیرت سے اپنی بچی زینب کو گود میں بٹھا لیتیں۔ حضور ﷺ بھی سراپا حیا اور کریم النفس تھے یہ دیکھ کر واپس چلے جاتے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سیدہ ام سلمہؓ کے رضاعی بھائی اور ماں کی

---

۱ تکملہ فتح الملہم ج۱ ص۲۵ کتاب النکاح باب ۱ ان یزوج ابن امہ

۲ طبقات ابن سعد ج۸ ص۸۹، ۹۰، زرقانی طبع جدید ج۴ ص۲۰۵

طرف سے بھائی تھے کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ سخت ناراض ہوئے اور ان کی بچی زینب کو چھین کر لے گئے۔

اس کے بعد جب رحمت عالم ﷺ تشریف لائے تو آپ کو وہ بچی نظر نہ آئی اور سیدہؓ کو بچی سے دل لگی تھی۔ سرور عالم ﷺ نے دریافت فرمایا: زینب کہاں ہے؟ عرض کیا عمار آئے تھے وہ اسے لے گئے ہیں۔

بعد میں طبیعت مانوس ہوگئی اور اس بات میں کمی آگئی اور دوسری بیویوں کی طرح رہنے لگیں۔[1]

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں جب سیدہؓ کا حضور انور ﷺ سے نکاح ہوا تو ان کا طرز زندگی کچھ ایسا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کا مزاج دوسری ازواج سے ملتا ہی نہیں لیکن چند ہی دنوں میں وہ بھی دوسری بیویوں کی طرح زندگی گزارنے لگیں۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تین دن گزارے جب جانے کا ارادہ فرمایا تو سیدہؓ نے دامن تھام لیا۔ آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو کہ تمہارے پاس زیادہ ٹھہروں۔ اگر چاہو تو سات دن ٹھہروں۔ اگر سات دن تمہارے پاس رہوں گا تو اپنی دوسری بیویوں کے پاس بھی سات سات دن رہوں گا جب کہ باکرہ بیوی کے پاس سات دن ٹھہرنا چاہئے اور ثیبہ (بیوہ) کے پاس تین دن۔ سیدہؓ نے عرض کی تین دن ہی رہیے۔[2]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلمہ سے نکاح کیا۔ "حزنت حزنا شدیدا" تو مجھے سخت رنج ہوا (کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی توجہ ان کی طرف مجھ سے زیادہ نہ ہو جائے) کیونکہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا حسن و جمال میں مشہور تھیں۔ جب میں نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو

---

1. مسند احمد ج ۶ ص ۳۱۵ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۶۴ مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۸
2. صحیح مسلم ج ۱ کتاب الرضاع باب قدر ما تستحقہ البکر والثیب

خدا کی قسم! واقعۃً جتنی شہرت سنی تھی اس سے بھی زیادہ حسین و جمیل معلوم ہوئیں۔ میں نے اس کا تذکرہ حفصہ سے کیا تو انہوں نے کہا نہیں اتنی حسین نہیں ہیں جتنی شہرت ہے (حفصہ کی اس بات سے میری آنکھوں سے بھی اس کا حسن گر گیا۔ اور پھر جو دیکھا تو حفصہ کی بات ٹھیک معلوم ہوئی۔[1]

یعنی حسین تو بہر حال تھیں ہمارے نہ ماننے سے تو ان کے حسن میں کمی نہ آتی۔ البتہ سوکنوں کی پرخاش نے ان کے حسن کو حفصہ کے کہنے نے آنکھوں سے گرا دیا ایسی باتیں بشریت کے تقاضے سے دل میں آجایا کرتی ہیں۔

عزت افزائی:

سرور دو عالم ﷺ کی ملاقات میں ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عزت افزائی فرماتے تھے جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں

"رسول اللہ ﷺ نمازِ عصر کے بعد ایک ایک بیوی کے پاس تشریف لے جاتے تھے سب سے پہلے حضرت ام سلمہ کے پاس جاتے کیونکہ وہ عمر میں سب سے بڑی تھیں اور رسول اللہ ﷺ اس دور کو مجھ پر ختم کرتے تھے یعنی سب سے آخر میں میرے پاس تشریف لاتے۔

امام بخاری نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ لیکن انہوں نے ابتداء اور آخر کی صراحت نہیں فرمائی۔[2] ام کلثوم بنت ابو سلمہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا تو ان سے کہا میں نے نجاشی "شاہ حبشہ" کو ایک جبہ اور کئی اوقیہ کستوری کا تحفہ بھیجا ہے لیکن معلوم ہوا کہ نجاشی کا انتقال ہو گیا ہے اگر وہ ہدیہ واپس کر دیا گیا تو تمہیں دوں گا۔ چنانچہ وہ ہدیہ واپس آ گیا رسول اللہ ﷺ نے

---

1. طبقات ابن سعد ج ۸ ص [illegible] [illegible]
2. [illegible]
3. صحیح بخاری [illegible]

اس میں سے ایک اوقیہ[1] کستوری تمام بیویوں کو دی اور باقی ساری کستوری اور جبہ صرف وحدہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عنایت فرمایا۔[2]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کی دو جماعتیں تھیں ایک میں سیدہ عائشہؓ سیدہ حفصہؓ سیدہ صفیہ اور سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسری جماعت میں سیدہ ام سلمہ اور بقیہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن تھیں۔ صحابہ کرام کو علم تھا کہ سیدہ عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کی منظور نظر ہیں اور آپ انہیں بہت زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ اس لئے جب کسی کے پاس کوئی ہدیہ ہوتا اور وہ اسے حضور انور ﷺ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا تو انتظار کرتا پھر جب رسول اللہ ﷺ کی عائشہؓ کے گھر میں قیام کی باری ہوتی تو ہدیہ دینے والے حضرات اپنا ہدیہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجتے۔

اس پر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جماعت کی ازواج مطہرات نے آپس میں مشورہ کیا اور سیدہ ام سلمہؓ سے کہا وہ رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کریں کہ آپ لوگوں سے فرما دیں کہ جسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجنا ہو وہ (کسی کی خاص باری کا انتظار کئے بغیر) جہاں بھی حضور ہوں وہیں بھیجا کریں۔

چنانچہ ان ازواج مطہرات رضوان اللہ علیھن کے مشورہ کے مطابق سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں اپنی عرضداشت پیش کر دی لیکن حضرت ام سلمہؓ نے حضور انور ﷺ کی خدمت میں عرض کی تھی آپ نے انہیں کوئی جواب نہ دیا۔ آپ کی ساتھی ازواج نے پوچھا کیا جواب ملا ہے؟ تو حضرت ام سلمہؓ نے بتایا مجھے آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ازواج مطہرات نے کہا پھر ایک مرتبہ کہو۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جب باری آئی تو دوبارہ گزارش کی اس مرتبہ

---

1. [illegible]
2. [illegible]

بھی آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ ازواج کے پوچھنے پر سیدہ نے پھر وہی بتایا کہ مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ سب کی سب ازواج نے تاکید کی کہ حضور انور ﷺ سے ضرور جواب طلب کریں جب سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کا دن آیا تو انہوں نے تیسری مرتبہ پھر گزارش کی تو حضور انور ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ سے کہا:

"عائشہؓ کے بارے میں مجھے اذیت نہ پہنچاؤ۔ کیونکہ ان کے سوا تم میں کوئی ایسی نہیں ہے۔ جس کے بستر میں میرے پاس وحی آتی ہو۔ اس پر سیدہ ام سلمہؓ نے عرض کیا میں آپ کو اذیت پہنچانے سے اللہ کے حضور توبہ کرتی ہوں۔"[1]

آیۂ تطہیر کا مقام نزول:

آیۂ تطہیر "انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا"[2]

یہ آیت تطہیر ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کے گھر میں نازل ہوئی تھی جو سیدہ کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔

حضرت عمر بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں نازل ہوئی تھی پھر آپ نے سیدہ فاطمہؓ حضرت حسن اور حضرت حسین کو بلایا اور اپنی کملی میں بٹھا لیا۔ حضرت علیؓ آپ کے پیچھے تھے ان پر بھی چادر ڈال دی اور عرض کیا: "یا اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے گناہوں کی نجاست دور کر دے اور ان کو خوب پاک کر دے۔"

حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں بھی ان کے ساتھ ہوں (یعنی چادر میں آنے کا ارادہ کیا) آپ نے فرمایا تم اپنی جگہ رہو تم خیر پر ہو۔[3]

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا:

---

1. بخاری شریف ج ا ص ۵۳۲
2. سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۳۳
3. ترمذی شریف ج ۲ ص ۳ ابواب تفسیر سورۃ احزاب

"انت و ابنتك من اهل البيت"[1]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما تھے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حریرے کی ایک پتیلی بھری ہوئی لائیں۔ آپ نے فرمایا اپنے میاں اور دونوں بچوں کو بھی بلا لو۔ چنانچہ وہ بھی آ گئے اور کھانا شروع ہوا۔ آپ اپنے بستر پر تھے خیبری ایک چادر آپ کے نیچے بچھی ہوئی تھی میں حجرے میں نماز ادا کر رہی تھی کہ آیت تطہیر نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان چاروں پر چادر ڈال دی اور چادر میں سے ایک ہاتھ نکال کر آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا۔

اللهم هؤلاء اهل بيتي و خاصتي

"اے اللہ! یہ میرے اہل بیت اور حامی ہیں۔"

تو ان سے ناپاکی دور کر اور انہیں پاک کر دے میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں بھی آپ سب کے ساتھ ہوں؟ آپ نے فرمایا: یقیناً تو بہتری کی طرف ہے تو خیر کی طرف ہے۔[2]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف فرما تھے کہ خادم نے آ کر اطلاع دی سیدہ فاطمہؓ اور سیدنا علیؓ آ گئے ہیں آپ نے مجھے فرمایا ایک طرف ہو جاؤ۔ میں گھر میں ایک طرف بیٹھ گئی۔ سیدہ بمعہ سیدنا علی اور دونوں بچوں کے تشریف لائیں۔ آپ نے دونوں بچوں کو گود میں لے لیا اور پیار کیا۔ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی گردن میں ہاتھ ڈال کر ان دونوں کو بھی پیار کیا ان سب پر ایک سیاہ چادر ڈال کر فرمایا۔

"اللهم اليك لا الى النار انا و اهل بيتي"

"اے اللہ! تیری طرف نہ کہ آگ کی طرف میں اور میرے اہل بیت۔"

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں

---

[1] طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۳۹۶ سند ۲۰۱۲ء

[2] مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۹۸۔

امام راغب اصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

آل: بعض نے کہا ہے کہ آل اصل میں اہل ہے کیونکہ اس کی تصغیر اُہیل آتی ہے مگر اس کی اضافت باشرف انسان میں سے جیسے "علم" کی طرف ہوتی ہے کسی اسم نکرہ یا زمانہ یا مکان کی طرف اس کی اضافت جائز نہیں ہے اس لئے آل فلان (وغیرہ) تو کہہ سکتے ہیں۔ مگر آل رجل، آل زمان کذا اور آل مکان کذا بولنا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح ہمیشہ صاحب شرف اور افضل ہستی کی طرف مضاف ہوگا اس لئے "آل الحجام" بھی نہیں کہہ سکتے بلکہ آل اللہ یا آل السلطان کہا جائے گا مگر اہل کا لفظ مذکورہ بالا میں سے ہر ایک کی طرف مضاف ہو کر آتا ہے جس طرح "اہل زمن کذا وبلد کذا" بولا جاتا ہے اسی طرح "اہل اللہ واہل الخیاط" بھی کہہ دیتے ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ لفظ "آل" دراصل یعنی شخص سے اس کی تصغیر "اُوَیل" آتی ہے اور یہ اس شخص کے متعلق استعمال ہوگا جس کو دوسرے کے ساتھ ذاتی تعلق ہو مثلاً قرابت رشتہ داری یا تعلق ولاء ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

وآل ابراھیم وآل عمران (۳-۳۳) یعنی خاندان ابراہیم اور خاندان عمران

ادخلوا آل فرعون اشد العذاب "فرعون والوں کو نہایت سخت عذاب میں داخل کردو"

"آل النبی" بعض نے کہا آل نبی سے آنحضرت ﷺ کے رشتہ دار مراد ہیں اور بعض کے نزدیک اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں علم معرفت کے اعتبار سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ خصوصی تعلق ہو۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اہل دین دو قسم پر ہیں ایک وہ جو علم و عمل کے اعتبار سے راسخ و محکم ہوتے ہیں ان کو آل النبی اور امتہ بھی کہہ سکتے ہیں دوسرے وہ لوگ ہیں جن کا علم سراسر تقلیدی ہوتا ہے۔ ان کو امت محمد ﷺ تو کہہ سکتے ہیں مگر آل محمد نہیں کہہ سکتے اس سے معلوم ہوا کہ امت اور آل میں عموم و خصوص کی نسبت ہے یعنی ہر آل نبی اس کی امت میں داخل ہے مگر امتی آل نبی نہیں ہو سکتا۔

امام جعفر صادقؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ لوگ تمام مسلمانوں کو آل نبی میں داخل سمجھتے ہیں تو انہوں نے فرمایا یہ صحیح بھی ہے اور غلط بھی۔ سائل نے عرض کی یہ کیسے؟ فرمانے لگے غلط تو اس لئے کہ تمام امت آل نبی میں داخل نہیں ہے اور صحیح اس لئے کہ وہ شریعت کے کما حقہ پابند ہو جائیں تو انہیں آل النبی کہا جا سکتا ہے اور یہ آیت کریمہ: وقال رجل مومن من آل فرعون (۲۸:۴۰) اور فرعون کے لوگوں میں سے ایک مومن شخص نے کہا: اس میں مرد مومن کے آل فرعون سے ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ (بظاہر) تو اس کے خصوصی اہل کاروں اور فرعونی شریعت کے ماننے والوں سے تھا اور مسکن ونسب کے اعتبار سے انہی میں شمار ہوتا تھا۔ نہ اس لئے کہ وہ لوگ بھی اسے اپنی شریعت کا پابند خیال کرتے تھے۔[1]

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ مزید لکھتے ہیں:

اھل الرجل: ۔ ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اس کے ہم نسب یا ہم دین ہوں اور یا کسی صنعت یا مکان میں شریک ہوں یا ایک شہر میں رہتے ہوں اصل میں اھل الرجل تو وہ ہیں جو کسی کے ساتھ ایک مسکن میں رہتے ہوں۔ پھر مجازاً آدمی کے قریبی رشتہ داروں پر اہل بیت الرجل کا لفظ بولا جانے لگا ہے اور عرف میں اہل البیت کا لفظ خاص کر آنحضرت ﷺ کے خاندان پر بولا جانے لگا ہے کیونکہ قرآن میں ہے:

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت[2]

امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں:

آل النبی ﷺ کے تین نظریات پائے جاتے ہیں۔

۱۔ آل نبی سے بنو ہاشم اور بنو مطلب مراد ہیں۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد اور ان کی قیامت تک آنے والی نسل۔

۱۔ مفردات القرآن ص ۵۸

۲۔ مفردات القرآن ص ۵۷

آل محمد ﷺ:

احادیث میں "آل محمد" کا اطلاق صرف ازواج مطہرات پر ہو جاتا ہے۔ طبرانی کی روایت میں ہے

(۱) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما سئل عن الآل قال "آل محمد کل تقی"[1]

"رسول اللہ ﷺ سے "آل" کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: "ہر متقی محمد کی آل ہے۔"

امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل فرماتے ہیں:

(۲) انہ سئل من آل محمد؟ فقال: "کل مؤمن تقی"[2]

"آپ سے دریافت کیا گیا آپ کی آل کون لوگ ہیں؟ فرمایا: ہر متقی مسلمان محمد کی آل ہے۔"

علامہ جلال الدین سیوطی نے درمنثور میں روایت نقل کی کہ ابن مردویہ حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کی آل کون لوگ ہیں؟ "فقال کل مؤمن"[3]

(۳) قال رسول اللہ ﷺ اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا[4]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! محمد کی آل کو بقدر کفایت روزی عطا فرما۔"

(۴) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: ما شبع آل محمد ﷺ منذ قدم المدینۃ من طعام بر ثلاث لیال تباعا حتی قبض[5]

---

[1] شفا قاضی عیاض ج ۲ ص ۶۲، شرح شفا القاری ج ۲ ص ۱۲۷، فتح الباری ج ۱۱ ص ۱۶۱ کتاب الدعوات حدیث نمبر ۶۳۵۸، فتح المبین ص ۲۷۴ مطبوعہ مصر ج ۳ ص ۴۰۳۔

[2] شرح مہذب ج ۳ ص ۴۴۹

[3] درمنثور ج ۵ ص ۱۵

[4] مسلم ج ۲ ص ۳۰۹

[5] مسلم ج ۲ ص ۴۱۰ کتاب الزہد

جری ہو گئی ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے انہیں مارنے کی اجازت دی۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں بہت سی عورتیں اپنے خاوندوں کا شکوہ لے کر آئیں پس نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بہت سی عورتیں آل محمدؐ (حضور کی ازواج) کے پاس آئی ہیں جو اپنے خاوندوں کا شکوہ کرتی ہیں وہ مرد تمہارے اچھے لوگ نہیں۔"

مذکورہ بالا تمام احادیث میں ازواج مطہرات ہی کو "آل محمدؐ" کہا گیا ہے۔ ان میں بنت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں شامل ہیں ورنہ ہی حضرت حسنینؓ کریمین۔

(۹) عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنا ہے آپ نے بیان کیا کہ آنحضورؐ کی ازواج نے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا (جب وہ خلیفہ ہوئے) اور ان سے مطالبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فئی اپنے رسول ﷺ کو دی تھی اس میں سے ان کے حصے ملنے چاہئیں۔

لیکن میں نے انہیں روکا اور ان سے کہا: تم خدا سے نہیں ڈرتیں؟ کیا آنحضورؐ نے تو نہیں فرمایا تھا کہ ہماری میراث تقسیم نہیں ہوتی ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ آنحضورؐ کا اشارہ اس ارشاد میں خود اپنی ذات کی طرف تھا۔

انما یاکل آل محمد فی ہذا المال' فانتہی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ما اخبرتھن۔[1]

"البتہ آل محمد ﷺ کو اس جائیداد میں سے (سابق کی طرح ان کی ضروریات کے لئے) ملتا رہے گا جب میں نے ازواج مطہرات کو حدیث سنائی تو انہوں نے بھی اپنی رائے بدل دی۔"

(۱۰) "آل محمدؐ" سے ازواج مطہرات اور ذریت بھی مراد ہے۔

سرورِ عالم ﷺ نے جو درود شریف پڑھنے کا حکم فرمایا:

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۶ کتاب المغازی حدیث نمبر ۲۰۵

براھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید۔ اللھم بارک
علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم
وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید[۱]

''اے اللہ! اپنی خاص رحمت نازل فرما حضرت محمدؐ پر اور ان کے گھر والوں پر
جس طرح تو نے رحمت نازل فرمائی حضرت ابراہیم پر اور آپ کے گھر
والوں پر بے شک تو تعریف کے لائق اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! خاص
برکتیں نازل فرما حضرت محمدؐ اور آپ کے گھر والوں پر جس طرح تو نے
برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم اور ان کے گھر والوں پر بے شک تو
تعریف کے لائق اور بزرگی والا ہے۔''

مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

''اس درود شریف میں ''آل'' کا لفظ چار دفعہ آیا ہے ہم نے اس کا ترجمہ
''گھر والوں'' کیا ہے عربی زبان اور خاص کر قرآن و حدیث کے استعمالات میں
کسی شخص کی آل ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو ان لوگوں کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے ہوں
خواہ یہ تعلق نسب اور رشتہ کا ہو جیسے اس کی بیوی بچے یا رفاقت اور عقیدت و محبت اور
اتباع و اطاعت کا جیسے کسی کے مشن کے خاص ساتھی اور متبعین اس لئے نفس لغت
کے لحاظ سے یہاں آل کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔''[۲]

بہر حال اس عاجز کے نزدیک راجح یہی ہے کہ درود شریف میں ''آل محمدؐ'' سے
آپ کے گھر والے یعنی ازواج مطہرات اور ذریت مراد ہے اور اسی طرح سے آل
ابراہیم سے حضرت ابراہیم کے گھر والے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کی زوجہ مطہرہ
کو ہی خطاب کر کے فرمایا گیا ہے:

رحمة الله وبركاته عليكم اهل البيت انه حميد مجيد

۱۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۴۰ و صحیح مسلم

۲۔ معارف الحدیث ج ۵ ص ۳۸۹

"بے شک یہ صدقات لوگوں کے میل ہیں اور یہ محمد ﷺ اور آپ کی آل کے لئے حلال نہیں۔"

امام شافعی اور بعض مالکیہ کے نزدیک بنو ہاشم اور بنو مطلب پر صدقہ حرام ہے۔

امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ صدقہ صرف بنو ہاشم پر حرام ہے۔[1]

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: حضرت علی، حضرت جعفر، حضرت عقیل اور حضرت عباس کی اولاد اہل بیت میں شامل ہے۔[2]

اہل بیت احادیث کے تناظر میں:

احادیث صحیحہ میں اہل سے حضور انور ﷺ کی بیویاں مراد ہونا ذکر ہو چکا ہے بلکہ لفظ "اہل بیت" بھی صراحتاً ازواج مطہرات کے لئے مستعمل ہے اور وہ بھی رسول اللہ ﷺ نے خود استعمال فرمایا ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ولیمہ کیا تو لوگ کھانا کھا کر چلے گئے مگر تین آدمی دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

فخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانطلق الی حجرۃ عائشۃ فقال السلام علیکم اھل البیت ورحمۃ اللہ فقالت وعلیک ورحمۃ اللہ[3]

رسول اللہ ﷺ حضرت زینبؓ کے گھر سے نکل کر حضرت عائشہؓ کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا: اے اہل بیت! تم پر اللہ کی سلامتی اور رحمت نازل ہو۔ پس (حضرت عائشہؓ نے) کہا اور آپ پر بھی اللہ تعالیٰ کی سلامتی اور رحمت ہو۔"

کیف وجدت اھلک بارک اللہ لک[4]

---

[1] شرح مسلم ج ۱ ص ۳۴۴، شرح مہذب ج ۶ ص ۲۲۸

[2] الشفاء ج ۲ ص ۴۷

[3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰۶ باب لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم [illegible] [illegible]

"آپ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا اللہ رب العزت آپ کو مبارک کرے۔"

فتقرى حجر نسائه كلهن يقول لهن كما يقول لعائشة و يقلن له كما قالت عائشة [1]

"پھر آپ ہر ایک بیوی کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے بھی اسی طرح کہا جس طرح حضرت عائشہؓ سے کہا تھا (اسلام علیکم اھل البیت) اور تمام بیویوں نے اسی طرح جواب میں عرض کیا جس طرح حضرت عائشہؓ نے کہا تھا۔"

مسلم شریف کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔

فجعل يمر على نسائه فيسلم على كل واحدة منهن سلام عليكم كيف انتم يا اهل البيت؟ فيقولون بخير يا رسول الله! كيف وجدت اهلك؟ فيقول بخير [2]

"پھر آپ ہر ایک بیوی کے پاس تشریف لے گئے اور ہر ایک کو سلام کیا۔ اے اہل بیت! تم کیسی ہو؟ سب نے یہی کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہم خیریت سے ہیں۔ آپ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا۔ ارشاد فرمایا: خوب ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جب منافقین نے الزام تراشی کی تو آپ نے صحابہ سے مشورہ طلب فرمایا:

و يستشيرهما فى فراق اهله [3]

"ان دونوں (علی اور اسامہ) سے اپنی بیوی کے فراق کے متعلق مشورہ فرمایا۔"

حضرت اسامہ بن زیدؓ نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! اهلك وما نعلم الا خيرا [3]

---

[1] ایضاً — [2] صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۶۱

[3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۹۵، طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۰۲

[3] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۰، طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۰۵

"یا رسول اللہ ﷺ! آپ کی اہلیہ کے متعلق ہم بھلائی اور خیر کے سوا کچھ نہیں جانتے۔"

سیدنا علی المرتضیٰ حضرت اسامہ بن زید اور حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ کر لینے کے بعد رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا:

یا معشر المسلمین من یعذرنی من رجل قد بلغنی اذاہ فی اھل بیتی فواللہ ما علمت من اھلی الا خیرا[1]

"اے مسلمانو! اس شخص سے کون بدلہ لے گا جس نے میری "اہل بیت" کے متعلق مجھے اذیت دی ہے، خدا کی قسم! میں اپنی بیوی کو پاکباز اور نیک ہی سمجھتا ہوں۔"

مسلم شریف کی روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

اشیروا علی فی اناس ابنوا اھلی، وایم اللہ ما علمت علی اھلی من سوء قط، وابنوھم بمن، واللہ ما علمت علیہ من سوء قط ودخل بیتی قط الا وانا حاضر ولا غبت فی سفر الا غاب معی[2]

ترجمہ: "مجھے ان لوگوں کے متعلق مشورہ دیں جنھوں نے میرے گھر والوں پر تہمت لگائی۔ اللہ کی قسم! میں اپنی گھر والی میں قطعاً کوئی برائی نہیں جانتا اور جس شخص کے متعلق تہمت لگائی ہے اس میں بھی کوئی برائی نہیں دیکھی اور نہ ہی کبھی وہ میرے گھر میں آیا مگر میری موجودگی میں۔ اور جب میں سفر میں گیا تو وہ بھی سفر میں گیا۔"

ان احادیث میں ازواج مطہرات کے متعلق "اہل بیت" کا لفظ صراحتاً استعمال ہوا ہے، جو اس بات کی صریح دلیل ہے کہ "اہل بیت" کا اطلاق سب سے پہلے ازواج

---

1. صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۵، صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۶۵ کتاب التوبہ باب حدیث الافک
2. صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۶۷ کتاب التوبہ باب حدیث الافک

مطہرات ہی کے لئے ہوا ہے۔

آیۂ تطہیر کا مصداق:

آیت تطہیر انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (الاحزاب: ۳۳)

اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت باجماع صحابہ کرام ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی اور اس آیت میں اہل بیت نبی سے مراد آپ کی بیبیاں ہیں اور تطہیر سے تزکیۂ نفس اور تہذیب باطن اور تصفیۂ قلب مراد ہے۔ جو تزکیۂ باطن کا وہ اعلیٰ ترین مقام ہے جو کامل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے جس کے حصول کے بعد گناہوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ مگر انبیاء کی طرح معصوم نہیں ہوتے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ یہ آیت علی مرتضیٰ اور فاطمۃ الزہراء اور حسنین کے بارے میں نازل ہوئی اور اہل بیت سے مراد یہی لوگ ہیں اس لفظ سے سوائے ان کے کوئی مراد ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ خود اہل سنت کی صحیح ترین احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ اور فاطمۃ الزہرا اور حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلایا اور اپنی کملی ان چاروں پر ڈال دی اور فرمایا:

اللھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا

اے اللہ! یہ چاروں میرے اہل بیت ہیں پس تو ان سے رجس یعنی گندگی اور ناپاکی کو دور کر دے اور خوب پاک کر دے۔"

نیز اس آیت میں لفظ عنکم اور یطہرکم میں جو ضمیریں مذکر کی موجود ہیں وہ صاف بتلا رہی ہیں کہ اس آیت میں خطاب ازواج کو نہیں۔ معلوم ہوا کہ آیت میں لفظ اہل بیت سے یہی چار اشخاص مراد ہیں۔[1]

مفسرین کی تشریحات:

آیت تطہیر میں "اہل البیت" کا مصداق مفسرین کے نزدیک بھی حضور انور ﷺ

---

[1] تفسیر معارف القرآن ادریسی ج ۶ ص ۲۹۳

کی ازواج مطہرات ہیں۔

۱۔ علامہ ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ فرماتے ہیں:

''حضرت عکرمہ فرماتے ہیں: اس آیت کا نزول ازواج مطہرات کے بارے میں ہے اس قول کی دلیل یہ ہے کہ آیت کی ابتدا اور سلسلہ بیان کا تعلق ازواج مطہرات کے ساتھ ہے۔

آپ نہیں دیکھتے کہ ارشاد باری ہے:

"واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ"[1]

۲۔ امام بغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

واراد باھل البیت: نساء النبی ﷺ لانھن فی بیتہ[2]

''اور اہل بیت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ہیں کیونکہ وہی آپ کے گھر میں رہائش پذیر تھیں۔

۳۔ امام جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری المتوفی ۵۳۸ھ فرماتے ہیں:

وفی ھذا دلیل بین علی ان نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اھل بیتہ ثم ذکرھن ان بیوتھن مھابط الوحی وامرھن ان لا ینسین ما یتلی فیھا من الکتاب الجامع بین الامرین[3]

اس آیت میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ کی بیویاں اہل بیت ہیں پھر اللہ جل شانہ نے انہیں یہ بات یاد دلائی کہ ان کے گھر نزول وحی کا مقام ہیں اور انہیں حکم دیا کہ جو کتاب دنیا و آخرت کی کامیابی کی جامع ہے اور ان کے گھروں میں پڑھی جاتی ہے اسے فراموش نہ کریں۔''

---

[1] احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۴۷۳ / احکام القرآن ابن عربی ج ۳ ص ۱۳۳۰

[2] معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۲۹

[3] تفسیر کشاف ج ۳ ص ۵۳۸

۳۔ امام ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبی المتوفی ۶۷۱ھ رقمطراز ہیں۔

وقد اختلف اهل العلم في اهل البيت من هو؟ فقال عطاء وعكرمه وابن عباس: هم زوجاته خاصة [1]

''اہل بیت کون ہیں؟ اس میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ عطاء، عکرمہ اور ابن عباس کہتے ہیں: اہل بیت صرف ازواج مطہرات ہیں۔

امام ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی المتوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

وفيه دليل على ان نساءه من اهل بيته [2]

''اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں آپ کی اہل بیت ہیں۔''

امام محی السنہ ابی محمد الحسین بن محمود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ فرماتے ہیں:

واراد باهل البيت نساء النبي صلى الله عليه وسلم لانهن في بيته وهو رواية سعيد بن جبير عن ابن عباس۔ وتلا قوله "واذكرن ما يتلى في بيوتكن من ايات الله" [3]

''سعید بن جبیر حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اہل البیت سے مراد نبی کریم ﷺ کی بیویاں ہیں کیونکہ وہ آپ کے گھر میں تھیں اور ابن عباسؓ نے اس کی دلیل میں یہ آیت تلاوت فرمائی:

واذكرن ما يتلى في بيوتكن من آيات الله

امام ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان الشہیر بابی حیان المتوفی ۷۴۵ھ لکھتے ہیں:

---

[1] تفسیر قرطبی ج ۱۴ ص ۱۸۲ سورۃ احزاب

[2] تفسیر النسفی ج ۳ ص ۳۰۴ سورۃ احزاب

[3] تفسیر بغوی ج ۳ ص ۵۲۸

وقول عكرمة ومقاتل وابن السائب ان اهل البيت في هذه الآية يزوجاته [1]

ويظهر انهم زوجاته واهله فلا تخرج الزوجات عن اهل البيت' بل يظهر انهن احق بهذا الاسم لملازمتهن بيته عليه الصلاة السلام وقال عطية: والذى يظهر ان زوجاته لا يخرجن عن ذلك البتة فاهل البيت زوجاته وبنته وبنوها وزوجها. وقال الزمخشري:

وفي هذا دليل على ان نساء النبيﷺ من اهل بيته۔ ثم ذكرلهن ان بيوتهن مهابط الوحي' وامرهن ان لا ينسين ما يتلى فيها من الكتاب الجامع بين امرين [2]

"عکرمہ' مقاتل اور ابن السائب کہتے ہیں: اس آیت میں اہل بیت سے مراد رسول اللہﷺ کی بیویاں ہیں اور ظاہر ہے کہ آپ کی بیویاں ہی آپ کی آل تھیں اس لئے بیویوں کو اہل بیت سے خارج نہ کرو بلکہ وہی تو اہل بیت کہلانے کی زیادہ حق دار ہیں کیونکہ وہ ہمہ وقت آپؐ کے گھر میں رہائش پذیر تھیں۔ اور عطیہ کا قول ہے کہ ازواج مطہرات کو اہل بیت سے خارج نہ کیا جائے البتہ آپ کی ازواج اور آپ کی بیٹی اور اس کے بیٹے اور اس کے شوہر بھی اہل بیت میں شامل ہیں۔"

اور زمخشری کہتے ہیں: اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریمﷺ کی بیویاں آپ کی اہل بیت ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے گھروں کو مہبط وحی قرار دیا' اور انہیں ارشاد فرمایا: کہ جو کچھ تمہارے گھروں میں کتاب اللہ سے پڑھا جاتا ہے اسے نہ بھولنا۔"

---

[1] تفسیر بحر المحیط ج ۷ ص ۲۳۲

[2] تفسیر بحر المحیط ج ۷ ص ۲۳۲

علامہ عماد الدین ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ رسول خدا ﷺ کی بیویاں ان آیتوں میں اہل بیت میں داخل ہیں۔ اس لئے کہ یہ آیت ان ہی کے بارے میں اتری ہے۔ آیت کا شان نزول تو آیت کے حکم میں داخل ہوتا ہی ہے گو بعض کہتے ہیں کہ صرف وہی داخل ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں وہ بھی اور اس کے سوا بھی اور یہ دوسرا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔

حضرت عکرمہ تو بازاروں میں منادی کرتے پھرتے تھے کہ یہ آیت نبی ﷺ کی بیویوں ہی کے بارے میں خاص طور پر نازل ہوئی ہے۔ (ابن جریر)

ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے اور حضرت عکرمہ تو یہاں تک فرماتے ہیں۔ جو چاہے مجھ سے مباہلہ کر لے یہ آیت حضور کی ازواج مطہرات ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

طویل بحث کے بعد علامہ موصوف فرماتے ہیں:

جس شخص کو قرآن کی معرفت حاصل ہو اور قرآن میں تدبر کرنے کی عادت ہو وہ یقینا بیک نگاہ جان لے گا کہ اس آیت میں حضور کی بیویاں بلا شک وشبہ داخل ہیں۔ اس لئے کہ گزشتہ کلام ہی ان کے ساتھ اور ان ہی کے متعلق چل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد ہی فرمایا کہ خدا کی آیتیں اور رسول کی باتیں جن کا درس تمہارے گھروں میں ہو رہا ہے انہیں یاد رکھو اور ان پر عمل کرو۔[1]

علامہ محمد آلوسی المتوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں

اہل سے مراد رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ہیں۔ سیاق وسباق کی آیات اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ ازواج مطہرات کے گھروں کے علاوہ آپ کا کوئی گھر نہیں تھا جس میں آپ سکونت اختیار فرماتے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: کہ یہ آیت خاص طور پر ازواج مطہرات کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ حضرت عکرمہؓ تو کہتے تھے جو چاہے میرے ساتھ مباہلہ

---

[1] تفسیر ابن کثیر اردو پ ۲۲ ص ۵ سورۃ الاحزاب

کر لے یہ آیت ازواج کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

ابن جریر نے یہ روایت بھی نقل کی ہے بلکہ حضرت عکرمہؓ بازاروں میں اعلان کرتے پھرتے تھے کہ آیت تطہیر رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی ہے اور ابن سعد حضرت عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے مراد نبی کریم ﷺ کی بیویاں ہیں[1]

علامہ عبدالحق حقانی دہلوی المتوفی ۱۳۳۵ھ لکھتے ہیں:

اہل البیت کے لغوی معنی گھر والے کے ہیں اور اصطلاح میں خصوصاً عرب کے عرف میں اس لفظ کا اطلاق خاص بیوی پر ہوتا ہے۔ گو گھر میں بیٹا بیٹی نواسہ نواسی بھی ہوتے ہیں اور اسی طرح نوکر چاکر خادم بھی اور اسی طرح قرآن مجید میں ایک جگہ بھی اہل البیت کا لفظ خاص حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی پر بھی مستعمل ہوا ہے۔

اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت

"اور عرب بولتے ہیں "کیف اھلک" یعنی گھر والی کی خیریت پوچھتے ہیں ہمارے عرف میں بھی اہل خانہ گھر والی بیوی کو کہتے ہیں۔

اس لئے علماء اسلام کا ایک جم غفیر اس کا قائل ہوا ہے کہ اس آیت میں اہل البیت سے مراد آنحضرت ﷺ کی بیویاں ہیں۔ ابن عباس وعکرمہ وعطاء وکلبی ومقاتل وسعید بن جبیر اسی کے قائل ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں اس بات پر مباہلہ کر سکتا ہوں۔[2]

وہ کہتے ہیں: اول میں بھی خطاب نبی کی بیویوں سے ہے۔ "کما قال قل لازواجک" اور یہاں تک ان ہی کے متعلق احکام چلے آتے ہیں۔ گھر میں بیٹھنا وغیرہ اور بعد میں بھی ان ہی کی طرف خطاب ہے۔ "واذکرن ما یتلی فی بیوتکن" اور نیز بیت سے مراد آنحضرت ﷺ کا گھر ہے جو حضرت کی بیویوں کے رہنے کی جگہ ہے جہاں آپ شب باش ہوتے تھے۔

---

[1] تفسیر روح المعانی ج ۲۲ ص ۱۳ سورۃ احزاب

[2] تفسیر حقانی ج ۶ ص ۹۹ سورۃ احزاب

حضرت العلامہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی المتوفی ۱۳۹۴ھ نے اس آیت کی مفصل و مدلل اور اجمالی تفسیر ارقام فرمائی ہے جسے مختصر نقل کیا جاتا ہے۔

اس آیت کو آیت تطہیر کہا جاتا ہے۔

اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت باجماع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے حق میں نازل ہوئی اور آیت میں اہل بیت نبی سے آپ کی بیبیاں مراد ہیں اور تطہیر سے تزکیہ نفس اور تہذیب باطن اور تصفیہ قلب مراد ہے جو تزکیہ باطن کا اعلیٰ ترین درجہ ہے جو کہ اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے جس کے حصول کے بعد گناہوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں مگر انبیاء کی طرح معصوم نہیں ہو جاتے۔

شیعہ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت علی مرتضیٰ اور فاطمۃ الزہراء اور حسنینؓ کے بارہ میں نازل ہوئی اور اہل بیت سے یہی لوگ مراد ہیں۔ اس لفظ سے سوائے ان کے کوئی مراد ہو نہیں سکتا اور دلیل اس کی یہ ہے کہ خود اہل سنت کی صحیح ترین احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ اور فاطمۃ الزہراء اور حسنین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور اپنی کملی ان چاروں پر ڈال دی اور فرمایا: "اللھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا" اے اللہ! یہ چاروں میرے اہل بیت ہیں پس تو ان سے رجس یعنی گندگی اور ناپاکی کو دور کر دے اور خوب پاک کر دے نیز اس آیت میں عنکم اور یطھرکم میں جو ضمیریں مذکر کی موجود ہیں وہ صاف بتلا رہی ہیں کہ اس آیت میں خطاب ازواج کو نہیں معلوم ہوا کہ آیت میں لفظ اہل بیت سے یہی چار اشخاص مراد ہیں۔

دوسری بات اہل تشیع یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اذہاب رجس اور تطہیر سے گناہوں سے پاک کر دینا یعنی معصوم بنا دینا مراد ہے جس سے ان چار حضرات کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ شیعہ اہل بیت کی عصمت ثابت کرنے کے لیے آیت تطہیر کو استدلال میں پیش کرتے ہیں۔

جواب:

اہل تشیع کا یہ تمام استدلال دو باتوں پر مبنی ہے (اول) یہ کہ لفظ اہل بیت سے صرف چار اشخاص مراد ہیں حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم (دوم) یہ کہ اذہاب رجس اور تطہیر سے معصوم بنا دینا مراد ہے جب تک یہ دونوں باتیں ثابت نہ ہوں تو شیعوں کا استدلال صحیح نہیں ہو سکتا مگر آج تک شیعہ ان باتوں کو ثابت نہیں کر سکے۔

پہلی بات کا جواب:

پہلی بات کے متعلق علماء اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ لفظ اہل بیت اور لفظ آل لغت عربی میں دونوں ہم معنی ہیں لغت میں اہل بیت کے معنی اہل خانہ کے ہیں یعنی گھر والوں کے ہیں جو مستقل طور پر گھر میں رہتے ہوں جس میں ازواج اصالۃً داخل ہیں اور اولاد و ذریت تبعاً داخل ہیں۔ خدمتگاروں اور لونڈی اور غلاموں پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ عرف میں اور محاورہ میں جب لفظ اہل خانہ بولا جاتا ہے تو ہر کس و ناکس اس کا یہی مطلب سمجھتا ہے کہ جو لوگ گھر میں رہتے ہوں اور وہاں سے چلے جانے کا قصد نہ رکھتے ہوں اور ظاہر ہے کہ اس وصف میں اصل بیبیاں ہیں جو ہمیشہ گھر میں رہتی ہیں۔ بیٹوں اور بیٹیوں کا ہمیشہ گھر میں رہنا خلاف عادت ہے خاص کر سرور عالم ﷺ کے حجروں اور گھروں میں سوائے آپ کی ازواج کے کوئی نہیں رہتا تھا شادی ہونے کے بعد بیٹے خود اپنا مکان بنا لیتے ہیں۔ نکاح کے بعد باپ کے ذمہ اولاد کا نان و نفقہ فرض رہتا ہے اور نہ رہنے کا مکان اس کے ذمہ واجب رہتا ہے اور شادی ہونے کے بعد بیٹی داماد کے گھر چلی جاتی ہے چنانچہ حضرت فاطمہ حضرت علیؓ کے گھر میں رہتی تھیں کہا جاتا ہے "نقلت الرجل اذا تزوج۔ واهلك الله في الجنة اور فلاں منتقل الى متزوج"

نیز قرآن کریم کا محاورہ بھی یہی ہے کہ اہل بیت کے مفہوم میں زوجہ اصالۃً داخل ہے حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں کہ جب ملائکہ نے ان کو تولد فرزند کی بشارت دی اور بیوی نے سالی میں اس بشارت پر تعجب ہوا تو فرشتوں نے یہ کہا۔

"قالوا اتعجبين من امر الله رحمة الله وبركاته عليكم اهل البيت انه

حمید مجید"

اور ظاہر ہے کہ اس آیت میں اہل بیت کے خطاب میں حضرت سارہ یقیناً داخل ہو ئیں کیونکہ اصل خطاب انہی سے ہے اور فرشتوں نے حضرت سارہ ہی کو اہل بیت سے خطاب کر کے ان کو خدا کی رحمتوں اور برکتوں کی دعائیں دی ہیں شاید حضرات شیعہ فرشتوں پر کوئی تنقید اور تبصرہ کریں کہ تم نے نبی کی زوجہ پر لفظ اہل والبیت کا اطلاق کیسے کیا اور پھر تم نے مؤنث کے لیے مذکر کی ضمیر کیسے استعمال کی اور نبی کی زوجہ مطہرہ کو تم نے رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم مذکر کے ساتھ کیوں خطاب کیا تم کو چاہیے تھا کہ علیکم کی بجائے علیکن لیتے۔

معلوم ہوا کہ اہل بیت میں ازواج بھی داخل ہیں اور مخاطبین کا اصل خطاب حضرت سارہ کو ہے جو صیغہ مؤنث کا ہے اور اس کے بعد رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت میں اہل بیت کو بلفظ مذکر علیکم خطاب کیا اور علامہ زمخشری نے لکھا ہے کہ اظہار محبت وکرامت کے لیے عورتوں کے لیے مذکر کی ضمیر لانا کلام عرب میں شائع اور ذائع ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔

فان شئت حرمت النساء سوا کم

اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے "قال لاھلہ امکثوا" اور ظاہر کے مطابق امکثی یا امکثن ہونا چاہیے تھا اس قسم کے مواقع میں صیغہ مذکر اور خطاب مذکر لفظ اہل کی رعایت سے لایا گیا ہے کہ وہ اصل میں مذکر ہے اور علی ہذا لفظ آل کے مفہوم اور مدلول میں بھی ازواج داخل ہیں اس لیے کہ آل کی اصل لغت میں اہل ہے لغت میں آل کا اطلاق اس شخص یا ان اشخاص پر آتا ہے جن کو کسی انسان سے ذاتی اختصاص حاصل ہو خواہ قرابت قریب کی وجہ سے یا کسی خصوص موالاۃ یا دینی علاقہ کی وجہ سے ہو اور عرف میں اہلیہ بیوی کو کہتے ہیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "اعملوا آل داود شکرا" اے آل داود اللہ کا شکر بجالاؤ یہاں لفظ آل میں ان کی ازواج اور اولاد سب ہی داخل ہیں:

"وقال تعالیٰ قالوا یا ایھا العزیز مسنا واھلنا الضر۔ وسار باھلہ۔ فقال لاھلہ امکثوا" اس قسم کی آیات میں لفظ اہل کے مفہوم میں بیوی یقیناً داخل ہے۔ "وقال

تعالیٰ لقد اخذنا آل فرعون بالسنین" یہاں آل فرعون سے وہ تمام اشخاص مراد ہیں جو فرعون سے تعلق رکھتے تھے۔" وقال تعالیٰ فالتقطہ آل فرعون" یعنی موسیٰ علیہ السلام کے تابوت کو آل فرعون نے اٹھا لیا یہاں آل فرعون سے فرعون کا تمام اہل بیت مراد ہے جن میں اس کی بیوی بھی داخل ہے حدیث میں ہے کہ حضور پر نور ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے: "اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا" اے اللہ! آل محمد کا رزق بقدر قوت لا یموت کر دے اور قدر قوت وہ رزق ہے جس سے بقدر کفایت گزر ہو جائے اور فاضل کچھ نہ بچے اور اس میں شک نہیں کہ آل محمد میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں اور یہ دعا ذریت کی طرح ازواج مطہرات کو بھی شامل ہے۔

اس دعا سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کا سامان نفقہ قدر قوت سے زیادہ نہ تھا اور پھر ازواج مطہرات جن بھی تھیں خصوصاً حضرت زینبؓ اور حضرت عائشہؓ کی سخاوت تو مشہور تھی اور بخیل تو آپ کی کوئی بی بی نہ تھی اور حضور پر نور کو تو سخی تھے ہی اور اعلیٰ درجہ کے مہمان نواز بھی تھے پس اس سخاوت اور مہمان نوازی کے بعد تو زیادہ سامان بھی کفایت نہیں کر سکتا چہ جائیکہ قدر قوت اور قدر کفایت ان تمام ضروریات کے لیے مکتفی ہو جائے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کس قدر قانع اور تارک الدنیا اور نبی کریمؐ کی عاشق صادق تھیں کہ باوجود فقر و فاقہ کے حضورؐ کی زوجیت کو دنیا اور ما فیہا سے بہتر اور لذیذ جانتی تھیں۔

فتح خیبر کے بعد ازواج مطہرات نے یہ درخواست کی کہ جس طرح آپؐ دوسروں کو بے دریغ عطا فرما رہے ہیں اسی طرح ہم کو بھی مال غنیمت میں سے کچھ عطا فرمایا جائے۔ حضورؐ نے انکار فرما دیا۔ ازواج مطہراتؓ نے اصرار کیا اس پر آیت تخییر کا نزول ہوا جس میں ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ اگر وہ متاع دنیا کی طالب ہیں تو حضور ان کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیں اور اگر اللہ اور اس کے رسولؐ اور دار آخرت کی طالب ہیں تو اسی حالت (فقر و فاقہ) پر راضی رہیں جس حالت کو اللہ کا رسول پسند کرتا ہے اور وہ

آیت تخییر یہ ہے جس کی مفصل تفسیر گزشتہ رکوع میں گزر چکی ہے۔ "یا ایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الآخرۃ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجرا عظیما"

اس آیت تخییر کے نزول کے بعد تمام ازواج نے حضور پرنورؐ ہی کو اختیار کیا دنیا کو کسی بی بی نے بھی اختیار نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کو حضور پرنورؐ کے ساتھ کس درجہ محبت تھی کہ فقروفاقہ اور تنگی میں رہنا منظور کیا مگر حضورؐ سے علیحدگی منظور نہیں کی چنانچہ اسی محبت کی وجہ سے حق تعالیٰ نے ان کو عذاب جہنم وغیرہ کی دھمکی نہیں دی بلکہ اس سے ڈرایا کہ حضورؐ تم کو اپنی زوجیت سے علیحدہ نہ کر دیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ازواج مطہرات کے بارہ میں اول آیت تخییر نازل ہوئی پھر جب ازواج مطہرات نے اللہ اور رسول اور دار آخرت کو اختیار کر لیا تو ان کے بارے میں دوبارہ آیت تطہیر نازل ہوئی جس سے ان کے شرف اور کرامت کو ظاہر کرنا مقصود ہے اور اس آیت تطہیر میں جو لفظ اہل البیت آیا ہے اس سے اصالۃً بلاشبہ وریب قطعاً و یقیناً ازواج نبی مراد ہیں کیونکہ ان آیات کے سیاق و سباق میں از اول تا آخر صراحۃً ازواج مطہرات ہی کو خطاب ہو رہا ہے اور ایسا صریح ہے کہ جس میں ذرہ برابر تاویل کی گنجائش نظر نہیں آتی کیونکہ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ سے لے کر واطعن اللہ بلکہ والحکمۃ تک ازواج مطہرات ہی کے متعلق کلام ہے اور از اول تا آخر خطاب میں مؤنث ہی کی ضمیریں لائی گئی ہیں۔ "لستن اور فی بیوتکن اور واذکرن ما یتلی فی بیوتکن تک یہ تمام خطابات بضمائر مؤنث ازواج مطہرات ہی کو ہیں بلکہ اگر شروع رکوع "یا ایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا سے لے کر ان اللہ کان لطیفا خبیرا تک تمام صیغوں اور ضمیروں پر نظر ڈالی جائے تو اول سے لے کر آخر تک جس قدر صیغے اور ضمیریں سب مؤنث کی ہیں جو بلا کسی تردد اور تامل کے صرف ازواج

میں داخل کر کے ان کے لئے دعا فرمائی۔

(روح المعانی ص ۱۰ ج ۲۲۔ صواعق محرقہ ص ۸۹ مطبوعہ ملتان ص ۱۴۴)

اور جس طرح احادیث میں حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کو چادر میں داخل کر کے دعا کرنے کا ذکر آیا ہے اسی طرح بعض روایات میں حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کو داخل بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کو اپنی کساء (کمبل) میں داخل کر کے دعا فرمائی۔

ان مختلف دعاؤں سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ ازواج مطہرات کے ساتھ دوسرے اعزاء و اقارب بھی اس نعمت و کرامت میں داخل ہو جائیں، یعنی ان کو اس نعمت و کرامت میں شریک کرنے کے لئے آپ نے یہ دعائیں فرمائیں جس آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کو بھی اپنی دعا سے اس وعدہ میں داخل فرمایا اگر یہ آیت ان ہی کے حق میں نازل ہوئی ہوتی تو دعا کی حاجت ہی کیا تھی اور آپ حصول حاصل کی کیوں دعا فرماتے اور جو بات حاصل تھی اس کے حاصل کرنے کی کیوں کوشش کرتے۔ اس لئے آپ نے پہلی بار ام المومنین ام سلمہؓ کو اس دعا میں شریک نہ فرمایا کیونکہ اس دعا کو ان کے حق میں تحصیل حاصل جانا۔ کیونکہ آیت کا نزول ہی آپ کی بیبیوں کے بارہ میں ہوا البتہ حضرت علیؓ کے لئے دعا سے فارغ ہو جانے کے بعد ام المومنین ام سلمہؓ کو بالآخر جو دعا کی وہ محض ان کی دلجوئی کے لئے فرمائی ورنہ آپ نے صراحۃً فرما دیا تھا کہ تو بلاشبہ میرے اہل میں سے ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کی فضیلت اور کرامت کے بارہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں تو آنحضرت ﷺ کو یہ خیال ہوا کہ یہ آیتیں اگرچہ خاص ازواج ہی کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں اور آیت ھذا سے پہلے اور اس تمام رکوع میں بھی تمام خطابات ازواج مطہرات ہی کو ہیں اور "وقرن فی بیوتکن" میں اور "واذکرن ما یتلی فی بیوتکن" میں بیوت کی نسبت بھی ان ہی کی طرف کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے خاص انعامات و عنایات پر دلالت کرتی ہیں اس لئے آپ کا دل چاہا کہ اہل بیت کے عموم میں اپنی

ان کو داخل کر کے اللہ تعالیٰ سے درخواست کروں کہ اے اللہ! علی اور فاطمہ اور حسنین بھی میرے اہل بیت ہیں ان کو بھی اس خاص رحمت و کرامت اور عنایت میں شریک فرما۔[1]

مفتی اعظم مفتی محمد شفیع (المتوفی ۱۳۹۶ھ) لکھتے ہیں

"اوپر کی آیات میں نساء النبی ﷺ کو خطاب تھا، اس لئے بصیغہ تانیث خطاب کیا گیا۔ یہاں اہل بیت میں ازواج مطہرات کے ساتھ ان کی اولاد و آباء بھی داخل ہیں اس لئے بصیغہ مذکر فرمایا "عنکم" و "یطھرکم"

اور بعض ائمہ تفسیر نے اہل بیت سے مراد صرف ازواج مطہرات قرار دیا ہے۔ حضرت عکرمہ و مقاتل نے یہی فرمایا ہے اور سعید بن جبیرؓ نے حضرت ابن عباس سے بھی یہی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات کو قرار دیا ہے اور استدلال میں اگلی آیت پیش فرمائی۔

واذکرن ما یتلی فی بیوتکن (رواہ ابن ابی حاتم و ابن جریر)

اور سابقہ آیات میں نساء النبی کے الفاظ سے خطاب بھی اس کا قرینہ ہے۔ حضرت عکرمہ تو بازار میں منادی کرتے تھے کہ آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں کیونکہ یہ آیت انہی کی شان میں نازل ہوئی ہے اور فرماتے تھے کہ میں اس پر مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔[2]

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان (المتوفی ۱۹۸۰ء) لکھتے ہیں:

یہاں لفظ اہل البیت سے روافض "پنج تن" مراد لیتے ہیں جو قرآن کے سیاق و سباق کے سراسر خلاف اور لغت و عربیت کی رو سے قطعاً غلط ہے جس آیت میں یہ لفظ وارد ہے اس سے پہلے پانچ آیتوں میں ازواج مطہرات سے خطاب چلا آرہا ہے ان تمام آیتوں میں جمع مونث مخاطب کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں اور خود اس آیت میں اس لفظ سے پہلے چھ صیغے جمع حاضر کے موجود ہیں جن سے ازواج مطہرات مخاطب ہیں

---

1. معارف القرآن ادریسی ج ۶ ص ۳۹۵ تا ۳۹۶
2. تفسیر معارف القرآن مفتی ج ۷ ص ۱۳۹

اس لئے لامحالہ یہاں ''اہل بیت'' سے حضور کی ازواج مطہرات ہی مراد ہیں۔ اگر اس سے بچے ہی مراد لئے جائیں تو نظم قرآن مختل ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں حضرت ابن عباسؓ عکرمہؓ اور عروہؓ سے مروی ہے کہ یہاں اہل بیت سے ازواج مطہرات نبی علیہ السلام ہی مراد ہیں۔[1]

ارشاد ربانی ہے:

انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا[2]

''اے پیغمبر کے گھر والو! اللہ تعالیٰ صرف یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کر دے اور تم کو خوب اچھی طرح پاک وصاف کر دے۔''

(از سیرت مصطفیٰ ج ۳ ص ۲۸۷)

علامہ محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آیت تطہیر دراصل ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی۔ جیسا کہ آیت کا سیاق وسباق اس کے لئے شاہد عدل ہے۔ جس کے بعد کسی تاویل کی حاجت اور کسی توجیہ کی ضرورت۔ اول سے آخر تک خطاب ازواج مطہرات کو ہے۔

لیکن رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ اور امام حسنؓ اور حسینؓ اور حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرہؓ کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا اور ان کو جمع کر کے یہ دعا فرمائی۔

اللھم ھؤلاء اھل بیتی واذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا

اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان سے بھی تو گندگی کو دور فرما اور ان کو پاک کر جس طرح آیہ **''لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم''**

دراصل مسجد قباء کے بارے میں نازل ہوئی۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے مسجد نبوی کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا۔ کیونکہ وہ بدرجۂ اولیٰ اس کی مستحق ہے۔

---

1. تفسیر جواہر القرآن ج ۳ ص ۹۳۶
2. سورۃ احزاب آیت نمبر ۳۳

تمیں خطابات مونث کے صیغہ میں ہوئے ہیں اور مذکر صیغے صرف تین ہیں:

لیذھب۔ عنکم۔ یطھرکم

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت میں صرف ازواج ہی داخل نہیں بلکہ رجال بھی ہیں۔[1]

محدثین کی تصریحات:

چند محدثین کی تصریحات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ رقم طراز ہیں:

امام احمد فرماتے ہیں: کہ حدیث التشہد میں "آل محمد" سے مراد آپ کے گھرانے والے ہیں اس ضمن میں دو روایتیں پائی جاتی ہیں ایک میں کہا گیا ہے "آل محمد" سے مراد آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کی اولاد ہے کیونکہ حدیث کی اکثر روایات میں "آل محمد" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ جبکہ حدیث ابی حمید کی روایت میں آل محمد کی جگہ "وازواجه وذریته" آیا ہے جس سے "آل محمد" کی تشریح و توضیح بیان ہوتی ہے کہ "آل محمد" سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات اور آپ کی ذریت ہے۔

بنابریں تشہد میں "آل محمد" سے مراد حضور ﷺ کی بیویاں ہیں اور جن لوگوں پر صدقہ حرام ہے وہ بھی شامل ہیں اور اسی طرح آپ کی اولاد (نسل) بھی اس میں شامل ہے۔ اس طرح ان احادیث میں تطبیق دی جاسکتی ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں "آل محمد" سے مراد حضور اکرم ﷺ کی بیویاں ہیں۔ "ما شبع آل محمد من خبز ما دوم ثلاثا" اسی طرح سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے: "اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا" اس میں بھی آل محمد سے ازواج مطہرات مراد ہیں۔[2]

---

[1] تفسیر معارف القرآن ادریسی ج ۶ ص ۳۰۶

[2] فتح الباری ج ۱۱ ص ۱۶۱ کتاب الدعوات حدیث نمبر ۶۳۵۸

محدث شہیر علی بن سلطان محمد القاری رحمہ اللہ الباری المتوفی ۱۰۱۴ھ فرماتے ہیں:

"اھل البیت" وفیہ دلیل علی ان نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اھل بیتہ۔ ایضاً

لانہ مسبوق بقولہ "یا نساء النبی لستن کاحد من النساء"

وملحوق بقولہ "واذکرن ما یتلی فی بیوتکن" الخ

شیخ عبد الحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ فرماتے ہیں:

معلوم ہوتا چاہیے کہ "اہل بیت" کا اطلاق چند معنی میں ہوا ہے۔

۱۔ وہ لوگ جن پر زکوٰۃ لینا حرام ہے اور وہ بنو ہاشم ہیں۔ اور ان میں آل عباس، آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل حارث رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی شامل ہیں۔

۲۔ اور بعض اوقات رسول اللہ ﷺ کے اہل وعیال کو "اہل بیت" کہا گیا ہے جن میں ازواج مطہرات یقینی طور پر شامل ہیں۔ لہٰذا جو لوگ اہل بیت سے ازواج مطہرات کو خارج کرتے ہیں وہ مکابرہ کا شکار ہیں اور آیت کے سیاق کی مخالفت کرتے ہیں فرمایا:

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً۔

کیونکہ اس میں خطاب بھی ازواج کو ہے آیت سے پہلے اور بعد میں ازواج مخاطب ہیں لہٰذا درمیان کی آیت سے ان کو کیسے نکالا جا سکتا ہے۔ چنانچہ امام فخر الدین محمد رازی لکھتے ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کو شامل ہے۔ کیونکہ آیت کا سیاق وسباق پوری شدت سے اس کا متقاضی ہے پس ازواج مطہرات کو اہل بیت کے مصداق سے خارج کرنا اور ان کے علاوہ دوسروں کو اس مصداق کے ساتھ مختص کرنا صحیح نہیں۔

امام رازی مزید لکھتے ہیں: یہ کہنا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے کہ "اہل بیت" کا مصداق نبی پاک ﷺ کی اولاد اور ازواج مطہرات ہیں اور ان میں حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ

۱۔ مرقاۃ المفاتیح ج۱۱ص۳۰۳ مناقب اہل بیت فصل اول

بھی شامل ہیں نیز حضرت علی مرتضیٰ بھی نبی کریم ﷺ سے خصوصی نسبت وتعلق اور خاص قرب رکھنے کے سبب اہل بیت میں سے ہیں۔

۳۔ اور کبھی "اہل بیت" کا اطلاق یوں معلوم ہوتا ہے کہ مخصوص ہے حضرت فاطمہ زہراءؓ حضرت علی اور حسنین سلام اللہ علیہم اجمعین کے لئے۔ جس پر متعدد احادیث دلالت کرتی ہیں۔

"وبالجملہ اطلاق اہلبیت بریں چہارتن پاک شائع ومشہور است"

"بلکہ ان ہی چہارتن پاک پر اہل بیت کا اطلاق شائع اور مشہور ہے۔"

لہٰذا علماء کرام ان تمام روایات میں تطبیق اور ان کے اطلاقات کی توجیہ میں یہ کہتے ہیں: کہ "بیت" کی تین نوعیتیں ہیں۔ (۱) بیت نسب (۲) بیت سکنیٰ (۳) بیت ولادت۔ پس بنو ہاشم یعنی عبدالمطلب کی اولاد کو تو نسب اور خاندان کے اعتبار سے حضور انور ﷺ کا اہل بیت (اہل خاندان) کہا جائے گا۔ دراصل عرب میں جد قریب کی اولاد کو بیت (یعنی خاندان یا گھرانہ) کہا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے فلاں گھرانہ بہت معزز ہے یا فلاں شخص شریف خاندان کا ہے۔

چنانچہ حضور نبی پاک ﷺ کی ازواج مطہرات کو اہل بیت سکنیٰ کہا جائے گا جیسا کہ عرف عام میں بھی کسی شخص کی بیویوں کو اس کے اہل بیت "گھروالی" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اولاد کو اہل بیت ولادت کہا جائے گا اور اگرچہ حضور ﷺ کی تمام اولاد پر اہل بیت کا اطلاق کیا جاتا چاہئے لیکن تمام اولاد میں حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ اور حضرت حسنؓ وحضرت حسینؓ سلام اللہ علیہم اجمعین کو جو خاص فضل وشرف اور رسول اللہ ﷺ سے جو کمال قرب وتعلق حاصل تھا اور یہ کہ ان کے فضائل ومناقب جس کثرت سے احادیث میں وارد ہوئے ہیں اس بنا پر اہل بیت ولادت کا خصوصی امتیازی مصداق صرف یہی چارتن مانے گئے ہیں۔[1]

سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ لکھتے ہیں:

---

[1] تحفۃ المنصفات ج ۲ ص ۲۸۰، ص ۲۸۱

ابن ابی حاتم ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ "انھا نزلت فی نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم" تحقیق یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی ازواج کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

اور ابن جریر حضرت عکرمہؓ سے روایت کرتے ہیں "بے شک وہ منادی کرتے تھے بازاروں میں کہ یہ آیت "انما یرید اللہ" آخر تک حضور انور ﷺ کی ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی۔ دوم ملاحظہ ہو سیاق وسباق آیت سے بھی ظاہر ہی ہے کیونکہ ابتداء سے یا نساء النبی لستن کاحد من النساء تا قولہ واطعن اللہ بلکہ والحکمۃ تک ازواج مطہرات سے خطاب ہے۔

یعنی اے عورات نبی تم ایسی نہیں ہو جیسے عام عورتوں سے کوئی عورت ہو اور اطاعت کرو تم اللہ کی پس خطاب بھی ان کی طرف ہے اور امر و نہی بھی انہی سے واقع ہوا ہے پس ایک کلام کے درمیان میں کہ ابھی وہ منقطع نہیں ہوا دوسرے کا حال ذکر کرنا اور دوسرے کی ابتداء لا انا تی لف روش بعقا۔ کے ہے اور کلام اللہ اس سے پاک ہے۔

شاہ صاحب مزید لکھتے ہیں:

اور جو کچھ ترمذی اور دیگر صحاح میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان چار آدمیوں کو بھی ایک کمبل میں گھیر لیا اور دعا فرمائی:

اللھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا

"اے بار خدایا! یہ میرے اہل بیت ہیں سو دور کر ان سے نجاست کو اور پاک کر دے ان کو پاک کرنا۔"

اس وقت حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ یا حضرت! مجھ کو بھی شریک کر لیجئے۔ فرمایا "انت علی خیر وانت علی مکانک" صریح دلیل اس بات کی ہے کہ یہ آیت ازواج کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ آپؐ نے ان چار آدمیوں کو بھی اپنی دعا سے اس وعدے میں داخل کیا ہے۔

پس اگر ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہوتی تو دعا کی حاجت ہی کیا تھی اور

حضرت کیوں اس بات کے حصول کی جو حاصل تھی دعا کرتے اسی واسطے ام سلمہ کو اس دعا میں شریک نہیں کیا کہ ان کے حق میں تحصیل حاصل ہوتا۔

اور محقق اہل سنت کے کہتے ہیں کہ ہر چند یہ آیت ازواج مطہرات کے خطاب میں ہے لیکن اس سبب سے کہ العبرة لعموم اللفظ لالخصوص السبب (اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا) سب اہل بیت اس بشارت میں شامل ہیں اور آنحضرت ﷺ نے جو یہ دعا چار آدمیوں سے موصوف فرمائی بنظر سبب خاص کے بھی اور یہ بھی کہ قرینے ازواج کی خصوصیت کے سابق اور لاحق عبارت سے معلوم کر کے ڈرے کہ ایسا نہ ہو کہ خاص ازواج کے واسطے ہو۔

اسی واسطے بیہقی نے روایت کی ہے کہ اسی قسم کا معاملہ جو عباس و حسنین اور حضرت علی و بتول کو لے کر دعا کی ہے حضرت عباس اور ان کے لڑکوں کے ساتھ بھی ثابت ہے اور مدعا آپ کا یہی تھا کہ اپنے سب اقربا کو لفظ اہل بیت میں کہ آیت کریمہ میں ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کے ساتھ خطاب فرمایا ہے۔ داخل کریں۔[1]

علامہ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ مطابق ۱۳۴۷ء فرماتے ہیں:

یہ آیات حضور انور ﷺ کی ازواج کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔[2]

قول فیصل:

فخر المفسرین علامہ عبد الحق حقانی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۳۶ھ "قول فیصل" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں: قول فیصل یہ ہے کہ در اصل اہل بیت تو ازواج مطہرات ہی ہیں اور ان حضرات نے اپنے پیارے فرزندوں کو بھی شامل فرمالیا اور کیوں نہیں بال بچے اور بہت قریب کے عزیز و اقارب بھی گھر ہی کے لوگ شمار ہوتے ہیں پس اعتقاد صحیح اور محبت خالص یہی ہے کہ ازواج مطہرات اور ان پاکباز لوگوں کو بھی اہل بیت سمجھ کر ان کا دل سے ادب کرے جن میں حضرت عائشہ صدیقہ اور فاطمہ زہراؓ اور حسنینؓ بھی داخل ہیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین[3]

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ اردو

[2] اعلام العلماء ج ۲ ص ۲۰۹

[3] تفسیر حقانی ج ۶ ص ۹۰

امام قرطبی المتوفی ۶۷۱ھ فرماتے ہیں۔

والذی یظہر من الآیۃ انہا عامۃ فی جمیع اہل بیت من الازواج وغیرہم[1]

امام محی السنۃ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ فرماتے ہیں:

سعید بن جبیر حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں:

"واراد باہل البیت نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانہن فی بیتہ وذہب ابو سعید الخدری وجماعۃ من التابعین منہم مجاہد وقتادۃ وغیرہما الی انہم علی وفاطمۃ والحسن والحسین ... قال زید بن ارقم اہل بیتہ من حرم الصدقۃ علیہ بعدہ آل علی وآل عقیل وآل جعفر وآل عباس[2]

"سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں اہل بیت سے رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات مراد ہیں کیونکہ یہی آپ کے گھر میں رہائش پذیر تھیں اور ابو سعید خدری اور تابعین کی ایک جماعت جن میں مجاہد اور قتادہ وغیرہ شامل ہیں۔ وہ کہتے ہیں: اہل بیت کا مصداق حضرت علی حضرت فاطمہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں اور زید بن ارقمؓ کہتے ہیں جن لوگوں پر صدقہ حرام ہے وہ اہل بیت کا مصداق ہیں ان میں آل علی آل عقیل آل جعفر اور آل عباس شامل ہیں۔"

امام ابو عبداللہ محمد بن یوسفؒ المتوفی ۷۴۵ھ لکھتے ہیں:

"وقول عکرمۃ ومقاتل وابن السائب ان اہل البیت فی ہذہ الآیۃ مختص بزوجاتہ علیہ لیس بجید اذ لو کان کما قالوا لکان الترکیب عنکن ویطہرکن"

---

۱ تفسیر قرطبی ج ۱۴ ص ۱۸۳

۲ تفسیر بغوی ج ۳ ص ۵۲۹ فتح الباری ج ۱۱ ص ۱۵۷

وقال ابو سعید الخدری ھو خاص برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی و فاطمۃ والحسن والحسین۔

وروی نحوہ عن انس و عائشۃ وام سلمۃ وقال الضحاک ھم اھلہ وازواجہ۔ وقال زید بن ارقم والثعلبی بنو ھاشم الذین یحرمون الصدقۃ آل عباس و آل علی وآل عقیل و آل جعفر ویظھر انھم زوجاتہ واھلہ فلا تخرج الزوجات عن اھل البیت بل یظھر انھن احق بھذا الاسم لملازمتھن بیتہ علیہ الصلاۃ والسلام[1]

''عکرمہ' مقاتل اور ابن السائب کا قول ہے کہ اس آیت تطہیر میں ''اہل بیت'' کا مصداق صرف ازواج مطہرات ہیں۔ مگر یہ بات درست مان لی جائے تو آیت میں ''عنکم'' اور ''یطھرکم'' کی جگہ ''عنکن'' اور ''یطھرکن'' تانیث کا صیغہ استعمال ہوتا۔

اور ابو سعید واضح فرماتے ہیں: ''اہل بیت'' کا مصداق خاص کر رسول اللہ ﷺ حضرت علیؓ' حضرت فاطمہؓ اور حسنینؓ ہیں۔ اور ایسے ہی حضرت انسؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ سے بھی مروی ہے اور ظاہر ہے کہ اہل بیت کا مصداق آپ کی ازواج اور آپ کی اولاد ہے ازواج مطہرات کو اہل بیت سے نکالا نہیں جا سکتا بلکہ وہی تو زیادہ حقدار ہیں اس نام کی۔ کیونکہ وہی یعنی ازواج ہی آپ کے گھر میں رہائش پذیر رہی ہیں۔''

علامہ عماد الدین اسماعیل بن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ نے متعدد احادیث نقل کی ہیں جن سے دلالت ہوتی ہے کہ اہل بیت کا مصداق صرف ازواج مطہرات ہی نہیں بلکہ حضرت علی' حضرت فاطمہ' حضرت حسن' حضرت حسینؓ اور دیگر اقربا بھی شامل ہیں۔

حضرت حصینؓ نے حضرت زید بن ارقمؓ سے پوچھا: ''ومن اھل بیتہ یا زید؟

---

1 تفسیر بحر المحیط ج ۷ ص ۲۳۲-۲۳۱

"نبی نساؤہ من اھل بیتہ؟" اور آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواج اہل بیت کا مصداق نہیں ہیں؟

قال نساؤه من اهل بيته ولكن اهل بيته من حرم الصدقة بعده[1]

"کہا کہ ازواج تو اہل بیت ہی ہیں۔ لیکن وہ لوگ بھی اہل بیت کا مصداق ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔"

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

"وقيل المراد بآل محمد ازواجه وذريته لان اكثر طرق هذا الحديث جاء بلفظ "وآل محمد" وجاء في حديث ابي حميد موضعه "وازواجه وذريته" فدل على ان المراد بالآل الازواج والذرية ...... فالمراد بالآل في التشهد الازواج ومن حرمت عليهم الصدقة ويدخل فيهم الذرية فبذلك يجمع بين الاحاديث وقيل المراد بالآل ذرية فاطمة خاصة حكاه النووي في "شرح المهذب" وقيل هم جميع قريش حكاه ابن الرفعة في الكفاية وقيل المراد بالآل جميع الامة امة الاجابة"[2]

"اور کہا گیا ہے کہ آل محمدؐ سے مراد آپ کی بیویاں اور آپ کی اولاد ہے کیونکہ حدیث کے اکثر طرق میں لفظ "آل محمدؐ" آیا ہے اور حدیث ابی حمید میں اس کی جگہ "وازواجه وذريته" آیا ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ آل سے مراد ازواج اور اولاد ہے۔

اور تشہد میں آل سے مراد بیویاں اور وہ حضرات ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور اس میں اولاد بھی داخل ہے اسی طرح تمام احادیث کی مراد جمع کی جا سکتی

۱۔ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۸۹

۲۔ فتح الباری ج ۱۱ ص ۱۹۰ تحت حدیث نمبر ۶۳۵۸

ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آل سے مراد صرف حضرت فاطمہؓ کی اولاد ہے جیسا کہ امام نووی نے شرح مہذب میں بیان کیا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے تمام قریشی آل میں شامل ہیں اسے ابن رفعہ نے الکفایہ میں ذکر کیا ہے اور ایک قول یہ بھی پایا جاتا ہے کہ آل سے مراد تمام امت ہے اور امت اجابت بھی اس میں شامل ہے۔"

علامہ سید محمود الوسی لکھتے ہیں:

وقد یلاحق صلی اللہ علیہ وسلم بعض من لم یکن بینہ وبینہ قرابۃ نسبیۃ ولا نسبیۃ فی اھل البیت توسعا وتشبیھا کسلمان الفارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ حیث قال علیہ الصلاۃ والسلام "سلمان منا اھل البیت" وجاء فی روایۃ صحیحۃ ان واثلۃ قال: وانا من اھلک یا رسول اللہ؟ فقال علیہ الصلاۃ والسلام وانت من اھلی[1]

"رسول اللہ ﷺ نے بعض ایسے حضرات کو جن کے ساتھ کوئی نسبی یا سببی قرابت نہیں تھی اہل بیت میں شامل فرمایا جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی کے متعلق فرمایا: "سلمان منا اھل البیت" سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے اور ایک صحیح روایت میں ہے کہ حضرت واثلہ نے عرض کیا' کیا میں آپ کے اہل میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا: تم میرے اہل میں سے ہو۔"

علامہ سید محمود آلوسی المتوفی ۱۲۷۰ھ طویل و نفیس بحث کرنے کے بعد فرماتے:

"والذی یظھر لی ان المراد باھل البیت من لھم مزید علاقۃ بہ صلی اللہ علیہ وسلم ونسبۃ قویۃ الیہ علیہ الصلاۃ والسلام بحیث لا یقبح عرفا اجتماعھم وسکناھم معہ صلی اللہ علیہ

[1] تفسیر روح المعانی ج ۱۲ پارہ نمبر ۲۲ ص ۱۵۔

وسمنو في بيت واحد ويدخل في دلك ازواجه والاربعة أهل الكساء وعلى كرم الله تعالى وجهه مع ماله من قرابة من رسول الله صلى الله عليه وسلم قد نشأ في بيته وحجره عليه الصلاة والسلام[1]

"اس بحث سے جو بات میری سمجھ میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ اہل بیت کا مصداق وہ حضرات ہیں جن کا حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تعلق اور نسب کا زیادہ قوی تعلق ہے اور وہ ایمان کی پاکیزگی کے حامل بھی ہیں اور ان کی بودو باش اور رہن سہن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک مکان میں ہو۔ اور اہل بیت کا مصداق آپ کی ازواج مطہرات اور کساء والے چاروں افراد اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی ہیں۔ کیونکہ حضرت علیؓ کو حضور انور ﷺ کی قرابت کا شرف بھی حاصل ہے اور آپ ہی کے گھر بلکہ آپ ہی کی گود میں ان کی پرورش ہوئی۔

مولانا ثناء اللہ پانی پتی المتوفی ۱۲۲۵ھ فرماتے ہیں

مذکورہ احادیث اور ان جیسی دوسری اخبار سے آیت تطہیر کی حضرات اربعہ (حضرت علی، حضرت سیدہ، حضرت حسن، حضرت حسین) کے ساتھ تخصیص ثابت نہیں ہوتی ماقبل اور مابعد کا کلام بھی اس تخصیص سے انکار کر رہا ہے اور عرف ولغت کی شہادت بھی اس کے خلاف ہے۔

اصل میں اہل بیت کے لفظ کا اطلاق صرف بیویوں پر ہوتا ہے اولاد اور دوسرے گھر والے ذیلی طور پر اس میں آجاتے ہیں۔ بیویوں کے ہی رہنے کے مکان (یا کمرے) عام طور پر الگ الگ ہوتے ہیں۔[2]

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع المتوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں

---

[1] تفسیر روح المعانی ج ۲۲ ص ۱۹

[2] تفسیر مظہری اردو ج ۹ ص ۳۵۸

ابن کثیر نے اس مضمون کی متعدد احادیث معتبرہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ در حقیقت ان دونوں اقوال میں جو ائمہ تفسیر سے منقول ہیں کوئی تضاد نہیں جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی اور اہل بیت سے وہ مراد ہیں یہ اس کے منافی نہیں کہ دوسرے حضرات بھی اہل بیت میں شامل ہوں۔ اس لئے صحیح یہی ہے کہ لفظ اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں۔ کیونکہ شان نزول اس آیت کا وہی ہیں اور شان نزول کا مصداق آیت میں داخل ہونا کسی شبہ کا محتمل نہیں اور حضرت فاطمہ وعلی وحسن وحسین رضی اللہ عنہم بھی ارشاد نبوی علیہ السلام کے مطابق اہل بیت میں شامل ہیں۔

اور اس آیت سے پہلے اور بعد میں دونوں جگہ نساء النبیؐ کے عنوان سے خطاب اور ان کے لئے صیغے مؤنث کے استعمال فرمائے گئے ہیں۔ اس درمیانی آیت کو سیاق و سباق سے کاٹ کر بصیغہ مذکر عنکم اور یطہرکم فرمانا بھی اس پر شاہد قوی ہے کہ اس میں صرف ازواج ہی داخل نہیں کچھ رجال بھی ہیں۔"[1]

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ المتوفی ۱۴۰۲ھ لکھتے ہیں:

"وعلی آل محمد وهم اتباعه عند مالك كما تقدم وقال ابن عبدالبر في الاستذكار قال بعض اهل العلم ان هذا كلام محتمل التاويل تفسيره حديث ابي حميد ومن تابعه اللهم صل على محمد وعلى ازواجه وذريته لان لفظ الآل محتمل لوجوه منها الاهل ومنها الاتباع وان ما احتمله مرة فسره اخرى"[2]

"اور "آل محمد" کا مصداق امام مالک کے نزدیک حضورؐ کے پیروی کرنے والے ہیں اور ابن عبدالبرؒ نے "استذکار" میں کہا ہے کہ بعض اہل علم کے

۱۔ تفسیر معارف القرآن ج ۷ ص ۱۴۰

۲۔ اوجز المسالک ج ۲ ص ۱۵۵

نزدیک اس کی تفسیر حدیث ابی حمید میں بیان ہوئی ہے آل کا مصداق آپ کی اتباع کرنے والے لوگ ہیں اس روایت میں ہے: "اللهم صل على محمد وعلى ازواجه وذريته" لفظ آل میں کئی احتمال پائے جاتے ہیں جن میں سے ایک اصل ہے اور ایک احتمال اتباع کرنے والے ہیں گویا کہ ایک لفظ "آل محمد" مجمل تھا اور اس کی تفسیر "وعلى ازواجه وذريته" سے بیان کردی ہے۔

خلاصۃ الکلام وخاتمۃ المرام:

امام اہل سنت حضرت مولانا مفتی عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۲ء نے مفصل بحث کے اختتام پر بعنوان "خلاصۃ الکلام وخاتمۃ المرام" تحریر فرمایا۔

بعونہ تعالیٰ اس تفسیر آیۂ تطہیر سے یہ باتیں قطعی طور پر واضح ہو گئیں۔

۱۔ آیۂ تطہیر میں لفظ اہل بیت سے مراد امہات المؤمنین ازواج مطہرات جناب رسالت مآب ﷺ کی ہیں اور ان کے سوا کوئی دوسرا مراد ہو ہی نہیں سکتا۔

۲۔ محاورہ قرآنی میں کسی کا اہل بیت سوا اس کی زوجہ کے کسی کو نہیں کہا گیا اور اگر کسی مقام پر لفظ اہل بیت بغیر کسی کی طرف مضاف کئے ہوئے مستعمل ہوا ہے تو وہاں بھی اس گھر کے رہنے والے ہی مراد ہیں نہ کوئی اور۔

۳۔ لغت عرب میں بھی کسی شخص کو اہل بیت سوا اس کی زوجہ کے کسی کو نہیں کہتے۔

۴۔ قدیمی تفسیریں جو آیۂ تطہیر میں ہیں وہ ہرگز قرینہ اس بات کا نہیں ہو سکتیں کہ اس آیت میں لفظ اہل بیت سے ازواج مطہرات مراد نہیں بلکہ کوئی اور مراد ہے۔

۵۔ قرآن مجید میں لفظ اہل بیت کے لئے ہر جگہ مذکر کے صیغے اور ضمیریں مستعمل ہوئی ہیں اور ان میں سے اکثر مقامات میں باتفاق فریقین سوائے عورتوں کے کوئی مراد نہیں۔

۶۔ روایات میں اہل بیت کا لفظ اگر حضرت علی و فاطمہ و حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے وارد ہوا ہے تو حضرت عباس اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم کے لئے بھی وارد ہوا ہے

بلکہ بعض ایسے حضرات کے لئے جو کسی طرح کی قرابت نسبی یا صہری یا رضاعی نہ رکھتے تھے یہی لفظ اہل بیت وارد ہوا ہے جیسے حضرت سلمان فارسیؓ۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کے سوا جن کو بھی اہل بیت فرمایا۔ وہ پیار و محبت کے طور پر مجازاً فرمایا گیا ہے۔

۷۔ اگر کچھ فرق حضرت سلمان کے اہل بیت ہونے میں اور اہل عباء کے اہل بیت ہونے میں نکل بھی سکے تو حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے لئے وہ فرق بھی نہیں نکل سکتا وہ اہل عبا بھی ہیں اور بالکل اسی طرح کی دعا بھی ان کے لئے ہے۔

۸۔ محققین اہل سنت کا یہی مذہب ہے کہ اہل بیت رسولؐ ﷺ ازواج مطہرات ہیں اور حضرت علی و فاطمہ و حسنین و حضرت عباس اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم بدعائے رسول اس فضیلت میں شامل کیے گئے ہیں۔

۹۔ ازواج مطہرات کے لئے قرآن کریم گواہی دے رہا ہے کہ وہ دنیا کی زندگی اور اس کے زینت کی طالب نہ تھیں بلکہ اللہ اور رسول و دار آخرت کی طالب تھیں وہ تمام ایمان والوں کی ماں ہیں ان سے ابدی طور پر بعد رسول اللہ ﷺ نکاح ممنوع ہے اور رسول اللہ ﷺ سے خدا نے یہ اختیار سلب کر لیا کہ وہ اپنی ازواج کو طلاق دیں یہ ایک بے نظیر بات ہے۔

۱۰۔ ازواج مطہرات کے برابر کوئی عورت نہیں ہو سکتی۔[1]

فضل و کمال:

اگرچہ تمام ازواج مطہرات علمی حیثیت سے بلند مرتبہ کی حامل تھیں' تاہم ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ اور ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما یگانہ و فرزانہ تھیں چنانچہ محمود بن لبید فرماتے ہیں:

کان ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحفظن من حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا و لا مثلا لعائشۃ وام سلمۃ[2]

---

[1] مجموعہ تفاسیر لکھنوی ص ۷۹ تا ۸۰

[2] طبقات ابن سعد بحوالہ سیر صحابیات ص ۹۶

رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات احادیث نبویؐ کا مخزن تھیں۔ تاہم
حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کا ان میں کوئی حریف و مقابل نہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ سے ازدواجی رشتہ قائم ہو جانے کے بعد سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کی مصاحبت کو غنیمت جانا اور برابر آپ کے ملفوظات وارشادات کو محفوظ کرتی رہیں اور آپ سے سوالات کر کے اپنے علم کو پروان چڑھاتی رہیں پھر اس علم کی نشرواشاعت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ام المومنین حضور اقدس سے حدیث سننے کا بے حد شوق تھا۔ ایک مرتبہ بال گوندھ رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ کے لئے (مسجد نبوی میں) کھڑے ہوئے زبان مبارک سے نکلا ہی تھا۔ "ایھا الناس" اے لوگو! تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سن لیا (کیونکہ ازواج مطہرات کے حجرے مسجد نبوی سے ملے ہوئے تھے) آواز سنتے ہی بال باندھ کر کھڑی ہو گئیں اور پورا خطبہ نہایت توجہ سے سنا۔[1]

مروان بن الحکم ان کی خدمت میں حاضر ہو کر مسائل دریافت کرتے اور اعلانیہ کہتے تھے۔

کیف نسال احدا وفینا ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم[2]
"نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے ہوتے ہوئے ہم کسی دوسرے سے مسائل کیوں پوچھیں۔"

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ ان کا تعارف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

صاحب العقل البالغ والرای الصائب[3]
وہ کامل العقل اور صائب الرائے تھیں۔

سیدنا ابوہریرہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما علم کے دریا ہونے کے باوجود سیدہ ام سلمہؓ کے دریائے فیض سے بے نیاز نہ تھے۔[4]

---

[1] مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۰۱
[2] مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۱۷
[3] الاصابہ ج ۸ ص ۲۴۰
[4] مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۱۲

بعض اوقات ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی ان ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔[1]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔

اگر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فتاویٰ کو جمع کیا جائے تو ایک کتاب تیار ہو سکتی ہے۔[2]

ان کے فتاویٰ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ عموماً متفق علیہ ہوتے ہیں اور یہ ان کی دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی کا کرشمہ ہے۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نکتہ سنجی اور علمی تفوق کی چند نادر مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ مروان نے ان سے پوچھا کہ آپ یہ نماز کیوں پڑھتے ہیں اور آپ نے یہ روایت کس سے لی ہے۔ ابن زبیرؓ نے کہا مجھے حضرت ابو ہریرہؓ کے واسطے سے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ روایت پہنچی ہے۔ مروان نے اس کی تصدیق کے لئے ام المومنینؓ کی خدمت میں آدمی بھیجا۔ کہ ابن زبیر حضرت ابو ہریرہؓ کے واسطے سے آپ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا مجھے یہ حدیث سیدہ ام سلمہؓ سے پہنچی ہے۔ چنانچہ مروان نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں آدمی بھیجا اور حضرت عائشہؓ کا قول نقل کیا کہ آپ کے ذریعہ مجھے حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔

"یغفر اللہ لعائشۃ لقد وضعت أمری علی غیر موضعہ"

---

[1] ابوداؤد ج ۱ ص ۱۸۷ باب الصلوٰۃ بعد العصر

[2] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۳ بحوالہ سیر صحابیات ص ۶۷۔

یعنی خدا عائشہؓ کی مغفرت فرمائے انہوں نے بات نہیں سمجھی۔

میں نے بیان کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز ظہر ادا فرمائی اور کچھ مال آ گیا جسے تقسیم کرنے میں مشغول ہو گئے یہاں تک موذن نے عصر کی اذان کہہ دی۔ پس آپ نے نماز عصر پڑھی پھر میرے ہاں تشریف لائے اور دو رکعت ہلکی سی ادا کیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ دو رکعت کیسی ہیں؟ آپ نے تو نماز عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ نہیں ایسا نہیں۔ بلکہ میں مال تقسیم کرنے میں مشغول ہو گیا اور ظہر کی دو سنت ادا نہ کر سکا یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا۔ تو اس وقت دو سنت پڑھی ہیں۔

قالت ام سلمۃ ما رایتہ صلاھما قبلھا ولا بعدھا۔[1]

یعنی میں نے اس ایک مرتبہ سے پہلے اور نہ بعد میں آپ کو اس وقت نماز پڑھتے دیکھا۔

ایک روایت میں ہے:

فقالت یرحمھا اللہ اولم اخبرھا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد نھی عنھما[2]

"حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا اللہ حضرت عائشہؓ پر رحم فرمائے کیا میں نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔"

حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ سے سنا کہ جس پر غسل جنابت ہو وہ صبح ہونے سے پہلے غسل کر لے ورنہ اس کا روزہ نہیں ہوگا میں نے اپنے والد سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا یہ تو عجیب مسئلہ بتایا۔ اس کے بعد میں اپنے والد کے ہمراہ سیدہ عائشہؓ اور سیدہ ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان

---

[1] مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۹

[2] مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۳

سے تحقیق کی تو دونوں کا جواب یہی تھا کہ یہ مسئلہ غلط ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو جنابت کی حالت میں صبح ہو جاتی تھی اور آپؐ روزہ رکھ لیتے تھے اور یہ جنابت احتلام کی وجہ سے نہیں بلکہ مباشرت کی وجہ سے ہوتی تھی۔

یہ جواب سن کر ہم دونوں باپ بیٹا گورنر مدینہ مروان بن الحکم کے پاس پہنچے اور انہیں امہات المومنینؓ کے جواب باصواب سے آگاہ کیا مروان نے کہا میں تمہیں قسم دلاتا ہوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس جاؤ اور ان کے قول کی تردید کرو۔

چنانچہ ہم دونوں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں سیدہ عائشہؓ صدیقہ اور سیدہ ام سلمہؓ کے ارشاد سے آگاہ کیا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا۔ اس مسئلہ کو وہی زیادہ جانتی ہیں مجھے تو فضل بن عباسؓ نے یہ بتایا تھا اور میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنا تھا اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنے فتویٰ سے رجوع فرمالیا۔[1]

۳۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں کچھ لوگ آئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی اندرون خانہ زندگی کے متعلق کچھ ارشاد کیجئے فرمایا کہ حضور انور ﷺ کا ظاہر و باطن یکساں تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو آپ سے واقعہ بیان کیا آپؐ نے فرمایا تم نے بہت اچھا کہا۔[2]

۴۔ سیدہ ام سلمہؓ جواب بالکل واضح اور صاف دیتی تھیں اور کوشش کرتی تھیں کہ سائل کی تشفی و تسلی ہو جائے اور جواب میں کسی قسم کا ابہام نہ رہے ایک مرتبہ ایک شخص نے دریافت کیا کہ میں عمرہ حج سے پہلے ادا کروں۔ یا مناسک حج سے فارغ ہو کر عمرہ کروں۔ سیدہ نے فرمایا تیری اپنی صوابدید پر ہے چاہے پہلے عمرہ کرلو یا حج کرنے کے بعد کرو اس نے دوسری ازواج سے بھی یہ مسئلہ پوچھا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔[3]

---

[1] جمع الفوائد ج ۱ ص ۱۵۵ مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۰۹، ۳۰۸

[2] مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۰۹

[3] مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۹۷

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہ صرف قرآن وسنت اور فقہ میں کامل دسترس رکھتی تھیں بلکہ علم اسرار سے بھی کافی آشنائی تھی اور یہ ایسا فن تھا جس کے حضرت حذیفہؓ عالم خصوصی تھے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سیدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سیدہؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ بعض صحابی ایسے ہیں جنہیں نہ میں اپنے انتقال کے بعد دیکھوں گا اور نہ وہ مجھے دیکھیں گے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ گھبرا کر حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے اور ان سے یہ حدیث بیان کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدہ ام سلمہؓ کی خدمت میں تشریف لائے اور کہا "خدا کی قسم! سچ بتانا کیا میں ان ہی میں ہوں؟ سیدہ نے فرمایا: "نہیں" آپ ان میں سے نہیں لیکن آپ کے علاوہ اور کسی کو واضح کر کے یہ بات نہ بتاؤں گی[1] (کیونکہ ایسی باتیں ظاہر کرنا مصلحت کے خلاف ہے)

٦ھ میں رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ مشرکین مکہ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے مزاحمت کی اور آپ کو مقام حدیبیہ میں رکنا پڑا۔ جاں نثار صحابہ کرام چونکہ حضور انور ﷺ کے حکم پر جان قربان کرنے کو تیار رہتے تھے اس لئے اس موقع پر بھی جنگ کے لئے آمادہ ہو گئے مگر رسول اللہ ﷺ نے لڑائی کے بجائے صلح کو پسند فرمایا۔ باوجودیکہ صحابہ کرام لڑائی کے لیے مستعد تھے آپ نے اس قدر رعایت کے ساتھ صلح کرنا منظور فرمایا کہ مشرکین مکہ کی ہر شرط قبول فرمائی۔ جب صلح نامہ مرتب ہو گیا تو سید عالم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا۔ قربانی کے جانور ذبح کر دو سر منڈوا دو اور احرام کھول دو۔ آپ نے تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا لیکن صحابہ اس قدر دل شکستہ تھے کہ کوئی ایک شخص بھی اس پر آمادہ نہ ہوا آپ بڑی الجھن میں پڑ گئے۔

جب کسی نے بھی ارشاد پر عمل نہ کیا تو آپ سیدہ ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے ان سے کہا کہ لوگ کہنا نہیں مان رہے انہوں نے کہا اے اللہ کے نبی! آپ کسی سے کچھ بھی نہ کہیں باہر تشریف لے جا کر اپنے جانور ذبح فرما دیں اور سر مبارک منڈوا لیں۔

---

[1] مسند امام احمد ج ٦ ص ۲۹۰

جب صحابہ نے یہ ماجرا دیکھا تو بلا تامل وجھٹ جانور ذبح کر کے سر منڈوانے لگے اور ہجوم کا یہ حال تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتا تھا اور اس قدر عجلت تھی کہ ہر شخص حجامت بنانے کی خدمت انجام دے رہا تھا۔[1]

حافظ ابن حجر سیدہ ام سلمہؓ کی اس دانشمندانہ رائے کو نقل کرنے کے بعد سیدہ کی خدمت میں ان الفاظ کے ساتھ ہدیہ تحسین پیش کرتے ہیں۔

واشارتها على النبى صلى الله عليه وسلم يوم الحديبية تدل على وفور عقلها وصواب رأيها۔[2]

حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو سیدہ ام سلمہؓ کے رائے دینے سے معلوم ہوا ہے کہ وہ بڑی عقلمند اور ٹھیک رائے رکھنے والی تھیں۔

مولانا سعید انصاری فرماتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ خیال علم النفس کے ایک بڑے مسئلہ کو حل کرتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کی فطرت شناسی میں ان کو کس درجہ کمال حاصل تھا۔ امام الحرمین فرمایا کرتے تھے کہ صنف نازک کی پوری تاریخ اصابت رائے کی ایسی عظیم الشان مثال نہیں پیش کر سکتی۔[3]

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک بہت بڑی جماعت نے علم حدیث حاصل کیا تھا۔ سیدہ سے ۳۸۷ احادیث مروی ہیں آپ سے اکتساب علم کرنے والے حضرات میں سے کچھ حسب ذیل ہیں۔ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، اسامہ بن زیدؓ، ہند بنت الحارثؓ، صفیہؓ بنت شیبہ، عمرؓ، زینب اولاد حضرت ام سلمہ، مصعبؓ بن عبداللہؓ، نبہان عبداللہ بن رافع، نافع، شعبہ پسر شعبہ۔ ابوکثیرؓ، خیرہ والدہ حسن بصری، سلیمان بن یسار، ابوعثمان النہدی، حمیدؓ، ابوسلمہؓ، سعید بن مسیب، ابووائل، صفیہ بن محصن، شعبی، عبدالرحمن

---

1. صحیح بخاری ج ا ص ۳۸۰ کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد
2. الاصابہ ج ۴ ص ۴۵۹
3. سیر الصحابیات ص ۶۳، زرقانی ج ۳ ص ۲۷۰

بن حارث بن ہشام، عکرمہ، ابوبکر بن عبدالرحمن، عثمان بن عبداللہ بن موہب، عروہ بن زبیر، کریب مولیٰ ابن عباسؓ، قبیصہ بن ذویب، نافع مولیٰ ابن عمر، یعلیٰ بن مملک۔

علمی ذوق:

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مسائل کی جستجو دامن گیر رہتی اور اکثر بیشتر رسول اللہ ﷺ سے مسائل دریافت کر کے اپنے علم میں اضافہ کرتی رہتی تھیں۔
ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ میں اپنے سر کی مینڈھیاں بہت سختی سے باندھتی ہوں تو کیا غسلِ جنابت کے لئے انہیں کھول لیا کروں؟ (تاکہ بالوں کی جڑیں تر ہو جائیں) پھر سارے بدن پر پانی بہا لیا کروں۔
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ مینڈھیاں کھولنے کی ضرورت نہیں۔ تین مرتبہ اچھی طرح سر پر پانی بہا لیا کرو۔[1]
مسئلہ یہ ہے کہ عورت کو غسل جنابت میں سر کے بالوں کی جڑوں کو تر کرنا فرض ہے اگر مینڈھیاں بندھی ہوں تو سارے بالوں کو بھگونا فرض نہیں جلد تک اچھی طرح پانی پہنچانا ضروری ہے۔
سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ دعا سکھائی اور فرمایا کہ مغرب کی اذان کے وقت یہ پڑھا کرو۔

اللھم ان ھذا اقبال لیلک وادبار نھارک واصوات دعائک فاغفرلی[2]

''اے اللہ! یہ تیری رات کے آنے اور دن کے جانے اور تیرے بلانے کی آواز کا وقت ہے سو مجھے بخش دے۔''

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ دولت کدہ میں تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس ام المومنین سیدہ ام سلمہ اور سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھیں کہ اچانک حضرت

---

1 صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۴۹ کتاب الحیض

2 کتاب الاذکار مترجم ج ۱ ص ۲۴۳ باب مایقول اذا سمع اذان المغرب۔

عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے چونکہ وہ نابینا تھے اس لئے یہ سمجھ کر کہ ان سے کیا پردہ کرنا دونوں بیبیاں بیٹھی رہیں اور پردہ نہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان سے پردہ کرو۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ ہمیں تو وہ دیکھ نہیں سکتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو۔[1]

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے طرز پر قرأت کر کے بتایا کہ آپؐ ایک ایک آیت پر ٹھہرتے تھے۔ بسم الله الرحمن الرحيم پڑھ کر ٹھہرتے پھر الحمدلله رب العالمين پڑھ کر ٹھہرتے' الرحمن الرحيم پڑھ کر ٹھہرتے۔ پھر ملك يوم الدين پڑھ کر توقف فرماتے۔ غرض یہ کہ آپ ﷺ اسی طرح علیحدہ علیحدہ آیات کر کے پڑھتے تھے۔[2]

ایک مرتبہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لنگی اور تہبند (شلوار) کا (ٹخنوں) پر لٹکنا جس سے تکبر اور غرور ہو منع ہے۔ "شلوار آدھی پنڈلی تک ہونی چاہئے" ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ! عورت کے لئے کیا حکم ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: عورت آدھی پنڈلی سے ایک بالشت نیچے کر لے عرض کیا اس سے تو کام نہیں چلے گا کیونکہ کپڑا اونچا ہونے کی وجہ سے پنڈلی دکھائی دیتی رہے گی آپ نے فرمایا اچھا آدھی پنڈلی سے ایک ہاتھ نیچا کر لیں اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔

امر بالمعروف:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابند تھیں۔ نماز کے اوقات میں بعض امراء نے تغیر و تبدل کیا یعنی مستحب اوقات چھوڑ دیئے تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تنبیہ کی اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نماز ظہر پڑھنے میں جلدی فرماتے تھے جبکہ تم لوگ عصر جلد

---

[1] مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۹۶ ترمذی ج ۲ ص ۱۰۶ ابواب الادب' باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال

[2] مجمع الفوائد بحوالہ امہات المومنین بلعلاء شہری ص ۴۳ مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۰۲

پڑھتے ہوئے

ایک روز سیدہؓ کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی۔ چونکہ سجدہ کی جگہ پر غبار تھا اس لئے وہ سجدہ کرتے وقت مٹی جھاڑ دیتے تھے۔ یہ کیفیت دیکھ کر سیدہؓ نے انہیں سمجھایا کہ یہ فعل رسول اللہ ﷺ کی روش کے خلاف ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ایک غلام نے ایک دفعہ ایسا کیا تھا تو آپ نے اسے فرمایا

ترب وجھك لله [۲]

"یعنی تیرا چہرہ خدا کی راہ میں غبار آلود ہو"

عادات و اخلاق:

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا علمی فصاحت و فقاہت کے علاوہ زہد و تقویٰ اور اخلاق و مروت کے اعتبار سے بھی ممتاز حیثیت کی مالک تھیں۔ سیدہ نے ایک مرتبہ ایک ہار زیب تن فرمایا جس میں سونے کا کچھ حصہ تھا رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو اعراض فرمایا۔ سیدہ نے آپ کی خوشنودی کی خاطر وہ ہار اتار دیا۔ [۳]

سیدہؓ نے فرمایا مجھے رحمت عالم ﷺ نے ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے کا حکم دیا تھا جن میں پہلا روزہ شنبہ سے شروع کروں اس طرح شنبہ جمعرات اور جمعہ تین دن روزہ رکھوں۔ [۴]

سیدہ ثواب کی متلاشی رہتی تھیں ایک مرتبہ حضور انور ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ! ابو سلمہ کے میرے جو بچے ہیں میں ان پر خرچ کرتی ہوں اور ان کی اچھے طریقے سے پرورش کرتی ہوں میں انہیں چھوڑ بھی نہیں سکتی آخر وہ میرے بچے ہیں کیا ان کی پرورش پر مجھے اجر ملے گا؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: "ہاں جو کچھ تو ان پر خرچ کرے گی تجھے اس پر اجر ملے گا۔" [۵]

---

۱ مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۱ ۲ مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۰۱

۳ مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۱۵ ۴ مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۸۹

۵ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۶ کتاب النفقات باب و علی الوارث مثل ذلک

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہ صرف خود فیاض تھیں بلکہ دوسروں کو بھی فیاضی کی ترغیب وتحریص دیتی تھیں ایک مرتبہ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''امی جان'' میرے پاس اس قدر زیادہ مال جمع ہوگیا ہے اور اب مجھے یہ فکر دامن گیر ہے کہ مال کی کثرت مجھے ہلاکت میں ڈال دے۔

فرمایا: بیٹا! اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہت سے صحابہ ایسے ہوں گے جو میرے وصال کے بعد مجھے پھر کبھی نہ دیکھیں گے۔[1]

ایک مرتبہ چند فقراء جن میں عورتیں بھی تھیں، سیدہ کے گھر آئے اور نہایت عاجزی اور الحاح سے سوال کیا ایک عورت ''ام الحسین'' بھی وہاں بیٹھی ہوئی تھیں انہوں نے فقراء کو ڈانٹ دیا لیکن سیدہ ام سلمہؓ نے فرمایا مجھے ان سے روگردانی کا حکم نہیں ہے پھر خادمہ سے کہا انہیں کچھ دے کر رخصت کرو اگر اور کچھ بھی نہ ہو تو ایک ایک چھوہارا ہی انہیں دے دو۔[2]

سرور دو عالم ﷺ سے جو غایت درجہ انہیں محبت تھی اسی کا اثر تھا کہ آپ کے موئے مبارک تبرکاً اپنے پاس محفوظ کر لئے تھے جن کی زیارت بھی لوگوں کو کرایا کرتی تھیں۔[3]

عام حالات:

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی مبارک کے بعض مشہور واقعات پیش خدمت ہیں:

غزوہ خندق میں اگرچہ سیدہ شریک نہ تھیں تاہم اس قدر قریب تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کی گفتگو اچھی طرح سنتی تھیں۔ فرماتی ہیں کہ مجھے وہ وقت خوب یاد ہے کہ جب آپ کا سینہ مبارک غبار سے اٹا ہوا تھا اور آپ لوگوں کو اینٹیں اٹھا اٹھا کر دے رہے تھے اور آپ کی زبان مبارک پر یہ رجز تھا۔

اللھم ان الخیر خیر الآخرۃ　　فاغفر الانصار والمھاجرہ

---

[1] مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۹۰　　[2] الاستیعاب ج ۲ ص ۷۵۴ بر حاشیہ الاصابہ

[3] مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۹۶

دفعۃً آپ کی نظر حضرت عمار بن یاسر پر پڑی۔ فرمایا: افسوس! اے ابن سمیہ تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔

۵ھ میں محاصرۂ بنو قریظہ کے دوران رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ اثنائے مشورہ حضرت ابولبابہؓ نے ہاتھ کے اشارہ سے انہیں بتایا کہ تم لوگ قتل کیے جاؤ گے لیکن بعد میں اسے افشائے راز سمجھ کر اس قدر نادم ہوئے کہ مسجد نبوی کے ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ لیا اور چند دنوں تک یہی حالت رہی پھر توبہ قبول ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان میں تشریف فرما تھے۔ صبح کو مسکراتے ہوئے اٹھے سیدہ یہ منظر دیکھ کر یوں گویا ہوئیں۔ "خدا آپ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے! اس وقت ہنسنے کا کیا سبب ہے؟" آپ نے ارشاد فرمایا۔ "ابولبابہؓ کی توبہ قبول ہوگئی ہے۔"

سیدہ نے عرض کیا۔ "تو کیا میں انہیں یہ مژدہ سنا دوں؟" آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں! اگر تم چاہو۔ سیدہ ام سلمہؓ نے اپنے دروازہ پر کھڑے ہو کر پکار کر کہا: "ابولبابہؓ! مبارک ہو تمہاری توبہ قبول ہوگئی۔ اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ سارا مدینہ امڈ آیا۔[۱]

سانحہ ارتحال:

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سن وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ کبیر میں سن وصال ۵۸ھ بیان کیا ہے جب کہ واقدی کی روایت میں ۵۹ھ میں انتقال ہوا۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ سیدہ کا ۶۱ھ میں انتقال ہوا۔ جب سیدنا امام حسینؓ کی شہادت کی خبر پہنچی تھی اور ابو نعیم کہتے ہیں: ۶۲ھ میں انتقال ہوا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب "الاصابہ" اور "تقریب" میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔[۲]

۱۔ مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۹۹ ۲۔ زرقانی ج ۳ ص ۲۴۳ طبقات ابن سعد۔

۳۔ زرقانی ج ۳ ص ۲۴۹۔ زرقانی طبع جدید ج ۴ ص ۴۰۲

ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ عمر سیدہ ام سلمہؓ نے پائی اور تمام ازواج کے بعد ان کا انتقال ہوا۔[1] وصال کے وقت آپ کی عمر مبارک ۸۴ سال تھی۔[2]

امام ابن سعد فرماتے ہیں: سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضور انور ﷺ کے ساتھ شوال کے آخری دنوں میں ۴ھ کو ہوا اور ذی قعدہ ۵۹ھ میں انتقال فرمایا۔[3]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی سیدہ کے پہلے شوہر کے دو بیٹوں عمر اور سلمہ نے اور عبداللہ بن عبداللہ بن ابی امیہ اور عبداللہ بن وہب بن زمعہ نے قبر میں اتارا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔[4]

---

۱ الاصابہ ج ۴ ص ۴۶۰

۲ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۹۲

۳ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۴۷

۴ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۹۲

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ (القرآن)

(۷)

ام المومنین

سیدہ

زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا:

☆ تم میں سے وہ عورت سب سے پہلے مجھ سے ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے۔ (الحدیث)

☆ بے شک زینب بنت جحش بہت آہیں بھرنے والی ہے۔ (الحدیث)

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نام ونسب:

نام زینب، کنیت ام الحکم، قبیلہ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ہیں۔

سلسلہ نسب یہ ہے:

زینب بنت جحش بن ریاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن سعد بن خزیمہ۔

والدہ کا نام امیمہ تھا جو عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں۔[1] اس رشتہ سے سیدہ زینب حضور انور ﷺ کی سگی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

سیدہ زینبؓ کا پہلے نام برہ تھا پھر حضور انور ﷺ نے تبدیل کر کے زینب نام رکھا۔[2] امام مسلم نے بڑی صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت بعثت نبوی سے ۳۳ سال پہلے مکہ مکرمہ میں ہوئی عیسوی ۵۹۰ تھا۔ قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ میں پیدا ہوئیں اور بچپن سے ناز ونعم عزت وجمال اور حسب ونسب کے فخر کے ساتھ ان کی پرورش ہوئی۔ (جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین ۱۷۲)

اسلام:

جب مکہ مکرمہ اسلام کی معطر ہواؤں سے مہک رہا تھا اور عقلمند اور باشعور لوگ جاہلیت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نجات کے متلاشی تھے اور سعادت مند لوگ دعوت اسلام قبول کر کے رب کی رضا حاصل کر رہے تھے ان ہی ایام میں عبداللہ بن جحش نے

---

1. الاستیعاب ج۲ ص۳۰۲ بر حاشیہ الاصابہ، طبقات ابن سعد ج۸ ص۳۹۵
2. الاستیعاب ج۴ ص۳۰۲ بر حاشیہ الاصابہ، صحیح مسلم ج۲ ص۲۰۸ کتاب الادب باب استحباب تغییر الاسم القبیح

بھی داعی اسلام کو لبیک کہا اس وقت تک سید عالم ﷺ ارقم بن ارقم کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔

ان کے ساتھ جلد ہی ان کا خاندان بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گیا تھا اور ان کی بہن زینب بھی ان ایمان لانے والوں میں شامل تھیں۔ علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں: کانت قدیمۃ الاسلام[1] آپ قدیم الاسلام تھیں۔

سیدہ زینب ایک پر خلوص پاکیزہ دل کی مالک تھیں۔ اندھی جاہلیت سے متنفر تھیں، دل و جان سے اللہ جل مجدہ کی طرف متوجہ ہوئیں اور اسلام میں اتنی مخلص ثابت ہوئیں کہ عورتوں میں دین، ورع، تقویٰ، سخاوت اور بھلائی کے اعتبار سے سردار قرار پائیں۔

خاندانی تعارف:

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایسی جلیل القدر ہستی ہیں کہ فضیلت کے تمام پہلوؤں کو اپنے اندر سمو لیا اور ایسی فرد تھیں جو ہمہ پہلوان میں جمع تھی انہیں ایسا خاندانی شرف، مجد اور عظمت حاصل تھی جس میں دوسری ازواج مطہرات ہم شریک نہ تھیں۔ سیدہ کے ماموں زاد اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں علی الاطلاق افضل ترین شخصیت یعنی سید الاولین والآخرین سیدنا ومولانا امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔ سیدہ کے بھائی اسلام کے پہلے علمبردار جن کے ہاتھ میں سب سے پہلے اسلام کا جھنڈا لہرایا گیا سب سے پہلے جنہیں ''امیر المومنین'' کا لقب عطا ہوا۔ جماعت شہداء کے ایک فرد فرید جنہیں ''مجدع'' کے لقب سے نوازا گیا۔ وہ خوش نصیب سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، سیدہ کے ایک بھائی عرب کے نامور شعراء میں شمار ہوتے تھے جن کا نام نامی اسم گرامی سیدنا ابو احمد بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔

سیدہ کی ہمشیرہ اسلام قبول کرنے والے ''السابقون الاولون'' میں شامل تھیں جن کا نام حمنہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔

اور سیدہ کی والدہ محترمہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی جنہیں آپ نے خیبر کی

---

[1] اسد الغابۃ ج ۵ ص ۴۶۳

کھجوروں سے وافر مقدار میں حصہ عنایت فرمایا یعنی امیمہ بنت عبدالمطلب اور خود سیدہ زینبؓ انکی برگزیدہ بیٹی ہیں جن کا ساتوں آسمانوں سے اوپر حضورؐ سے نکاح ہوا۔

ہجرت:

سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا قرآنی فیوض سے لطف اندوز ہوتی رہیں اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے مسرور تھیں لیکن قریش کا دست ستم بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ ان کے ظلم و جور سے یہ خاندان بھی محفوظ نہ تھا انہوں نے دوسری مرتبہ ہجرت حبشہ کے موقع پر اپنے تمام خاندان یعنی دو بھائی ابو احمد، عبیداللہ تین بہنیں زینب، ام حبیب اور حمنہ بنت جحش اور عبیداللہ کی بیوی ام حبیبہ بنت ابوسفیان کے ساتھ ہجرت کی۔

عبیداللہ نے حبشہ میں نصرانیت اختیار کر لی اور وہیں پیوند خاک ہوا۔ حضرت عبداللہ بن جحش اپنے بقیہ خاندان کو واپس مکہ لے آئے اور پھر مکہ مکرمہ سے اپنے قبیلہ کی شاخ بنی دودان کے تمام افراد کو جو سب کے سب دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے ساتھ لے کر مدینہ منورہ ہجرت کی۔

موصوف نے اپنے کنبہ قبیلہ کے لوگوں سے مکہ مکرمہ خالی کر دیا محلہ کا محلہ بے رونق ہو گیا اور بہت سے مکانات مقفل ہو گئے، بنو جحش نے حضرت عبداللہ بن جحش کی قیادت میں ہجرت کی اس پاک باز قافلہ میں ابو احمد بن جحش جو بینائی سے محروم ہو چکے تھے محمد بن عبداللہ بن جحش اور خاندان کی خواتین میں سے زینب بنت جحش حمنہ بنت جحش یعنی مصعب بن عمیر کی زوجہ اور ام حبیب بنت جحش جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی زوجہ محترمہ تھیں شامل تھے۔[1]

ابوسفیان نے بنو جحش کے تمام گھروں پر قبضہ کر لیا جب عبداللہ بن جحش نے بارگاہ رسالت مآب میں اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا:

"عبداللہ! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان گھروں کے بدلے تمہیں جنت کے اعلیٰ ترین گھر عطا فرما دے انہوں نے عرض کی ہم راضی ہیں آپؐ نے فرمایا: وہ تمہیں

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۹۰، عنوان تذکرہ عبداللہ بن جحش، سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۴۳

حضور علیہ السلام نے مدینہ منورہ میں حضرت عاصم بن ثابت بن ابی افلح انصاریؓ سے ان کے تمام قبیلہ کو اپنا میزبان بنایا۔ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں کے درمیان بھائی چارہ کرا دیا تھا۔[1]

نکاح:

ارشاد ربانی ہے:

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم[1]

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز وہ آدمی ہے جو زیادہ متقی ہے۔''

اسلام کے اولین مقاصد میں یہ بات شامل تھی کہ لوگوں کے درمیان عصبیت جاہلی غیرت اور رنگ ونسل کے امتیازات مٹا دیئے جائیں اور فضیلت کا معیار تقویٰ کو قرار دیا۔ حضور انور ﷺ نے تقویٰ کے پیمانے سے لوگوں کے درمیان مکمل مساوات کو فروغ دیا اور اس بے مقصد طبقاتی فرق کو پامال کرتے ہوئے آپ نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کا پیغام دیا۔

حضور انور ﷺ کا سیدہ زینبؓ کا سیدنا زیدؓ سے نکاح کر دینے میں یہ مصلحت بھی تھی کہ آپ سیدہؓ کو ان کے ذریعہ کتاب وسنت کی تعلیم سے بہرہ یاب کرانا چاہتے تھے۔[2]

سیدہ زینبؓ سید عالم ﷺ کی پھوپھی زاد بہن اور نہایت شریف اور معزز خاندان سے تعلق تھا۔ جبکہ سیدنا زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ موالی (یعنی آزاد کردہ غلام) سے تھے اور عرب میں دستور تھا کہ کسی آزاد کردہ غلام سے نکاح باعث ننگ وعار سمجھا جاتا تھا۔ سرور دو عالم نے جب سیدہ کو اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کا پیغام دیا تو سیدہ زینبؓ اور ان کے بھائی عبداللہ نے صاف انکار کر دیا اور اس رشتہ پر راضی نہ ہوئے ان کا خیال تھا کہ زیدؓ نسبی اور خاندانی حیثیت سے کم ہیں اور زینبؓ اعلیٰ خاندان سے ہیں۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۱   [1] سورہ حجرات

[2] طبرانی کبیر ج ۲۴ ص ۳۹ حدیث نمبر ۱۰۵ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۹۱ حدیث نمبر ۱۱۳۳۳

بھی اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ طلاق کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ بالآخر طلاق کی اجازت دے دی اور حضرت زیدؓ نے طلاق کے ذریعہ اپنا ازدواجی تعلق منقطع کر لیا۔

حضرت العلامہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس واقعہ کو اس طرح بیان فرماتے ہیں: جب بار بار یہ جھگڑے اور قضیے پیش آتے رہے تو آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر زیدؓ نے زینبؓ کو طلاق دے دی تو زینبؓ کی دلجوئی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اس سے نکاح کروں لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ کیا کہ یہ لوگ یہ طعنہ دیں گے کہ اپنے بیٹے کی جورو کو گھر میں رکھ لیا یعنی اس سے نکاح کر لیا۔ حالانکہ لے پالک یعنی متبنیٰ کسی طرح بیٹے کے حکم میں نہیں اور عرب میں مدت سے یہ ایک بڑا دستور چلا آ رہا تھا جس کو منہ بولا بیٹا بناتے اس کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے کو غایت درجہ معیوب سمجھتے تھے۔

خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس رسم بد کو رسول اللہ ﷺ کے قول اور عمل سے توڑ دیں۔ آپ کو بذریعہ وحی آسمانی مطلع کر دیا گیا کہ زیدؓ کے طلاق دینے کے بعد زینبؓ آپ کی زوجیت میں آئے گی۔ تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کا وہ حکم نہیں جو صلبی بیٹے کی بیوی کا حکم ہے۔

غرض یہ کہ آپ کو بذریعہ وحی مطلع کر دیا گیا کہ زینبؓ آپ کے نکاح میں آئے گی مگر رسول اللہ ﷺ نے بدباطنوں کے طعن و تشنیع کے خیال سے یہ طعنہ دیں گے کہ اپنے متبنیٰ کی جورو سے نکاح کر لیا۔ شرم کے مارے اس پیشین گوئی کو کسی پر ظاہر نہیں فرمایا بلکہ اس کو دل میں ہی پوشیدہ رکھا اور خیال کیا کہ خدا کی خبر بالکل حق اور صدق ہے اور وقت آنے پر خود ظاہر ہو جائے گی۔

نیز خدا تعالیٰ کی طرف سے فی الحال اس پیشین گوئی کے اظہار اور اعلان کا بھی کوئی حکم اور اشارہ نہ تھا اس لئے آپ نے اس امر تکوینی کو تو دل میں مخفی رکھا اور تشریعی طور پر زیدؓ کو یہ مشورہ دیتے رہے کہ زینبؓ کو طلاق نہ دینا اس لئے کہ شریعت کا حکم یہی ہے کہ شوہر کو یہی مشورہ دیا جائے کہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دو اور بیوی کی بے اعتنائی اور تیرہ وتی پر صبر کرو۔

اگر کسی کو بذریعہ وحی اور الہام یہ معلوم ہو جائے کہ تکوینی طور پر آئندہ چل کر یہ ماجرا پیش آنے والا ہے اور قضاء و قدر میں یہ مقدر ہو چکا ہے تو فی الحال شرعی حکم کا اتباع کرنا ہوگا قضاء و قدر اپنے وقت پر خود ظاہر ہو جائے گی۔[1]

حریم نبوت میں آمد۔

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عدت پوری ہو گئی تو سرورِ دو عالم ﷺ نے حضرت زید کو حکم دیا تم خود جا کر زینب سے میرے نکاح کا پیغام دو سیدنا زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے نکاح کا پیغام لے کر سیدہ زینب کے در دولت پر حاضر ہوتے ہیں۔ سیدہ اس وقت آٹا گوندھنے میں مشغول تھیں۔

سیدنا زید محض اس خیال سے کہ حضور انور ﷺ نے ان سے نکاح کی خواہش کا اظہار فرمایا ہے اس لئے تعظیماً زینب کو دیکھنا بھی سوئے ادب سمجھا اس لئے ان کی طرف پیٹھ کی اور دوسری طرف منہ کر کے کھڑے ہوئے اور جو کچھ کہنا تھا عرض کیا۔ (حالانکہ ابھی تک پردہ اور حجاب کا حکم نازل ہی نہیں ہوا تھا یہ ان کے تقویٰ اور ورع کے کمال کا اظہار تھا) اور عرض پرداز ہوئے۔ "اے زینب! مبارک ہو! تجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے وہ آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔"[2]

عرش بریں پر نکاح:

سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فی البدیہہ جواب دیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتی جب تک میں اپنے پروردگار عزوجل سے مشورہ یعنی استخارہ نہ کر لوں۔ اسی وقت اٹھیں اور گھر میں جو ایک جگہ مسجد کے نام سے عبادت کے لئے مخصوص کر رکھی تھی وہاں مشغول استخارہ ہو گئیں چونکہ سیدہ نے اس معاملہ میں کسی مخلوق سے مشورہ نہیں کیا خدائے عزوجل سے مشورہ چاہا اور اسی سے خیر کی طلبگار ہوئیں کیونکہ وہی ایمان والوں کا ولی ہے اس لئے اللہ رب العزت نے اپنی خاص ولایت سے آسمانوں پر فرشتوں کی موجودگی میں بغیر کسی ولی اور گواہ سرورِ دو عالم ﷺ کا نکاح حضرت زینب سے کر دیا۔

---

[1] سیرت مصطفیٰ ج۳ ص۱۹۴ [2] زرقانی علی المواہب ج۳ ص۲۴۰

آسمانوں میں تو اعلان ہو چکا تھا اب زمین پر بھی اس کے اعلام کی ضرورت تھی۔ چنانچہ جبریل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

فلما قضى زيد منها وطرا زوجناكها [1]

''پس جب زید زینب سے اپنی حاجت پوری کر چکے (اور ان کو طلاق دے دی) تو اے نبی کریم! ہم نے زینب کا نکاح آپ سے کر دیا۔''

اس کے بعد حضور انور ﷺ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور بلا اذن داخل ہوئے۔ [2]

ایک روایت میں ہے کہ سرور دو عالم ﷺ جب ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف فرما ہوئے تو انہوں نے عرض کیا کیا آپ سے میرا نکاح ہوا ہے؟ پھر کیا یا رسول اللہ! بغیر خطبہ اور گواہ کے نکاح ہو گیا ہے؟ حضور انور ﷺ نے فرمایا:

الله المزوج وجبريل الشاهد [3]

''اللہ تعالیٰ نکاح کرنے والا اور فرشتے گواہ تھے۔''

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور انور ﷺ میرے ہاں تشریف فرما تھے کہ آپ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں تو آپ کے چہرہ انور پر خوشی کی بہار دوڑ گئی آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کون ہے؟ جو زینب کو یہ بشارت سنائے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان پر میرے ساتھ اس کا نکاح کر دیا ہے۔

واذ تقول للذي انعم الله عليه الى آخره

آپ نے آخر تک یہ آیتیں پڑھ کر ہمیں سنائیں۔

سیدہ عائشہ فرماتی ہیں: جب حضور انور ﷺ یہ آیتیں تلاوت فرما چکے تو مجھے خیال آیا کہ حضرت زینب پہلے ہی حسین و جمیل تھیں اور اب وہ اس بات پر بھی فخر کریں

---

1. سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۳۷
2. مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۵، صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۶۱ کتاب النکاح
3. مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۷، حدیث نمبر ۱۵۳۳۲ ... ص ۱۴۱ حدیث نمبر ۱۵۳۳۳

کی کہ ان کا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کیا ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من يخطب الى زينب بشرها ان الله زوجنيها في السماء[2]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے قاصد نے سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ بشارت سنائی تو وہ سجدہ میں گر گئیں اور سجدہ شکر ادا فرمایا۔[3]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس احسان خداوندی پر بطور شکر دو ماہ کے روزے رکھنے کی نذر مان لی۔[4]

جب سید عالم ﷺ کے خادم حضرت سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بشارت سنانے سیدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سیدہ نے اس مژدہ دلفریب خوشی میں اپنا پہنا ہوا زیور سارا انہیں انعام میں دے دیا۔[4]

حضور انور ﷺ جب سیدہ زینبؓ کے پاس تشریف لے گئے تو آپ نے نام دریافت فرمایا چونکہ زینبؓ کا اصلی نام "برہ" تھا اس لئے انہوں نے کہا میرا نام برہ ہے آپ نے بجائے برہ کے زینب نام تجویز فرمایا۔[5]

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوسری امہات المومنین پر اپنی بڑائی اور فضیلت کا اظہار یوں فرمایا کرتی تھیں تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے سرور دو عالم ﷺ سے کرایا اور میرا نکاح اللہ جل شانہ نے سات آسمانوں کے اوپر کر دیا۔[6]

---

1. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۰۵، مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۳
2. المستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۳، الاصابہ ج ۴ ص ۳۱۴
3. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۰۳، زرقانی علی المواہب ج ۳ ص ۲۱۱
4. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۰۲   مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۳
5. صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۰۸ کتاب الآداب باب استحباب تغییر الاسم القبیح
6. صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۴ کتاب التوحید باب وکان عرشہ علی الماء

دل میں کیا چھپا تھا؟

احادیث و آثار اور محدثین و مفسرین کبار کے نزدیک حضور انور ﷺ اللہ تعالیٰ کی جانب سے موصول ہونے والی خبر کو دل میں چھپا رہے تھے کہ سیدنا زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طلاق دینے کے بعد سیدہ زینب کا نکاح آپ سے ہوگا۔

آپ کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ جب زینبؓ سے آپ کا نکاح ہو جائے گا تو عرب اپنے دستور جاہلیت کے مطابق یہ طعنے دیں گے کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ اگرچہ قرآن نے اس دستور جاہلیت کو ختم کر دیا ہے۔ مگر کفار جو قرآن کو مانتے ہی نہیں وہ اپنی جاہلانہ رسوم یعنی منہ بولے بیٹے کو تمام احکام میں حقیقی بیٹے کی طرح سمجھنے کی بنا پر زبان طعن دراز کریں گے یہ اندیشہ بھی حضرت زید کو طلاق دینے سے منع کرنے کا سبب تھا۔

اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے محبوبانہ عتاب قرآن کی ان آیات میں نازل ہوا:

واذ تقول للذي انعم الله عليه وانعمت عليه امسك عليك زوجك واتق الله وتخفي في نفسك ما الله مبديه وتخشى الناس والله احق ان تخشاه

"اور آپ اس وقت کو یاد کریں جب آپ کہہ رہے تھے اس شخص کو جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا۔ اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں روکیں۔ طلاق نہ دیں۔ اور خدا سے ڈریں اور تو چھپاتا تھا اپنے دل میں ایک چیز کو جس کو اللہ کھولنا چاہتا ہے اور تو لوگوں سے ڈرتا تھا اور اللہ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈریں۔"

اس آیت میں عتاب ان الفاظ میں نازل ہوا کہ جب منجانب اللہ حضرت زینبؓ کے ساتھ آپ کے نکاح کی خبر مل چکی ہے اور آپ کے دل میں حکم خداوندی کے مطابق ارادہ نکاح پیدا ہو چکا ہے تو پھر اس ارادے کو چھپانے کی کیا ضرورت ہے؟

رہا لوگوں کے طعنہ زنی کا ڈر۔ لوگوں کے طعنوں سے نہ ڈریں۔ ڈرنا تو آپ کو اللہ ہی سے سزاوار ہے یعنی جب آپ کو یہ معلوم تھا کہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

ہونے والا ہے اور اللہ کی ناراضی کا اس میں کوئی خوف و خطر نہیں تو کفار کے طعنے سے گھبرا کر آپ کے لئے یہ عمل مناسب نہیں تھا۔

جمہور مفسرین زہری، بکر بن العلاء قشیری، قاضی ابوبکر بن العربی، ابن کثیر، قرطبی اور روح المعانی وغیرہ سب نے اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔

وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ

کہ جب اللہ کی وحی کے ذریعہ آپ کا ارادہ ہو چکا ہے تو اس کو چھپانے کا کیا فائدہ۔ یہ تفسیر حکیم ترمذی و ابن ابی حاتم وغیرہ محدثین نے حضرت علی بن حسین زین العابدین کی روایت سے نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی یہ اطلاع دے دی تھی کہ حضرت زینبؓ کو زیدؓ طلاق دینے والے ہیں اور اس کے بعد وہ آپ کے نکاح میں آئیں گی۔"

ابن کثیر نے ابی حاتم کے حوالہ سے اس طرح نقل کیا ہے۔

"یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بتلا دیا تھا کہ حضرت زینبؓ بھی ازواج مطہرات میں داخل ہو جائیں گی۔ پھر جب حضرت زیدؓ ان کی شکایت لے کر آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا۔ اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تو آپ کو بتلا دیا تھا کہ میں ان سے آپ کا نکاح کرا دوں گا۔ اور آپ اپنے دل میں اس چیز کو چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے۔[1]

بعض مخالفین اسلام اور دشمنان رسول نے مشہور کر رکھا ہے کہ حضور انور ﷺ کی نظر سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر پڑ گئی اور آپ کا دل ان کی طرف مائل ہو گیا تھا اس پر آپ نے فرمایا: سبحان اللہ مقلب القلوب اور تُخْفِي فِي نَفْسِكَ سے دل میں حضرت زینبؓ کی محبت کا چھپانا مراد ہے۔

---

[1] تفسیر معارف القرآن ج ۷ ص ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵ ملخصاً

ان روایات کے متعلق امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

ہم نے ان روایات کو ذکر کرنا اس لئے پسند نہیں کیا کہ ان میں کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔[1]

علامہ محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ ان روایات پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

زینب کی محبت کو دل میں چھپانا یہ قصہ منافقین کا کذب اور افتراء ہے اہل ایمان کو ہرگز ہرگز اس پر یقین نہ کرنا چاہئے یہ قصہ ملاحدہ اور زنادقہ کے مفتریات اور مخترعات میں سے ہے جس کی کوئی سند نہیں۔

جمہور مفسرین نے اس قصہ کا موضوع کذب اور افتراء ہونا بیان کیا ہے علاوہ ازیں یہ قصہ بالکل بے اصل اور بے سند ہے اور خلاف عقل بھی ہے اس لئے کہ حضرت زینبؓ آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ لڑکپن سے آپ کے سامنے آتی جاتی تھیں اور بارہا آپ نے ان کو دیکھا تھا آپ سے کوئی پردہ نہ تھا اور نہ ہی پردہ کا حکم اب تک نازل ہوا تھا اور حضرت زینبؓ شادی کے بعد بھی آپ سے پردہ نہیں کرتی تھیں اور آپ کے سامنے آتی تھیں۔ تو کیا حضور انور ﷺ نے حضرت زینبؓ کو زید سے نکاح کے بعد ہی پہلی بار دیکھا تھا اور اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا؟ اگر آپ کو ان کا حسن و جمال پسند تھا تو پہلے ہی زید سے کیوں نکاح کر دیا جس پر خود زینب اور ان کے ورثا اور اولیاء بمشکل راضی ہوئے آپ نے خود ہی کیوں نہ ان سے نکاح کر لیا۔ ان کے اعزاء اور اقارب آپ سے نکاح کو بڑی خوشی کے ساتھ منظور کر لیتے۔[2]

حضرت زینبؓ کی محبت دل میں چھپانے والی روایت بالکل غلط اور سرتاپا دروغ بے فروغ ہیں بلکہ آیت کے صحیح معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو وحی کے ذریعہ آگاہ فرما دیا تھا کہ حضرت زید کے طلاق دینے کے بعد زینب آپ کے نکاح میں آئے گی بس جو چیز آپ دل میں چھپائے ہوئے تھے وہ یہی نکاح کی پیشین گوئی تھی جس کو بعد

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۹۱ سورۃ احزاب

[2] سیرۃ المصطفیٰ ج ۳ ص ۳۲۳

میں اللہ تعالیٰ نے "زوجنا کہا" سے ظاہر فرمادیا اور "تخشی الناس" کے معنی یہ ہیں کہ آپ اس کے اظہار سے شرماتے تھے کہ کسی کو یہ حکم دیں کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ خشیت سے مراد شرمانا ہے یا ڈر رہا ہے اور ڈر اس بات کا تھا کہ منافقین زبان طعن دراز کریں گے یا لوگ بدگمانی کر کے اپنی عاقبت خراب کر بیٹھے۔[1]

پاک منزہ نظر:

نبی کی آنکھ خیانت سے پاک اور منزہ ہوتی ہے جس طرح اللہ کا نبی معصوم ہوتا ہے اسی طرح اسکی آنکھ بھی معصوم ہوتی ہے جس طرح تمام عالم کا ایمان رحمت عالم ﷺ کے ایمان کا ادنیٰ سا عکس اور پرتو ہے اسی طرح تمام عالم کی نگاہوں کی عفت اور حیا اسی ذات قدسی صفات کی عصمت مآب اور نزاہت جناب کی نزاہت نظر اور طہارت بصر کا ایک ادنیٰ سا عکس اور پرتو ہے۔

نیز آپ کا نفس قدسی صفات اور ملکی سمات تھا۔ ہوائے نفسانی سے پاک اور منزہ تھا اور آپ کا ہمزاد یعنی شیطان جو ہر شخص کے ہمراہ رہتا ہے وہ آپ کا مسخر اور منقاد اور جبراً قہراً مسلمان یعنی آپ کا مطیع اور فرمانبردار بن چکا تھا۔ سوائے خیر کے اس کو کسی جانب میلان کی قدرت ہی نہ رہی تھی۔[2]

علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی المتوفی ۱۹۴۹ء اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں:

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم ﷺ کی پھوپھی زاد بہن اور قریش کے اعلیٰ خاندان سے تھیں آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ ان کا نکاح زید بن حارثہ سے کردیں یہ زید اصل سے شریف عرب تھے لیکن لڑکپن میں کوئی ظالم ان کو پکڑ لایا اور غلام بنا کر مکہ کے بازار میں بیچ گیا۔

حضرت خدیجہؓ نے خرید لیا اور کچھ دنوں بعد آنحضرت ﷺ کو ہبہ کردیا حضورؐ نے ان کو آزاد کردیا اور متبنیٰ بنا لیا۔

---

1. سیرۃ المصطفیٰ ج ۳ص ۲۱۵
2. سیرۃ المصطفیٰ ج ۳ص ۲۱۴

بہر حال حضرت زینبؓ کی خاندانی حیثیت چونکہ بہت بلند تھی اور زیدؓ بن حارثہ بظاہر داغِ غلامی اٹھا کر آزاد ہوئے تھے اس لئے ان کی (زینب کی) نیز ان کے بھائی کی مرضی زید سے نکاح کرنے کی نہ تھی۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول کو منظور تھا کہ اس طرح کے موہوم تفریقات اور امتیازات نکاح کے راستے میں حائل نہ ہوا کریں اس لئے آپ نے زینب اور ان کے بھائی پر زور دیا کہ وہ اس نکاح کو قبول کرلیں اسی وقت آیت اتری۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا

اور ان لوگوں نے اپنی مرضی کو اللہ اور رسول کی مرضی پر قربان کر دیا اور زینب کا نکاح زید بن حارثہ سے ہوگیا۔ حضرت زینبؓ زیدؓ کے نکاح میں آگئیں تو مزاج کی موافقت نہ ہوئی جب آپس میں لڑائی ہوتی تو زیدؓ آکر آنحضرت ﷺ سے ان کی شکایت کرتے اور کہتے: "میں اسے چھوڑتا ہوں" حضرت منع فرماتے کہ میری خاطر اور اللہ و رسول کے حکم سے اس نے تجھ کو اپنی منشاء کے خلاف قبول کیا۔ اب چھوڑ دینے کو وہ اور اس کے عزیز دوسری ذلت سمجھیں گے اس لئے خدا سے ڈر اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بگاڑ مت کر اور جہاں تک ہو سکے نباہ کی کوشش کرتا رہ۔

جب معاملہ کسی طرح نہ سلجھا اور بار بار جھگڑے قضیے پیش آتے رہے تو ممکن ہے کہ آپ کے دل میں آیا ہو کہ اگر ناچار زید چھوڑ دے گا تو زینب کی دلجوئی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اس سے نکاح کر دوں لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ کیا کہ اپنے بیٹے کی بیوی گھر میں رکھ لی۔

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو مطلع کر دیا کہ میں زینب کو تیرے نکاح میں دینے والا ہوں۔ کیوں دینے والا ہوں؟ اس کو خود قرآن کے الفاظ:

لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ

صاف صاف ظاہر کر رہے ہیں۔ اور شاید یہی حکمت ہوگی جو اولین زینب کا نکاح

زید سے زور دوال کر کرایا گیا' کیونکہ اللہ کو معلوم تھا کہ یہ نکاح زیادہ مدت باقی نہ رہے گا۔ چند مصالح ایسے تھیں جن کا حصول اس عقد پر معلق تھا۔

الحاصل آنحضرت ﷺ خود اپنے ذاتی خیال اور اپنی آسمانی بخشی ہوئی کے انکسار سے عوام کے طعن وتشنیع کا خیال فرما کر شرماتے تھے اور زید کو طلاق دینے کا مشورہ دینے میں بھی حیا کرتے تھے لیکن خدا کی خبر یہی ہوتی تھی اور اس کا حکم تکوینی وتشریعی ضرور تھا کہ نافذ ہو کر رہے آخرکار زید نے طلاق دے دی اور عدت گزرنے پر خدا نے زینب کا نکاح آنحضرت ﷺ سے باندھ دیا۔[1]

راہ خدا میں خرچ کرنا:

شہنشاہ دو عالم ﷺ کی وصف جود وسخا کا مشاہدہ دن رات امہات المومنین کرتی رہتی تھیں۔ اس لئے ان میں بھی یہ وصف بدرجہ اتم پایا جاتا تھا' تھوڑا یا زیادہ جو مال بھی آتا اسے راہ خدا میں خرچ کرنے میں جلدی کی جاتی اپنی ذاتی ضروریات کی قطعاً پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی راہ خدا میں بے دریغ خرچ کرتی تھیں سید عالم ﷺ نے ان کے اس وصف کو ایک عجیب انداز میں بیان فرمایا۔

ازواج مطہرات میں سے کسی نے سرور دو عالم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سب سے پہلے کون وفات پا کر آپ سے جا ملے گی؟

آپ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جو سب سے زیادہ لمبے ہاتھوں والی ہے۔[2]

آپ کی مراد یہی تھی جو زوجہ سخاوت وبخشش اور جود وکرم کے لحاظ سے تم میں سے جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں وہ سب سے پہلے وفات پا کر میرے پاس آئے گی۔ ازواج مطہرات حضور انور ﷺ کے اس اشارہ کو نہ سمجھ سکیں اس لئے وہ ایک لکڑی لے کر اپنے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں۔

ایک روایت میں ہے: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی

---

[1] تفسیر عثمانی ص ۵۶۲ فوائد نمبر ۵۔

[2] بخاری ج ۱ ص ۱۹۱ مسلم ج ۲ ص ۲۹۱

ہیں کہ سید عالم ﷺ کے وصال کے بعد جب بھی تمام ازواج آپس میں کسی کے گھر پر جمع ہوتیں تو دیوار پر ہم اپنے ہاتھ خوب کھینچ کر رکھتیں اور ناپا کرتی تھیں۔ اس سے ہمیں اندازہ ہوا کہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہم میں سب سے زیادہ لمبی ہیں لہٰذا ان ہی کے ہاتھ بھی سب سے زیادہ لمبے تھے۔[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ جب سرورِ دو عالم کے بعد سب سے پہلے سیدہ زینب کا انتقال ہوا حالانکہ وہ بہت دھان پان اور مختصر قد و قامت کی تھیں تب وقت ہم نے سمجھا کہ لمبے ہاتھوں سے حضور انور ﷺ کی مراد صدقہ و خیرات میں فیاضی تھی۔ جسمانی قد و قامت نہیں تھا۔ کیونکہ حضرت زینب دستکار تھیں اور اپنی محنت سے کما کر بے حد صدقہ و خیرات کیا کرتی تھیں۔[2]

امام نووی فرماتے ہیں:

سیرت نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور انور ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج میں حضرت زینب ہی وہ پہلی خاتون ہیں جو فوت ہوئیں۔[3]

امام نووی فرماتے ہیں:

اہل لغت کسی آدمی کی سخاوت اور فیاضی کے تذکرہ کرتے ہیں تو یہ محاورہ استعمال کرتے ہیں:

فلان طویل الید و طویل الباع

اور جب کسی کی کنجوسی کا تذکرہ ہو تو کہتے ہیں:

قصیر الید و الباع

سیدہ زینب کھالوں کو رنگنے کی مزدوری کر کے رقم صدقہ کر دیتی تھیں۔[4]

علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ سیدہ دستکاری کے ذریعہ جو کچھ کماتی تھیں راہِ خدا

---

1. صحیح بخاری ج۱ ص۱۹۱ کتاب الزکوۃ باب فضل صدقۃ الشحیح الصحیح، مسلم ج۲ ص۲۹۱
2. مستدرک حاکم ج۴ ص۲۵
3. سیرت حلبیہ ج۳ ص۴۲۳، زرقانی جلد ۳ ص۲۳۳
4. نووی شرح مسلم ج۲ ص۲۹۱ — الاصابہ ج۴ ص۳۱۳

میں صدقہ کردیتی تھیں۔ (الاستیعاب ج ۴ ص ۳۱۵ حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۵۴)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

زینبؓ سے بڑھ کر کوئی عورت میں نے نہیں دیکھی جو اپنی جان کو محنت میں کھپا کر مال کماتی اور صدقہ کردیتی ہو اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتی ہو۔[1]

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا محنت کرکے جتنا کچھ کماتی سارا مسکینوں پر صدقہ کردیتی تھیں اس سے بہت سے مسکین اور غریب لوگوں کا کام چلتا تھا جس کی وجہ سے ان کا لقب "ماوی المساکین" پڑگیا تھا۔[2] (یعنی مسکینوں کا ٹھکانہ)

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی مقدس زندگی کے اختتام پر بھی صدقہ کرنے ہی کی وصیت فرما رہی تھیں۔

سیدہ نے فرمایا میں نے اپنے لئے کفن تیار کرکے رکھا ہوا ہے اور حضرت عمرؓ بھی میرے لئے کفن بھیجیں گے اس لئے تم دونوں میں سے ایک کفن کو صدقہ کردینا۔ چنانچہ ان کی وصیت کے مطابق ان کی بہن حضرت حمنہؓ نے اس کفن کو صدقہ کردیا تھا جسے سیدہ نے اپنے لئے تیار کیا تھا۔[3]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سیدہ زینبؓ کے انتقال کے بعد فرمایا

لقد ذهبت حميدة متعبدة مفزع اليتامى والارامل[4]

"تعریف کے لائق اور عبادت گزار ہو کر دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئی کہ یتیموں اور بیواؤں کو گھبراہٹ میں ڈال گئیں کیونکہ وہ اب سوچیں گے کہ ہم پر کون خرچ کرے گا۔"

1. مسلم ج ۲ ص ۲۹۱ طبع ۱۱۱ و بیروت ج ۴ ص ۱۹۰۷
2. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۰۸
3. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۰۹، اصابہ ج ۴ ص ۳۱۴
4. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۰۹، اصابہ ج ۴ ص ۳۱۴

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا دنیا کی رنگینیوں، مال و دولت یا کسی اور چیز کا شوق نہیں رکھتی تھیں بلکہ وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتی تھیں، چمڑا پکا تھیں اسے صاف کرتیں یا اپنے ہاتھ سے ریشم کا اون بنا کر بیچ دیتیں اور اس کی ساری آمدنی اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتی تھیں۔

زہد و قناعت:

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے زہد و قناعت کے بے شمار واقعات ہیں ہم سیدہ کی باندی حضرت برزہ بنت رافع کی زبانی ان حالات کو پیش کرتے ہیں برزہ فرماتی ہیں کہ: جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وظائف تقسیم فرمائے تو سیدہ کی خدمت میں پہلی مرتبہ ان کا وظیفہ بھیجا سیدہ نے خیال فرمایا کہ یہ مال تمام ازواج مطہرات کے لئے ہے لیکن انہیں بتایا گیا کہ یہ مال صرف آپ کے لئے ہے آپ نے فرمایا: "سبحان اللہ" پھر اپنے اور اس مال کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا (تاکہ وہ مال نظر بھی نہ آئے کیونکہ وہ ایک اجنبی چیز اور نامحرم ہے)

سیدہ نے برزہ کو حکم دیا کہ یہ مال ایک طرف ڈال دو اور کپڑا اس پر ڈھانک دو پھر باندی کو فرمایا اس کپڑے کے نیچے سے مٹھی بھر کر فلاں یتیم کو دے آؤ اور مٹھی بھر فلاں کو دے آؤ جب اس طرح وہ مال تقسیم ہوتا رہا اور تھوڑا سا رہ گیا تو برزہ نے عرض کیا اے ام المومنین! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اس مال میں ہمارا بھی کچھ حق ہے آپ نے فرمایا: اس کپڑے کے نیچے جو باقی ہے سب تم لے لو۔ برزہ کہتی ہیں: کہ جب میں نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو ۸۵ درہم تھے جب سب مال تقسیم ہو چکا تو سیدہ نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی:

اللھم لا یدرکنی عطاء عمر بعد عامی ھذا

"اے اللہ! اس سال کے بعد عمر کا وظیفہ مجھے نہ پائے۔" چنانچہ سال گزرنے نہ پایا کہ آپ کا انتقال ہو گیا تھا۔[1]

---

1. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۰۹، صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۲۵، الاصابہ ج ۴ ص ۳۱۴

دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سالانہ وظیفہ بارہ ہزار درہم تھا جب وہ بارہ ہزار درہم بیت المال سے آپ کی خدمت میں بھیجے گئے تو بار بار کہتی تھیں

اللھم لا یدرکنی ھذا المال من قابل فانہ فتنۃ

"اے اللہ! یہ مال آئندہ سال میرے پاس نہ آنے پائے یہ تو فتنہ ہے۔"

یہ کہہ کر اسی وقت وہ سارا مال اپنے اقرباء اور حاجتمندوں میں تقسیم کر دیا جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ یہ ایسی خاتون ہیں جس سے خیر ہی کی امید کی جا سکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے خیر اور بھلائی ہی کا ارادہ کیا گیا ہے۔

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود سیدہ کے در دولت پر تشریف لائے دروازہ پر کھڑے ہو کر سلام پیش فرمایا اور فرمایا مجھے معلوم ہے کہ آپ نے وہ ساری رقم صدقہ کر دی ہے یہ ایک ہزار درہم اور پیش خدمت ہیں اپنی ضروریات کے لئے رکھ لیں لیکن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اسے بھی اسی وقت فقراء اور ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیا۔[1]

ام المومنینؓ نے اپنے ترکہ میں نہ تو کوئی درہم چھوڑا اور نہ ہی دینار ان کے پاس جو کچھ بھی آتا راہ خدا میں صدقہ کر دیتی تھیں اور یہ مساکین کی پناہ گاہ تھیں۔[2]

ورع وتقویٰ:

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقویٰ وطہارت پرہیزگاری اور ورع میں بھی بہت بلند مقام رکھتی تھیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو چند مخلص صحابہ اور سیدہ زینبؓ کی بہن حمنہ بھی اس پروپیگنڈہ سے متاثر ہو گئے لیکن سیدہ زینبؓ کا دامن تقدس تابدار رہا۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج۸ ص ۳۰۰ اصابہ ج ۸ ص ۹۳
[2] طبقات ابن سعد ج۸ ص ۳۰۲

چنانچہ جب سرور دو عالم ﷺ نے سیدہ زینبؓ سے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے متعلق رائے دریافت فرمائی تو انہوں نے یوں درفشانی فرمائی:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احمی سمعی و بصری۔ واللہ ما علمت علیہا الا خیرا[1]

"یا رسول اللہ! میں اپنے کان اور آنکھ کو محفوظ رکھتی ہوں۔ خدا کی قسم! میں عائشہؓ کے متعلق سوائے خیر اور بھلائی کے کچھ نہیں جانتی۔"

یعنی جو چیز میری آنکھ نے نہیں دیکھی اور نہ میرے کان نے سنی وہ میں اپنی زبان سے کیسے کہہ سکتی ہوں۔ سیدہ زینبؓ کو معلوم تھا کہ عائشہؓ میری سوکن ہے اور وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ عائشہ صدیقہؓ آپؐ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں اگر آپؓ چاہتیں تو اس وقت کوئی کلمہ ایسا کہہ گزرتیں جو عائشہ صدیقہؓ کو رسول اللہ ﷺ کی نظروں میں گرانے کا سبب بن سکتا۔ لیکن ان کے کمال ورع اور تقویٰ نے اس کی بھی اجازت نہ دی کہ خاموشی اپنا لیں بلکہ قسم اور حصر کے ساتھ فرماتی ہیں:

واللہ ما علمت علیہا الا خیرا

"خدا کی قسم! میں تو عائشہؓ میں خیر و خوبی اور بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی۔"

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے ورع اور تقویٰ کا اعتراف ان الفاظ میں فرمایا:

فعصمہا اللہ بالورع[2]

یعنی اللہ تعالیٰ نے ورع اور پرہیزگاری کی بدولت زینب بنت جحشؓ کو اس فتنہ سے محفوظ رکھا ایک روایت میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہ الفاظ منقول ہیں:

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۵ کتاب الشہادات باب تعدیل النساء بعضہن بعضاً

[2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵ ، زرقانی ج ۳ ص ۲۴۳

وان اللہ عصمها بالورع [1]

"تحقیق اللہ تعالیٰ نے ورع کی برکت سے ان کو اس فتنے سے محفوظ رکھا۔"

قدر و منزلت:

حقیقت و رحمت آقائے دو عالم ﷺ کے نزدیک ام المومنین زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بڑا بلند مرتبہ تھا اور ان کی بڑی قدر و منزلت تھی ابن سعد لکھتے ہیں کہ حضور انور ﷺ کی ازواج مطہرات میں آپ کے نزدیک زیادہ مرتبہ سیدہ عائشہ، ام سلمہ اور سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا تھا۔

رسول اللہ ﷺ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں نمازیں بھی ادا فرمایا کرتے تھے اور یہ بہت بڑی منقبت اور ان کی برکات میں سے ایک عظیم برکت ہے۔

اس واقعہ سے بھی رسول اللہ ﷺ کے دل میں سیدہ زینب کی قدر و منزلت اور الفت کی قدر ظاہر ہوتی ہے کہ آپ کا معمول تھا کہ نماز عصر کی ادائیگی کے بعد تھوڑی تھوڑی دیر تمام ازواج کے پاس تشریف لے جاتے اور دلجوئی کے لئے ان سے گفتگو فرماتے اور جب کسی کے پاس زیادہ دیر ہو جاتی تو بعض ازواج مطہرات کو فطری طور پر ناگواری محسوس ہوتی تو ایک مرتبہ حضور انور ﷺ سیدہ زینب بنت جحش کے پاس تشریف لائے وہاں تھوڑی دیر ٹھہرے اور شہد نوش فرمایا تو حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے دل میں عورت کی فطری غیرت اور ناگواری نے جنم لیا جیسے کہ بخاری شریف کی روایت میں ہے:

رسول اللہ ﷺ سیدہ زینبؓ کے ہاں شہد نوش فرمایا کرتے اور وہاں کچھ دیر ٹھہرتے تھے میں نے اور حفصہؓ نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی آپ تشریف لائیں تو وہ کہہ دے آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ مجھے مغافیر کی بو آرہی ہے۔ حضور انور ﷺ نے اس بات کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ نہیں بلکہ میں نے تو زینب بنت جحش کے ہاں شہد نوش کیا ہے اور اب آئندہ نہیں پیوں گا اور میں نے حفصہؓ سے بھی کہہ دیا تھا کہ یہ راز کی بات تھا اس پر قرآنی آیات نازل ہو گئیں۔[2]

---

1. الاصابہ ج ۴ ص ۳۱۳
2. منقول: جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین ص ۲۱۳

مدح وستائش:

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذات والا صفات میں بھلائی کی تمام صفات دین، خیر، سخاوت، ورع وتقویٰ اور خدمت خلق پائی جاتی تھیں یہاں تک کہ ان کی سوکنیں بھی مدح سرا تھیں۔

چنانچہ جب ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اطلاع ملی کہ ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرما گئی ہیں تو انہوں نے اپنے جذبات اور احساسات کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا۔

"آج ایک عبادت گزار اور محبوب خاتون رخصت ہوگئی جو یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کیا کرتی تھیں۔"[1]

ایک موقع پر ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر کیا گیا تو فرمایا: "اللہ تعالیٰ زینب بنت جحش پر رحم فرمائے انہیں اس دنیا میں ایسا شرف حاصل ہوا تھا جو کسی دوسرے کو حاصل نہ ہو سکا اللہ جل شانہ نے ان کا نکاح اپنے نبی سے کر دیا اور قرآن نے اس بات پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔"[2]

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی سیدہ زینبؓ کی تعریف سے رطب اللسان ہیں وہ فرماتی ہیں: وہ ایک نیک اور نماز و روزے کثرت سے ادا کرنے والی خاتون تھیں۔[3]

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

سیدہ زینبؓ انتہائی دیندار بھلائی اور صدقہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والی خاتون تھیں۔[4]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۰۰۔ تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ ص ۳۴۵

[2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۰۹۔ تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ ص ۳۴۵

[3] ایضاً

[4] تاریخ اسلام ذہبی ج ۲ ص ۱۱۲ بحوالہ جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین ص ۸۶

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

وہ دین، تقویٰ، ورع، سخاوت اور بھلائی کے کاموں کے اعتبار سے خواتین کی سردار تھیں۔[1]

علامہ ذہبی ایک اور شہادت اس طرح پیش فرماتے ہیں:

"سیدہ زینب نیک خو، کثرت سے روزے رکھنے والی، شب زندہ دار، اپنے ہاتھ سے محنت کر کے آمدنی مساکین پر نچھاور کرنے والی خاتون تھیں۔"[2]

علامہ ابن کثیر انتہائی سچے الفاظ میں مدح سرائی کرتے ہیں:

"سیدہ زینب پہلی مہاجر خواتین کی سرخیل، صدقہ اور بھلائی کے کاموں میں سب سے آگے تھیں۔"[3]

انتقال پر ملال:

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ۲۰ ھ مطابق ۶۴۱ء میں انتقال ہوا۔ جب سیدہ نے محسوس کیا کہ اب وہ اپنے رب ذوالجلال کی خدمت میں حاضر ہونے والی ہیں جب کہ وہ ہمیشہ اس مبارک ملاقات کے لیے تیار رہتی تھیں۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو فرمایا: "میں نے اپنا کفن تیار کیا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کوئی کفن بھیجیں تو دونوں میں سے کوئی ایک کفن صدقہ کر دینا اور اگر تم میری ازار (تہبند) صدقہ کر سکو تو کر دینا۔"[4]

سکرات موت کے عالم میں صدقہ اور بھلائی کرنا زہد کی عدیم النظیر مثال ہے اور سامان آخرت کی پیش بندی کا نادر الوقوع واقعہ ہے سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایسی ہی بے مثال سخاوت کے پیش نظر انہیں "ام المساکین" کا لقب سزاوار تھا۔

۱۔ سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۱۲

۲۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۰۹

۳۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴۸

۴۔ معارف ابن قتیبہ بحوالہ جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین ص ۱۴۸

آخری لمحات میں سیدہؓ نے وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ سرور دو عالم ﷺ کی چارپائی پر اٹھایا جائے۔ اس سے پہلے امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تابوت نبوی پر قبر تک پہنچانے کی سعادت حاصل ہو چکی تھی۔ اور یہ پہلی خوش نصیب خاتون تھیں جو صدیقؓ کے بعد تابوت نبوی پر اٹھائی گئیں۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیدہؓ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع ملی تو آپ نے منادی کو حکم دیا کہ اعلان کر دو کہ سیدہ زینبؓ کے پاس ان محرم مردوں کے علاوہ کوئی آدمی نہ جائے اور امیر المؤمنینؓ اس فکر میں مصروف ہو گئے کہ سیدہؓ کی میت کو غیر محرم مردوں کی نظروں سے مستور رکھا جائے۔

اسی اثنا میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پیغام بھیجا کہ میں نے حبش میں دیکھا ہے کہ لوگ اپنے مردوں کے لیے گہوارہ بناتے ہیں۔ چنانچہ سیدہؓ کے لئے بھی گہوارہ بنا کر کپڑے سے ڈھک دیا گیا۔ سیدنا عمرؓ نے دیکھ کر بہت پسند فرمایا اور ارشاد فرمایا یہ بہترین خیمہ اور پالکی ہے۔ پھر منادی کے ذریعہ اعلان کرایا گیا کہ اپنی ماں کی نماز جنازہ ادا کرنے کے لئے آ جاؤ۔ لوگ جوق در جوق سیدہ کے جنازہ کے لئے پہنچنا شروع ہو گئے۔[1]

اس دن گرمی بہت شدید تھی۔ جہاں قبر کھودی جا رہی تھی وہاں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خیمہ لگوا دیا تھا کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا خیمہ تھا جو بقیع میں قبر پر لگایا گیا۔

سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی ابو احمد بن جحش جو بینائی سے محروم ہو چکے تھے چارپائی کے پاس افسردہ کھڑے تھے اور لوگوں کا بے پناہ ازدحام تھا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے ارشاد فرمایا ابو احمد! چارپائی سے دور رہو کہیں ازدحام میں کچلے نہ جاؤ۔

ابو احمد نے جواب دیا: اے عمرؓ! یہ وہ خاتون ہیں جن کی وجہ سے ہمیں ساری بھلائیاں نصیب ہوئیں۔ آج میرے آنسو اس گرمی کی حرارت کو ٹھنڈا کر دیں گے۔[2]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۰۶/۳

[2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۰۶، مختصر طبرانی ج ۳ ص ۲۰۴

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی آپ کی خواہش تھی کہ قبر میں میت اتارنے کی سعادت بھی حاصل کریں لیکن امہات المومنین کا ارشاد تھا انہیں قبر کے سپرد وہی افراد کریں گے جو زندگی میں ان کے پاس آتے جاتے تھے۔ یعنی جن سے شرعاً پردہ نہ تھا۔

چنانچہ اسامہ بن زید، محمد بن عبداللہ بن جحش، عبداللہ بن ابو احمد، محمد بن طلحہ بن عبداللہ نے سیدہ کو جنت البقیع میں قبر میں اتارا۔ جب نعش قبر میں اتاری جانے لگی تو کپڑا تان کر پردہ کر لیا گیا تھا۔

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن کے وقت قبر کے کنارے بیٹھے رہے اور دیگر اکابر صحابہ پاس کھڑے رہے۔[1]

ہم اپنی ماں ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس تابناک سیرت کے اختتام پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دہراتے ہیں:

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُقْتَدِرٍ[2]

"بے شک پرہیزگار لوگ جنت کے باغوں اور نہروں میں ہوں گے بہترین مقام پر طاقتور بادشاہ کے پاس۔"

مسئلہ ختم نبوت:

قرآن مجید میں سیدنا زید اور سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے واقعہ کو بیان کرنے کے بعد یہ آیت بھی نازل ہوئی۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَٰكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا[3]

"محمد باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر اور ہے اللہ سب چیز جانتا ہے۔ (ترجمہ اردو کی)"

۱۔ طبقات ج ۸ ص ۱۱۰ ۲۔ سورہ قمر آیت نمبر ۵۴،۵۵

۳۔ سورہ احزاب آیت نمبر ۴۰

جو لوگ رسم جاہلیت کے مطابق زید بن حارثہ کو رسول اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور ان کی طلاق کے بعد حضرت زینبؓ سے رسول اللہ ﷺ کے نکاح کرنے پر طعن کرتے تھے کہ بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا ہے اللہ جل شانہ نے اس کے رد میں فرمایا کہ حضرت محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ زید کا باپ تو حارثہ ہے۔ ایسا شخص جس کی اولاد میں کوئی بھی مرد نہ ہو یہ طعن کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ اس نے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرلیا۔

قرآن کی بلاغت پر قربان جائیں اس نے لفظ "رجال" سے اس شبہ کو بھی دور کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ تو چار فرزندوں کے والد ہیں قاسمؓ طیبؓ طاہر اور ابراہیمؓ لیکن وہ سب بچپن میں وفات پاگئے ہیں ان میں سے کوئی بھی "رجال" کی حد میں داخل نہیں ہوا یعنی جوانی کی حد تک نہیں پہنچے۔

پھر یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ ہر نبی و رسول اپنی امت کا باپ ہوتا ہے اس لحاظ سے رسول اللہ ﷺ امت کے سب ہی مردوں اور عورتوں کے باپ ہیں آپ سے ابوت کی نفی گویا نبوت کی نفی ہے۔

اس شبہ کا جواب "لکن رسول اللہ" سے دیا گیا کہ حقیقی اور نسبی باپ ہونا اور چیز ہے جس پر نکاح کے حلال وحرام کے احکام عائد ہوتے ہیں اور بحیثیت نبوت امت کا روحانی باپ ہونا دوسری چیز ہے جس سے یہ احکام متعلق نہیں ہوتے یعنی حضور ﷺ امت کے مردوں میں سے کسی کے بھی نسبی باپ نہیں لیکن روحانی باپ ساری امت کے ہیں۔[1]

یہ آیت قرآنی اس بارے میں نص قطعی اور محکم ہے کہ آنحضرت ﷺ خدا تعالیٰ کے آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا اور یہی مضمون بکثرت احادیث صحیحہ اور صریحہ اور متواترہ سے ثابت ہے۔ کہ نبوت آپ پر ختم ہوگئی اور آپ کے بعد جو نبوت کا دعوی کرے وہ بلاشبہ کذاب اور دجال ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا اور آپ کا آخری پیغمبر ہونا آپ کے بعد کسی

---

[1] تفسیر معارف القرآن مفتی ملخصاً ص ۱۶۰

[2] تفسیر معارف القرآن ادریسی ج ۶ ص ۴۹۸
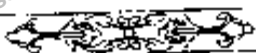
نبی کا دنیا میں مبعوث نہ ہونا اور ہر مدعی نبوت کا کاذب و کافر ہونا ایسا مسئلہ ہے جس پر صحابہ کرام سے لے کر آج تک ہر دور کے مسلمانوں کا اجماع اور اتفاق رہا ہے۔[1]

نکاح کی تاریخ:

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سرور دو عالم ﷺ نے کس سن میں نکاح کیا تھا۔ امام محمد بن یوسف الصالحی الدمشقی المتوفی ۹۴۲ھ نے تین اقوال نقل فرمائے ہیں: (۳ھ میں) (۴ھ میں) اور (۵ھ میں)[2]

سن ۳ھ کا قول نقل کرنے والے حضرات:

علامہ ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں ابوعبیدہ کہتے ہیں ۳ھ میں نکاح ہوا۔[3]

علامہ ابن حجر عسقلانی نے دونوں قول نقل کئے ہیں ۳ھ اور ۵ھ[4]

علامہ ابن اثیر نے بھی ابوعبیدہ کا قول ۳ھ کا بیان کیا ہے۔[5]

علامہ ابن سید الناس فرماتے ہیں کہ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۳ھ میں آپ کی زوجیت میں آئی ہیں۔[6]

امام محمد بن سعد المتوفی ۲۳۰ھ بیان کرتے ہیں

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کب نکاح فرمایا تھا؟ انہوں نے کہا جب ہم غزوہ مریسیع سے واپس لوٹے اس وقت یا اس کے کچھ دن بعد نکاح ہوا تھا۔[7]

ابن سعد عمر بن عثمان سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور انور ﷺ نے ذی قعدہ ۵ھ میں سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عقد فرمایا تھا اس وقت سیدہ کی عمر ۳۵ سال تھی۔[8]

حضرت قتادہ کا قول ہے ۵ھ میں سیدہ زینب حضور انور ﷺ کے نکاح میں آئی

---

1. تفسیر معارف القرآن مفتی ج ۷ ص ۱۴۳
2. سبل الہدیٰ ج ۱۱ ص ۱۸۲
3. الاستیعاب ج ۴ ص ۳۱۳ بر حاشیہ الاصابہ
4. الاصابہ ج ۴ ص ۳۱۳
5. اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۴
6. عیون الاثر ج ۲ ص ۳۸۸
7. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۱۴
8. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۱۴

تھیں ۔[1]

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں

نکاح کی تاریخ میں اختلاف ہے حافظ ابن حجر نے اصابہ میں اور ابن عبد البرؒ نے استیعاب میں دو قول نقل کئے ہیں کہ ۳ ہجری میں ہوا یا ۵ ہجری میں ہوا ابن کثیر نے ۵ ہجری کو ترجیح دی۔ ابن سعد نے حضرت انس سے بھی ۵ ہجری نقل کیا ہے حضرت عائشہ کی بعض روایت سے بھی اسی کی ترجیح معلوم ہوتی ہے۔[2]

مہر

امام ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ سرور دو عالم ﷺ نے سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر چار سو درہم مقرر فرمایا تھا۔[3]

سیدہ کا اعزاز:

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی ابواحمد بن جحش نے سیدہ کا نکاح آپ سے کیا تھا۔

امام سہیلی المتوفی ۵۸۱ھ فرماتے ہیں یہ روایت گزشتہ حدیث کے معارض معلوم ہوتی ہے کیونکہ ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوسری ازواج پر فخر فرمایا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ تمہارے نکاح تمہارے اعزہ و اقارب نے سید عالم ﷺ سے کروائے ہیں۔

وزوجنی رب العالمین من فوق سبع سموات[4]

"اور میرا نکاح رب العالمین نے سات آسمانوں سے اوپر کیا ہے۔"

علامہ محمد ادریس کاندھلوی فرماتے ہیں:

"ممکن ہے کہ بعد میں نکاح بھی پڑھ دیا ہو۔"[5]

---

1. الاستیعاب ج ۴ ص ۳۱۳ بر حاشیہ الاصابہ، اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۳
2. تفسیر معارف القرآن ج ۷ ص ۲۱۰
3. الروض الانف ج ۲ ص ۲۰۹
4. سیرۃ ابن ہشام ج ۲
5. سیرۃ المصطفیٰ ج ۲ ص ۳۱۷

عن انس بن مالک قال: لما نزلت فی زینب بنت جحش "فلما قضیٰ زید منہا وطراً زوجنکہا"[1] قال: فکانت تفخر علی نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم تقول: زوجکن اھلوکن وزوجنی اللہ عز وجل من فوق سبع سموات[2]

اس حدیث کی اسناد بالکل صحیح ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تمام ازواج کے نکاح ان کے ورثاء نے رسول اللہ ﷺ سے کئے ہیں لیکن زینبؓ کا نکاح اللہ تعالیٰ نے خود حضور انور ﷺ سے کیا ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

وکان الذی ولی تزویجہا منہ ہو اللہ عز وجل بمعنی انہ اوحی الیہ ان یدخل علیہا بلا ولی ولا عقد ولا مہر ولا شہود من البشر[3]

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کا نکاح آسمان پر ہی کر دیا تھا جس کی وجہ سے دنیا میں ایجاب وقبول اور تعیین مہر اور دیگر متعلقات نکاح کی ضرورت نہ رہی۔

علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

"جب اللہ تعالیٰ نے زینب سے آپ کا عقد کر دیا تو آپ بغیر اجازت بدون نکاح مہر اور دیگر جو چیزیں امت کے لئے نکاح کی متعلقات ہوتی ہیں۔ حضرت زینب کے پاس تشریف لے گئے۔"[4]

ولیمہ:

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح اللہ جل مجدہ نے اپنی خاص

---

[1] سورہ احزاب: ۳۸

[2] بخاری [illegible]

[3] تفسیر ابن کثیر سورہ احزاب

[4] تفسیر فتح القدیر بحوالہ معارف القرآن جلد ۷ ص ۳۷۰

ولایت سے فرمایا تھا اور پھر اس کے متعلق قرآنی آیات بھی نازل فرمائیں اس لئے سرورِ دو عالم ﷺ نے اس نکاح کے ولیمہ میں خاص اہتمام فرمایا تھا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی بیوی کے ولیمہ میں اس قدر اہتمام نہیں فرمایا جس قدر سیدہ زینب بنت جحش کے ولیمہ میں فرمایا آپ نے ایک بکری ذبح فرمائی اور لوگوں کو مدعو کیا اور پیٹ بھر کر لوگوں کو گوشت روٹی کھلائی۔[1]

لوگ کھانا کھا کر چلے گئے مگر تین آدمی بیٹھے باتیں کرتے رہے اور حضور انور ﷺ نے شدتِ حیاء کی وجہ سے زبان سے تو کچھ نہ فرمایا لیکن مجلس سے اٹھ کر چلے گئے تاکہ وہ سمجھ جائیں آپ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لے گئے اور فرمایا: السلام علیکم اهل البیت ورحمة الله سیدہ نے جواب میں عرض کیا۔ وعلیك ورحمة الله۔ پھر سیدہ عائشہؓ نے آپ کو مبارک باد دی پھر دیگر تمام ازواج کے حجروں میں تشریف لے گئے اور سب سے اسی طرح کلام فرمایا۔ اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔[2]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ

"اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ داخل ہو مگر جب تمہیں اذن دیا جائے کھانا کھانے کے لئے اس حال میں کہ اس کے پکنے کا انتظار نہ کرو۔

---

[1] صحیح بخاری ج۲ ص ۷۰۶ سورہ احزاب، صحیح مسلم ج۱ ص ۴۶۱

[2] سورہ احزاب آیت نمبر ۵۳

لیکن جب تم کو بلایا جائے کہ اب کھانا تیار ہوگیا ہے تو آ جاؤ اور جب کھانا کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو اٹھ کر چلے جاؤ اور باتوں میں مشغول نہ ہو جاؤ اور وہ تم سے شرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو حق بات کہنے میں کوئی حجاب نہیں۔ اور اگر تم بیبیوں سے کوئی ضرورت کی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو اس میں تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی طہارت اور صفائی ہے۔"

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں جب حضور انور ﷺ نے سیدہ زینبؓ سے نکاح فرمایا تو میری والدہ ام سلیمؓ نے (جو رسول اللہ ﷺ کی رشتہ میں خالہ لگتی تھیں) کھجوریں گھی اور پنیر سے حیس (ایک خاص قسم کا حلوہ) تیار کیا اور میرے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ اور کہا عرض کرنا کہ یہ میری والدہ نے بھیجا ہے وہ آپ کی خدمت میں سلام کہتی ہیں اور عرض کرتی ہیں ہماری طرف سے یہ قلیل ساہدیہ ہے قبول فرمائیں۔

سیدنا انسؓ فرماتے ہیں کہ میں وہ ملیدہ کا طشت لے کر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنی والدہ محترمہ کا سلام عرض کیا اور یہ بھی کہا کہ یہ ہماری طرف سے قلیل سا ہدیہ ہے۔

حضور انور ﷺ نے فرمایا اسے رکھ دو پھر ارشاد فرمایا: جاؤ اور فلاں فلاں کو بلا لاؤ اور جو بھی آدمی راستہ میں ملے اسے بھی بلا لاؤ۔ آپ نے کچھ لوگوں کے نام بھی لئے چنانچہ جن کے نام لئے وہ بھی اور جو راستہ میں ملا اسے آپ کی طرف سے دعوت دیتا گیا جب وہ سب آگئے۔

راوی حدیث کہتے ہیں حضرت انسؓ سے پوچھا گیا ان کی تعداد کتنی تھی؟ تو انہوں نے بتایا: تین سو تھی۔ پھر حضور انور ﷺ نے فرمایا: انسؓ! وہ طشت لاؤ۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں تمام کھانے والے آگئے یہاں تک کہ صفہ اور آپ کا حجرہ بھر گیا آپ نے اس حلوے پر اپنا دست مبارک رکھ کر کچھ پڑھا اور پھر دس دس آدمیوں کو بلانے لگے اور ان سے کہا کہ اللہ کا نام لے کر ہر ایک آدمی اپنے سامنے سے کھائے سب نے شکم سیر ہو

کر تھا یا ایک گروہ داخل ہوتا وہ کھاتا کھا کر نکلتا پھر دوسرا داخل ہوتا اور سیر ہو کر باہر نکلتا یہاں تک کہ سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔

پھر حضور انور ﷺ نے مجھے فرمایا: انس! اب اس طشت کو اٹھالو۔ میں نے جب اسے اٹھایا تو میں نہیں کہتا کہ جب میں نے طشت رکھا تھا اس وقت حلوہ زیادہ تھا یا جس وقت سب کے کھا لینے کے بعد جب طشت اٹھایا اس وقت زیادہ تھا۔[1]

ایک تعارض اور اس کا حل:

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

بظاہر یہاں دو روایات میں تعارض معلوم ہوتا ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے گوشت اور روٹی ولیمہ میں کھلایا اور اس روایت میں ام سلیم کا تیار کردہ حلوہ کھلانے کا ذکر ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ راوی کو وہم ہوا ہے اس نے ایک قصہ کو دوسرے قصہ میں داخل کر دیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ دونوں روایات میں تطبیق ممکن ہے کہ پہلے حضور اقدس ﷺ نے گوشت روٹی کے ساتھ تواضع کی ہو اور وہ لوگ جو پہلے آئے تھے گوشت روٹی کھانے کے بعد چلے گئے۔

اس کے بعد جو لوگ کھانے کے بعد بیٹھے باتیں کر رہے تھے ان کے لئے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیس (حلوہ) لے کر پہنچ گئے پھر حضور انور ﷺ نے حضرت انس کو مزید لوگ بلانے کو بھیجا اور انہوں نے آ کر حیس (حلوہ) تناول کیا۔[2]

معجزۂ نبوی:

سرور دو عالم ﷺ کے ولیمہ کی دعوت میں ایک بکری ذبح کی گئی تھی مسلم شریف کی روایت کے مطابق وہ گوشت تین سو افراد نے کھالیا مگر ختم نہ ہوا۔

جب کہ دوسری روایت میں حضرت ام سلیم کا بھیجا ہوا حلوہ جو صرف ایک طباق

---

[1] صحیح مسلم ج۱ ص۱۱ ۴ کتاب النکاح

[2] فتح الباری ج۹ ص۲۲۷ باب ۶۷ حدیث نمبر ۵۱۶۳

میں تھا اور ام سلیم نے خود بھی یہی عرض کیا تھا کہ قلیل سا ہدیہ قبول فرمالیں! اسی ایک طشت سے تین سو آدمیوں نے شکم سیر ہو کر کھایا لیکن کھانا کم ہونے کی بجائے کچھ زیادہ ہی ہو گیا تھا۔ اور علامہ ابن حجر عسقلانی کے بیان کے مطابق وہ کھانا ایک ہزار آدمیوں نے کھایا تھا۔ یہ سید عالم ﷺ کا معجزہ تھا کہ تھوڑی سی مقدار کا کھانا سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کے کھانے کے باوجود اس میں کمی واقع نہیں ہوئی اور کھانے اور پانی میں ایسی برکات کے کئی واقعات کتب احادیث میں پائے جاتے ہیں۔[1]

امام ابن سعد حضرت انس کی روایت نقل کرتے ہیں کہ جب سب لوگ کھانا کھا چکے مگر کھانے میں کوئی واضح کمی نہ ہوئی یہ منظر دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ اتنے لوگوں نے کھانا کھالیا مگر کھانا اتنے کا اتنا ہی ہے تو میں والدہ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں یہ تعجب انگیز بات بتائی تو والدہ نے فرمایا اس میں تعجب کی کون سی بات ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس کھانے کو مدینہ منورہ کے سارے لوگ بھی کھاتے تو پھر بھی ختم نہ ہوتا (حضور کے معجزہ کی وجہ سے)

نزول حجاب:

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے موقع پر سید عالم ﷺ نے دعوت ولیمہ کی اور یہی ولیمہ نزول حجاب کا سبب بنا آیات حجاب لوگوں کی تعلیم اور نصیحت کے لئے نازل ہوئیں کہ لوگ نبی کے گھر بغیر اجازت داخل نہ ہوں اور جب انہیں کھانے وغیرہ پر بلایا جائے تو وہ نبی کے گھر کھانا کھا کر جلد چلے جائیں گپ شپ کے لئے نہ رکیں۔

بعض روایت میں پردے کے حکم کا نزول سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موافقات میں سے ہے جیسا کہ امام بخاری سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے

---

1. مسلم شریف ج ۱ ص ۲۲۴
2. صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۲۴
3. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۲

ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا

میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے پاس "نیک و بد" ہر طرح کے لوگ آتے ہیں اگر آپ چاہیں تو امہات المومنین کو پردہ کرنے کی تلقین فرمائیں تو اللہ تعالیٰ نے حجاب کی آیت نازل فرمائیں۔[1]

امام ابن سعدؒ نے حضرت انسؓ سے روایت نقل فرمائی ہے

پہلی مرتبہ آیات حجاب سرور دو عالم ﷺ اور سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ولیمہ کے موقعہ پر نازل ہوئیں یہ واقعہ ہجرت کے پانچویں سال کا ہے اللہ جل شانہ نے سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کو مسلم خواتین کے لئے قیامت تک کے لئے بابرکت قرار دیا اور حوا کی بیٹیوں پر پردہ کو فرض قرار دے کر شرف پاکیزگی اور خلوص کا تحفہ عطا فرمایا۔[2]

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع المتوفی (۱۳۹۶ھ) لکھتے ہیں:

باتفاق علماء امت اس پردے کے متعلق پہلی آیت وہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی لا تدخلوا بیوت النبی ﷺ اور یہ آیت حضرت زینب بنت جحشؓ کے نکاح اور زوجیت نبوی میں داخلے کے وقت نازل ہوئی ہے۔[3]

نکاح کے اثرات:

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ سرور دو عالم ﷺ کے نکاح کی چند خصوصیات ہیں:

☆ اس نکاح سے زمانہ جاہلیت کی ایک رسم "متبنّیٰ اصل بیٹے کا حکم رکھتا ہے" مٹ گئی۔

☆ اسلامی مساوات کا ایسا عظیم الشان منظر دیکھنے کو آیا کہ آزاد و غلام کی تمیز ختم ہوگئی۔

---

1. صحیح بخاری ج ۲ کتاب التفسیر سورۃ الاحزاب
2. طبقات ابن سعد ۱۸۱ بحوالہ جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین
3. تفسیر معارف القرآن ج ۷ ص ۲۱۱

☆ پردہ کا حکم نازل ہوا۔

☆ لوگوں کو حکم ہوا کہ کسی کو حقیقی باپ کے علاوہ منہ بولے باپ کی طرف منسوب نہ کرو۔

☆ اس نکاح پر شاندار ولیمہ ہوا جس میں گوشت روٹی اور مالیدہ بھی موجود تھا۔ لوگوں نے شکم سیر ہو کر کھایا۔

☆ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر پڑھا تھا۔

●●●

سیدنا زیدؓ کا تعارف

حضرت زیدؓ کے والد حارثہ بنی قضاعہ سے تعلق رکھتے تھے جو یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ تھا' ان کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ بن معن سے تھیں جو قبیلہ طے کی ایک شاخ تھی وہ ایک مرتبہ اپنے صغیر سن بچے حضرت زیدؓ کو ساتھ لے کر اپنے میکے گئیں اسی اثناء میں بنوقین کے سوار جو غارت گری سے واپس آ رہے تھے اس نونہال کو قسمت کے ہاتھ سے اٹھا لیا اور غلام بنا کر عکاظ کے بازار میں فروخت کے لئے پیش کیا' ستارہ اقبال بلند تھا' غلامی میں بھی سیادت مقدر تھی' حکیم بن حزام نے چار سو درہم میں خرید کر اپنی پھوپھی ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ کی خدمت میں پیش کیا' جن کی وساطت سے سرور دو عالم ﷺ کی غلامی کا شرف نصیب ہوا جس پر ہزاروں آزادیاں اور تمام دنیا کی شہنشاہیاں قربان ہیں۔

حضرت زیدؓ کے والد حارثہ بن شرحبیل کو قدرۃً اپنے لخت جگر کے گم ہو جانے کا شدید غم ہوا آنکھوں سے سیل اشک بہائے دل آتش فراق سے بھڑک اٹھا اور محبت پدری نے الفاظ کی رنگ آمیزی سے اس طرح اس رنج والم کا نقشہ کھینچا'

بکیت علی زید ولم ادر ما فعل — احی فیرجی ام اتی دونہ الاجل

"میں نے زید پر گریہ وزاری کی لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیا ہوا کیا آیا زندہ ہے جس کی امید کی جائے یا اسے موت آ گئی۔"

فواللہ ما ادری وان کنت سائلا — اغالک سہل الارض ام غالک الجبل

"خدا کی قسم میں جانتا ہوں اگرچہ پوچھتا بھی ہوں کہ کیا تجھے نرم زمین نگل گئی یا پہاڑ کھا گیا؟"

فیالیت شعری ہل لک الدہر رجعۃ — فحسبی من الدنیا رجوعک لی بجل

"کاش! میں جانتا کہ آیا تیرا آنا بھی ممکن ہے؟ پس تیرا واپس آ جانا ہی میرے لیے دنیا میں کافی ہے۔"

تذکرنیہ الشمس عند طلوعہا ... وتعرض ذکراہ اذا قارب الطفل

"آفتاب اپنے طلوع ہونے کے وقت اس کو یاد دلاتا ہے اور جب غروب کا وقت قریب آ جاتا ہے تو اس کی یاد کو پھر تازہ کر دیتا ہے۔"

وان ہبت الارواح ہیجن ذکرہ ... فیا طول ما حزنی علیہ ویا وجل

"باد بہاری کی لپٹ اس کی یاد کو برانگیختہ کر دیتی ہے آہ! مجھے اس پر کس قدر شدید رنج والم ہے۔"

سأعمل نص العیس فی الارض جاہداً ... ولا اسأم التطواف او تسأم الابل

"عنقریب میں اونٹ کی طرح چل کر تمام دنیا چھان ماروں گا میں اس آوارہ گردی سے اپنی زندگی بھر نہیں تھکوں گا یہاں تک کہ اونٹ تھک جائے گا۔"

حیاتی او تاتی علی منیتی ... وکل امرء فان وان غرہ الامل

"یا مجھ پر موت آ جائے ... ہر آدمی فانی ہے اگرچہ سراب امید اسے دھوکا دے۔"

واوصی بہ قیسا وعمرا کلیہما ... واوصی یزید ثم من بعدہم جبل

"میں قیس اور عمرو دونوں کو اس کی جستجو کی وصیت کرتا ہوں اور یزید کو پھر ان کے بعد جبل کو وصیت کرتا ہوں۔"

جبل سے مراد جبلہ بن حارثہ ہیں جو حضرت زیدؓ کے بڑے بھائی تھے اور یزید ان کے اخیافی بھائی تھے۔

ایک سال بنی کلب کے چند آدمی حج کے خیال سے مکہ آئے تو انہوں نے اس یوسف گم گشتہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور یعقوب صفت باپ کا ماجرائے غم کہہ سنایا بولے "یقیناً انہوں نے میری فرقت میں نوحہ خوانی کی ہوگی تم میری طرف سے میرے خاندان والوں کو یہ اشعار سنا دینا۔

احن الی قومی وان کنت نائیا ... بانی قطین البیت عند المشاعر

"میں اپنی قوم کا مشتاق ہوں گو ان سے دور رہوں۔ میں خانہ کعبہ میں مشعر حرام کے قریب رہتا ہوں۔"

فکفوا من الوجد الذی قد شجاکم ولا تعملوا فی الارض نص الاباعر

"اس لیے اس غم سے باز آ جاؤ جس نے تم کو پر الم بنا رکھا ہے اور اونٹوں کی طرح چل کر دنیا کی خاک نہ چھانو۔"

فانی بحمد اللہ فی خیر اسرۃ کرام معد کابرا بعد کابر

"الحمد للہ! کہ میں بنی معد کے ایک معزز اور اچھے خاندان میں ہوں جو پشتہا پشت سے معزز ہے۔"

بنی کلب کے زائرین نے واپس جا کر ان کے والد کو اطلاع دی تو تعجب سے ان کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وفور یاس نے یک بیک یقین نہ ہونے دیا بولے رب کعبہ کی قسم! کیا میرا ہی نور نظر تھا؟ ان لوگوں نے جب تفصیل کے ساتھ حلیہ پتے قیام اور مربی کے حالات بیان کیے تو اسی وقت اپنے بھائی کعب بن شرحبیل کو ہمراہ لے کر مکہ کی طرف چل کھڑے ہوئے اور حضرت سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بصد منت ولجاجت عرض کی "اے ابن عبداللہ! اے ابن عبدالمطلب! اے اپنی قوم کے رئیس زادہ! تم اہل حرم اور اس کے یاور ہو مصیبت زدوں کی دستگیری کرتے ہو قیدیوں کو کھانا دیتے ہو ہم تمہارے پاس اس غرض سے آئے ہیں کہ ہمارے لڑکے کو آزاد کر کے ہم کو رہین منت بنا دو اور بطور فدیہ جس قدر چاہو ہم بیش قرار معاوضہ دینے کو تیار ہیں ارشاد ہوا وہ کون ہے بولے زید بن حارثہ آنحضرت ﷺ نے حضرت زید کا نام سنا تو ایک لمحہ تفکر کے بعد فرمایا کیا اس کے سوا تمہاری کوئی اور حاجت نہیں؟ عرض کی نہیں فرمایا زید کو بلا کر اختیار دو اگر وہ تمہیں پسند کرے تو تمہارا ہے اور اگر مجھے ترجیح دے تو خدا کی قسم! میں ویسا نہیں ہوں جو اپنے ترجیح دینے والے پر کسی کو ترجیح دوں حارثہ اور کعب نے اس شرط پر مسرت کے ساتھ رضامندی ظاہر کی" حضرت زید بلائے گئے آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا تم ان دونوں کو پہچانتے ہو؟ عرض کی ہاں! یہ میرے باپ اور چچا ہیں۔ میں نے ان کے

ہاتھ میں قرعہ انتخاب دے کر فرمایا میں کون ہوں؟ اس سے تم واقف ہو میری ہم نشینی کا حال بھی تم کو معلوم ہے اب تمہیں اختیار ہے چاہے مجھے پسند کرو یا ان دونوں کو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شاہنشاہ کونین کی غلامی میں جو لطف ملا تھا اس پر صد ہا آزادیاں نثار تھیں بولے میں ایسا نہیں ہوں جو حضور پر کسی کو ترجیح دوں آپ ہی میرے ماں باپ ہیں حضرت زیدؓ کی اس مخلصانہ وفا شعاری نے ان کے باپ اور چچا کو محو حیرت کر دیا تعجب سے بولے زیدؓ افسوس تم آزادی باپ چچا اور خاندان پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو فرمایا ہاں مجھے اس ذات پاک میں ایسے ہی محاسن نظر آئے ہیں کہ میں اس پر کسی کو بھی ترجیح نہیں دے سکتا۔

حضرت زیدؓ نے اپنی غیر متزلزل وفا شعاری سے آقائے شفیق کے دل میں محبت کی دبی ہوئی چنگاری کو مشتعل کر دیا آنحضرت ﷺ نے خانہ کعبہ میں مقام حجر کے پاس ان کو لے جا کر اعلان فرمایا کہ زید آج سے میرا فرزند ہے میں اس کا وارث ہوں گا وہ میرا وارث ہوگا اس اعلان سے ان کے باپ اور چچا کے افسردہ دل گل شگفتہ کی طرح کھل گئے گو والد کو مفارقت گوارا نہ تھی تاہم اپنے لخت جگر کو ایک شفیق و معزز باپ کے آغوش عاطفت میں دیکھ کر اطمینان ہو گیا اور امتنان و مسرت کے ساتھ واپس گئے۔

اس اعلان کے بعد حضرت زیدؓ آنحضرت ﷺ ہی کے انتساب کے ساتھ زید بن محمد کے نام سے زبان زد عام و خاص ہوئے یہاں تک کہ جب اسلام کا زمانہ آیا اور قرآن پاک کی الہامی زبان نے صرف اپنے نسبی آباء کے ساتھ انتساب کی ہدایت فرمائی تو وہ پھر حارثہ کی نسبت سے زید بن حارثہ مشہور ہوئے۔[1]

متبنیٰ کا حکم:

عرب میں دستور تھا کہ اگر کسی کو بیٹا بنا لیا گیا تو اس کے ساتھ حقیقی بیٹوں کی طرح معاملہ کیا جاتا تھا چنانچہ جب حضور انور ﷺ نے زید کو بیٹا بنا لیا تو صحابہ کرام انہیں زید بن محمد پکارنے لگے۔

---

[1] طبقات ابن سعد جز ثالث ص ۲۸ تا ۲۹ بحوالہ سیر صحابہ

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہا کرتے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے زید کو بیٹا بنا لیا تھا قرآن میں یہ حکم نازل ہوا تو پھر یہ عادت چھوڑ دی۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ:

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ[2]

"اور نہیں کیا تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے۔ یہ تمہاری بات ہے اپنے منہ کی اور اللہ کہتا ہے ٹھیک بات اور وہی سمجھاتا ہے راہ پکارو لے پالکوں کو ان کے باپ کی طرف نسبت کر کے یہی پورا انصاف ہے اللہ کے یہاں۔"

اس کے بعد متبنیٰ بنانے کا وہ دستور جو جاہلیت میں عام تھا ختم ہو گیا اور اسلام نے خاندانی نظام کے احکامات نافذ کئے اس طرح نسب کا سلسلہ اپنی حقیقی بنیادوں کی طرف منتقل ہو گیا اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ منہ بولا بیٹا تمہارا حقیقی بیٹا نہیں بن جاتا' یعنی وہ دوسرے بیٹوں کے ساتھ نہ وہ میراث میں شریک ہوگا اور نہ حرمت نکاح کے مسائل اس پر عائد ہوں گے کہ بیٹے کی مطلقہ بیوی جس طرح باپ پر ہمیشہ کے لئے حرام ہے تو متبنیٰ کی بیوی بھی حرام ہو۔

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۷۰۶

[2] سورہ احزاب آیت ۵

حجاب نسواں

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا

پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

جس کی فطرت تھی حیا اور آبرو
عصمت و عفت کی پتلی نیک خو

ہو گئی تہذیب یورپ سے خراب
کر دیا بدنام و رسوا کو بکو

ستر اور حجاب میں فرق:

"ستر عورت" اور "مسئلہ حجاب" دو علیحدہ علیحدہ موضوع ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا[1]

اس میں "ستر عورت" کا حکم ہے۔

اور دوسری آیت میں مسئلہ حجاب کا ذکر ہے۔

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ[2]

مرد اور عورت کے ستر میں بھی فرق ہے مرد کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ہے جسم کے اس حصہ کو مردوں کے سامنے ننگا کرنا بھی حرام ہے سوائے بیوی کے اور کسی کے سامنے ظاہر کرنا منع ہے۔ جبکہ آزاد عورت کا ستر چہرہ اور ہتھیلی چھوڑ کر سارا جسم ہی عورت ہے البتہ عورت کا ستر عورت کے لئے بھی ناف سے گھٹنے تک ہی ہے اتنا حصہ عورت کا عورت بھی نہیں دیکھ سکتی سوائے بچہ کی ولادت کے وقت جس میں معذوری ہے یہ پھر خاوند کے لئے جائز ہے۔

چہرہ اور ہتھیلیاں اگرچہ ستر عورت میں شامل نہیں ہیں اس لئے مجبوری کے وقت غیر محرم مردوں کے سامنے ان کا ظاہر ہونا جائز ہے جیسے قاضی کے پاس شہادت کے دوران علاج معالجہ کے وقت، نماز کے دوران، حج کے دوران تجارتی معاملہ طے کرتے وقت، نکاح کے لئے چہرہ اور ہاتھوں کا کھولنا جائز ہے لیکن چہرہ کھول کر بازاروں میں پھرنا اور غیر مردوں کے سامنے جانے کی اجازت نہیں ہے۔

نظر کی حفاظت:

"بدنظری" کو ام الخبائث کی حیثیت حاصل ہے اور یہ تمام فواحش کا سرچشمہ ہے اسلام نے اس سوراخ کو پہلے بند کیا اور نظر کو آنکھوں کا زنا اور شیطان کا تیر قرار دیا کہ

---

[1] سورۂ نور

[2] سورۂ احزاب

"ایمان والی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور اپنی شہوت کی جگہوں کو تھامے رکھیں اور اپنی زیبائش نہ دکھلائیں مگر جو ان میں سے کھلی چیز ہے۔"

ان آیتوں کا لب ولہجہ بتا رہا ہے کہ آنکھوں کی بے باکی اور ان کی آزادی شہوت میں انتشار اور شرمگاہ میں ابھار پیدا کرتی ہے سنجیدگی سے غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ آنکھوں میں ایک ایسا زہر پوشیدہ ہے جو موقع پا کر انسانی دل و دماغ میں تیزی سے سرایت کرنے کی ہمیشہ ہمت کرتا ہے اور جب سرایت کر جاتا ہے تو دل و دماغ کو ماؤف کر دیتا ہے چنانچہ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ جب کسی اجنبی عورت کے حسن و جمال پر کسی کی نظر پڑی اور اسے بار بار دیکھا تو اس کی دبی دبائی چنگاری انگارہ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

نگاہ کے فتنے:

حافظ ابن القیم تحریر فرماتے ہیں:

نگاہ شہوت کی قاصد اور پیامبر ہوتی ہے اور نگاہ کی حفاظت دراصل شرمگاہ اور شہوت کی جگہ کی حفاظت ہے جس نے نظر کو آزاد کر دیا اس نے اس کو ہلاکت میں ڈال دیا اور نظر ہی ان تمام آفتوں کی بنیاد ہے جن میں انسان مبتلا ہوتا ہے کیونکہ نظر کھٹک پیدا کرتی ہے پھر کھٹک فکر کو وجود بخشتی ہے اور فکر شہوت کو ابھارتی ہے شہوت ارادہ کو جنم دیتی ہے ارادہ قوی ہو کر عزیمت میں تبدیل ہو جاتا ہے اور عزیمت میں مزید پختگی ہو کر فعل واقع ہوتا ہے جس سے اس منزل پر پہنچ کر اس وقت کوئی چارہ کار نہیں رہتا جب کوئی مانع حائل نہ ہو۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

النظرة سهم مسموم من سهام ابليس[2]

"نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے۔"

---

[1] الجواب الکافی ص ۲۰۳ بحوالہ اسلام کا نظام عفت و عصمت ص ۲۱۸

[2] الترغیب والترھیب ج ۳ ص ۳۳ کتاب النکاح۔ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۲

تنظر سهم مسموم الى القلب[1]

"نگاہ ایک تیر ہے جو دل میں زہر ڈال دیتا ہے۔"

آیات قرآنی:

پہلی آیت:

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ[2]

عورتوں کے پردہ کے متعلق سب سے پہلے یہی آیت نازل ہوئی۔[3]

دوسری آیت:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَائِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ وَاتَّقِينَ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا[4]

تیسری آیت:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا[5]

چوتھی آیت:

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا[6]

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۹۲

[2] سورۃ الاحزاب

[3] [illegible] ص ۱۴۰

[4] سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۵۵

[5] سورۃ الاحزاب

[6] سورۃ الاحزاب

پانچویں آیت:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ [1]

چھٹی آیت:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا الی قولہ وتوبوا الی اللہ جمیعا ایہا المومنون لعلکم تفلحون [2]

ساتویں آیت:

والقواعد من النساء اللاتی لا یرجون نکاحا فلیس علیہن جناح ان یضعن ثیابہن غیر متبرجات بزینۃ وان یستعففن خیر لہن واللہ سمیع علیم [3]

چہرہ چھپانا:

مولانا ظفر احمد فرماتے ہیں۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ چہرہ اگرچہ ستر میں داخل نہیں ہے مگر پھر بھی عورتوں کو لوگوں میں چہرہ کھولنے سے روکا جائے گا تاکہ کوئی فتنہ برپا نہ ہونے پائے۔ قدرت نے عورت کے چہرہ میں کچھ ایسی جاذبیت اور کشش رکھی ہے کہ مرد عورت کے اس حصہ کو دیکھ کر اس کی طرف کھنچتے ہیں اور مردوں کے دل میں فطری شہوت کروٹیں لینے لگتی ہے۔ [4]

علامہ ابن عابدین الشامی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

---

[1] سورہ النور۔

[2] سورہ نور۔

[3] سورہ نور۔

[4] احکام القرآن جلد ۳ صفحہ ۴۶۹

والمعنی تمنع من الکشف لخوف ان یری الرجال وجھھا فتقع الفتنۃ الا انہ مع الکشف قد یقع النظر الیھا بشھوۃ لے

''عورت کو چہرہ کھولنے سے روکا جائے گا تا کہ اس کے چہرہ کو مرد نہ دیکھنے پائے کیونکہ چہرہ کھلنے کی صورت میں بھی نگاہ شہوت کے ساتھ پڑتی ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

''یعنی بدن ڈھانپنے کے ساتھ چادر کا کچھ حصہ سر سے نیچے چہرہ پر بھی لٹکا لیویں۔ روایات میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر مسلمان عورتیں بدن اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ دیکھنے کے لئے کھلی رہتی تھی۔ ٢

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید لکھتے ہیں:

''عورت کو چہرے کا پردہ لازم ہے کیونکہ گندی اور بیمار نظریں اسی پر پڑتی ہیں۔ چہرہ، ہاتھ اور پاؤں عورت کا ستر ہیں۔ یعنی نماز میں ان اعضاء کا چھپانا ضروری نہیں۔ لیکن گندی نظروں سے ان اعضاء کا حتی الوسع چھپانا ضروری ہے۔'' ٣

مفتی عاشق الٰہی بلندشہری لکھتے ہیں:

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ پردہ کا حکم تو اسلام میں ہے لیکن چہرہ کا پردہ نہیں ہے ان نادانوں کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا کہ اگر چہرہ کا پردہ نہیں ہے تو مردوں اور عورتوں کو نظریں نیچی رکھنے کا حکم کیوں ہے؟ چہرہ میں کشش ہے اور وہی مجمع المحاسن ہے۔ سورہ احزاب کی آیت:

یدنین علیھن من جلابیبھن

سے چہرہ ڈھکنے کا واضح حکم معلوم ہو رہا ہے اور بعض لوگوں کو نماز کے مسئلہ سے

لے روح المعانی ص ۲۴۹ مطالب فی حجاب المرأۃ
٢ تفسیر عثمانی
٣ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۸ ص ۶۰

ڈھکا ہوا ہے عورت کا ستر نماز کے لئے اتنا ہے کہ چہرہ اور گٹوں تک دونوں ہاتھ اور ٹخنوں تک دونوں قدموں کے علاوہ پورا جسم ایسے کپڑے سے ڈھکا ہوا ہو کہ بال اور کھال اچھی طرح چھپ جائیں نماز میں اگر چہرہ کھلا رہے تو نماز ہو جائے گی۔

فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ شرائط نماز کے بیان میں لکھا ہے پردہ کے بیان میں نہیں لکھا منہ کھول کر نماز ہو جانے کے جواز سے غیر محرم کے سامنے بے پردہ ہو کر آنے کا ثبوت دینا بڑی بددیانتی ہے فقہاء پر اللہ کی ہزاروں رحمتیں ہوں ان پاک طینت بزرگوں کے دل پہلے کھٹک گئے تھے کہ فاسد الخیال لوگ مسائل نماز کی تصریحات سے نامحرموں کے سامنے بے پردہ ہو کر آنے پر استدلال کریں گے۔

درمختار میں جہاں شرائط نماز کے بیان میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ چہرہ اور کفین (ہتھیلیاں) اور قدمین (پاؤں) ڈھانکنا صحت نماز کے لئے ضروری نہیں ہے وہیں یہ بھی درج ہے۔

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لانه عورة بل لخوف الفتنة [1] (در مختار شامی صفحہ ٢٨٤ ج ١)

"اور جوان عورتوں کو (نامحرم) مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے سے روکا جائے گا (اور یہ روکنا) اس وجہ سے نہیں کہ چہرہ (نماز کے) ستر میں داخل ہے بلکہ اس لئے کہ نامحرم کے سامنے چہرہ کھولنے میں فتنہ کا خوف ہے۔"

شیخ ابن ہمامؒ "زاد الفقیر" میں شرائط نماز بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفي الفتاوى الصحيح ان المعتبر في فساد الصلوٰة انكشاف ما تحت الاذنين وفي حرمة النظر يسرى بينهما اى ما فوق الاذنين وتحتهما.

"فتاوی کی کتابوں میں ہے کہ مذہب صحیح یہ ہے کہ کانوں سے اوپر (یعنی بال اور سر) کے کھل جانے سے نماز فاسد ہوگی اور غیر مردوں کے لئے

---

[1] درمختار ج ١ ص ٢٩٩ مطلب فی ستر العورۃ

کانوں کے اوپر کا حصہ اور کانوں کے نیچے کا حصہ یعنی چہرہ وغیرہ کے، پیچھے کا ایک ہی حکم ہے یعنی دونوں حصوں کا دیکھنا حرام ہے۔"[1]

ناظر کی تشریح:

امام قرطبی المتوفی ۶۷۱ھ طویل بحث کے بعد لکھتے ہیں جوان اور حسین عورت کو فتنہ میں ابتلاء کی وجہ سے چہرہ اور کف کا چھپانا ہوگا البتہ بوڑھی عورت ان کا اظہار کر سکتی ہے۔

ان المرأة اذا كانت جميلة وخيف من وجهها وكفيها الفتنة فعليها ستر ذلك' وان كانت عجوزا او مقبحة جاز ان تكشف وجهها وكفيها[2]

امام ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان الشہیر بابی حیان المتوفی ۷۴۵ھ فرماتے ہیں:

"الزينة" ما تزين به المرأة من حلى أو كحل او خضاب' فما كان ظاهرا منها كالخاتم والفتخة والكحل والخضاب' فلا بأس بابدائه للأجانب' وما خفي منها كالسوار والخلخال والدملج والقلادة والاكليل والوشاح والقرط' فلا تبديه الا لمن استثنى.

وذكر الزينة دون مواضعها مبالغة في الامر بالتصون والتستر لان هذه الذين واقعة على مواضع من الجسد لا يحل النظر اليها لغير هؤلاء وهي الساق والعضد والعنق والرأس والصدر والاذان' فنهى عن ابداء الزين نفسها ليعلم ان النظر لا يحل اليها لملابستها تلك المواقع بدليل النظر اليها

---

[1] تحفۂ خواتین ص ۹۸۲
[2] تفسیر قرطبی ج ۱۲ ص ۲۲۹

غیر ملابسة لها وسومح فی الزینة الظاهرة لان سترها فیه حرج فان المرأة لا تجد بدا من مزاولة الاشیاء بیدها ومن الحاجة الی کشف وجهها خصوصا فی الشهادة والمحاکمة والنکاح وتضطر الی المشی فی الطرقات وظهور قدمیها خاصة الفقیرات منهن وهذا معنی قوله "الا ما ظهر منها" یعنی الا ما جرت العادة والجبلة علی ظهوره والاصل فیه الظهور وسومح فی الزینة الخفیفة۔

اولئك المذکورون لما کانوا مختصین به من الحاجة المضطرة الی مداخلتهم ومخالطتهم ولقلة توقع الفتنة من جهاتهم ولما فی الطباع من النفرة عن مماسة الغرائب وتحتاج المرأة الی صحبتهم فی الاسفار للنزول والرکوب وغیر ذلك[1]

مصیبت کے وقت بھی پردہ کا اہتمام:

شریعت میں پردہ کا اہتمام ہر حال میں لازم ہے رنج ہو یا خوشی نامحرم کے سامنے بے پردہ آنا اور چہرہ کھولنا ہرگز جائز نہیں۔ امہات المؤمنینؓ اور صحابیات نے مصیبت کے وقت بھی نامحرم کے سامنے چہرہ ننگا نہیں کیا۔

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور ابو طلحہؓ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے:

ومع النبی صلی الله علیه وسلم صفیة مردفها علی راحلته فلما کانوا ببعض الطریق عثرت الناقة فصرع النبی صلی الله علیه وسلم وان ابا طلحة قال احسب قال اقتحم عن بعیره فاتی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یا نبی الله

[1] تفسیر البحر المحیط ج ۶ ص ۴۴۷

جعلني الله فداك هل اصابك من شيء قال لا ولكن عليك بالمرأة فالقى ابو طلحة ثوبه على وجهه فقصد قصدها والقى ثوبه عليها فقامت المرأة فشد لهما على راحلتهما فركبا فسارا[1]

"ام المومنین صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضورؐ کی سواری پر آپ کے پیچھے تھیں راستہ میں کسی جگہ اونٹنی کا پاؤں پھسل گیا اور آنحضورؐ اور ام المومنینؓ گر گئے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میرا خیال ہے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے فوراً کود پڑے اور آنحضورؐ کی خدمت میں پہنچ گئے اور عرض کی یا نبی اللہ اللہ آپ پر مجھے قربان کرے کیا آپ کو کوئی چوٹ آئی؟ آنحضورؐ نے فرمایا نہیں۔ البتہ عورت کی خبر لو۔ چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا کپڑا اپنے چہرے پر ڈال لیا پھر ام المومنینؓ کی طرف بڑھے اور اپنا کپڑا ان کے اوپر ڈال دیا۔ اس کے بعد وہ کھڑی ہو گئیں اور آنحضورؐ اور ام المومنین کے لئے کجاوہ باندھا گیا اب سوار ہو کر پھر سفر شروع کیا۔ (تفہیم البخاری ج ۳ ص ۲۵۳)

واقعہ افک کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

وكان صفوان بن المعطل السلمي ثم الذكواني من وراء الجيش فادلج فاصبح عند منزلي فرآى سواد انسان نائم فاتاني فعرفني حين رآني وكان يراني قبل الحجاب فاستيقظت باسترجاعه حين عرفني فخمرت وجهي بجلبابي[2]

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۱۳ کتاب الادب باب قول الرجل جعلنی اللہ فداک

[2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۹۶ کتاب التفسیر سورۃ نور۔

''صفوان بن معطل سلمی ثم ذکوانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکر کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ (تا کہ اگر لشکر والوں سے کوئی چیز چھوٹ جائے تو اسے اٹھا لیں (سفر میں یہ دستور تھا) رات کا آخری حصہ تھا جب میرے مقام پر پہنچے تو صبح ہو چکی تھی انہوں نے دور سے ایک انسانی سایہ دیکھا کہ پڑا ہوا ہے وہ میرے قریب آئے اور مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے تو انا للہ پڑھنے لگے میں ان کی آواز پر جاگ گئی اور اپنا چہرہ چادر سے چھپا لیا۔'' (ترجمہ تفہیم البخاری ج ۲ ص ۹۸۲)

وعن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال جاءت امرأۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقال لہا ام خلاد وہی متنقبۃ تسأل عن ابنہا وہو مقتول فقال لہا بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم جئت تسألین عن ابنک وانت متنقبۃ فقالت ان ارزأ ابنی فلن ارزأ حیائی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابنک لہ اجر شہیدین قالت ولم ذاک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لانہ قتلہ اہل الکتاب۔ ؎

''حضرت قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک صحابی عورت جن کو ام خلاد کہا جاتا تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے بیٹے کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوئیں ان کا بیٹا (کسی غزوہ میں) شہید ہو گیا تھا۔ جب وہ آئیں تو اپنے چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے تھیں۔ ان کا یہ حال دیکھ کر کسی صحابی نے کہا کہ تم اپنے بیٹے کا حال معلوم کرنے کے لئے آئی ہو اور نقاب ڈالے ہوئے ہو حضرت ام خلاد نے جواب دیا کہ اگر بیٹے کے بارے میں مصیبت زدہ ہو گئی ہوں تو اپنی

ل سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۶ کتاب الجہاد باب فضل قتال الروم

شرم وحیا کھول کر ہرگز مصیبت زدہ نہ ہوں گی۔ (یعنی حیاء کا چلا جانا ایسی مصیبت زدہ کر دینے والی چیز ہے جیسے بیٹے کا ختم ہو جانا)۔"

حضرت ام خلاد کے پوچھنے پر حضور ﷺ نے جواب دیا کہ تمہارے بیٹے کے لئے دو شہیدوں کا ثواب ہے۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیوں؟ ارشاد فرمایا: اس لئے کہ اسے اہل کتاب نے قتل کیا ہے۔ (ترجمہ از تحفہ خواتین ص ۷۸۰)

ان احادیث سے یہ بات پوری وضاحت وصراحت سے ثابت ہوگئی ہے کہ عورت کو نامحرم مردوں کے سامنے چہرہ کھولنا ہرگز جائز نہیں۔ اگر چہرہ کا پردہ لازمی نہ ہوتا تو ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چادر ڈال کر پردہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ نعوذ باللہ ان کا جسم اطہر تو ننگا نہ تھا۔ ننگا تو صرف چہرہ ہوا ہوگا۔

اگر نامحرم کے سامنے عورت کو چہرہ کھولنے کی اجازت ہوتی اور چہرہ پردہ سے خارج ہوتا تو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس پریشانی کے عالم میں حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنے چہرہ کو چادر سے نہ چھپاتیں۔

اگر عورت کا چہرہ پردہ سے خارج ہوتا تو حضرت ام خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی غمزدہ خاتون رسول رحمت ﷺ کی خدمت میں چہرہ پر نقاب ڈال کر ہرگز نہ جاتی۔ ان حقائق کی موجودگی میں بھی کیا چہرہ کو پردہ سے خارج سمجھا جا سکتا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ

شیخ الحدیث علامہ کاندھلوی سورۂ احزاب کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تیسرا حکم شریعت نے یہ دیا کہ عورت اپنی زینت ظاہرہ یعنی چہرہ اور ہاتھوں کے علاوہ اپنے تمام بدن کو ہر وقت مستور اور پوشیدہ رکھے کیونکہ چہرہ اور ہاتھوں کا ہر وقت پوشیدہ رکھنا عادۃً ناممکن ہے۔ گھر کے کام کاج بغیر منہ کھولے اور ہاتھ چلائے ممکن نہیں اور پھر اس کے متصل دوسری آیت یعنی:

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ (الی الآخر)

میں اس کی تصریح کر دی کہ عورت کو اپنی یہ زینت ظاہرہ (چہرہ اور دونوں ہاتھ)

صرف اپنے محارم کے سامنے کھلا رکھنے کی اجازت ہے نامحرموں کے سامنے کھولنے کی اجازت نہیں۔ عورت کو اس بات کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں کہ وہ سر بازار چہرہ کھول کر اپنا حسن و جمال دکھاتی پھرے۔ حسن و جمال کا تمام دارومدار چہرہ پر ہے اور اصل فریفتگی چہرہ ہی پر ختم ہے اس لئے شریعت مطہرہ نے زنا کا دروازہ بند کرنے کے لئے نامحرم کے سامنے چہرہ کو کھولنا حرام قرار دیا۔ البتہ اپنے گھر میں اپنے باپ اور بھائی اور محارم کے سامنے اپنا چہرہ کھولنے کی اجازت دی ہے اور یہ اجازت بھی ضرورت اور مجبوری کی بنا پر ہے۔

شریعت نے اگر عورت کو کسی ضرورت اور کسی خاص حالت میں منہ کھولنے کی اجازت دی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شہوت پرستوں کو بھی عورت کی طرف دیکھنا جائز ہے بلکہ شوہر کے علاوہ شریعت نے جن محارم کے سامنے آنے کی عورت کو اجازت دی ہے اس میں یہ شرط ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو خدانخواستہ اگر کسی عورت کا محارم رشتہ دار بھتیجا یا بھانجا بدچلن ہو تو اس کے سامنے آنا بھی جائز نہیں۔ فتنہ کے خوف سے محرم سے پردہ واجب ہو جاتا ہے اس لئے زنا سے حفاظت کا بہترین ذریعہ پردہ ہی ہے۔[1]

حکیم الامت مجدد ملت شاہ اشرف علی تھانوی المتوفی ۱۳۶۲ھ کی تحقیق انیق کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) عورت کے محرم مردوں کو اس کے چہرہ، سر، سینہ، پنڈلیاں، بازو، ہاتھ اور دونوں پاؤں کو دیکھنا جائز ہے اور غیر محرم کو عورت کا چہرہ دونوں ہتھیلیاں اور ایک روایت کے مطابق دونوں پاؤں بھی دیکھنا جائز ہے مطلب یہ ہے کہ یہ اعضاء داخل ستر نہیں اور یہ مطلب نہیں کہ بلا ضرورت عورت کا بے پردہ پھرنا اور مردوں کا اس کو نظارہ کرنا درست ہے البتہ کسی ضرورت اور مجبوری کی صورت میں سامنے آنا اور باہر نکلنا درست ہے۔

(۲) زینت اور زینت والے اعضاء کو ظاہر نہ کرے۔ اور اپنی زینت کے مواقع کو ظاہر

---

[1]: معارف القرآن کاندھلوی ج ۵ ص ۶۵۷

نہ کریں۔ زینت سے مراد زیور جیسے کنگن چوڑی خلخال بازوبند طوق جھومر پٹی بالیاں وغیرہ۔ اور ان کے مواقع سے مراد ہاتھ پنڈلی بازو گردن سر سینہ کان یعنی ان سب مواقع کو سب سے چھپائے رکھیں۔

(۳) جس کے چھپانے میں ہر وقت حرج ہے مراد اس موقع زینت سے چہرہ اور ہتھیلی اور قدمین علی الاصح ہے کہ چہرہ تو قدرتی طور پر مجمع زینت ہے اور بعض زینتیں قصداً بھی اس میں کی جاتی ہیں مثلاً سرمہ وغیرہ اور ہتھیلیاں اور انگلیاں انگوٹھی چھلے مہندی کا موقع ہیں اور پاؤں بھی چھلوں اور مہندی کا موقع ہے۔ پس ان اعضاء کو ضرورت کے وقت ظاہر کرنا مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔[1] سورہ نور کی آیت نمبر ۶۰ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

(۴) چہرہ اور ہتھیلی ستر سے مستثنیٰ ہیں اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ بالذات ستر نہیں لیکن یہ مطلب نہیں کہ عورتیں کھلے بندوں اپنی صورت غیر مردوں کو دکھاتی پھرا کریں۔ کیونکہ فتنہ کے احتمال سے (چہرہ اور ہاتھ) بالغیر ان کا چھپانا بھی واجب ہے۔

البتہ جہاں فتنہ کا احتمال نہ ہو مثلاً جو بڑی بوڑھی عورتیں ہیں جن کو کسی کے نکاح میں آنے کی کچھ امید نہ رہی ہو۔ یعنی اصلاً کسی رغبت نہیں رہی۔ بڑی بوڑھی ہونے کی یہ تفسیر ہے ان کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے زائد کپڑے جس سے غیر محرم سے روبرو چہرہ وغیرہ چھپا رہتا ہے اتار رکھیں۔ بشرطیکہ زینت کے مواقع کا اظہار نہ کریں۔ جن کا ظاہر کرنا محرم کے روبرو بالکل ہی ناجائز ہے۔

بخلاف جوان عورت کے کہ بوجہ احتمال فتنہ کے اس کو چہرہ وغیرہ کا پردہ بھی ضروری ہے۔[2]

فریق ثانی کے دلائل کا تجزیہ:

جو حضرات چہرہ کو پردہ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں وہ عموماً حسب ذیل روایات سے استدلال کرتے ہیں

---

[1] تفسیر بیان القرآن ج ۲ ص ۹۹۵ سورہ نور آیت نمبر ۳۵

[2] سورہ نور ج ۲ ص ۷۰ آیت نمبر ۶۱

(۱) قرآنی آیت: وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا

''اور عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں مگر سوا اس کے جو خود ظاہر ہو جائے۔''

بعض صحابہ اس سے چہرہ اور ہتھیلیاں مراد لیتے ہیں:

(۲) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما حاضر ہوئیں تو انہوں نے باریک لباس پہن رکھا تھا۔ حضور انور ﷺ نے ان کی طرف سے چہرہ انور پھیر لیا اور ارشاد فرمایا: اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے علاوہ اس کے بدن سے کچھ نظر نہیں آنا چاہیے اور آپ نے چہرہ اور ہتھیلی کی طرف اشارہ فرمایا

(۳) حج کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کی سواری پر آپ کے پیچھے فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی سوار تھے ایک عورت نے آپ سے مسئلہ پوچھا جس کا چہرہ کھلا ہوا تھا فضل اس عورت کی طرف دیکھ رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کا چہرہ پھیر دیا۔

پہلی دلیل:

کہ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے بعض صحابہ نے چہرہ اور ہاتھ مراد لئے ہیں لہذا ان کا پردہ نہیں ہے۔ لیکن صحابہ کرام چہرہ اور ہاتھوں کے اظہار کی اجازت گھر کے اندر عورت کے محرم مردوں کے سامنے دیتے ہیں گھر سے باہر نامحرم مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت نہیں دیتے۔

امام ابن جریر طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عن ابن عباس قوله تعالیٰ: " لا يبدين زينتهن الا ما ظهر منها " قال والزينة الظاهرة الوجه وكحل العين وخضاب الكف والخاتم، فهذا تظهر في بيتها لمن دخل من الناس عليها

(تفسیر ابن جریر ج۱۸ ص۸۴ بحوالہ معارف القرآن ادریسی ج۵ ص۳۲۲)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: جو لوگ عورت کے گھر میں شرعاً داخل ہو سکتے ہیں یعنی محارم مردان سے چہرہ ہاتھ

سر مثلاً خضاب اور انگوٹھی وغیرہ کا پردہ نہ کرنا جائز ہے۔" (مزید تفصیل آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں)

دوسری دلیل:

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی اجازت دینے سے معلوم ہوا کہ چہرہ حجاب میں داخل نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی اجازت عام حالات میں نہیں دی بلکہ مجبوری کی صورت میں چہرہ کھولنے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ محدث جلیل علامہ خلیل احمد سہارنپوری المتوفی ۱۳۴۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

"والمراد ان المرأة اذا بلغت لا يجوز لها ان تظهر للاجانب الا ما تحتاج الى اظهاره للحاجة الى معاملة او شهادة الا الوجه والكفين، وهذا عند الامن من الفتنة، واما عند الخوف من الفتنة فلا، ويدل على تقييده بالحاجة اتفاق المسلمين على منع النساء ان يخرجن سافرات الوجوه لا سيما عند كثرة الفساد [1]

"اس سے مراد یہ ہے کہ جب عورت بالغ ہو جائے تو اسے چہرہ اور ہاتھ بھی نامحرم لوگوں کے سامنے کھولنے کی اجازت نہیں مگر جب عورت لین دین کرنے میں یا گواہی دینے میں مجبور ہو جائے تو چہرہ اور ہاتھ کھول سکتی ہے۔ اور چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی اجازت بھی اس صورت میں ہے کہ فتنہ اور ابتلاء کا خوف نہ ہو اگر فتنہ اور گناہ کا اندیشہ ہو تو مجبوری کی حالت میں بھی چہرہ نہ کھولے۔"

اور اس پر مسلمان متفق ہیں کہ مجبوری کی حالت میں چہرہ کھول سکتی ہے لیکن عورتوں کو چہرہ کھول کر باہر جانے سے منع کیا جائے کیونکہ اس سے فتنے جنم لیتے ہیں۔

۱؎ بذل المجہود ج ۶ ص ۶۲

تیسری دلیل:

حج کے موقع پر جس عورت نے آپ سے مسئلہ دریافت کیا تھا اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چہرہ چھپانے کی ضرورت نہیں۔

حضرت العلامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی المتوفی ۱۲۲۵ھ تحریر فرماتے ہیں۔

> ''کہ رسول اللہ ﷺ کا حضرت فضل بن عباسؓ کے چہرہ کو عورت کی طرف سے پھیر دینا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ نامحرم کے چہرہ کو دیکھنا جائز نہیں۔ اگر دیکھنا جائز ہوتا تو آپ ان کو منع نہ کرتے۔''

علاوہ ازیں اس عورت نے مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت کی وجہ سے چہرہ کھولا تھا اور مجبوری کے وقت بہر حال چہرے کا پردہ نہیں رہتا ہے[1]

پردہ نسواں کے شرعی احکام:

حضرت العلامہ شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی المتوفی ۱۳۹۴ھ نے سورہ نور میں ''پردہ نسواں کی شرعی کیفیت'' بڑی شرح و بسط کے ساتھ نہایت عام فہم انداز سے ارقام فرمائی ہے جسے مکمل طور پر ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔

غرض یہ کہ زنا سے حفاظت کی ایک تدبیر اور ایک صورت تو یہ ہوئی کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور دوسری تدبیر جس سے زنا سے محفوظ رہ سکیں یہ ہے کہ ایمان والی عورتیں اپنی آرائش اور زیبائش کو ظاہر نہ کریں مگر زیب و زینت کی وہ چیز جو عادتاً اور غالباً کھلی رہتی ہے یعنی جس کا چھپانا اور پوشیدہ رکھنا عادۃً ممکن نہیں جیسے چہرہ اور دونوں ہاتھ کہ ہر وقت ان کو چھپائے رکھنا بہت دشوار ہے بغیر منہ کھولے عورت گھر میں چل پھر نہیں سکتی اور بغیر ہاتھوں کے گھر کا کام کاج نہیں کر سکتی تو جس زینت کا چھپانا اور اس کو مستور رکھنا ممکن نہیں تو ایسی زینت کے کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں اور جب ابداء زینت یعنی اظہار زینت حرام ہوا تو اس کی نقیض اور ضد یعنی اخفاء زینت فرض اور واجب ہوگی مطلب یہ ہے کہ عورت کا

---

[1] تفسیر مظہری ج۶ ص۴۳۱

تمام بدن ستر ہے اپنے گھر میں بھی اس کو مستور اور پوشیدہ رکھنا فرض اور لازم ہے مگر چہرہ اور دونوں ہاتھ کہ ہر وقت ان کو چھپائے رکھنا بہت دشوار ہے اس لئے یہ اعضاء ستر سے خارج ہیں۔ اپنے گھر میں ان اعضاء کو کھلا رکھنا جائز ہے۔ ضروریات زندگی ان اعضاء کے کھلے رکھنے پر مجبور کرتی ہیں۔ اگر مطلقاً ان اعضاء کے چھپانے کا بھی حکم دیا جاتا تو عورتوں کے لئے اپنے کاروبار میں سخت تنگی اور دشواری پیش آتی اس لئے شریعت نے ان اعضاء کو ستر سے خارج کر دیا۔ ان اعضاء کے علاوہ عورت کا تمام بدن ستر ہے جس کا ہر وقت پوشیدہ رکھنا واجب ہے اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت کو اپنے چہرہ کے حسن و جمال کو نامحرم مردوں کے سامنے کھلا رکھنے کی اجازت ہے اور نہ اجنبی مردوں کو اس کی اجازت ہے کہ وہ عورتوں کے حسن و جمال کا نظارہ کیا کریں اور ان سے آنکھیں لڑایا کریں۔ شریعت کی طرف سے کسی عورت کو کسی عضو کے کھولنے کی اجازت دینا اس کو مستلزم نہیں کہ مرد کو اس کی طرف دیکھنا بھی جائز ہو شریعت مطہرہ اس بات سے پاک اور منزہ ہے کہ مرد اور عورت کو اس قسم کی بے حیائی کی اجازت دے اور مرد و عورت کو زنا کی دہلیز پر قدم رکھنے کی اجازت دے معاذ اللہ بلکہ عورت کے لئے اپنی زینت مخفی مواضع زینت کا اظہار سوائے محارم کے جن کا ذکر گذشتہ آیت میں آ رہا ہے اور کسی کے سامنے ہرگز ہرگز جائز نہیں اور محارم کے سامنے آنے کی بھی یہ شرط ہے کہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور یہ سامنے آنا از راہ شفقت قرابت ہو نہ کہ بطریق شہوت ہو۔ بطریق شہوت تو محارم کے سامنے آنا بھی ناجائز ہے اور حرام ہے۔ غرض یہ کہ اس آیت میں فقط یہ بتلایا ہے کہ بدن کا کتنا حصہ فی ذاتہ اور فی نفسہ قابل ستر ہے اور کتنا حصہ قابل کشف و اظہار ہے اس آیت میں فقط عورتوں کا مسئلہ بیان کیا گیا۔ معاذ اللہ نامحرم مردوں کو عورتوں کے دیکھنے کی اجازت نہیں دی گئی کسی مسئلہ میں عورتوں کی کسی اجازت سے مردوں کی اجازت کا مسئلہ نکالنا حماقت ہے۔

باقی رہا مسئلہ حجاب (پردہ) یعنی عورت کو گھر میں رہنا کس درجہ لازم ہے اور کن حالات میں اس کو گھر سے باہر نکلنا جائز ہے اور اگر ضرورت نکلے تو کس حالت میں نکلے

سو اس مسئلہ کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ سورۂ احزاب میں آئے گی یعنی وقرن فی بیوتکن کی تفسیر میں آئے گی۔ مرد کا ستر صرف ناف سے گھٹنوں تک ہے مرد کے لیے صرف اتنے حصہ بدن کو ہر وقت مستور رکھنا واجب ہے اس کے علاوہ مرد کے لیے تمام بدن کا کھلا رکھنا جائز ہے اور عورت کا تمام بدن ستر ہے سوائے چہرہ اور دونوں ہاتھ اور دونوں قدموں کے۔ ہر وقت تمام بدن کا مستور رکھنا واجب ہے۔ باقی یہ امر کہ عورت اپنا چہرہ کسی مرد کے سامنے کھول سکتی ہے سو آئندہ آیت میں اس کی پوری تفصیل آرہی ہے۔

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ۔ الآیۃ

یعنی عورت کے لیے شوہر اور باپ دادا اور پوتے اور بھانجے اور بھتیجے ان اشخاص مذکورہ کے علاوہ کسی کے سامنے اپنا ستر کھولنا جائز نہیں۔

تنبیہ:

آیت میں دو حکم بیان کیے گئے ہیں: ایک مرد کے لئے اور ایک عورت کے لئے۔ شریعت نے ضرورت کی بنا پر منہ کھولنے کی اجازت دی ہے اس اجازت سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسروں کو بھی اس کے چہرہ کی طرف نظر کرنا جائز ہو۔ مرد کے لیے پردہ کا حکم نہیں مگر کسی عورت کو دیکھنے کی اور کسی گھر میں جھانکنے کی ہرگز اجازت نہیں بے شمار آیات اور احادیث سے اس کی ممانعت ثابت ہے غرض یہ کہ دو حکم علیحدہ علیحدہ ہیں پس اگر کسی صورت میں عورت کو کسی عضو کے کھولنے کی اجازت ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مرد کو بھی اس کا دیکھنا جائز ہو۔

زینت کے معنی:

زینت کے معنی آرائش اور زیبائش کے ہیں خواہ وہ خلقی اور قدرتی ہو جیسے چہرہ اور دونوں ہاتھ اور ہتھیلیاں یا مصنوعی اور اختیاری ہو جیسے پوشاک اور زیور یہ سب چیزیں زینت ظاہرہ یعنی الا ما ظہر منہا میں داخل ہیں جن کا اظہار سوائے محارم کے کسی کے

سامنے جا سکتی ہیں جن کا ذکر آئندہ آیت میں آنے والا ہے اور تیسری تدبیر جو ذریعہ حفاظت کا ذریعہ ہے وہ یہ کہ ایمان والی عورتوں کو یہ بھی لازم ہے کہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رہیں تا کہ ان کے سر اور گردنیں اور سینے چھپے رہیں اور سینہ اور پستان کا ابھار کسی پر ظاہر نہ ہو زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اس زمانہ کی عورتیں سینہ کھول کر اور گردن اور بالیوں کو ظاہر کر کے چلتی پھرتی تھیں اور سینہ کھولے ہوئے مردوں کے سامنے سے گزرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والی عورتوں کو سینہ اور گردن کے پوشیدہ رکھنے کا حکم دے دیا۔

کما قال تعالیٰ: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ

نکتہ:

آیت میں بجائے لفظ القاء کے لفظ ضرب استعمال کیا گیا اور ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن فرمایا گیا جس سے مقصود مبالغہ ہے کہ خوب اچھی طرح اوڑھنیاں اپنے اوپر ڈال لیں اور ان کو خوب چپکا لیں کہ بدن اچھی طرح چھپ جائے کھلا نہ رہے۔ غرض یہ کہ اس آیت میں جو حکم تھا وہ صرف فی نفسہ عورت کے اعضاء اور مواضع زینت سے متعلق تھا کہ کن اعضاء کا عورت کے لئے اظہار اور کشف جائز ہے اور کتنے حصۂ بدن کا مستور رکھنا واجب ہے یہ مسئلہ ستر کا تھا جو عورت کی ذات سے متعلق تھا۔ اب آئندہ آیت میں دوسروں کے سامنے ان اعضاء اور مواضع زینت کے کھولنے کا حکم بیان کرتے ہیں کہ کس کے سامنے زینت کا ظاہر کرنا جائز ہے اور کس سے پردہ کرنا لازم ہے عورت کو جن کے سامنے آنے کی اجازت دی گئی وہ بارہ ہیں جن کی آیت میں تفصیل ہے چنانچہ فرماتے ہیں: اور چوتھی تدبیر جس سے ترا سے حفاظت ہو سکے یہ ہے کہ نہ ظاہر کریں ایمان والی عورتیں اپنی آرائش و زیبائش کو یعنی مواضع زینت کو یعنی اپنے چہرہ اور ہاتھ پاؤں کو کسی کے سامنے نہ کھولیں اور کسی کے سامنے ان اعضاء کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر ان بارہ اشخاص کے سامنے اپنے شوہروں کے سامنے کہ ان سے تو کسی چیز کا اخفاء

واجب نہیں البتہ بلاضرورت شرمگاہوں کی طرف نظر کرنا شوہر کے لیے بھی ممنوع ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا جامع احدکم زوجتہ او جاریتہ فلا ینظر الی فرجہا فان ذلک یورث العمی۔

قال ابن الصلاح: جید الاسناد کذا فی شرح الجامع الصغیر

"جب کوئی اپنی بیوی یا باندی سے جماع کرے تو اس کی شرمگاہ کی طرف نظر نہ کرے یہ دیکھنا نابینائی پیدا کرتا ہے۔"

"ابن صلاح کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند نہایت عمدہ ہے۔"

(۲) یا اپنے باپ دادوں کے سامنے۔ (۳) یا اپنے شوہروں کے باپوں کے سامنے کہ شوہروں کے باپ بمنزلہ تمہارے باپ کے ہیں۔ (۴) یا اپنے بیٹوں کے سامنے۔ (۵) یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے سامنے جو دوسری بیوی سے ہوں۔ (۶) یا اپنے بھائیوں کے سامنے (۷) یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے سامنے۔ (۸) یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے سامنے' یہ سب بمنزلہ اولاد کے تمہارے ساتھ ہیں' ہر وقت ان کی آمد و رفت ہے اور ان کی طرف سے فتنہ کا اندیشہ نہیں' یہ سب محارم ہیں اللہ تعالیٰ نے محارم کی فطرت میں ایک طبعی نفرت رکھ دی ہے کہ مرد اپنی ماں اور خالہ اور بہن کو دیکھتا ہے مگر دل میں برا خیال نہیں آتا اور ان محارم کی طرف سے فتنہ کا بھی اندیشہ نہیں مگر یہ زمانہ فتنہ و فساد کا ہے اور انگریزی تعلیم نے اور انگریزی تمدن نے فطرت انسانی کو خراب کر دیا ہے۔ اس لیے اس زمانہ میں محارم سے پردہ میں بھی احتیاط ضروری ہے فقہاء کرام نے تصریح کر دی ہے کہ محرم کے سامنے آنا بھی اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

امام ابن جریر طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حدثنا علی ثنا عبداللہ حدثنی معاویۃ عن علی عن ابن عباس قولہ تعالیٰ لا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا قال

والزینۃ الظاھرۃ الوجہ وکحل العین وخضاب الکف والخاتم فھذا تظہر فی بیتھا لمن دخل من الناس علیھا

(تفسیر ابن جریر ص ۸۴ ج ۱۸)

اس آیت کی تفسیر میں ابن عباسؓ کا یہ فرمانا: "فھذا تظھر فی بیتھا لمن دخل من الناس علیھا" کہ عورت اپنی زینت صرف اپنے گھر میں ان لوگوں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے جن کو اس کے سامنے آنے اور گھر میں داخل ہونے کی شرعاً اجازت ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آیت میں ابداء زینت سے اپنے گھر میں فی حد ذاتہ زینت کا ظاہر کرنا اور ان لوگوں کے سامنے آنا مراد ہے جن کو اس کے گھر میں آنے کی اجازت ہے یعنی محارم۔ معاذ اللہ سڑکوں اور بازاروں میں زینت کا ظاہر کرنا مراد نہیں اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن مردوں کو اس کے گھر میں آنے کی شرعاً اجازت ہے جیسے باپ اور بھائی تو ان کے سامنے اپنی زینت (چہرہ اور ہاتھ) کے ظاہر کرنے اور کھولنے میں مضائقہ نہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ سوائے محارم کے کسی کے سامنے عورت کو اپنی زینت کا کھولنا جائز نہیں۔[1] (تفسیر ابن جریر)

یا اپنی خاص رشتہ دار یا خاص خدمت گزار عورتوں کے سامنے اگر اپنی زینت (چہرہ اور ہاتھوں) کو کھلا رکھیں تو یہ بھی جائز ہے اور اپنی عورتوں سے وہ عورتیں مراد ہیں جو قریبی رشتہ دار ہوں یا ان کی خدمت گزار ہوں ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے والی ہوں۔ بشرطیکہ نیک چلن ہوں اور بہت سے سلف کے نزدیک اپنی عورتوں سے مسلمان عورتیں مراد ہیں جو ان کی دینی بہنیں ہیں ان کے سامنے آنا جائز ہے کیونکہ کافر عورتیں اجنبی مردوں کے حکم میں ہیں جیسا کہ حضرت عمرؓ اور ابن عباسؓ اور مجاہدؒ سے مروی ہے (درمنثور) کافر عورت مسلمان عورت کے حق میں بمنزلہ اجنبی مرد ہے اس لیے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک مسلمان عورت کو کافر عورت سے پردہ کرنا واجب ہے۔

---

[1] قال ابن جریر قولہ تعالیٰ لا یبدین زینتھن یقول ولا یظھرن للناس الذین لیسوا بمحارم لھن اھ

یا ان کے سامنے آنا بھی جائز ہے جن کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں یعنی اپنی باندیاں یا اپنا غلام اگر چہ وہ نامحرم ہو اس کے سامنے آنا بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ غلام نیک چلن اور پاک دامن ہو ورنہ نہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک ما ملکت ایمانہن میں لونڈی اور غلام دونوں داخل ہیں اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے صرف باندیاں مراد ہیں اور غلام مراد نہیں جیسا کہ سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ آیت النور تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے، اس آیت میں ما ملکت ایمانہن سے صرف باندیاں مراد ہیں اور غلام مراد نہیں اور یہی قول عبداللہ بن مسعودؓ اور مجاہدؒ اور عطاءؒ اور حسنؒ اور ابن سیرینؒ اور شعبیؒ کا ہے اور یہی قول احتیاط کے زیادہ قریب ہے خاص کر اس زمانہ میں۔

مسئلہ:

کسی بیگم صاحبہ کا تنہا موٹر میں بیٹھ کر کہیں جانا جب کہ ان کا شوہر یا باپ یا بھائی ان کے ساتھ نہ ہو اور فقط موٹر چلانے والا اس موٹر میں موجود ہو تو یہ خلوت بالاجنبیہ ہے اور بلاشبہ حرام ہے اور ڈرائیور کو نیک سمجھنا حماقت ہے، ایسے وقت میں تو نفس اور شیطان ولی کو بھی شیطان بنا دیتا ہے یا ان کے ساتھ رہنے والے مردوں کے سامنے آنا بھی جائز ہے جو تم سے وابستہ ہیں اور تمہارا کاروبار کرتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ مرد ایسے ہوں کہ عورتوں کی حاجت نہ رکھتے ہوں یعنی ایسا آدمی ہو جسے عورت کی خواہش ہی نہ ہو مثلاً وہ نامرد ہو تو وہ خدمت کے لیے آ سکتے ہیں یا وہ چھوٹے لڑکے جو ابھی عورتوں کے حال اور بھید سے واقف نہیں اور جانتے بھی نہیں کہ مباشرت کیا چیز ہے تو عورتوں کو ایسے بے خبر لڑکوں کے سامنے آ جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ہاں جب سمجھنے لگیں گے اور ہوشیار ہو جائیں گے تو ان کو منع کر دیا جائے گا۔

خلاصہ:

اس طویل بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت کو چہرہ، ہاتھ، پاؤں، زیور اور کپڑے وغیرہ زینت کی چیزیں اپنے گھر میں محرم مردوں کے سامنے ظاہر کرنا جائز ہے، لیکن بازاروں میں، سڑکوں پر اور سر عام غیر محرم لوگوں کے سامنے ان چیزوں کا ظاہر کرنا

بھی جائز نہیں ہے۔ سب اجنبی کے حکم میں ہیں پھر یہ کہ شوہر کے سوا دیگر محارم کے سامنے آنے کے لیے بھی یہ شرط ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو پھر محارم کے سامنے آنا بھی ناجائز ہوگا اور شوہر طلاق دینے کے بعد اجنبی مرد کے حکم میں ہو جاتا ہے شہوت کے ساتھ تو ماں بیٹی کی طرف بھی نظر کرنا حرام ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورت کے محارم کا ذکر فرمایا اور بتلایا کہ عورت کے لیے اپنی زینت کو ان محارم کے سامنے ظاہر کرنا اور کھولنا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ محارم کے سامنے بھی اس کشف واظہار مقصود نہ ہو۔ دیکھو تفسیر[1] (ابن کثیر ص ۲۸۴ ج ۳)۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے زنا سے حفاظت کی چار تدبیریں بتلائیں اب آگے پانچویں تدبیر بتاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایمان والی عورتوں کو چاہیے کہ پردہ کا اس درجہ اہتمام کریں کہ چلنے کی حالت میں اپنے پیر زمین پر زور سے نہ ماریں تاکہ ان کا پوشیدہ زیور لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ زجاج کہتے ہیں کہ زینت کی آواز زینت سے زیادہ محرک شہوت ہے زمانہ جاہلیت میں عورت جب راستہ چلتی اور اس کے پاؤں میں پازیب وغیرہ ہوتے تو اپنے پاؤں کو زمین پر مارتی تاکہ مرد اس کی آواز سن لیں اللہ تعالیٰ نے ایمان والی عورتوں کو ایسی حرکت کرنے سے منع کر دیا کہ جس سے ان کے زیوروں کی آواز مردوں تک پہنچے اور مرد ان کی آواز سن کر ان کی طرف راغب ہوں۔ گزشتہ آیت میں زینت کے اظہار کی ممانعت تھی اب اس آیت میں زینت کی آواز کے اظہار کی ممانعت فرمائی کہ جس طرح زینت کا اظہار موجب فتنہ ہے اسی طرح زینت کی آواز کا اظہار بھی موجب فتنہ ہے اور ممنوع ہے اور ظاہر ہے کہ خود عورت کی آواز زیور کی آواز سے زیادہ موجب فتنہ ہے لہذا عورت کی آواز زینت کی آواز سے زیادہ حرام ہوگی جیسا کہ سورۂ احزاب کی یہ آیت:

---

[1] قال ابن کثیر (بعد ذکر هذه الآیة) کل هؤلاء محارم للمرأة یجوز لها ان تظهر زینتها ولکن من غیر تبرج ۱ھ ص ۲۸۸ ج ۳

فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض

اس بارہ میں نص صریح ہے مقصود یہ ہے کہ عورتوں کو چاہئے کہ چلتے وقت ایسی حرکت نہ کریں جس سے مردوں کو عورتوں کے جانے اور چلنے کا علم ہو جائے اور ان کے پازیب کی آواز مردوں کی شہوت کو برانگیختہ کرنے کا سبب بنے اور اسی قسم سے ہے کہ عورت اپنے گھر سے خوشبو لگا کر نہ نکلے اگر چہ وہ برقعہ اوڑھے ہوئے ہو جیسا کہ ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت عطر لگا کر گھر سے نکلے اور کسی مجلس پر گزرے تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی زانیہ اور بدکار ہے۔

(رواہ ابوداؤد والنسائی والترمذی وقال ہذا حدیث حسن صحیح)

فائدہ:

پس جب عورت کے لیے اپنے زیور کی آواز کا نکالنا ناجائز اور حرام ہوا تو عورت کا خود اپنی آواز کو نکالنا مثلاً کسی اجنبی مرد سے باتیں کرنا یا گانا بجانا وہ بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگا۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ اجنبی عورت کا قرآن سننا بھی حرام ہے اور عورت کی اذان اور اقامت بھی بالاجماع ناجائز ہے معلوم ہوا کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے جس کا پردہ واجب ہے پس جب عورت کی اذان اور اقامت ناجائز ہے تو جلسۂ عام میں عورت کی تقریر بدرجۂ اولیٰ حرام اور ناجائز ہوگی۔

اور اے ایمان والو! اگر تم سے ان احکام میں کوئی کوتاہی ہو جائے تو فوراً اللہ کے سامنے توبہ کرو اور امید رکھو کہ تم کو فلاح اور کامیابی ہو جائے گی کیونکہ غفلت اور معصیت کے بعد فلاح کا ذریعہ صرف توبہ اور استغفار ہے حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تمہارا کو توبہ کا حکم دیا تا کہ آخرت کی رسوائی سے بچ سکے۔

چہ رسوا نہ گردی بچشم خطا | دریں عالم پیش شاہ و گدا
درآں عالم ہم پیش ہر خاص و عام | بیا مرزو رسوا مکن والسلام

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ توبوا میں رسوم جاہلیت سے توبہ کرنا مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو! ان کاموں سے بچو کہ جو لوگ زمانہ جاہلیت میں کیا

کرتے تھے۔ غرض یہ کہ ان آیت میں اللہ تعالیٰ نے زنا سے بچنے کی پانچ تدبیروں کو بیان فرما دیا۔ باقی تدبیروں کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ احزاب میں آئے گا کہ عورت بلا ضرورت اپنے گھر سے باہر نہ نکلے اور اگر ضرورت اور مجبوری کی بنا پر نکلے تو برقع اوڑھ کر اور سر اور سینہ چھپا کر نکلے۔

لطائف و معارف:

(۱) ان آیات میں جس قدر احکام مذکور ہیں وہ سب زنا کی انسدادی تدابیر ہیں جو عصمت و عفت کی حفاظت میں تریاق اور اکسیر کا حکم رکھتی ہیں اور تہذیب اور اخلاق اور تزکیۂ باطن کے بارہ میں بے مثال اور بے نظیر ہیں جن کی آنکھوں پر شہوت اور نفسانیت کا پردہ پڑا ہوا ہے ان کو ان احکام کا حسن و جمال نظر نہیں آتا۔

(۲) دلدادگانِ مغربیت اور اسیرانِ نفسانیت جو اس قانونِ عفت کی پردہ دری کرنا چاہتے ہیں وہ الا ما ظہر منہا سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جوان عورتوں کے لئے شارعِ عام پر چہرہ کھول کر پھرنا اور گھومنا جائز ہے اس لیے کہ الا ما ظہر منہا کی تفسیر صحابہ و تابعین کی ایک جماعت سے یہ منقول ہے کہ ما ظہر منہا سے چہرہ اور دونوں ہاتھ مراد ہیں یہ سب مغالطہ اور دھوکہ ہے کہ جو یہ کہتے ہیں قرآن میں یا حدیث میں اس طرح آیا ہے اس لیے ہم اس حکم شرعی پر عمل پیرا ہیں اصل منشاء اس کا یورپ کی کورانہ تقلید اور مذہب سے آزادی ہے۔

بحمد و تعالیٰ ہم نہایت وضاحت کے ساتھ یہ بتلا چکے ہیں کہ الا ما ظہر منہا سے صرف یہ بتلانا ہے کہ عورتوں کو اتنی نقل و حرکت اور فی ذاتہٖ چہرہ اور ہاتھوں کے کھولے رکھنے کی اجازت ہے کیونکہ بہت سی دینی اور دنیوی ضرورتیں ان کے کھلا رکھنے پر مجبور کر دیتی ہیں اس لیے ان اعضاء کے کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں اور اس آیت میں دوسروں کے سامنے منہ اور ہاتھوں کے کھولنے کے جواز اور عدم جواز سے کوئی تعرض نہیں۔ اس کا ذکر آنے والی آیت میں ہے کہ عورت کو اپنی زینت (چہرہ اور ہاتھ) کے ظاہر کرنے کی اجازت کن کن مردوں کے سامنے ہے اس الا ما ظہر منہا کے متصل جو آیت

آ رہی ہے یعنی و لا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او آبائھن الخ اس میں حصر اور قصر کے ساتھ اس امر کی تصریح ہے کہ سوائے ان محارم کے کسی اور کے سامنے عورت کو چہرہ کھولنے کی اجازت نہیں۔

پس اگر ان دلدادگان مغربیت کے خیال کے مطابق الا ما ظھر منھا سے عورتوں کو مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہوتی۔

۱۔ تو آئندہ آیت میں ان محارم باپ اور بیٹا اور بھائی کے استثناء کی کیا ضرورت تھی اس لیے کہ جب عورت کو عام مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہوگی تو باپ اور بیٹا اور بھائی کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت بدرجۂ اولیٰ ہو جائے گی۔

۲۔ اور اس سے پہلی آیت میں عورتوں کو غض بصر کے حکم دینے کی کیا ضرورت تھی جو خاص طور پر ان کو حکم دیا گیا۔

وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن

۳۔ نیز اگر عام طور پر عورتوں کو چہرہ کھول کر پھرنا جائز ہوتا تو پھر کسی کے زنانخانہ میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینا فرض اور واجب نہ ہوتا جیسا کہ گزشتہ آیت:

یا یھا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا

یہ حکم صراحتاً گزر چکا ہے۔

۴۔ نیز قرآن کریم میں عورتوں کے متعلق یہ حکم آیا ہے:

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی

"یعنی اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور پہلے زمانہ جاہلیت کی طرح اپنی زیب و زینت کا اظہار نہ کرو۔ اگر عورتوں کو کھلے منہ پھرنے کی اجازت ہوتی تو پھر اس حکم کی کیا ضرورت تھی۔"

۵۔ نیز قرآن کریم میں ایک حکم آیا ہے:

واذا سالتموھن متاعا فسئلوھن من وراء حجاب ذلکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن

''اور جب تم عورتوں سے کوئی ضرورت کی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے کھڑے ہوکر مانگو اس میں تمہارے دلوں کی خوب ستھرائی اور پاکیزگی ہے۔''

معلوم ہوا کہ پردہ کے پیچھے سے مانگنا دونوں کے لیے طہارت قلب کا سبب ہے اور کھلے منہ سامنے آکر مانگنا نجاست قلب کا سبب ہے۔

۹۔ نیز اگر عورت کسی ضرورت کی بنا پر کسی غیر مرد سے پس پردہ کلام کرے تو اس کے لیے حکم یہ ہے:

فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض و قلن قولا معروفا

''ان سے نرم لہجہ میں بات نہ کرو مبادا جس کے دل میں نفسانیت اور شہوانیت کا روگ اور بیماری ہے وہ تمہاری نرم بات سے تمہاری ذات ہی کے لالچ میں نہ پڑ جائے۔''

پس اگر کھلے منہ کسی غیر مرد کے سامنے آنا جائز ہوتا تو اس تحفظ کی کیا ضرورت تھی۔

حجاب شرعی کے درجات:

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع (المتوفی ۱۳۹۶ھ) نے اس موضوع پر بے حد مفصل اور ہمہ پہلو بحث فرمائی ہے تفسیر کے علاوہ ''احکام القرآن'' ج ۳ ص ۳۹۲ سے ص ۴۸۳ تک سات آیات اور ستر احادیث اور ان کی مفصل تشریح ارقام فرمائی ہے۔ یہاں تفسیر سے اس بحث کو من وعن نقل کیا جاتا ہے۔

پردہ نسواں سے متعلق قرآن مجید کی سات آیات حدیث کی ستر روایات کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل مطلوب شرعی حجاب اشخاص ہے یعنی عورتوں کا وجود اور ان کی نقل وحرکت مردوں کی نظروں سے مستور ہو جو گھروں کی چاردیواری یا خیموں اور معلق پردوں کے ذریعہ ہوسکتا ہے اس کے سوا جتنی صورتیں حجاب کی منقول ہیں وہ سب ضرورت کی بنا پر اور بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت کے ساتھ معتبر اور مشروط ہیں۔

۱۔ تفسیر معارف القرآن از رکی ج ۵ ص ۳۲۷ تا ۳۲۵

اس طرح پردہ کا پہلا درجہ جو اصل مطلوب شرعی ہے وہ حجاب اشخاص ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں رہیں لیکن شریعت اسلامیہ ایک جامع اور مکمل نظام ہے جس میں انسان کی تمام ضروریات کی رعایت پوری کی گئی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ عورتوں کو ایسی ضرورتیں پیش آنا ناگزیر ہے کہ وہ کسی وقت گھروں سے نکلیں اس کے لئے پردہ کا دوسرا درجہ قرآن وسنت کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سر سے پاؤں تک برقع یا لمبی چادر میں پورے بدن کو چھپا کر نکلیں۔ راستہ دیکھنے کے لئے چادر میں سے صرف ایک آنکھ کھولیں۔ یا برقع میں جو جال آنکھوں کے سامنے استعمال کی جاتی ہے وہ لگالیں ضرورت کے مواقع میں پردہ کا دوسرا درجہ بھی پہلے کی طرح سب علماء وفقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے۔ ایک تیسرا درجہ بھی بعض روایات سے مفہوم ہوتا ہے جس میں صحابہ وتابعین اور فقہاء امت کی رائیں مختلف ہیں وہ یہ کہ عورتیں جب بضرورت گھروں سے باہر نکلیں تو وہ اپنا چہرہ اور ہتھیلیاں بھی لوگوں کے سامنے کھول سکتی ہیں بشرطیکہ سارا بدن مستور ہو پردہ شرعی کے ان تینوں درجوں کی تفصیل یہ ہے کہ:

پہلا درجہ حجاب اشخاص بالبیوت:

قرآن وسنت کی رو سے اصل مطلوب یہی درجہ ہے سورۃ احزاب کی زیر بحث آیت:

واذا سالتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء حجاب

اس کی واضح دلیل اور اس سے زیادہ واضح سورۃ احزاب ہی کے شروع کی آیت:

وقرن فی بیوتکن ہے۔ ان آیتوں پر جس طرح رسول اللہ ﷺ نے عمل فرمایا اس سے اور زیادہ اس کی تشریح سامنے آجاتی ہے۔

یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ پردہ نسواں کے متعلق پہلی آیت حضرت زینبؓ کے نکاح کے وقت نازل ہوئی روایات حدیث میں حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں اس واقعہ حجاب کو اور سب سے زیادہ اس لئے جانتا ہوں کہ میں اس وقت حضور کی خدمت میں موجود تھا' جب پردہ کے لئے یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے مردوں کے سامنے ایک چادر وغیرہ کا پردہ ڈال کر حضرت زینبؓ کو اندر مستور کر دیا' یہ نہیں کیا کہ ان کو برقع یا چادر

میں مستور کر دیے" شان نزول میں جو واقعہ حضرت عمر بن خطاب کا اوپر گزر چکا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا مقصود یہ تھا کہ امہات المومنینؓ مردوں کی نظروں سے الگ اندر رہیں جیسا کہ ان کے قول سے معلوم ہوتا ہے: "یدخل علیک البر والفاجر"

صحیح بخاری غزوۂ موتہ میں حضرت صدیقہ عائشہؓ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو حضرت زید بن حارثؓ اور جعفر اور عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ مسجد نبوی میں تشریف رکھتے تھے آپ کے چہرہ مبارک پر سخت غم وصدمہ کے آثار تھے میں حجرہ کے اندر دروازہ کی ایک شق (درز) سے یہ سب ماجرا دیکھ رہی تھی۔

اس سے ثابت ہوا کہ ام المومنینؓ اس حادثہ کے وقت بھی باہر آ کر بر مجمع کے ساتھ مجمع میں شامل نہیں ہوئیں بلکہ دروازہ کی شق سے اس جلسہ کا مشاہدہ کیا۔

اور صحیح بخاری کتاب المغازی عمرۃ القضاء کے باب میں ہے کہ حضرت عروہ بن زبیر صدیقہ عائشہؓ کے بھانجے اور عبداللہ بن عمرؓ مسجد نبوی میں حضرت صدیقہ عائشہؓ کے حجرے کے باہر متصل تشریف رکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے عمروں کے متعلق باہم گفتگو کر رہے تھے ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اسی درمیان میں ہم نے حضرت صدیقہ کی مسواک کرنے اور حلق صاف کرنے کی آواز حجرہ کے اندر سے سنی آگے واقعہ کا ذکر ہے اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ آیات حجاب نازل ہونے کے بعد ازواج مطہرات کا معمول یہ ہو گیا تھا کہ گھروں میں رہ کر پردہ کرتی تھیں۔

اسی طرح صحیح بخاری غزوۃ الطائف میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک پانی کے برتن میں کلی کر کے حضرت ابو موسیٰ اور بلال کو عطا فرمایا کہ اس کو پی لیں اور اپنے چہرے پر مل لیں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ پردہ کے پیچھے یہ واقعہ دیکھ رہی تھیں انہوں نے اندر سے آواز دے کر ان دونوں بزرگوں سے کہا کہ اس تبرک میں سے کچھ اپنی ماں یعنی ام سلمہؓ کے لیے چھوڑ دیں۔ یہ حدیث بھی شاہد ہے کہ نزول حجاب کے بعد ازواج مطہرات گھروں اور پردوں کے اندر رہتی تھیں۔

فائدہ:

اس روایت میں یہ بات بھی قابلِ نظر ہے کہ ازواجِ مطہرات بھی رسول اللہ ﷺ کے تبرکات کی ایسی ہی شائق تھیں جیسے دوسرے مسلمان، یہ بھی آپ کی ذاتِ اقدس ہی کی خصوصیت تھی ورنہ بیوی سے جو بے تکلف تعلق شوہر کا ہوتا ہے اس کے ساتھ اس کے تقدس و تعظیم کا یہ درجہ قائم رہنا عادۃً ناممکن ہے۔

اور صحیح بخاری کتاب الادب میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ وہ اور ابو طلحہؓ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے آنحضرت ﷺ اونٹ پر سوار تھے آپ کے ساتھ ام المومنین حضرت صفیہؓ بھی سوار تھیں، راستے میں اچانک اونٹ نے ٹھوکر کھائی اور ابو طلحہ کے بیان کے مطابق آپ اور حضرت صفیہؓ اونٹ سے گر گئے تو ابو طلحہؓ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کر دے آپ کو کوئی چوٹ تو نہیں آئی آپ نے فرمایا کہ نہیں تم عورت کی خبر لو ابو طلحہ نے پہلے تو اپنا چہرہ کپڑے میں چھپایا پھر حضرت صفیہؓ کے پاس پہنچے اور ان کے اوپر کپڑا ڈال دیا تو وہ کھڑی ہو گئیں پھر اسی طرح پردہ میں مستور ہو کر ان کو ان کی سواری پر سوار کیا۔

اس واقعہ میں بھی جو ایک حادثہ کی صورت میں اچانک پیش آیا صحابۂ کرام اور ازواجِ مطہرات کا پردہ کے معاملہ میں انتہا اہتمام اس کی بڑی اہمیت کا شاہد ہے اور جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اذا خرجت المرأة استشرفها الشیطٰن" (قال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح غریب)

مطلب یہ ہیں کہ "عورت جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاک لیتا ہے۔"

(یعنی اس کو مسلمانوں میں برائی پھیلانے کا ذریعہ بناتا ہے)

اور ابن خزیمہ و ابن حبان نے اس حدیث میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں: واقرب ما تکون من وجه ربها وهي في قعر بیتها یعنی عورت اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے بیچ میں مستور رہے۔

اس حدیث میں بھی اس کی شہادت موجود ہے کہ اصل عورتوں کے لئے یہی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھیں باہر نہ نکلیں۔ (ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہیں)

اور ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "لیس للنساء نصیب فی الخروج الا مضطرة" (رواہ الطبرانی کذا فی الکنز ص ۲۶۳ ج ۸) "یعنی عورتوں کا باہر نکلنے کے لئے کوئی حصہ نہیں بجز اس کے کہ باہر نکلنے کے لئے کوئی اضطراری صورت پیش آ جائے۔"

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ میں ایک روز آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا' آپ نے صحابہ کرام سے سوال فرمایا: "ای شیء خیر للمرأة" (عورت کے لیے کیا چیز بہتر ہے؟) صحابہ کرام خاموش رہے کوئی جواب نہیں دیا' پھر جب میں گھر میں گیا اور فاطمہؓ سے میں نے یہی سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: "لا یرین الرجال و لا یرونهن" "یعنی عورتوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ نہ وہ مردوں کو دیکھیں اور نہ مرد ان کو دیکھیں۔ میں نے ان کا یہ جواب آنحضرت ﷺ کے سامنے نقل کیا' تو آپ نے فرمایا: "صدقت انها بضعة منی" انہوں نے درست کہا بے شک وہ میرا ایک جز ہیں۔

واقعہ افک میں جو سبب حضرت صدیقہؓ کے جنگل میں رہ جانے کا پیش آیا وہ بھی تھا کہ ازواج مطہرات کا پردہ صرف برقع چادر ہی کا نہیں تھا بلکہ وہ سفر میں بھی اپنے ہودج (شقدف) میں رہتی تھیں' یہ شقدف ہی اونٹ کے اوپر سوار کر دیا جاتا تھا اور اسی طرح اتارا جاتا تھا' شقدف مسافر کا مثل مکان کے ہوتا ہے' اس واقعہ میں جب قافلہ چلنے لگا تو حسب عادت خادموں نے شقدف کو یہ سمجھ کر اونٹ پر سوار کر دیا کہ ام المومنین اس کے اندر موجود ہیں اور واقعہ یہ تھا کہ وہ اس میں نہیں تھیں۔ بلکہ طبعی ضرورت کے لئے باہر گئی ہوئی تھیں اس مغالطہ میں قافلہ روانہ ہو گیا اور ام المومنین جنگل میں تنہا رہ گئیں۔

یہ واقعہ بھی اس بات کا قوی شاہد ہے کہ حجاب شرعی کا مفہوم رسول اللہ ﷺ اور ازواج مطہراتؓ نے یہی سمجھا تھا کہ عورتیں اپنے مکانوں میں سفر میں ہوں تو اپنی

ظلفرقت میں رہیں ان کا وجود مردوں کے سامنے نہ آئے اور جب سفر کی حالت میں حجاب اشخاص کا یہ اہتمام تھا تو حضر میں کتنا اہتمام ہوگا۔

دوسرا درجہ حجاب بالبرقع:

ضرورت کے مواقع میں جب عورت کو گھر سے باہر جانا پڑے تو اس وقت کسی برقع یا لمبی چادر کو سر سے پیر تک اوڑھ کر نکلنے کا حکم ہے جس میں بدن کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو یہ سورۂ احزاب کی اس آیت سے ثابت ہے جو آگے آ رہی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ

"یعنی اے نبی! آپ اپنی ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کو اور عام مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیں کہ اپنی جلباب استعمال کریں جلباب اس لمبی چادر کو کہتے ہیں جس میں عورت سر سے پیر تک مستور ہو جائے۔ (روی ذلک عن ابن عباس)"

ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس سے استعمال جلباب کی صورت یہ نقل کی ہے کہ عورت سر سے پاؤں تک اس میں لپٹی ہوئی ہو اور چہرہ اور ناک بھی اس سے مستور ہو صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لئے کھلی ہو اس آیت کی پوری تفسیر آگے آتی ہے یہاں صرف یہ بتلانا منظور ہے کہ ضرورت کے وقت جب عورت گھر سے نکلنے پر مجبور ہو تو اس کو پردہ کا یہ درجہ اختیار کرنا ضروری ہے کہ جلباب وغیرہ میں سر سے پاؤں تک مستور ہو اور چہرہ بھی بجز ایک آنکھ کے چھپا ہوا ہو۔ یہ صورت بھی باتفاق فقہاء امت ضرورت کے وقت جائز ہے مگر احادیث صحیحہ میں اس صورت کے اختیار کرنے پر بھی چند پابندیاں عائد کی ہیں کہ خوشبو نہ لگائے ہوئے ہو بجنے والا کوئی زیور نہ پہنا ہو راستہ کے کنارے پر چلے مردوں کے ہجوم میں داخل نہ ہو وغیرہ۔

تیسرا درجہ پردۂ شرعی کا جس میں فقہاء کا اختلاف ہے:

یہ ہے کہ سر سے پیر تک سارا بدن مستور ہو مگر چہرہ اور ہتھیلیاں کھلی ہوں جن
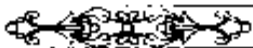
حضرات نے الا ما ظہر کی تفسیر چہرے اور ہتھیلیوں سے کی ہے ان کے نزدیک چونکہ چہرہ اور ہتھیلیاں حجاب سے مستثنیٰ ہو گئیں اس لئے ان کو کھلا رکھنا جائز ہو گیا۔ (کما روی عن ابن عباس) اور جن حضرات نے ما ظہر سے برقع جلباب وغیرہ مراد لی ہے وہ اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ (کما روی عن ابن مسعود) جنہوں نے جائز کہا ہے ان کے نزدیک بھی یہ شرط ہے کہ فتنہ کا خطرہ نہ ہو مگر چونکہ عورت کی زینت کا سارا مرکز اس کا چہرہ ہے اس لئے اس کو کھولنے میں فتنہ کا خطرہ نہ ہونا شاذ و نادر ہے اس لئے انجام کار عام حالات میں ان کے نزدیک بھی چہرہ وغیرہ کھولنا جائز نہیں۔

ائمہ اربعہ میں سے امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل تینوں اماموں نے تو پہلا مذہب اختیار کر کے چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی مطلقاً اجازت نہیں دی، خواہ فتنہ کا خوف ہو یا نہ ہو۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اگرچہ دوسرا مسلک اختیار فرمایا مگر خوف فتنہ کا نہ ہونا شرط قرار دیا اور چونکہ عادتاً یہ شرط مفقود ہے اس لئے فقہاء حنفیہ نے بھی غیر محرموں کے سامنے چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی اجازت نہیں دی۔

مذاہب ائمہ اربعہ کی روایتیں ان مذاہب کی مستند کتابوں کے حوالہ سے رسالہ تفصیل الخطاب جزء احکام القرآن میں مفصل بیان کر دی گئی ہیں، حنفیہ کا اصل مذہب چونکہ چہرے اور ہتھیلیوں کو حجاب سے مستثنیٰ ہونے کا ہے اس لئے اس جگہ مذہب حنفیہ کی چند روایات نقل کی جاتی ہیں، جن میں بوجہ خوف فتنہ ممانعت کرنے کا حکم مذکور ہے۔

اعلم انه لا ملازمة بين كونه ليس عورة وجواز النظر اليه فحل النظر منوط بعدم خشية الشهوة مع انتفاء العورة ولذا حرم النظر الى وجهها و وجه الامرد اذا شك في الشهوة ولا عورة. (فتح القدير ص ۱۸۱ ج ۲)

"سمجھ لو کہ کسی عضو کے ستر میں داخل نہ ہونے اور اس کی طرف نظر کے جائز ہونے میں کوئی تلازم نہیں، کیونکہ نظر کا جواز تو اس پر موقوف ہے کہ شہوت کا خطرہ نہ ہو اگرچہ وہ عضو ستر میں داخل نہیں، اسی وجہ سے اجنبی عورت کا چہرہ و

کسی بے ریش لڑکے کے چہرے کی طرف نظر کرنا حرام ہے جب کہ شہوت پیدا ہونے میں شک ہو حالانکہ چہرہ ستر میں داخل نہیں۔"

فتح القدیر کی مذکورہ عبارت سے خطرۂ شہوت کی یہ تفسیر بھی معلوم ہوئی کہ اگرچہ بالفعل کوئی شہوانی نیت نہ ہو مگر ایسا خیال پیدا ہو جانے کا شک ہو جب ایسا شک ہو تو نہ صرف اجنبی عورتوں کے بلکہ بے ریش لڑکوں کے چہرے کو دیکھنا بھی حرام ہے اور خیال شہوت پیدا ہونے کی تشریح جامع الرموز میں یہ کی ہے کہ نفس میں اس کے قریب ہونے کا میلان پیدا ہو جائے اور یہ ظاہر ہے کہ نفس میں اتنا میلان بھی پیدا نہ ہو یہ چیز تو سلف کے زمانے میں بھی شاذ تھی' حدیث میں حضرت فضل کو ایک عورت کی طرف دیکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کا ان کے چہرے کو اپنے ہاتھ سے دوسری طرف پھیر دینا اس کی واضح دلیل ہے تو اس زمانہ فساد میں کون کہہ سکتا ہے کہ اس خطرے سے خالی ہے' اور شمس الائمہ سرخسی نے اس مسئلہ پر مفصل بحث کے بعد لکھا ہے:

وھذا کلہ اذا لم یکن النظر عن شھوۃ فان کان یعلم انہ ان نظر اشتھی لم یحل لہ النظر الی شیء منھا۔

(مبسوط ص ۱۲ ج ۱۰)

"یہ چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف نظر کا جائز ہونا صرف اس صورت میں ہے جب کہ یہ نظر شہوت سے نہ ہو اور اگر دیکھنے والا جانتا ہے کہ چہرہ دیکھنے سے برے خیالات پیدا ہو سکتے ہیں تو اس کو عورت کی کسی چیز کی طرف بھی نظر حلال نہیں۔"

اور علامہ شامیؒ نے رد المحتار کتاب الکراہیۃ میں فرمایا ہے:

قال فان خاف الشھوۃ او شک امتنع النظر الی وجھھا فحل النظر مقیدۃ بعدم الشھوۃ والا فحرام وھذا فی زمانھم واما فی زماننا فمنع من الشابۃ الا النظر لحاجۃ کقاض وشاھد یحکم ویشھد وایضا قال فی شروط الصلوۃ وتمنع الشابۃ

من کشف الوجه بین رجال لا لانه عورة بل لخوف الفتنة

''اگر شہوت کا خطرہ یا شک ہو تو عورت کے چہرے کی طرف نظر ممنوع ہوگی کیونکہ نظر کا حلال ہونا شہوت نہ ہونے کے ساتھ مشروط ہے اور جب یہ شرط نہ ہو تو حرام ہے اور یہ بات سلف کے زمانے میں تھی لیکن ہمارے زمانے میں تو مطلقاً عورت کی طرف نظر ممنوع ہے مگر یہ کہ کسی حاجت شرعیہ کی وجہ سے نظر کرنا پڑے جیسے قاضی یا شاہد جن کو کسی معاملہ میں اس عورت کے متعلق شہادت یا فیصلہ دینا پڑے اور شروط صلوٰۃ میں فرمایا کہ جوان عورت کو اجنبی مردوں کے سامنے چہرہ کھولنا ممنوع ہے نہ اس لیے کہ یہ عورت ہے بلکہ فتنہ کے خوف سے۔''

خلاصہ اس بحث و اختلاف فقہاء کا یہ ہے کہ امام شافعیؒ، مالکؒ، احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے نوجوان عورت کی طرف نظر کرنے کو عادۃً عامہ کی بناء پر سبب فتنہ قرار دے کر اس سے مطلقاً منع کر دیا، خواہ واقع میں فتنہ ہو یا نہ ہو جیسے شریعت کے بہت سے احکام میں اس کی نظائر موجود ہیں، مثلاً سفر چونکہ عادۃً مشقت و محنت کا سبب ہوتا ہے اس لئے خود سفر ہی کو مشقت کا حکم دے کر تمام احکام رخصت کے سفر متحقق ہونے پر دائر کر دیئے خواہ کسی شخص کو سفر میں کوئی بھی مشقت نہ ہو بلکہ اپنے گھر سے زیادہ آرام ملے مگر قصر نماز اور رخصت روزہ وغیرہ کے احکام اس کو بھی شامل ہیں اسی طرح نیند کی حالت میں چونکہ انسان بے خبر ہوتا ہے اور عادۃً ریح خارج ہو جاتی ہیں اس لئے خود نیند ہی کو خروج ریح کے قائم مقام قرار دے کر نیند سے وضو ٹوٹ جانے کا حکم دیدیا خواہ واقع میں ریح خارج ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، مگر امام اعظم ابوحنیفہؒ نے عورت کے چہرے اور ہتھیلیاں کھولنے کو یہ درجہ نہیں دیا کہ چہرہ کھولنے ہی کو فتنہ کا قائم مقام قرار دیدیں، بلکہ حکم اس پر دائر رکھا کہ جہاں فتنہ یعنی عورت کی طرف قریب ہونے کے میلان کا خطرہ یا احتمال نہ ہو اور یہ بالکل شاذ و نادر ہے اس لئے متاخرین فقہاء حنفیہ نے بھی بالآخر وہی حکم دیدیا جو ائمہ ثلاثہ نے دیا تھا کہ جوان عورت کے چہرے یا ہتھیلیوں کی طرف بھی نظر ممنوع ہے۔

اس کا حاصل یہ ہوا کہ اب باتفاق ائمہ اربعہ یہ تیسرا درجہ پردہ کا ممنوع ہو گیا کہ عورت برقع چادر وغیرہ میں پورے بدن کو چھپا کر مگر صرف چہرہ اور ہتھیلیوں کو کھول کر مردوں کے سامنے آئے اس لئے اب پردے کے صرف پہلے ہی دو درجے رہ گئے ایک اصل مقصود یعنی عورتوں کا گھروں کے اندر رہنا بلا ضرورت باہر نہ نکلنا اور دوسرا یعنی برقع وغیرہ کے ساتھ نکلنا ضرورت کی بناء پر بوقت ضرورت و بقدر ضرورت۔[1]

حج بیت اللہ:

سرور دو عالم ﷺ نے جب حجۃ الوداع ادا فرمایا تو آپ کی تو بیویاں اس مبارک سفر میں ہمرکاب تھیں جن میں ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں آپ نے ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: "یہ حج کر لو اور پھر اپنے گھروں میں رہنا اور چادر کا اہتمام رکھنا"

آپ کے اس ارشاد کے بعد دوسری ازواج مطہرات حج کرتی رہی ہیں لیکن سیدہ زینب بنت جحش اور سیدہ سودہؓ نے حج دوبارہ نہیں کیا اور کہا کرتی تھیں:

والله لا تحركنا بعده دابة[2]

"اللہ کی قسم! اب آپ کے بعد ہم کسی جانور پر سوار نہ ہوں گی۔"

دیگر امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن حج کو تشریف لے جایا کرتی تھیں۔ غالباً انہوں نے حضور انور ﷺ کے ارشاد کا یہ مطلب سمجھا ہو کہ خواہ مخواہ بلا وجہ گھر سے نکلنے کو منع فرمایا اس میں حج کو جانے کی ممانعت داخل نہیں۔ اگر حج سے منع کیا ہے تو یہ شرعی حکم تو نہیں تھا بلکہ شفقت کی وجہ سے یہ ارشاد فرمایا ہو۔[3]

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے حجۃ الوداع کے بعد کوئی حج نہیں کیا یہاں

---

1. تفسیر معارف القرآن ج ۶ ص ۲۱۳ تا ص ۲۴۰
2. طبقات ابن سعد اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۵ تا ۴۶۳ انساب الاشراف ج ۲ ص ۴۶۵
3. زرقانی امہات المومنین جلد شمری ص ۹۹

تک کہ ان کی وفات خلافت فاروقی میں ہوئی۔ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی کریم ﷺ کی اس وصیت پر پورا پورا عمل کیا کہ جو آپ نے فرمایا تھا:

''تم میں سے جو تقویٰ کا اہتمام کرے گی کوئی غلط کام نہیں کرے گی اور پردے کا پورا اہتمام کرے گی وہ آخرت میں بھی میری بیوی ہوگی۔''[1]

عبادت و ریاضت:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حق میں فرماتی ہیں کہ حضرت زینب حضور اقدس ﷺ کے نزدیک اپنے مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی ہیں اور سرورِ دو عالم ﷺ کے نزدیک اگر ازواج میں سے کوئی میرے ہم پلہ ہیں تو وہ حضرت زینبؓ ہی ہیں۔

میں نے زینبؓ سے زیادہ پاکباز، راست باز، حق گو، رشتہ داروں کے لئے دردمند اور صدقہ و خیرات کی شوقین کوئی دوسری عورت نہیں دیکھی۔[2]

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ مہاجرین میں تقسیم فرما رہے تھے تو سیدہ زینبؓ نے کوئی بات کی جس پر حضرت عمرؓ نے انہیں جھڑک دیا۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا: عمر! انہیں رہنے دو یعنی زینبؓ سے کچھ تعرض نہ کرو۔

انہا اواھۃ

''تحقیق یہ بڑی اواہ ہیں۔''

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! اواہ کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: کہ اواہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والی اور نرم دل ہیں اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَاِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ[3]

---

[1] طبقات ابن سعد بحوالہ جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین ص ۱۸۰

[2] حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۵۴، زرقانی ج ۳ ص ۲۲۸، اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۵

[3] طبرانی کبیر ج ۲۴ ص ۴۰ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۸

"ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر تشریف لائے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہمراہ تھے دیکھا کہ حضرت زینبؓ نماز اور دعا میں مشغول ہیں آپ نے فرمایا: انہا لاواھۃ[1] یعنی یہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والی اور بڑی نرم دل ہیں۔"

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جب منافقین نے بہتان تراشی کی تو سرور دو عالم ﷺ نے سیدہ زینبؓ سے تحقیق فرمائی تو انہوں نے سیدہ عائشہؓ کی پاکدامنی کا برملا اظہار فرمایا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احمی سمعی وبصری ماعلمت فیھا الا خیرا

"میں اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں پر تہمت نہیں دھرتی ہوں میں تو عائشہؓ میں خیر کے علاوہ کچھ بھی نہیں دیکھتی۔"

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

وکانت صالحۃ صوامۃ قوامۃ صناعا تصدق بذالک کلہ علی المساکین[2]

"وہ بڑی نیک تھیں روزے بہت رکھتی تھیں راتوں کو نماز پڑھتی تھیں ہاتھ کی محنت سے کما کر سارا مال مسکینوں پر خیرات کر دیتی تھیں۔"

1۔ ازواج النبی از محمد ص ۱۹۸

2۔ الاصابہ ج۴ ص ۳۲۴

يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ ۔ (القرآن)

﴿۱۸﴾

ام المومنین

سیدہ

جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

جویریہؓ کی وجہ سے بنو مصطلق کے سو گھرانے آزاد ہوئے میں نے اس سے بڑھ کر اپنی قوم کے لیے برکت والی کوئی عورت نہیں دیکھی۔

سیدہ جویریہؓ نے کہا تھا:

انی قد اخترت رسول اللہ

"میں نے سیدِ عالم ﷺ کو پسند کر لیا ہے۔"

ام المومنین سیدہ جویریہؓ

پہلے نام "برہ" تھا، جسے تبدیل کر کے "جویریہ" رکھا گیا۔

تبدیلی نام:

رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ نامناسب اور غلط نام تبدیل فرما کر مناسب خوبصورت نام تجویز فرمادیا کرتے تھے اور یہ قاعدہ بھی کے طور فرمایا کرتے تھے کہ لوگ قیامت کے دن اپنی ماؤں اور باپوں کے ناموں سے پکارے جاؤ گے لہٰذا نام اچھے رکھا کرو۔[1]

حضرت جویریہؓ کا پہلا نام "برہ" تھا اور برہ کا معنی ہے "نیک عورت" جب اس نام کی کسی عورت سے دریافت کیا جائے کہ تمہارا نام کیا ہے تو وہ جواب دے گی میں برہ ہوں یعنی میں نیک ہوں اس سے اپنی تعریف ہوتی ہے اس لئے یہ نام ناپسندیدہ تھا نیز کوئی پوچھے تم کہاں سے آئے ہو تو وہ کہے ہیں "برہ" کے پاس (نیکی) سے آیا ہوں۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام برہ تبدیل فرما کر جویریہ رکھ دیا۔[2]

اسی طرح حضرت زینب بنت جحشؓ، حضرت زینب بنت ابو سلمہ رسول اللہ ﷺ کی نواسی اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا پہلا نام "برہ" ہی تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے تبدیل فرمادیا، زینب اور میمونہ اور جویریہ نام رکھ دیئے۔[3]

سلسلہ نسب:

جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمہ (مصطلق) بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو مزیقیا، قبیلہ خزاعہ کے خاندان مصطلق سے تھیں۔[4]

---

۱ مظاہر حق جدید ج ۴ ص ۴۰۵ مطبوعہ دار الاشاعت
۲ مسلم شریف ج ۲ ص ۲۰۸ کتاب الادب
۳ صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۰۸، مرقاۃ ج ۸ [illegible]
۴ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۲۰ [illegible]

سیدہ جویریہؓ کے والد حارث بن ابی ضرار خاندان بنو مصطلق کے نامور سردار تھے اور اپنے چچازاد مسافع بن صفوان ذی شفر کے نکاح میں تھیں خاوند مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں مارا گیا تھا۔[1]

حضور انور ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو مصطلق اپنے سردار حارث بن ضرار کی سربراہی میں آپ کے خلاف جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام ابوذر غفاریؓ یا نمیلہؓ بن عبداللہ یا ایک روایت کے مطابق عبداللہ بن ام مکتومؓ کو چھوڑ کر سات سو جانباز صحابہ کے ساتھ ۲ شعبان ۵ ھ میں بنو مصطلق کی طرف روانہ ہوئے۔

حارث بن ضرار کو آپ کی آمد کی اطلاع ہو چکی تھی' ساحل سمندر کے کنارے ''قدید'' کے نواح میں پانی کے ایک تالاب ''مریسیع'' کے مقام پر ان سے آمنا سامنا ہوا' رسول اللہ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت پیش فرمائی اور ہتھیار ڈالنے کے لئے کہا لیکن انہوں نے اس کے جواب میں مسلمانوں پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ چنانچہ حضور انور ﷺ نے مجاہدین اسلام کو ان کے مقابلے کی اجازت دی اور فرمایا کہ انہی لوگوں کو قتل کیا جائے جنہوں نے تیر برسائے ہیں۔[2]

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ دشمنوں سے پکار کر کہہ دو:

قولوا لا الٰہ الا اللہ' تمنعوا بہا انفسکم واموالکم

''لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لو ایسا کرنے سے تمہاری جان و مال محفوظ ہو جائیں گے۔ لیکن دشمن نے دعوت اسلام قبول کرنے کی بجائے تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔''

امام محمد بن سعد بن منیع الزہری المتوفی ۲۳۰ھ رقمطراز ہیں۔

قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاری

---

[1] طبقات ج ۸ ص ۳۰۳ [2] البدایہ والنہایہ ص ۲۴ سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۳۰۲

شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ کو جب خبر پہنچی تو آپ نے تحقیق احوال کے لئے حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا۔ حضرت بریدہ نے حارث بن ابی ضرار سے بالمشافہ بات کر کے واپس آ کر خبر کی تصدیق کی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو تیاری کا حکم دیا۔

۲ شعبان ۵ ھ کو اسلامی فوج مدینہ منورہ سے مریسیع کی طرف روانہ ہوئی۔ "مریسیع" بنو مصطلق کے ایک کنویں کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے ۹ منزل پر واقع ہے۔ اسلامی لشکر جیش انصار اور مہاجرین پر مشتمل تھا۔ مال غنیمت کی لالچ میں منافقین کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد لشکر میں شامل ہوگئی جو اس سے پہلے کبھی کسی غزوہ میں شریک نہیں ہوئی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور ازواج مطہرات میں سے سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی آپ کے ہم رکاب تھیں۔

حارث بن ابی ضرار کو جب یہ اطلاع ملی کہ اسلامی لشکر حملہ آور ہونے والا ہے تو ان پر سخت خوف وہراس طاری ہو گیا اور ان کی جمعیت منتشر ہوگئی اور وہ خود بھی کسی طرف بھاگ گیا! اسلامی فوج نے دفعتاً ان پر حملہ کر دیا۔ مریسیع میں آباد لوگ صف آراء ہو کر دیر تک جم کر تیر برساتے رہے جب مسلمانوں نے یکبارگی زبردست حملہ کیا تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور انہیں شکست فاش ہوئی۔ دشمن کے دس آدمی مارے گئے چھ سو گرفتار ہوئے غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔ [۱]

اس غزوہ میں بھاری تعداد میں مرد عورتیں اور بچے قیدی ہاتھ آئے اور حضرت جویریہؓ بھی ان قیدیوں میں تھیں۔ حضور انور ﷺ نے ان قیدیوں کو اپنے صحابہ میں تقسیم فرما دیا۔ حضرت جویریہؓ اس تقسیم میں حضرت ثابت بن قیس بن شماس یا ان کے چچازاد بھائی کے حصہ میں آ گئیں۔ لیکن انہوں نے باندی بن کر رہنا پسند نہ کیا اور حضرت ثابت

---

۱ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۶۳ غزوہ مریسیع

یا ان کے چچیرے بھائی سے کتابت کے لئے درخواست کی۔ حضرت ثابت بن قیسؓ نے حضرت جویریہؓ سے نو اوقیہ سونے پر کتابت کا معاملہ کیا تھا۔

(یعنی کچھ معاوضہ لے کر چھوڑ دیں۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے جب کہ ایک درہم ۳ ماشہ ارتی یا ۱۵ ارتی کا ہوتا ہے۔)

لیکن سیدہ جویریہؓ کے پاس اس وقت سونا نہ تھا انہوں نے چاہا کہ لوگوں سے چندہ مانگ کر یہ رقم ادا کریں۔

حضرت جویریہؓ حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض گزار ہوئیں یا رسول اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ میں بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں میری اسیری کا حال آپ سے پوشیدہ نہیں تقسیم میں ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئی ہوں انہوں نے مجھے مکاتب بنالیا ہے بدل کتابت میں آپ کی خدمت میں اعانت کے لئے حاضر ہوئی ہوں۔[1]

حریم نبوت میں آمد:

ابن اسحاق نے اس واقعہ کو سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے سیدہ فرماتی ہیں: کہ چونکہ جویریہؓ شیریں ادا تھیں۔ میں نے انہیں حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے دیکھا کہ آپ پر بھی ان کے حسن و جمال کا وہ اثر ہو گا جو مجھ پر ہوا ہے۔

غرض وہ حاضر خدمت ہوئیں اور اپنا مدعا بیان کیا' رحمت عالم ﷺ نے فرمایا۔ کیا تمہیں اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟ انہوں نے عرض کیا وہ کیا چیز ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: تمہاری طرف سے کتابت کی واجب الادا رقم میں ادا کر دوں اور آزاد کر کے تجھے اپنی زوجیت میں لے لوں۔ حضرت جویریہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے منظور ہے۔[2]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۸۱

[2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۰۲، سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۹۸۲

مہر:

ابن شہاب زہری سے روایت ہے کہ حضرت جویریہ رسول اللہ ﷺ کی ملک میں تھیں۔ آپ نے انہیں آزاد فرمایا اور ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر قرار دیا اور بنو مصطلق کے قیدی رہا کر دیئے۔[1]

والد کا مشرف باسلام ہونا:

جب شہنشاہ دو عالم ﷺ نے حضرت جویریہ کو اپنے حرم میں داخل فرمایا تو ان کے والد حارث بہت سے اونٹ لے کر مدینہ روانہ ہوئے تاکہ فدیہ دے کر بیٹی کو چھڑا لائیں۔ ان میں سے دو اونٹ جو نہایت عمدہ اور پسندیدہ تھے انہیں عقیق کی ایک گھاٹی میں چھپا دیا کہ واپسی پر ان کو لے جاؤں گا۔ مدینہ منورہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ اونٹ آپ کے سامنے پیش کئے اور کہا "اے محمد! آپ نے میری بیٹی کو گرفتار کیا ہے یہ اس کا فدیہ ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ دو اونٹ کہاں ہیں جو تم گھاٹی میں چھپا آئے ہو؟ یہ سن کر حارث نے کہا:

اشهد ان لا اله الا الله وانك رسول الله

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔"

کیونکہ ان اونٹوں کا اللہ کے سوا اور کسی کو علم نہ تھا اللہ ہی نے آپ کو اس سے مطلع کر دیا ہے۔[2]

مسرت کے شادیانے:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب شہنشاہ دو عالم ﷺ نے سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی زوجیت میں قبول فرمالیا تو یہ خبر سارے مدینہ میں گونج گئی۔ سیدہ جویریہ کی قوم و خاندان کے سینکڑوں قیدی

---

[1] طبرانی کبیر ج ۲۴ ص ۵۹

[2] الاستیعاب ج ۴ ص ۱۹۰۹ [illegible]

[illegible] ج ۴ ص ۲۹

صحابہؓ کے گھروں میں موجود تھے جو مال غنیمت کے طور پر تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ نکاح کی خبر پھیلتے ہی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سب قیدیوں کو اس احترام کے پیش نظر آزاد کر دیا کہ اب تو یہ وقت حضور انور ﷺ کے سسرال والے ہو گئے انہیں کیسے غلام بنا کر رکھیں؟۔

سیدہ جویریہؓ فرمائی تھیں میں نے تو سید عالم ﷺ سے اپنے خاندان کے قیدیوں کو رہا کرنے کی بات بھی نہیں کی تھی۔ مسلمانوں نے خود ہی میری قوم اور خاندان والوں کو آزاد کر دیا جس کی خوشی کی خبر میری چچا زاد بہن نے مجھے دی یہ خوشخبری سن کر میں نے اللہ جل شانہ کا شکر ادا کیا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

فلقد أعتق بتزوجه اياها مائة اهل بيت من بني المصطلق فما اعلم امرأة اعظم بركة على قومها منها[1]

"رسول اللہ ﷺ کے جویریہؓ سے نکاح کر لینے سے بنو المصطلق کے سو گھرانے آزاد ہوئے میں نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو حضرت جویریہؓ سے بڑھ کر اپنی قوم کے لئے برکت والی ثابت ہوئی ہو۔"

اخلاق و عادات:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خوبصورت، موزوں اندام تھیں، ان میں حلاوت اور ملاحت دو وصف نمایاں تھے جو انہیں دیکھ لیتا ہے دل میں جگہ دینے پر مجبور ہو جاتا۔[2]

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عبادت سے بہت شغف تھا۔ رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لاتے تو انہیں عبادت میں مشغول پاتے ایک روز حضور انور ﷺ نے

---

[1] مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۷۷، طبری تاریخ ج ۳ ص ۱۰، مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۶، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۵۹، طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۱۶

[2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۰۷، الاصابہ ج ۴ ص ۲۶۵، حاشیہ ۱

تسبیح کے وقت عبادت میں مشغول دیکھا پھر دوپہر کو جب دیکھا تو بھی سیدہ کو عبادت کی حالت میں پایا۔ سید عالم ﷺ نے فرمایا: تو ابھی تک تسبیحات میں معروف ہے؟ سیدہ نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: میں تمہیں چند کلمات ایسے سکھا دوں جو وزن میں ان تمام تسبیحات کے برابر ہوں جو تم نے اب تک پڑھا؟ پھر آپ نے فرمایا: وہ یہ کلمات ہیں:

سبحان الله عدد خلقه سبحان الله زنة عرشه
سبحان الله رضا نفسه سبحان الله مداد كلماته[1]

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی نہایت زاہدانہ تھی۔ عبادت و ریاضت میں ہر وقت مشغول رہتی تھیں۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ صبح کے وقت ان کے پاس سے گزرے تو آپ دعا کر رہی تھیں جب آپ دوپہر کے قریب تشریف لائے تو اس وقت بھی آپ کو دعا کی حالت میں پایا۔[2]

رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن سیدہ کے ہاں تشریف لائے تو وہ روزہ سے تھیں۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ ایک روزہ رکھنا پسند نہیں فرماتے تھے اس لئے آپ نے سیدہ سے پوچھا کل بھی روزہ سے تھیں؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا: کیا کل بھی روزہ رکھو گی؟ جواب دیا نہیں۔ ارشاد فرمایا: پھر تمہیں روزہ افطار کر لینا چاہئے۔[3]

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے اور پوچھا "کچھ کھانے کو ہے" جواب ملا: میری کنیز نے صدقہ کا گوشت دیا تھا وہی رکھا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ فرمایا: وہی لے آؤ۔ کیونکہ صدقہ جس کو دیا گیا تھا اسے پہنچ چکا ہے۔[4]

سانحہ ارتحال:

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ربیع الاول ۵۰ھ میں ہوا اور

---

1. صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۰ کتاب الدعاء مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۲۵
2. ترمذی۔ زرقانی طبع مصر ج ۳ ص ۲۵۴
3. صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۶
4. صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۴۵ کتاب الزکوۃ

یہی قول صحیح ہے۔[1]

البتہ واقدی کی روایت میں ہے کہ ۵۶ھ میں آپ نے وصال فرمایا ہے مروان بن الحکم والی مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ انتقال کے وقت عمر مبارک ۶۵ سال تھی۔[2]

سیدہ جب رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں آئیں تو اس وقت عمر مبارک ۲۰ سال تھی اور انتقال کے وقت عمر ۶۵ سال تھی۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۸، واقعات ۵۰ھ

[2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۲۰؛ الاصابہ ج ۴ ص ۲۶۶، و منتخب الاصابہ

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (القرآن)

﴿۹﴾

ام المومنین

سیدہ

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نام ونسب:

آپ کا نام "رملہ" اور ام حبیبہ کنیت تھی، ابوسفیان بن حرب اموی قریش کے مشہور سردار کی بیٹی تھیں، رملہ بنت ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔[1]

والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ تھا، صفیہ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پھوپھی تھیں۔[1]

علامہ ابن عبدالبرؒ المتوفی ۴۶۳ھ فرماتے ہیں کہ ان کے نام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے رملہ بیان کیا ہے اور بعض کے نزدیک ھند نام تھا اور مشہور رملہ ہے اور جمہور اہل علم انساب، سیر، حدیث اور تاریخ کے نزدیک رملہ ہی صحیح ہے۔[2]

حضرت ام حبیبہؓ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں۔[3]

اسلام:

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوا جو حرب بن امیہ کے حلیف تھے اور ان ہی کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور اپنے شوہر کے ہمراہ حبش کو ہجرت کی، حبش جانے کے بعد عبیداللہ نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ ام حبیبہ سے بھی مذہب تبدیل کرنے کو کہا لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۹۶، مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۰

[2] الاستیعاب ج ۴ ص ۴۰۳، برحاشیہ الاصابہ، مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۰

[3] الاصابہ ج ۴ ص ۳۰۵

حبشہ میں ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام حبیبہ رکھا اور انہی کے نام پر "ام حبیبہ" کنیت رکھی گئی اور پھر اسی کنیت سے مشہور ہوئیں بعض کے نزدیک حبیبہ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی۔[1] بعد میں حبیبہ کا نکاح داؤد بن عروہ بن مسعود ثقفی سے ہوا تھا۔[2]

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ عبیداللہ کے نصرانی ہونے سے پہلے میں نے اسے نہایت بری اور بھیانک شکل میں خواب میں دیکھا جس سے میں بہت گھبرائی۔ جب صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ عیسائی ہو چکا ہے میں نے اس کے سامنے اپنا خواب بیان کیا کہ شاید اب وہ متنبہ ہو جائے مگر کچھ اثر نہ ہوا شراب اور کباب میں برابر منہمک رہا۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں انتقال کر گیا۔[3]

حرم نبوت میں آمد

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں عبیداللہ بن جحش کے انتقال کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص "یا ام المومنین" کہہ کر پکار رہا ہے۔ جس سے میں چونک گئی پھر یکایک اس کی تعبیر دل میں آئی کہ رسول اللہ ﷺ کے حرم میں آنے کا اشارہ ہے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں جب میری عدت ختم ہوئی تو حضور انور ﷺ کا پیغام پہنچا۔[4]

ادھر جب حضور انور ﷺ کو اس مہاجرت کے عالم میں سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیوہ ہونے کی اطلاع ملی تو آپ نے ان کے عدت کے دن پورے ہونے پر عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی شاہ حبشہ کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی طرف سے سیدہ ام حبیبہ کو نکاح کا پیغام دے۔

---

1. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۹۶، صحابیات ص ۲۰۳، مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۰
2. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۹۷
3. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۹۷، صحابیات ص ۲۰۳، مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۱
4. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۹۷

الحمد لله احمده واستعينه واستغفره واشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله ارسله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون۔اما بعد۔

میں نے حضور انور ﷺ کے پیغام کو قبول کیا اور آپ سے ام حبیبہ بنت ابوسفیان کا نکاح کر دیا۔ اللہ جل مجدہ رسول اللہ ﷺ کے لئے اسے مبارک فرمائے۔[1]

بادشاہ نے چار سو دینار میرے سامنے رکھ دیئے جو خالد بن سعید نے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں بھیج دیئے۔ اس طرح نکاح کی تقریب سعید انجام پذیر ہوئی۔ نکاح کے بعد لوگ رخصت ہونے لگے تو بادشاہ نے کہا: ابھی بیٹھئے' حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنت یہ ہے کہ نکاح کے بعد "ولیمہ" کیا جائے' چنانچہ کھانا پیش کیا گیا اور سب لوگ کھانے سے فارغ ہو کر رخصت ہوئے۔

جب مہر کی رقم سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں پہنچی تو "ابرہہ" باندی کو بلا کر پچاس دینار اور دیئے۔ ابرہہ نے پچاس دینار اور جو زیورات پہلے اسے دیئے گئے تھے یہ کہہ کر آپ کو لوٹا دیئے کہ بادشاہ نے مجھے تاکید کر دی ہے کہ آپ سے کچھ نہ لوں اور یقین کیجئے کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کی فرماں بردار بن چکی ہوں اور اللہ جل شانہ کے لئے دین اسلام کو قبول کر چکی ہوں۔

آج بادشاہ سلامت نے اپنی تمام بیگمات کو حکم دیا کہ ان کے پاس جو خوشبو اور عطر ہو اس میں سے ضرور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجیں' چنانچہ اگلے روز ابرہہ بہت سا عود عنبر اور دوسری بہت سی چیزیں لے کر آپ کے پاس آئی۔ ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے وہ عود اور عنبر وغیرہ سب رکھ لیا اور اپنے ساتھ حضور انور ﷺ کی خدمت میں لائی۔ پھر ابرہہ نے کہا: میری ایک نیازمندانہ درخواست ہے کہ سید عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں میرا ہدیہ سلام پہنچانا اور عرض کرنا کہ میں آپ کے دین کی پیرو ہو گئی ہوں۔

---

[1] مستدرک ج ۴ ص ۲۰ السمط الثمین ص ۷۹۔ زرقانی طبع جدید ج ۴ ص ۴۰۵

سیدہؓ فرماتی ہیں کہ میری روانگی تک ابرہہ کا یہ حال رہا کہ جب بھی آتی یہی کہتی کہ دیکھو میری درخواست کو بھول نہ جانا۔ چنانچہ جب میں مدینہ منورہ پہنچی تو یہ تمام حالات وواقعات حضور انور ﷺ سے بیان کئے آپ انہیں سن کر مسکراتے رہے آخر میں جب میں نے ابرہہ کا سلام پہنچایا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

علیہا السلام ورحمة الله وبرکاته[1]

امام حاکم نیشاپوری المتوفی ۴۰۵ھ فرماتے ہیں:

ازواج مطہرات کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ ہی تھا اور اسی پر عمل پایا جاتا ہے البتہ شاہ حبشہ نجاشیؒ نے ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر چار سو دینار ادا کیا جو بادشاہ نے اپنی حیثیت اور شان کے مطابق اور حضور انور ﷺ کی عزت افزائی کی خاطر زیادہ مہر ادا کیا تھا۔[2]

مدینہ میں ورود مسعود:

نکاح کے دوسرے روز نجاشی نے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس خوشبو اور جہیز کا سامان بھیجا اور حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ انہیں مدینہ منورہ پہنچا دیا وہاں پہنچ کر سرور دو عالم ﷺ کی خدمت میں رہنے لگیں اور ان کا مبارک خواب جس میں کسی نے یا ام المومنین کہہ کر پکارا تھا۔ صحیح ثابت ہوا۔ سیدہ کے نکاح کی تقریب ۶ھ یا ۷ھ میں منعقد ہوئی تھی۔[3]

امام ابن سعد فرماتے ہیں:

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقد ۷ھ میں ہوا اور جب مدینہ منورہ تشریف لائیں تو ان کی عمر مبارک تیس سال سے زائد تھی۔[4] صاحب سیر صحابیات لکھتے ہیں:

"اس وقت ام حبیبہؓ کی عمر ۳۶، ۳۷ سال کی تھی۔[5]"

---

1. مستدرک حاکم ج۴ ص۲۱ طبقات ابن سعد ج۸ ص۹۷
2. مستدرک حاکم ج۴ ص۲۲ 3. البدایہ والنہایہ ج۴ ص۱۴۳
4. طبقات ابن سعد ج۸ ص۹۷ اعلام النبلاء ج۲ ص۲۲۰
5. سیر صحابیات ص۸۳

مسلم کی روایت کا تجزیہ:

امام مسلم رحمہ اللہ المتوفی ۲۶۱ھ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں: جب ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام قبول کر چکنے کے بعد مدینہ منورہ آئے تو لوگ انہیں دیکھتا اور ان کے پاس بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا میں تین چیزیں آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں آپ قبول فرمالیں؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں! ابوسفیانؓ کہنے لگے:

عندی احسن العرب واجملہ ام حبیبۃ بنت ابو سفیان ازوجکہا

یعنی عرب کی حسین و جمیل خاتون ام حبیبہؓ سے آپ کا نکاح کردوں۔"

آپ نے اسے قبول فرمالیا۔ میرے بیٹے معاویہؓ کو کاتب بنالیں آپ نے اسے منظور فرمایا' تیسری درخواست یہ پیش کی کہ آپ مجھے اسلامی لشکر کا امیر بنائیں' تاکہ کافروں سے اسی طرح جنگ کروں جیسے مسلمانوں سے کرتا تھا آپ نے اسے بھی قبول فرمالیا۔[1]

امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث مشہور احادیث میں سے ہے مگر اس میں یہ اشکال پایا جاتا ہے کہ ابوسفیان نے ۸ھ فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام قبول کیا تھا اور اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ام حبیبہؓ سے کافی عرصہ پہلے نکاح فرمایا تھا' جیسا کہ ابوعبیدہ' خلیفہ بن خیاط' ابن عبدالبر اور جمہور علماء کے نزدیک آپؐ نے ۶ھ یا ۷ھ میں نکاح کیا تھا۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: اس میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ نکاح کہاں ہوا؟ ایک قول یہ ہے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حبشہ سے مدینہ منورہ آنے کے بعد مدینہ منورہ میں نکاح ہوا اور جمہور کے نزدیک حبشہ میں نکاح ہوا تھا۔

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۰۴

قاضی عیاض کہتے ہیں: اس میں بھی اختلاف ہے کہ حبشہ میں سیدہ کا نکاح کس نے پڑھایا تھا۔ ایک قول میں سیدنا عثمان غنیؓ اور ایک قول کے مطابق خالد بن سعید بن العاص نے سیدہ کی اجازت سے نکاح کرایا تھا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ نجاشی نے نکاح کرایا تھا کیونکہ وہی اس ملک کا امیر اور بادشاہ تھا۔

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ مسلم شریف کی روایت کے مطابق سیدہ ام حبیبہ کا نکاح ان کے باپ ابوسفیان نے آپؐ سے کیا تھا۔ اس اعتبار سے یہ روایت بہت غریب ہے کیونکہ ابوسفیان کا کفر کی حالت میں مدینہ آنا مشہور ہے۔ قاضی عیاض نے اسی پر اکتفا کیا اور فیصلہ نہیں دیا البتہ ابن حزم کہتے ہیں کہ یہ بعض راویوں کا وہم ہے کیونکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضور انور ﷺ نے فتح مکہ سے بہت پہلے سیدہ ام حبیبہؓ سے نکاح کیا تھا۔ جب کہ وہ حبشہ میں تھیں اور اس وقت ابوسفیان حالت کفر میں تھے۔ ابن حزم کہتے ہیں یہ روایت (مسلم کی) موضوع ہے۔[1]

امام محمد بن یوسف الدمشقی المتوفی ۹۴۲ھ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اس بات میں اختلاف ہے کہ سیدہ کا نکاح کس نے کرایا تھا۔ ایک روایت کے مطابق خالد بن سعید بن العاص نے اور دوسری روایت میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر ہے اور یہ قول صحیح نہیں۔ کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ بدر سے پہلے حبشہ سے لوٹ آئے تھے اور سیدہ ام حبیبہؓ ان کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔"

امام بیہقیؒ کہتے ہیں: سیدہ کا نکاح خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کرایا تھا اور وہ سیدہ کے باپ کے چچا کا بیٹا تھا۔ کیونکہ عاص ابن امیہ ہے اور ابوسفیان بن حرب بن امیہ ہے (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۳۹) ایک روایت میں ہے کہ نجاشی نے نکاح کرایا تھا ہوسکتا ہے کہ نجاشی نے خطبہ پڑھا اور ایجاب وقبول کرایا ہو اور عثمان

---

[1] حاشیہ نووی مسلم ج ۲ ص ۳۰۲

بن عفان اور خالد بن سعید بن العاص بطور گواہ یا ضامن کے ہوں۔ اور کہا جاتا ہے کہ سیدہؓ کے حبشہ سے مدینہ آنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح کیا تھا' لیکن تمام احتمالات میں پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔

ابن سعد' الحاکم' البیہقی اور ابن الجوزی نے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ الضمری کو نجاشی کے پاس سیدہؓ کے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا تھا پس نجاشی نے سیدہ کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا اور چار سو دینار مہر ادا کیا اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ حضور کی خدمت میں بھیج دیا۔ (طبقات ج ۸ ص' مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۲' البیہقی فی الدلائل ج ۳ ص ۴۶۱' ابن جوزی صفوۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۴۲)

ممکن ہے کہ آپ نے عمرو بن امیہ الضمری کو پیام نکاح بھیجا ہو اور شرحبیل کو سیدہ کو لانے کے لئے کہا ہو یہ تمام واقعات ۷ھ کے ہیں اور اس وقت سیدہ کے باپ ابوسفیان نکاح کے وقت مکہ میں حالت شرک میں تھے اور رسول اللہ ﷺ سے برسر پیکار تھے۔[1]

امام محمد بن یوسفؒ مسلم شریف کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس روایت میں اشکال پایا جاتا ہے جمہور کے قول کے مطابق جب سیدہ ام حبیبہ کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہوا وہ ملک حبشہ میں تھیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مدینہ منورہ آنے کے بعد نکاح ہوا تھا اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ نے ابوسفیان کے مسلمان ہونے سے پہلے سیدہ سے نکاح کیا تھا۔ اس لئے مسلم شریف کی روایت کے مطابق ابوسفیان کا قول "ازوجکہا" کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ بنابریں بعض نے اس روایت کو موضوع اور غلط قرار دیا ہے جیسا کہ ابن حزم' نووی نے شرح مسلم میں ابن القیم نے جلاء الافہام ۱۸۷ میں اور ابن کثیر نے الفصول ص ۲۳۸ میں ذکر کیا ہے۔ اور بعض دوسرے علماء نے اسے راوی کا وہم قرار دیا ہے جن میں ابوالفرج ابن الجوزی' جن کے متعلق علامہ ابن القیمؒ نے جلاء الافہام ص ۱۹۱ میں اور ابن اثیر نے اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۷۵ میں بیان کیا ہے۔

---

[1] ازواج النبی ص ۱۶۶ ا ص ۱۶۷

اور امام نووی نے ان اقوال کو رد کر دیا اور شیخ ابو عمرو بن الصلاح کا قول نقل کیا ہے اس میں یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ ابو سفیان نے اپنے دل کی پاکیزگی کی خاطر تجدید نکاح کی پیش کش کی ہو کیونکہ یہ ایک طرح کا عیب سمجھا جاتا ہے کہ باپ کی رضا مندی کے بغیر بیٹی نے نکاح کر لیا یا اس کا خیال تھا کہ باپ کا اسلام قبول کرنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نکاح کی تجدید کر لی جائے۔[1]

علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ المتوفی ۷۷۴ھ نے مسلم شریف کی حدیث کی ایک اور توجیہ کی ہے وہ لکھتے ہیں: اس بحث میں صحیح بات تو یہ ہے کہ ابو سفیانؓ نے رسول اکرم ﷺ کی مبارک مقدس دامادی میں جب شرف و مجد دیکھا تو اسے اپنی دوسری بیٹی "عزہ" کا نکاح بھی رسول اللہ ﷺ سے کرنے کی پیشکش کر دی اور اس کی تائید بخاری اور مسلم کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

سیدہ ام حبیبہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری بہن جو ابو سفیان کی بیٹی ہے اسے اپنے عقد میں قبول فرما لیں! آپ نے فرمایا: تمہیں یہ بات پسند ہے؟ عرض کیا جی ہاں میں تنہا تو آپ کی بیوی نہیں ہوں، میری خواہش ہے کہ آپ کی بھلائی میں میرے ساتھ میری بہن بھی شریک ہو جائے۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا وہ تو میرے لئے حلال نہیں ہے۔[2] یعنی دو سگی بہنوں سے بیک وقت نکاح حرام ہے۔ حقیقت میں ابو سفیان نے اپنی بیٹی "عزہ" کے نکاح کی پیشکش کی تھی لیکن راوی حدیث کو نام میں وہم ہو گیا ہے۔[3]

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہ تکملہ فتح الملہم میں لکھتے ہیں:

یہ بہت مشکل حدیث ہے، اگرچہ ابن حزم نے اسے موضوع قرار دیا ہے، لیکن دوسرے علماء اس رائے سے اتفاق نہیں رکھتے ان کا کہنا ہے کہ حدیث تو صحیح ہے لیکن اس جز کے متعلق عکرمہ بن عمار کو وہم ہوا ہے۔

---

[1] ازواج النبی ص ۲۲۹، ۱۹۹۳ء
[2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۴ کتاب النکاح باب ان تجمع بین الاختین
[3] البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۴۵، الفصول فی سیرۃ الرسول ص ۲۴۸ بحوالہ ازواج النبی ص ۲۲۹

بعض علماء کا کہنا ہے کہ ابوسفیان نے مسلمان ہونے کے بعد ارادہ کیا تھا وہ اپنی ولایت سے سیدہ ام حبیبہؓ کے نکاح کی تجدید کریں کیونکہ پہلا نکاح باپ کی وساطت کے بغیر ہوا تھا جو ابوسفیان کے خیال میں عیب تھا اور وہ اس عیب کو زائل کرنا چاہتے تھے۔

علاوہ ازیں حضور انور ﷺ کا ابوسفیان کے جواب میں "نعم" فرمانا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ آپ نے تجدید نکاح کا اقرار فرمایا تھا نہ ہی تجدید کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مقصود پہلے نکاح کو بحال رکھنا تھا۔[1]

ابوسفیان کا اعتراف شکست:

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حریم نبوت میں داخل ہو گئیں تو اس زمانہ میں ان کے والد ابوسفیان حالت شرک میں تھے اور رحمت عالم ﷺ سے برسرپیکار تھے ان کو بیٹی کے نکاح کی خبر پہنچی تو اپنے جذبات اور احساسات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

ھو الفحل لا یقدع انفہ

"وہ جواں مرد ہیں ان کی ناک نہیں کاٹی جا سکتی۔"

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلند نام والے عزت دار ہیں ہم ان کو ذلیل نہیں کر سکتے۔ ادھر ہم ان سے لڑ رہے ہیں اور ادھر ہماری بیٹی ان کے نکاح میں چلی گئی گویا اپنی شکست تسلیم کر لی۔[2]

ابن سعد سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے طفیل اللہ کریم نے اخوت و مروت کی نعمت سے سرفراز فرما دیا۔[3]

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[4]

---

۱ شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۳۷۱

۲ الاستیعاب ج ۴ ص ۴۰۰ بر حاشیہ الاصابہ للاصابہ ج ۴ ص ۳۰۲

۳ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۹۳ ازواج النبی ص ۱۲۵ ۴ سورۃ الممتحنہ پ ۲۸ آیت نمبر ۷

ترجمہ: ''امید ہے کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان دوستی قائم کر دے جن کے ساتھ تمہاری دشمنی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا اور اللہ معاف کرنے والا رحیم ہے۔''

وہ ابوسفیانؓ جو بدر و احد میں کافروں کی فوجوں کی کمان کر رہے تھے اب وہ مجاہدین اسلام کے سپہ سالار ہو گئے اور کل گزشتہ ایک دوسرے کے خون کے دشمن اب ایک دوسرے پر جان قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔[1]

فضائل ومناقب:

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور انور ﷺ کے فرمودات پر بڑی پابندی سے عمل کرتی تھیں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص دن رات میں بارہ رکعت نماز پڑھ لے تو اللہ جل شانہ اس کے لئے جنت میں محل عطا فرمائے گا اس ارشاد پر پھر اس طرح عمل کیا کبھی بھی یہ بارہ رکعت نوافل چھوٹنے نہیں پائے۔[2]

ترمذی شریف کی روایت کے مطابق ان بارہ رکعات کی تفصیل اس طرح ہے: چار سنت ظہر سے پہلے دو اس کے بعد دو سنت مغرب کے بعد دو نماز عشاء کے بعد اور دو رکعت نماز فجر سے پہلے۔[3]

سیدہ ام حبیبہؓ بڑی متبع شریعت تھیں جب ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا تو تین دن کے بعد انہوں نے خوشبو منگائی جس میں زردی تھی۔ پھر اس خوشبو کو اپنے دونوں رخساروں اور بازوؤں پر ملا پھر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا کہ: کسی عورت کے لئے جو خدا اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتی ہو حلال نہیں کہ کسی کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے۔ البتہ شوہر کے مرنے پر چار

---

1. تفسیر معارف القرآن ادریسی ج ۸ ص ۹۷
2. صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۱ فضل سنن الصلوۃ الراتبہ، مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۲۶
3. ترمذی ج ۱ ص ۹۵، مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۲۶

مہینہ دس دن سوگ کرے تو مجھے اس وقت خوشبو کے استعمال کی بھی ضرورت تو نہیں تھی۔[1] (محض سنت کی پیروی میں تین دن سوگ کے بعد استعمال کی ہے)

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی کا یہ منفرد و نوعیت کی حیرت افزا واقعہ جس سے اسلام اور سرور دو عالم ﷺ کے ساتھ والہانہ عقیدت اور محبت آشکارا ہوتی ہے اور جو سیدہؓ کے جوش ایمان کا قابل دید منظر ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ سے قبل ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد گرامی قدر ابوسفیان جو ابھی تک حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوئے تھے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید اور توسیع کی غرض سے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئے سید عالم ﷺ سے گفت و شنید ہوئی لیکن آپؐ نے ان کی تجاویز مسترد کر دیں وہاں سے مایوس ہو کر اپنی بیٹی سیدہ ام حبیبہؓ سے ملنے ان کے ہاں گئے گھر پہنچ کر جب بستر پر بیٹھنے لگے تو سیدہ ام حبیبہؓ نے فوراً بستر لپیٹ دیا ابوسفیان نے برہم ہو کر کہا بیٹی تم نے یہ کیا کیا بستر کیوں اٹھا لیا ہے کیا تم نے بستر کو میرے قابل نہ سمجھا' یا مجھے بستر کے قابل نہ سمجھا؟ سیدہ نے جواب دیا یہ بستر سرور دو عالم ﷺ کا ہے اس پر مشرک کا ناپاک جسم کیسے مس ہونے دیا جائے۔ ابوسفیان نے کہا: خدا کی قسم! تم میرے بعد شر میں مبتلا ہو گئی ہو۔[2]

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اقدس ﷺ کے فرامین پر نہایت شدت سے عمل کرتی تھیں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب و تاکید کرتی تھیں۔ سیدہ کے بھتیجے ابوسفیان بن سعید بن المغیرہ آپ کی خدمت میں آئے اور ستو کھائے پھر کلی کی تو سیدہ نے فرمایا تمہیں ستو کھا کر وضو کرنا چاہئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنا لازم ہو جاتا ہے۔[3]

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۰ کتاب الجنائز باب احداد المراۃ علی غیر زوجہا' صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۸۶ الطلاق باب وجوب الاحداد فی عدۃ الوفاۃ۔

[2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۹۲

[3] مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۲۶

پہلے یہ حکم تھا بعد میں منسوخ ہو گیا خود رسول اللہ ﷺ نے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آگ سے پکی ہوئی چیزیں کھاتے اور پھر وضو نہیں کرتے تھے بلکہ پہلے وضو سے ہی نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ امام بخاری نے بھی "باب من لم یتوضأ من لحم الشاۃ والسویق" قائم فرما کر واضح کر دیا ہے گوشت وغیرہ کھانے کے بعد وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وصال سے پہلے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے پاس بلایا اور کہنے لگیں میرے اور آپ کے درمیان سوکنوں والے تعلقات تھے۔ اگر مجھ سے آپ کے حق میں کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو خدارا معاف کر دیں۔ سیدہ عائشہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو معاف فرمائے اور تم سے درگزر فرمائے۔ سیدہ ام حبیبہؓ نے فرمایا: تم نے مجھے خوش کر دیا اللہ تعالیٰ تمہیں خوش و خرم رکھے اسی طرح سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی کہا۔[1]

سانحہ ارتحال:

علامہ ابن عبد البر المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

سیدہ ام حبیبہ کا انتقال ۴۴ھ میں ہوا۔[2] علامہ ابن سعد نے بھی ۴۴ھ ہی بیان کیا ہے اور مزید تصریح یہ کی ہے کہ اپنے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں انتقال ہوا ہے۔[3] یہی قول علامہ ابن کثیر کا ہے۔

البتہ ابوبکر بن ابی خیثمہ کہتے ہیں کہ سیدہ کا انتقال اپنے بھائی معاویہؓ سے ایک سال قبل ہوا جب کہ معاویہؓ کا ۶۰ھ میں انتقال ہوا تھا۔[4]

---

[1] طبقات ابن سعد ج۸ ص ۹۵

[2] الاستیعاب ج ۴ ص ۳۰۶ برحاشیہ الاصابہ

[3] طبقات ابن سعد ج۸ ص ۹۵

[4] البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۵

تیسرا قول ابن حبان اور ابن قانع کا ہے کہ ۴۲ھ میں انتقال ہوا ہے لیکن بلاذری کہتے ہیں کہ پہلا (۴۴ھ) قول ہی زیادہ صحیح ہے۔[1]

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا اور جنت البقیع میں آسودہ خواب ہوئیں۔[2]

اولاد:

پہلے شوہر عبید اللہ بن جحش سے دو اولادیں ہوئیں، بیٹا عبد اللہ اور بیٹی کا نام حبیبہ تھا۔ حبیبہؓ نے آغوش نبوت میں تربیت پائی اور عروہ بن مسعود ثقفی قبیلہ ثقیف کے رئیس اعظم کے بیٹے داؤد سے منسوب ہوئیں۔[3]

---

[1] اسد الغابہ والتہذیب ج ۱۲ ص ۴۲۶ الاصابہ ج ۸ ص ۳۰۷

[2] انساب الاشراف ج ۱ ص ۴۴۳ و زرقانی ج ۳ ص ۲۴۶

[3] الاصابہ ج ۸ ص ۳۰۷

يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ ۔ (القرآن)

(۱۰)

ام المومنین

سیدہ

صفیہ رضی اللہ عنہا

سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّکِ لَابْنَةُ نَبِیٍّ وَاِنَّ عَمَّکِ لَنَبِیٌّ وَاِنَّکِ لَتَحْتَ نَبِیٍّ

كَانَتْ صَفِيَّةُ عَاقِلَةً ، حَلِيْمَةً ، فَاضِلَةً

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

زرقانی کی روایت کے مطابق سیدہ کا نام "زینب" تھا لیکن جنگ خیبر میں جب مال غنیمت میں قیدی رسول اللہ ﷺ کے حصہ میں آئی تھیں اور عرب میں یہ دستور تھا کہ غنیمت کا جو حصہ امام و بادشاہ کے لئے مخصوص ہوتا تھا اسے "صفیہ" کہا جاتا تھا۔ اس لئے سیدہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔[1]

ابن زبالہ نے اپنی کتاب المنتخب ص ۸۵ میں لکھا ہے کہ صفیہ کا نام "حبیبہ" تھا۔ بعد میں صفیہ کے نام سے مشہور ہوئیں کیونکہ خیبر کے موقعہ پر یہ مخصوص کر دی گئی تھیں حضور انور ﷺ کے لئے۔ جیسے کہ حافظ ابن حجرؒ کے بیان کے مطابق ان کی کنیت "ام یحییٰ" تھی۔[2] سلسلہ نسب اس طرح ہے:

صفیہ بنت حیی بن اخطب بن سعنہ بن ثعلبہ بن عبید بن کعب بن الخزرج بن ابی حبیب بن النضیر بن النحام بن تنحوم۔[3]

علامہ ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ، علامہ ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ اور علامہ ابن اثیر المتوفی ۶۳۰ھ اور علامہ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ نے صفیہ کی والدہ کا نام "برہ بنت سموال" بیان کیا ہے جو رفاعہ بن سموال قرظی کی بہن تھیں۔[4]

---

۱ سیر الصحابیات ص ۹۵

۲ ازواج النبی [illegible] فتح الباری ج ۹ ص ۱۲۷ حدیث نمبر [illegible] کتاب [illegible]

۳ الاستیعاب ج ۴ ص ۴۲۶ بحاشیہ الاصابہ، طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۹۵

۴ الاستیعاب ج ۴ ص ۳۳۹

علامہ قسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ اور علامہ زرقانی المتوفی ۱۱۲۲ھ نے "ضرہ" نام بیان کیا ہے۔[1]

نیز شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مولانا سعید انصاری وغیرہ نے والدہ کا نام "ضرۃ" بیان کیا ہے۔[2]

سیدہ صفیہؓ کو باپ اور ماں دونوں طرف سے سیادت حاصل تھی' والد حیی بن اخطب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بھائی سیدنا ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا اور بنو نضیر کا سردار تھا۔ والدہ رئیس قریظہ کی بہن تھی اور یہ دونوں خاندان یعنی بنو قریظہ اور بنو نضیر بنو اسرائیل کے ان قدیم قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے جنہوں نے زمانہ دراز سے عرب کے شمالی علاقوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔[3]

لغوی تحقیق:

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں۔

ابوداؤدؒ' احمدؒ' حبان اور حاکم نے سیدہ عائشہؓ سے روایت بیان کی ہے:

کانت صفیة من الصفی و الصفی بفتح المهملة و کسر الفاء وتشدید التحتانیة

اور "الصفی" کی تفسیر محمد بن سیرین نے بیان کی ہے جسے امام ابوداؤد نے صحیح اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے:

قال: کان للنبی صلی الله علیه وسلم بسهم مع المسلمین والصفی یؤخذ له رأس من الخمس قبل کل شیء ومن طریق الشعبی قال کان للنبی صلی الله علیه وسلم سهم

۱۔ زرقانی طبع بیروت ج ۳ ص ۲۲۶

۲۔ سیرت المصطفیٰ ج ۳ ص ۳۳۵ سیر الصحابیات ص ۹۰۔

۳۔ سیر الصحابیات ص ۹۰

۴۔ ابوداؤد ج ۲ ص ۶۰ کتاب الخراج والامارۃ والفئی' باب ما جاء فی سهم الصفی

يدعى الصفي ان شاء عبدا و ان شاء امة وان شاء فرسا يختاره من الخمس۔ ومن طريق قتادة كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا غزا كان له سهم صاف يأخذه من حيث شاء، وكانت صفية من ذلك السهم ۔ وقيل ان صفية كان اسمها قبل ان تسبى زينب۔ فلما صارت من الصفي سميت صفية[1]

"صفیہ کے معنی ہیں۔ انتخاب کردہ۔ ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کے لئے مال غنیمت میں سے نکالا جاتا تھا جو تمام مسلمانوں کے ساتھ ہوتا تھا۔ اور صفی یہ تھی کہ خمس میں سے ہر چیز سے قبل آپ کے لئے ایک غرہ چن نکال لی جاتی تھی۔ عامر شعبی نے کہا کہ نبی ﷺ کا ایک حصہ "صفی" بھی کہلاتا تھا اگر چاہے تو غلام اگر چاہے تو لونڈی۔ اگر چاہے تو گھوڑا ہوتا۔ جسے مال غنیمت کا خمس نکالنے سے قبل پسند کر لیتے تھے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب قتال فرماتے تھے تو آپ کا ایک خالص حصہ بھی ہوتا تھا جو آپ جہاں سے چاہتے لے لیتے تھے پس صفیہؓ اسی حصہ میں سے تھیں۔" (ترجمہ: شیخ الحدیث مولانا منظور احمد، ابوداؤد مترجم ج ۲ ص ۴۰۳)

"اور کہا جاتا ہے: حضرت صفیہؓ کا نام قید ہونے سے پہلے زینب تھا پھر جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں پسند فرمایا تو "صفیہ" کے نام سے مشہور ہوئیں۔"

خاندانی تعارف:

حضرت مولانا محمد زکریا سنبھلی مدظلہ معارف الحدیث میں سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاندان کا تعارف اس طرح پیش کرتے ہیں۔ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ حیی ابن اخطب قبیلہ بنی نضیر کا سردار تھا اس کا سلسلۂ نسب حضرت موسیٰ علیہ

---

[1] فتح الباری ج ۷ ص ۴۷۰ کتاب المغازی حدیث نمبر ۴۲۱۳

السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام تک پہنچتا ہے ماں کا نام ضرہ ہے یہ قبیلہ بنی قریظہ کے سردار کی بیٹی تھیں۔[1]

بنو نضیر اور بنو قریظہ مدینہ کے ممتاز یہودی قبیلے تھے۔ ان قبیلوں کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے بعد آپ سے یہ عہد کیا تھا کہ ہم نہ آپ سے جنگ کریں گے اور نہ آپ کے دشمنوں کی مدد کریں گے۔[2] لیکن دونوں قبیلوں کے لوگوں نے عہد شکنی کی قبیلہ بنی نضیر نے [illegible] کے کہنے پر رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی سازش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی اطلاع دے دی۔[3] اور آپ نے ان کی بدعہدی کی وجہ سے غزوہ بدر کے چھ مہینے کے بعد ان کے قلعے کا محاصرہ فرمایا۔[4] ان لوگوں نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی آپ نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور یہ طے پایا کہ وہ اپنے اونٹوں پر جتنا سامان لاد کر لے جا سکتے ہیں لے جائیں۔ البتہ اسلحہ لے جانے کی اجازت نہیں ہے۔[5]

ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور خیبر میں جا کر بس گئے جہاں یہودی کی بڑی بڑی بستیاں تھیں۔ حضرت صفیہ کے والدین بھی اپنے قبیلہ والوں کے ساتھ خیبر چلے گئے تھے اس وقت حضرت صفیہ بہت کم عمر تھیں وہاں خیبر میں ان کی پہلی شادی سلام بن مشکم سے ہوئی تھی۔[6] (معارف الحدیث جلد ہشتم مولانا محمد منظور نعمانی نے مرتب فرمائی ہے)

نکاح:

سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نکاح سلام بن مشکم القرظی سے ہوا تھا وہ ایک نامور شاعر اور سردار تھا لیکن دونوں میاں بیوی کی نہ بن سکی۔[7] آخرکار سلام بن مشکم القرظی

---

1. زرقانی ج۳ ص۲۹۵ سیر اعلام النبلاء ج۲ ص۲۳۱
2. فتح الباری ج۷ ص۳۳۰ باب حدیث بنی النضیر
3. ابوداؤد باب فی خبر النضیر
4. صحیح بخاری باب حدیث بنی النضیر
5. فتح الباری وغیرہ   6. معارف الحدیث ج۸ ص۳۳۲

نے انہیں طلاق دے دی۔ طلاق کے بعد ان کے باپ نے ان کا نکاح بنو قریظہ کے ایک
نامور سردار کنانہ بن ابی الحقیق سے کر دیا جو ابو رافع تاجر حجاز اور خیبر کے رئیس کا بھتیجا تھا
خود بھی بلند مرتبہ تھا اور خیبر کے مشہور قلعہ "القموص" کا سردار تھا اور اپنے گھرانے کے
ہمراہ یہیں سکونت پذیر تھا۔ سن ۷ ہجری میں حضور انور ﷺ نے یہودیوں کی سازشوں کا قلع
قمع کرنے کے لئے ان کے مرکز خیبر کا رخ کیا۔ خیبر مدینہ منورہ کے شمال مغربی علاقہ میں
نہایت زرخیز مقام تھا، جہاں یہود نے نہایت مضبوط قلعے بنا رکھے تھے۔ یہیں جنگ خیبر
ہوئی اور مسلمانوں کو تاریخی فتح و نصرت حاصل ہوئی اور "القموص" جیسا مضبوط قلعہ بھی
مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

کنانہ بن ابی الحقیق اپنے قلعہ ہی میں مارا گیا اس کے تمام اہل و عیال کے ساتھ
سیدہ صفیہؓ بھی قید ہوئیں اس جنگ میں سیدہ کے باپ، شوہر اور بھائی بھی مارے گئے۔
مذکورہ دونوں خاوندوں سے سیدہ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔[1]

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور انور ﷺ کی خدمت میں
عرض کی کہ صفیہؓ کے والد، بھائی اور خاوند کو کفر کی حالت میں میں نے قتل کیا۔ حضور نے
اس پر تشکر بہت فرمایا۔[2]

حرمِ نبوت میں آمد

سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنگ خیبر میں قید ہو کر آئیں وہ ابھی نئی نویلی دلہن
تھیں کہ ان کا شوہر جنگ میں قتل ہو گیا بعض حضرات نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سیدہ
صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حسن و جمال کا تذکرہ کیا لیکن آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ اسی
اثناء میں حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: مجھے ایک لونڈی دلوا دیجئے۔
حضور انور ﷺ نے فرمایا تم ایک لونڈی کا انتخاب کر لو۔ انہوں نے حضرت صفیہؓ کو لے
لیا۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: صفیہ بنو قریظہ کی رئیسہ ہیں ایک سردار کی

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۲۰، الاستیعاب ج ۲ ص ۷۳۴، حاشیہ الاصابہ، سیر الصحابیات ص ۴۰
[2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۲۸

بیوی اور ایک سردار کی بیٹی ہیں خاندانی وقار اور وجاہت ان کے چہرے سے عیاں ہے۔ حالانکہ وہ تو آپ کے سوا کسی اور کے لئے مناسب نہیں وہ تو صرف آپ ہی کے لئے سزاوار ہے مقصود یہ تھا کہ عرب کی رئیسہ کے ساتھ عام عورتوں کا سا برتاؤ مناسب نہیں۔ چنانچہ ماہر نفسیات سرور دو عالم نے لوگوں کی نفسیات کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا کہ دحیۃ کو مع اس لڑکی کے بلاؤ" حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے رسول اللہ ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک نظر دیکھا اور حضرت دحیہ سے فرمایا: اے دحیہ! اس کی جگہ دوسری لونڈی پسند کر لو۔ پھر ان کی دل جوئی کی خاطر سات لونڈیوں کے عوض سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان سے خرید لیا۔[1]

سید عالم ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آزاد کر دیا اور انہیں اختیار دے دیا کہ چاہیں تو اپنے گھر واپس چلی جائیں۔ یا پسند کریں تو آپ کے نکاح میں آ جائیں۔ سیدہ نے شہنشاہ دو عالم ﷺ کی زوجیت کو پسند فرمایا۔

سرور دو عالم ﷺ کے ساتھ نکاح کے وقت سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارک سترہ سال کے قریب تھی۔[2]

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ سے کہا کیا تیری کوئی آرزو ہے انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں تو زمانہ شرک میں بھی آپ کی خواہش رکھتی تھی۔ اب تو اللہ نے میری خواہش پوری فرما دی اور اسلام کی دولت بھی عطا فرما دی چنانچہ آپ نے انہیں آزاد کر کے نکاح کر لیا۔[3]

رسول اللہ ﷺ خیبر سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے راستہ میں ایک منزل کے فاصلہ پر مقام "سد الصہباء" میں ٹھہرے سیدہ ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدہ

---

[1] ابو داؤد ج ۲ ص ۳ باب ما جاء فی سہم الصفی

[2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳ کتاب الصلوٰۃ ابو داؤد ج ۲ ص ۲۱

[3] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۲۳

[4] سمط الثمین ص ۱۲۰

صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دلہن بنایا سر میں کنگھی کی عطر لگایا اور سرورِ دو عالم ﷺ کے پاس خیمہ میں بھیج دیا اس طرح ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہو گیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔[1]

ولیمہ:

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ولیمہ بھی عجب شان سے ہوا چمڑے کا ایک دستر خوان بچھا دیا گیا اور آپ نے فرمایا جس کے پاس جو کچھ ہے وہ لے آئے کوئی کھجور لایا کوئی پنیر لایا اور کوئی ستو لایا اور کوئی گھی لایا۔ جب اس طرح کچھ اشیا جمع ہو گئیں تو سب نے ایک جگہ بیٹھ کر کھا لیا اس ولیمہ میں نہ گوشت تھا اور نہ ہی روٹی صحابہ میں یہ بات گردش کر رہی تھی کہ آیا صفیہؓ اب ام المومنین بن گئی ہیں یا کنیز ہیں صحابہ کا خیال تھا کہ اگر انہیں پردہ کرنے کا حکم ہوا تب تو ام المومنین ہیں اور اگر پردہ نہ کیا تو سمجھا جائے گا کہ حضورؐ کی باندی ہیں۔[2]

مقام صہبا میں آپ نے تین دن قیام فرمایا اور سیدہ صفیہؓ پردے میں رہیں جب وہاں سے روانہ ہوئے تو حضور انور ﷺ نے خود انہیں اونٹ پر سوار کرایا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا تاکہ کوئی دیکھ نہ سکے گویا یہ اعلان تھا کہ سیدہ صفیہ ام المومنین ہیں ام ولد نہیں ہے۔[3] راستے میں جب ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اونٹ پر سوار ہوتیں تو آپ اونٹنی کے پاس بیٹھ جاتے اپنا گھٹنا زمین پر ٹکا دیتے سیدہ آپ کے گھٹنے پر اپنا پاؤں رکھ کر اونٹنی پر سوار ہو جاتیں۔[4]

سیدہ صفیہؓ کا مہر:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

---

1. ابوداؤد ج ۱ ص ۲۱ کتاب الخراج
2. بخاری ج ۲ ص ۶۰۶
3. صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۶
4. صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۶

سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آزاد کرنے کے بعد ان سے نکاح فرمایا ثابت بنانیؒ نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ آپ نے سیدہؓ کا مہر کیا ادا فرمایا تھا؟ تو حضرت انسؓ نے کہا کہ ان کو آزاد کرنا ہی مہر ٹھہرا تھا۔[1]

خواب نمبر (۱):

حضرت ابو برزہؓ کہتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر پر فوج کشی فرمائی صفیہ اس وقت نئی نویلی دلہن تھیں ابھی وہ عروسی جوڑے ہی میں تھیں کہ خواب میں دیکھا سورج ٹوٹ کر ان کے سینہ پر آ گرا ہے اپنے شوہر سے خواب بیان کیا تو اس نے کہا کیا تم اس بادشاہ کی آرزو کرتی ہو جو ہمارے ہاں حملہ آور ہوا ہے۔[2]

حضرت صفیہ نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ چاند ان کی گود میں آ گیا ہے یہ خواب اپنے باپ سے بیان تو اس نے منہ پر چانٹا مارا جس سے منہ پر نشان پڑ گیا اور کہنے لگا کیا تو شاہ عرب کی تمنا کرتی ہے؟ باپ کے مارنے کا نشان چہرہ پر رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے تک موجود تھا۔[3]

علامہ علی بن برہان الدین حلبی ان روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ممکن ہے ایسا خواب دو مرتبہ دیکھا ہو باپ اور خاوند سے بیان کیا ہو اور دونوں نے طمانچہ مارا ہو علامہ زرقانی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔[4]

سرور دو عالم ﷺ نے سیدہ صفیہؓ کو آزاد کرنے کے بعد یہ اختیار دیا کہ اپنے وطن چلی جائیں یا مسلمان ہو کر آپ سے نکاح کر لیں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

اختار اللہ ورسولہ لقد کنت اتمنی ذالک فی الشرک

---

1. بخاری ج ۲ ص ۶۰۶ کتاب المغازی، طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۲۰
2. البدایہ ج ۴ ص ۲۲۲
3. السیرۃ الحلبیہ ج ۳ ص ۴۱، زرقانی مع مواہب ج ۳ ص ۲۴۲
4. سیرت مصطفیٰ اردو ج ۳ ص ۴۳۵، زرقانی مواہب ج ۳ ص ۲۴۴

"یعنی میں تو اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کر لی ہوں اب تو الحمد اللہ نے ایمان کی دولت سے نواز دیا میری تو اسلام سے پہلے بھی یہی خواہش تھی۔"[1]

ایک روایت میں ہے: سیدہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے اسلام کو پسند کیا اور میں آپ کی اس دعوت سے پہلے ہی آپ کی تصدیق کر چکی ہوں یہودیت اب نہ تو میرا باپ ہے نہ بیٹا اور نہ ہی بھائی ہے آپ نے کفر اور اسلام میں سے ایک کا انتخاب کرنے کو فرمایا:

فاللہ ورسولہ احب الی من العتق وان ارجع الی قومی[2]

"پس اللہ اور اس کا رسول مجھے آزادی اور قوم میں جانے سے زیادہ محبوب ہیں۔"

خواب نمبر (۲):

علامہ علاؤ الدین ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

خیبر میں اس وقت حیی بن اخطب اور ابی حقیق یہودیوں کے سب سے زیادہ صاحبان ثروت اور ان کے معزز ترین اشخاص سمجھے جاتے تھے اور وہی وہاں کے سیاہ وسفید کے مالک تھے۔ اس وقت سے کچھ قبل تک صفیہ بنت حیی سن بلوغ کو نہیں پہنچی تھیں لیکن وہاں تربیت پا رہی تھیں، حیی بن اخطب کا ارادہ تھا کہ انہیں ان کے چچا زاد بھائی سے منسوب کر دیا جائے جب رسول اللہ ﷺ خیبر پہنچے تو وہ اس سے چند روز پہلے ہی اپنے ایک چچا زاد بھائی کی زوجیت میں آ گئی تھیں اور اسی دوران انہوں نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ چاند آسمان سے اتر کر ان کی خواب گاہ میں داخل ہو رہا ہے خواب جب انہوں نے اپنے شوہر کو سنایا تو اس نے ان کے منہ پر تھپڑ مار کر کہا۔

"کیا تجھے یثرب (مدینہ) کا اشتیاق ہے اور اس کے حکمران کے آغوش کی تمنا ہے؟"

اس کے بعد سیدہ صفیہؓ کا دل خود بخود سرور عالم ﷺ کی طرف کھنچنے لگا اور ان کے

---

۱ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۲۷

۲ زرقانی ج ۳ ص ۲۵۸، طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۲۶

دل میں آپ کی غائبانہ محبت پیدا ہو گئی۔[1]

امام ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ رقمطراز ہیں:

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حضور اقدس ﷺ کی حرم سرائے میں داخل ہو گئیں تو آپ نے سیدہ صفیہؓ کی آنکھ کے قریب سبز نشان دیکھا فرمایا: یہ سبزی کیسی ہے انہوں نے کہا۔ ایک روز میں اپنے شوہر کنانہ کی گود میں سر رکھے ہوئے سو رہی تھی کہ خواب میں کیا دیکھتی ہوں کہ چاند میری گود میں آ گرا ہے یہ خواب میں نے اپنے شوہر سے بیان کیا اس نے زور سے میرے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا تو یثرب کے شہنشاہ کی تمنا کرتی ہے۔[2]

امام محمد بن یوسف الدمشقی المتوفی ۹۴۲ھ فرماتے ہیں:

ان دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ پہلے جب یہ خواب دیکھا تو والد سے ذکر کیا دوبارہ دیکھنے پر خاوند کے سامنے بیان کیا ہو۔[3]

راستہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ خیمہ میں رات بسر فرمائی تو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار لے کر رات کو پہرہ دیتے رہے۔

صبح جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں تلوار ہاتھ میں لئے کھڑا دیکھا تو دریافت فرمایا کیوں پریشان ہو؟ حضرت ابو ایوب عرض گزار ہوئے "یا رسول اللہ! حال ہی میں صفیہؓ کے والد، خاوند اور بھائی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں مجھے اندیشہ ہوا کہ صفیہ کے ہاتھوں آپ کو تکلیف نہ پہنچے" آپ نے ان کے جذبے کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دعائے خیر سے نوازا۔[4]

---

1. طبرانی کبیر ج ۲۴ ص ۶۷ حدیث نمبر ۱۷۹ البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۹۶
2. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۰۲ طبرانی کبیر ج ۲۴ ص ۶۷ حدیث نمبر ۱۷۷
3. ازواج النبی ص ۲۴۱
4. سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۳۵۶ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۰۸

قافلہ نبوی کی مدینہ آمد:

سرورِ دو عالم ﷺ جب مدینہ منورہ پہنچے تو سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر ٹھہرایا۔ حضرت حارثہ بن نعمان حضور انور ﷺ کے نہایت جانثار صحابی تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں دولت سے نوازا تھا وہ آپ کی ضروریات کا خصوصی خیال رکھنا اپنے لئے سعادت دارین سمجھتے تھے چنانچہ اس موقع پر بھی ان کا ایثار کام آیا۔

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حسن و جمال کی شہرت سن کر انصار مدینہ کی خواتین اور ازواج مطہرات بھی انہیں دیکھنے آئیں جن میں سیدہ زینب بنت جحش، سیدہ حفصہ، سیدہ عائشہ اور سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہن شامل تھیں۔

سیدہ عائشہ نقاب اوڑھ کر آئی تھیں مگر حضور اقدس ﷺ نے پہچان لیا اور جب واپس ہوئیں تو پوچھا

كيف رأيتها يا عائشة

"اے عائشہ! تم نے اسے کیسا پایا؟"

وہ کہنے لگیں: ایک یہودیہ دیکھ کر آئی ہوں۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا ایسے نہ کہو وہ تو اسلام قبول کر چکی ہیں اور ان کا اسلام نہایت عمدہ ہے۔[1]

ایک روایت میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ کو پہچان لیا اور ان کا کپڑا پکڑ کر فرمایا

كيف رأيت يا حميراء[2]

"اے حمیرا! اسے کیسا پایا ہے؟"

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

---

1. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۲۸، ۱۲۶ ۔ زرقانی شرح مواہب ج ۳ ص ۲۹۵
2. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۲۸، ۱۲۶ اصابہ ج ۴ ص ۳۴۷

حضور اقدس ﷺ بڑے کریم اور شفیق تھے اپنی بیویوں کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کرتے تھے جب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیبر سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئی راستہ میں اونٹنی پر مجھے نیند آجاتی تھی اور میرا سر کجاوے سے لگ جاتا تھا آپؐ اپنے دستِ مبارک سے سہارا دیتے اور فرماتے کہ اے حُیَی کی بیٹی! دھیان سے بیٹھو کہیں گر نہ جانا۔

جب صہبا کے مقام پر پہنچے آپؐ نے فرمایا: اے صفیہ! جو کچھ تیری قوم کے ساتھ ہوا مجھے اس کا افسوس ہے لیکن انہوں نے بھی ہمارے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا ہے۔[1]

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں جب میں ایک قیدی کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی تو اس وقت میری نگاہ میں آپ سے زیادہ کوئی انسان ناپسندیدہ نہیں تھا اس لئے کہ میرا باپ، خاوند، بھائی اور کئی رشتہ دار قتل ہو چکے تھے۔

حضور انور ﷺ نے فرمایا: صفیہ تمہاری قوم نے ہمارے ساتھ یہ کچھ کیا ہے، سیدہ فرماتی ہیں: (پھر حضور کی شخصیت اور اخلاق کا مجھ پر ایسا اثر ہوا) جب میں اپنی جگہ سے اٹھی تو آپ سے زیادہ کوئی محبوب اور پسندیدہ شخص میری نگاہ میں نہیں تھا۔[2]

فضل وکمال:

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں بہت سے محاسن اخلاق جمع تھے:

کانت عاقلة من عقلاء النساء[3]

ترجمہ: "وہ عورتوں میں بہت ہی زیادہ عقلمند تھیں۔"

علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

کانت صفية عاقلة حليمة فاضلة[4]

---

[1] مجمع الزوائد ج۹ ص۲۱۸ کتاب المناقب حدیث نمبر ۱۵۳۶۸

[2] زرقانی علی المواہب ج۳ ص۲۹۹　　[3] اسد الغابہ ج۵ ص۴۹۰

[4] الاستیعاب ج۴ ص۳۴۸ برحاشیہ الاصابہ، زرقانی ج۳ ص۲۹۲، زرقانی علی المواہب ج۳ ص۲۵۳، الاصابہ ج۴ ص۳۴۶

"سیدہ صفیہؓ عقل مند بردبار تحمل والی اور فاضلہ تھیں۔"

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بردباری اور تحمل و برداشت کی کتاب مناقب کا ایک مخفی اور اہم باب تھا۔

غزوہ خیبر کے بعد جب وہ اپنی چچازاد بہن کے ہمراہ گرفتار ہو کر آ رہی تھیں تو ان کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکی اور چیخ و پکار کرنے لگی لیکن سیدہ صفیہ جن کا باپ، بھائی اور خاوند اسی جنگ میں قتل ہو گئے تھے اپنے محبوب خاوند کی لاش کے قریب سے گزریں لیکن وہ پیکر متانت و صبر تھیں جن کی جبین تحمل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی تھی۔[1]

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک باندی نے امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آ کر شکایت کی (۱) کہ صفیہؓ میں اب بھی یہودیت کا اثر باقی ہے۔ (۲) یوم السبت یعنی سنیچر کو اچھا سمجھتی ہیں۔ (۳) اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان شکایت کی تفتیش و تصدیق کے لئے ایک آدمی بھیجا، سیدہؓ نے اسے جواب دیا یوم السبت کو اچھا سمجھنے کی کیا ضرورت ہے جب کہ اللہ جل مجدہ نے اس کے بدلے یوم الجمعہ عنایت فرمایا ہے۔ البتہ یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم تو اسلام دیتا ہے ان میں میرے قریبی و اقارب ہیں۔ اس کے بعد باندی سے پوچھا کیا تم نے میری شکایت کی تھی؟ اس نے کہا ہاں! مجھے شیطان نے بہکایا تھا۔ سیدہ نے اسے سزا دینے کے بجائے آزاد کر دیا۔[2]

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب مدینہ طیبہ آئیں تو ان کے کانوں میں سونے کا کچھ زیور تھا اس میں سے کچھ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تحفہ دے

۱۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۹۵

۲۔ الاصابہ ج ۸ ص ۲۲۴

دی اور جو بچ گیا دوسری عورتوں کو دے کر خود فارغ ہو گئیں۔[1] یہ ہیں پیغمبر ﷺ کی زوجیت میں آنے کے اثرات کہ دنیا فانی کا قصہ ختم کر دیا۔

حب نبوی:

میاں بیوی کی باہمی محبت و الفت ہی گھر کو مثل جنت بنا دیتی ہے اور زندگی کی گاڑی اچھی طرح رواں دواں رہتی تھی۔ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرورِ دو عالم ﷺ پر دل و جان سے فدا تھیں اپنی جان عزیز تک قربان کرنے کے لئے تیار تھیں جب سید عالم ﷺ علیل ہوئے اور آپ کی ازواج آپ کی بیمار پرسی کے لئے حاضر تھیں سیدہ صفیہؓ نے نہایت حسرت سے کہا:

اما واللہ یا نبی اللہ لو ددت ان الذی بک بی

"خدا کی قسم! اے رسول اللہ! میں چاہتی ہوں کہ آپ کی بیماری مجھے لگ جائے (اور آپ صحت یاب ہو جائیں)۔"

اس پر ازواج مطہرات سیدہ کی طرف دیکھنے لگیں۔ حضور انور ﷺ نے یہ کیفیت ملاحظہ فرماتے ہوئے یوں گویا ہوئے: "بخدا! صفیہ سچ کہہ رہی ہے"[1] یعنی ان کا اظہار عقیدت نمائشی نہیں بلکہ سچے دل سے وہ یہی چاہتی ہیں۔

سید عالم ﷺ کے قلب اطہر میں بھی ان کی نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دل داری اور دل جوئی فرماتے تھے ایک سفر میں ازواج مطہرات بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اونٹ اتفاق سے بیمار ہو گیا۔ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اونٹ ضرورت سے زیادہ تھے حضور انور ﷺ نے فرمایا: اگر ایک اونٹ صفیہؓ کو دے دو تو بہتر ہو گا۔ انہوں نے کہا: میں اس یہودیہ کو اونٹ کیوں دوں؟ رسول اللہ ﷺ کو یہ جواب اس قدر شاق گزرا اور آپ نے ذوالحجہ اور محرم دو مہینے

---

1. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۰۹ ۔ الاصابہ ج ۸ ص ۲۱۲
2. طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۰۹

یا تین ماہ تک سیدہ زینب سے قطع تعلق رکھا۔[1]

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف فرما ہوئے، دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں آپؐ نے فرمایا: صفیہ! کیوں رو رہی ہو؟ عرض کی کہ عائشہؓ اور حفصہؓ مجھے چھیڑتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے نزدیک زیادہ عزت اور رتبہ حاصل ہے کیونکہ ہمیں آپ کی بیویاں ہونے کے علاوہ آپ کی چچا زاد بہن ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

حضور انور ﷺ نے فرمایا: صفیہؓ! تم نے یہ کیوں نہ کہا: تم مجھ سے کیسے بہتر ہو سکتی ہو؟ میرے باپ حضرت ہارونؑ میرے چچا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور میرے شوہر حضرت محمد ﷺ ہیں، تم کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو۔

قد بلغني عن حفصة و عائشة كلام فذكرت ذلك له، فقال الا قلت وكيف تكونان خيرا مني وزوجي محمد وابي هارون وعمي موسى، وكان الذي بلغها انهم قالوا نحن اكرم على رسول الله ﷺ منها، وقالوا نحن ازواج النبي صلى الله عليه وسلم وبنات عمه[2]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معلوم ہوا کہ سیدہ حفصہؓ نے انہیں یہودی کی بیٹی کہا ہے سیدہ کو اس سے سخت صدمہ ہوا اور وہ رونے لگیں اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور رونے کی وجہ معلوم فرمائی سیدہ نے بتایا کہ حفصہؓ مجھے کہتی ہیں۔ تم یہودی کی بیٹی ہو، حضور انور ﷺ نے فرمایا:

انك لابنة نبي، وان عمك لنبي، وانك لتحت نبي، ففيم تفتخر عليك۔

---

[1] مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۳۸، ص ۲۶۱ وغیرہ

[2] ترمذی ج ۲ ص ۲۲۷ ابواب المناقب، مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۹

ترجمہ: "تم تو ایک نبی کی بیٹی ہو اور تیرا چچا بھی نبی ہے اور تم ایک نبی کی بیوی ہو، وہ کس بات میں تم پر فخر کر سکتی ہیں۔"

پھر آپ ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا: اللہ سے ڈرو۔[1]

سفرِ حج میں ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اونٹ بیٹھ گیا اور وہ سب سے پیچھے رہ گئیں تھیں حضور انور ﷺ پاس سے گزرے تو دیکھا زار و قطار رو رہی ہیں۔ آپ نے اپنی ردا، اور دستِ مبارک سے ان کے آنسو پونچھے آپ آنسو پونچھتے جاتے تھے اور وہ بے اختیار روتی جاتی تھیں۔[2]

ایک مرتبہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قد و قامت کی نسبت اشارہ کیا یعنی کوتاہ قد ہیں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: عائشہ! تم نے ایسی بات کہی کہ اگر سمندر میں ڈال دی جائے تو اسے بھی گدلا کر دے۔[3]

امت کی رہنمائی:

ازواجِ مطہرات کے ذریعہ بے شمار مسائل میں امت کی رہنمائی ہوئی ہے سفرِ حج میں کتنے ہی عورتوں کے مخصوص مسائل سے امت روشناس ہوئی ہے چنانچہ اسی سفرِ حج میں ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو قیامِ منیٰ کے دوران ایام شروع ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھر تو ان کے پاک ہونے تک ہمیں رکنا پڑے گا کیونکہ پاک ہو کر طوافِ زیارت ادا کریں گی۔ آپ کو بتایا گیا کہ سیدہ صفیہ طوافِ زیارت کر چکی ہیں آپ نے فرمایا: پھر تو رکنے کی ضرورت نہیں۔[4]

---

1. ترمذی ج ۲ ص ۲۲۶ ابواب المناقب، مسند امام احمد ج ۳ ص ۱۳۵
2. نسائی ج ۲ ص ۱۹۱، زرقانی علی المواہب ج ۳ ص ۲۵۹، اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۹۰، مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۷
3. مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۰۶، ابوداؤد ج ۲ ص ۶۶۹ کتاب الادب باب فی الغیبۃ
4. بخاری ج ۱ ص ۲۳۶ کتاب الحج باب اذا حاضت المرأۃ بعد ما افاضت

رحمت عالم ﷺ سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نہایت تکریم فرماتے تھے ایک مرتبہ رمضان المبارک میں مسجد میں اعتکاف فرمایا' سیدہ صفیہؓ ملنے آ گئیں' دیر تک گفتگو رہی جب گھر جانے لگیں تو سید عالم ﷺ گھر تک چھوڑنے کے لئے اٹھے' یہاں تک کہ آپ انہیں لے کر مسجد کے دروازہ تک پہنچے اتفاق سے دو انصاری آپ کے پاس سے گزرے اور حضور اقدس ﷺ کو سلام کیا آپ نے انہیں فرمایا ذرا ٹھہرو دیکھنا یہ میری بیوی صفیہؓ ہے (کہیں یہ خیال نہ آ جائے کہ رات کی تاریکی میں آپ کے پاس کون عورت کھڑی ہے)' دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم ایسا سوچ بھی سکتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے مجھے اندیشہ ہوا کہیں وہ تمہارے دلوں میں کوئی ایسی بات نہ ڈال دے۔[1]

دوسری ازواج مطہرات کی طرح ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر بھی علم وعرفان کا مرکز تھا۔ مرد وزن ان سے علمی استفادہ کرتے رہتے تھے جیسے کہ صہیرہ بنت جیفر فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ سیدہ صفیہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو دیکھا کہ کوفہ کی بہت سی خواتین مسائل دریافت کرنے کے لئے ان کے پاس جمع ہیں' صہیرہ بھی مسائل دریافت کرنے کی غرض آئی تھیں' اس لئے انہوں نے کوفہ کی عورتوں سے مختلف سوالات کرائے جن میں نبیذ کے متعلق بھی ایک سوال تھا' سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس پر فرمایا: عراق کے لوگ اکثر یہ مسئلہ پوچھتے رہتے ہیں۔[2]

حضرت عثمان کی خدمت:

امیر المومنین' خلیفہ ثالث' سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جب فسادی بلوائیوں نے محاصرہ کر لیا اور اسباب زندگی (غلہ' پانی) کی رسد بھی بند کر دی' اور گھر پر پہرہ بٹھا دیا گیا تاکہ نہ تو کوئی اندر جا سکے اور نہ ہی وہ خود باہر نکل سکیں۔

---

1. بخاری ج ۱ ص ۲۷۲ باب هل یخرج المعتکف لحوائجه الی باب المسجد' مسلم ج ۲ ص ۲۱۴ کتاب السلام' باب ان یستحب لمن رؤی خالیا بامراة' مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۳۷

2. مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۳۷

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے پاس کھانا پانی بھجوانے کا خاص اہتمام فرمایا، سیدہؓ خود بھی خچر پر سوار ہو کر اپنے غلام کنانہ کے ہمراہ امام مظلوم سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں جا رہی تھیں کہ۔ مالک الاشترؓ نے جاتے ہوئے دیکھ لیا اس نے آ کر خچر کو مارنا شروع کر دیا، اس کا یہ ذلت آمیز رویہ دیکھ کر سیدہؓ نے الاشتر سے فرمایا: مجھے ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں مجھے واپس جانے دو اور خچر کو چھوڑ دو۔ پھر سیدہؓ نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس خدمت پر مامور کیا کہ وہ ان کے گھر سے سیدنا عثمانؓ کے پاس کھانا اور پانی پہنچائیں۔

سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے گھر اور سیدنا عثمانؓ کے گھر کے مابین ایک لکڑی رکھ دی جس کے اوپر سے کھانا پانی پہنچایا جاتا تھا۔[1]

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی سلیقہ شعار خاتون تھیں کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ان کے کھانے کی تعریف کیا کرتی تھیں اور کئی بار حضور انور ﷺ کی خدمت میں عمدہ کھانا پکا کر تحفۃً بھیجا کرتی تھیں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

زہد و عبادت:

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں بھی نیک شہرت کی مالک تھیں علامہ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وکانت من سیدات النساء عبادۃً وورعاً وزھادۃ وبراً وصدقۃ رضی اللہ عنھا وارضاھا[2]

ترکہ:

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ترکہ میں ایک لاکھ درہم کی زمین و جائیداد چھوڑی تھی انہوں نے اس میں سے ایک تہائی اپنے بھانجے کو دینے کی وصیت کی تھی وہ

---

[1] طبقات ابن سعد ج۸ ص۱۲۹

[2] البدایہ والنہایہ ج۸ ص۴۷، وفیات ۵۰ھ

چنانچہ بیہقی نے امام شافعی سے روایت ہے کہ سیدہ صفیہؓ نے اپنے بھائی کے لئے تہائی ترکہ کی وصیت کی تھی۔[1]

سانحۂ ارتحال:

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رمضان المبارک ۵۰ھ میں وفات پائی یہ زمانہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔[2]

بعض حضرات نے سن وفات ۵۲ھ ذکر کیا ہے لیکن علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں پہلا قول صحیح ہے۔[3]

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۲۸ [illegible] ج ۳ ص ۲۹۶
۲۔ مجمع الزوائد [illegible] ج ۹ ص ۲۵۰ ۔ تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۳۰ [illegible]
۳۔ [illegible] اصابہ ج ۴ ص ۳۴۷

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (القرآن)

(۱۱)

ام المومنین

سیدہ

میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

انها كانت من اتقانا الله واوصلنا للرحم۔

ترجمہ: میمونہؓ ہم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا:

نام ونسب:

نام برہ تھا۔ حضور انور ﷺ نے بدل کر میمونہ نام رکھا۔[1]

لفظ "میمونہ" یمن سے مشتق ہے اور اس کے معنی برکت کے ہیں اور میمون اور میمونہ کے معنی مبارک کے ہیں۔[2]

سلسلہ نسب یہ ہے:

میمونہ بنت حارث بن حزن بن بجیر بن الہزم بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر صعصعہ بن معاویہ بن بکر۔[3]

والدہ کا سلسلہ نسب: ہند بنت عوف بن زہیر بن الحارث بن حماطہ بن جرش۔[4]

خاندانی تعارف:

سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ کا تعلق قبیلہ حمیر سے تھا۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سگی خالہ تھیں کیونکہ سیدہ کی بڑی بہن "لبابۃ الکبریٰ" سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں' جنہیں "ام الفضل" کی کنیت سے یاد کیا جاتا تھا اور یہی سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹوں کی والدہ تھیں' سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دوسری بہن

---

1. طبقات ابن سعد ج۸ ص۱۳۲، الاستیعاب ج۴ ص۴۰۵ برحاشیہ الاصابہ، مسند الامام احمد ج۶ ص۳۳۵
2. تہذیب الاسماء ج۲ ص۳۵۳، لسان العرب ج۱۳ ص۴۵۸
3. طبقات ابن سعد ج۸ ص۱۳۸، الاستیعاب ج۴ ص۴۰۴
4. طبقات ابن سعد ج۸ ص۱۳۸، الاستیعاب ج۴ ص۴۰۴

''لبابہ الصغریٰ'' جو عصماء بنت الحارث کے نام سے موسوم تھیں' ولید بن مغیرہ المخزومی کی بیوی اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ تھیں۔

سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کئی بہنیں تھیں' بعض ماں اور باپ دونوں کی طرف سے اور بعض صرف ماں کی طرف سے تھیں۔

ام الفضل جنہیں ''لبابہ الکبریٰ'' کہا جاتا تھا۔ سرور دو عالم ﷺ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ محترمہ تھیں' ان ہی سے فضل بن عباس اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم پیدا ہوئے عصماء بنت الحارث' ان کا نکاح ابی بن خلف سے ہوا تھا۔ لبابہ الصغریٰ یہ ولید بن مغیرہ کی زوجہ اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ تھیں عزہ بنت الحارث یہ زیاد بن عبداللہ بن مالک الہلالی کی بیوی تھیں۔ یہ چاروں بہنیں سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حقیقی بہنیں تھیں یعنی ماں اور باپ سب کے ایک تھے' ان سب کی ماں ہند بنت عوف تھیں' اسماء بنت عمیس' ان کا پہلا نکاح حضرت جعفر ابن ابو طالب سے ہوا تھا ان کے بطن سے حضرت جعفرؓ کے بیٹے عبداللہ' محمد اور عون پیدا ہوئے۔ حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد ان سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کر لیا تھا' ان سے حضرت صدیقؓ کا ایک بیٹا محمد پیدا ہوا جو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ربیب تھا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت اسماء بنت عمیس سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کر لیا۔ ان سے ایک بیٹا یحییٰ پیدا ہوا۔ سلمیٰ بنت عمیس' سیدہ میمونہؓ کی یہ بہن سیدنا حمزہ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ تھیں۔ ان سے ایک بیٹی امامہ بنت حمزہؓ پیدا ہوئیں بعض مورخین نے اس کا نام امۃ اللہ' بعض نے عمارہ اور بعض نے فاطمہ بیان کیا ہے۔

سلامہ بنت عمیس یہ عبداللہ بن کعب بن منبہ الخثعمی کے نکاح میں تھیں۔ ام المومنین زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ماں کی طرف سے سیدہ کی بہن تھیں۔[1]

---

[1] الاستیعاب ج ۴ ص ۴۰۵ بر حاشیہ الاصابہ' المعارف ابن قتیبہ ص ۶۰

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ ہند بنت عوف کے متعلق علامہ ابن قتیبہؒ لکھتے ہیں:

اکرم عجوز فی الارض اصہارا[1]

"ساری روئے زمین پر ہند بنت عوف سے زیادہ کوئی عورت اپنے دامادوں کے لحاظ سے زیادہ خوش قسمت نہیں ہے۔"

ہند کے دامادوں میں سرِ فہرست سرورِ دو عالم حضرت مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ سیدنا صدیق اکبرؓ سیدنا حمزہؓ سیدنا عباسؓ سیدنا علیؓ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہم اور شداد بن الہاد۔[2]

نکاح:

سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نکاح مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی ہوا تھا لیکن کسی وجہ سے دونوں میں علیحدگی ہوگئی تھی۔[3]

سیدہ میمونہ آپ کی زوجیت میں آنے سے پہلے ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سنجرہ بن ابی رہم حویطب بن عبدالعزیٰ یا فروہ بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں۔[4]

حریم نبوت میں داخلہ:

جب سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا شوہر ابورہم بن عبدالعزیٰ اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگیا اور رسول اللہ ﷺ عمرۃ القضاء کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے جا رہے تھے کہ سیدہ میمونہؓ کے بہنوئی اور رسول اللہ ﷺ کے چچا سیدنا عباسؓ مقام جحفہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملے اور سیدہ کی بیوگی کا تذکرہ کیا اور چاہا کہ آپ ان سے نکاح

---

1. معارف ابن قتیبہ ص ۶۰، ازواج النبی ص ۱۹۸۔ زرقانی جدید ج ۳ ص ۲۴۹
2. ازواج النبی ص ۱۹۸۔ زرقانی طبع جدید ج ۳ ص ۲۴۹
3. زرقانی ج ۳ ص ۲۸۸ عیون الاثر ج ۲ ص ۳۰۵
4. ابن ہشام ج ۳ ص ۱۹۶، ج ۳ ص ۳۰۶

فرمائیں، آپ ﷺ نے یہ مشورہ قبول فرمایا اور حضرت جعفر بن ابی طالب کو نکاح کا پیغام دے کر بھیج دیا۔[1]

۷ھ میں رسول اللہ ﷺ عمرہ ادا کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے جب مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی جان رسول اللہ ﷺ کے لیے ہبہ کردی تھی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ[3]

"اور جو کوئی عورت ہو مسلمان اگر بخشے اپنی جان نبی کو اگر نبی چاہے کہ اس کو نکاح میں لے نری تجھی کو سوا سب مسلمانوں کے۔" (معارف ادریسی ج۶ ص ۳۱۱)

ابو عبید معمر بن المثنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ۷ھ میں جب خیبر سے فارغ ہوئے تو مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ادھر حبشہ سے حضرت جعفرؓ بن ابو طالب بھی مکہ مکرمہ آئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفرؓ کے ذریعہ حضرت میمونہ الحارث الھلالیہ کو نکاح کا پیغام بھیجا کیونکہ ان کے ہاں ان کی بہن اسماء بنت عمیس تھیں۔

سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کا پیغام قبول کر لیا اور سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا وکیل مقرر فرمایا اور سیدنا عباسؓ نے ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا جب کہ رسول اللہ ﷺ احرام کی حالت میں تھے جب آپ مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو "سرف" کے مقام پر عروسی ادا فرمائی۔[4]

ابن اسحاق کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے عمرۃ القضاء کے لئے حسب معاہدہ مکہ مکرمہ میں تین دن قیام فرمایا۔

---

[1] الاستیعاب ج۴ ص ۴۰۷ السمط الثمین ص ۱۱۴، ۱۱۵

[2] الاستیعاب ج۴ ص ۴۰۶ الاصابہ ج۴ ص ۴۱۲ سیرت ابن ہشام ج۳ ص ۲۹۶

[3] سورۂ احزاب: ۵۰

[4] الاستیعاب ج۴ ص ۴۰۵ برحاشیہ الاصابہ

تیسرے روز حویطب بن عبدالعزیٰ قریش کے چند آدمیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: آپ کی مدت قیام ختم ہو چکی ہے اس لئے اب آپ مکہ چھوڑ دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم لوگ مجھے مکہ میں قیام کے لئے کچھ وقت مزید دے دو تو میں تمہارے سامنے شادی کر لوں اور تمہیں بھی ولیمہ کھلاؤں اور تم بھی شادی میں شریک ہو جاؤ۔ قریش کے لوگوں نے جواب دیا ہمیں آپ کے کھانے کی ضرورت نہیں لہٰذا آپ مکہ چھوڑ دیں چنانچہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے روانہ ہو گئے اور سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام ابو رافع کو مکہ میں چھوڑ آئے جو ابو رافع سیدہؓ کو لے کر سرف پہنچے اور یہیں رسم عروسی ادا ہوئی اور رسول اللہ ﷺ ذی الحجہ میں مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔[1]

ابو عبیدہ کی روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے اوس بن خولی اور ابو رافع کو بھیجا۔ حضرت عباسؓ نے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا سیدہ میمونہؓ نے اپنا اختیار اپنی بہن ام الفضل کو دے دیا ام الفضل نے اپنے شوہر سیدنا عباسؓ کو اختیار تفویض کیا اور سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سیدہ میمونہؓ کا نکاح کر دیا۔[2]

امام بیہقی المتوفی ۴۸۵ھ بیان کرتے ہیں: حویطب بن عبدالعزیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو تیسرے دن کہا آپ کی مدت اقامت پوری ہو چکی ہے لہٰذا آپ مکہ سے چلے جائیں اور رسول اللہ ﷺ کا حضرت میمونہؓ سے نکاح کا ارادہ تھا اور قریش مکہ کی دعوت بھی کرنا چاہتے تھے حویطب نے کہا: ہمیں آپ کی دعوت سے کوئی سروکار نہیں آپ یہاں سے چلے جائیں سعد بن عبادہ نے کہا: مکہ نہ تو تیرے باپ کی ملکیت ہے اور نہ ہی تیری ماں اس ارض پاک کی مالک ہے ہم اس طرح نہیں جائیں گے لیکن رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ کی پاسداری اور وفائے عہد کرتے ہوئے روانہ ہو گئے اور سرف کے مقام پر سیدہ سے رسم عروسی ادا کیا اور وہاں ہی دعوت ولیمہ بھی کی۔[3]

---

۱ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۷۲

۲ دار قطنی ج ۳ ص ۲۶۳

۳ روض الانف ج ۴ ص ۲۵۵

امام محب الدین طبری المتوفی ۶۹۴ھ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ عمرہ سے فارغ ہو کر تین دن حسب شرط مکہ میں ٹھہرے آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قریش کے پاس بھیجا کہ اگر تم چاہو تو میں مزید تین دن قیام کروں اور اپنی اہلیہ سے عروسی کروں اور تمہیں بھی ولیمہ میں شریک کروں آپ نے عمرہ ادا کرنے سے پہلے حضرت میمونہ اہلیہ سے نکاح کر لیا تھا لیکن اس کے پاس گئے نہیں تھے' قریش نے آپ کو مزید مہلت دینے سے انکار کر دیا۔[1]

علامہ شیخ الحدیث مولانا زکریا مدنی المتوفی ۱۴۰۲ھ لکھتے ہیں: ابن عباسؓ سے روایت ہے' قضاء عمرہ کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے تین دن مکہ میں قیام فرمایا' چوتھے دن صبح سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزیٰ آپ کے پاس آئے جب کہ آپ سعد بن عبادہ سے گفتگو فرما رہے تھے' انہوں نے پکار کر کہا کہ معاہدہ کی مدت گزر چکی ہے اب آپ مکہ سے روانہ ہو جائیں آپ نے فرمایا: میں نے تمہاری ایک خاتون سے نکاح کیا ہے اگر تم ایک دن کی مزید مہلت دے دو تو تمہارا کچھ نقصان نہیں' تمہیں بھی دعوت ولیمہ میں شریک کروں گا' انہوں نے جواب دیا' ہمیں تمہارے کھانے کی حاجت نہیں' آپ معاہدہ کے مطابق یہاں سے چلے جائیں' چنانچہ آپ روانہ ہو گئے۔[2]

مہر:

رسول اللہ ﷺ نے ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر چار سو درہم ادا فرمایا' لیکن میمونہ کی قسمت میں ام المومنین کی حیثیت سے آپ ﷺ کے ساتھ زیادہ عرصہ رہنا نہیں تھا' اس لئے چند سالوں کے بعد وصال ہو گیا۔[3]

حالت احرام میں نکاح:

رسول اللہ ﷺ نے عمرۃ القضاء کے موقع پر سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا تھا' بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حلال ہو جانے کے بعد نکاح

---

[1] السمط الثمین ص ۱۸۴   [2] موطا امام مالک ج ۱ ص ۲۰۰

[3] ابن سعد ج ۸ ص ۲۱۴

کیا تھا اور بعض احادیث سے دلالت ہوتی ہے کہ آپ نے احرام کی حالت میں نکاح کیا تھا جب کہ آپ سے احرام کی حالت میں نکاح کرنے کی ممانعت بھی ثابت ہے احادیث کے اختلاف کی وجہ سے ائمہ مذاہب بھی اس معاملہ میں اختلاف رکھتے ہیں کہ احرام کی حالت میں نکاح جائز ہے یا نہیں۔

حالتِ احرام میں نکاح کی روایات:

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوج میمونۃ وھو محرم[1]

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوج میمونۃ بنت الحارث وھما محرمان[2]

عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزوج میمونۃ بنت الحارث فی سفرہ وھو حرام[3]

عن ابن عباس انہ کان لا یری بأسا ان یتزوج الرجل وھو محرم ویقول ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوج میمونۃ بنت الحارث بماء یقال لہ سرف وھو محرم[4]

عن ابن عباس قال: تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واحتجم وھو محرم[5]

عن ابی ہریرۃ قال: تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میمونۃ وھو محرم[6]

---

۱ صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۴۸ باب الحج باب تزویج المحرم، صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۳ کتاب النکاح باب تحریم نکاح المحرم، ابوداؤد ج ۱ ص ۲۶۲ کتاب المناسک باب المحرم یتزوج، ترمذی ج ۱ ص ۱۷۰، مسند امام احمد ج ۱ ص ۲۸۵

۲ مسند امام احمد ج ۱ ص ۲۲۵

۳ مسند امام احمد ج ۱ ص ۲۶۹

۴ مسند امام احمد ج ۱ ص ۲۷۵

۵ مسند امام احمد ج ۱ ص ۲۸۳، ص ۳۴۳

۶ دار قطنی ج ۳ ص ۲۶۳

بعض روایات میں حالتِ احرام میں نکاح کرنے کی ممانعت بھی مذکور ہے۔

عن عثمان بن عفان قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ینکح المحرم ولا ینکح ولا یخطب [1]

یزید بن الاصم جو سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے ہیں ان سے متعدد روایات ہیں حلال ہونے کی حالت میں نکاح کا ذکر پایا جاتا ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزوج میمونۃ حلالاً وبنی بھا حلالاً وماتت بسرف [2]

عن یزید بن الاصم عن میمونۃ بنت الحارث قالت تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسرف ونحن حلالان بسرف [3]

عن یزید بن الاصم عن میمونۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزوجھا وھما حلالان [4]

عن یزید بن الاصم قال حدثتنی میمونۃ بنت الحارث ان رسول اللہ ﷺ تزوجھا وھو حلال وکانت خالتی وخالۃ ابن عباس [5]

اسی طرح ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس معاملہ میں بطور قاصد خدمت انجام دیتے رہے وہ بیان کرتے ہیں:

عن ابی رافع ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزوج

---

1. مسلم ج ۱ ص ۴۵۳، ابو داؤد ج ۱ ص ۲۶۳
2. سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۶۲، ترمذی ج ۱ ص ۱۰۳، ابواب الحج باب ما جاء فی کراہیۃ تزویج المحرم
3. سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۶۲، سنن دارمی ج ۱ ص ۲۹۰، ابو داؤد ج ۱ ص ۲۶۰، کتاب المناسک باب المحرم یتزوج
4. دار قطنی ج ۳ ص ۲۶۲، سنن دارمی ج ۱ ص ۳۶۹
5. مسلم ج ۱ ص ۴۵۳

میمونة حلالا، وبنی بها حلالا، وکنت الرسول بینهما۔[1]

عن سلیمان بن یسار ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوج میمونة وهو حلال، رواہ مالک مرسلا۔[2]

ایک اور بھی تعلق نظر پایا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مکہ مکرمہ آنے سے پہلے ہی آپ کے مقرر کردہ وکیل نے نکاح پڑھا دیا تھا۔

عن سلیمان بن یسار، مولی میمونة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث ابا رافع مولاه، ورجلا من الانصار فزوجاه میمونة ابنة الحارث، ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینة قبل ان یخرج۔[3]

بقدر ضرورت اثبات اور عدم اثبات کی متعارض روایات نقل کر دی گئی ہیں اہل علم وارثان نبوت تطبیق و ترجیح کا فیصلہ خود کر لیں، مزید مراجعت کے لئے حسب ذیل کتب بے حد مفید ہیں۔

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۱۰ ص ۱۹۵ تا ۱۹۷، البنایہ شرح ہدایہ ج ۲ ص ۶۵ تا ۸۲، نصب الرایہ ج ۳ ص ۱۷۱، فتح القدیر ج ۳ ص ۱۳۹، اوجز المسالک شرح موطا امام مالک ج ۳ ص ۳۰۰، شرح مہذب ج ۷ ص ۲۸۷، مغنی ابن قدامہ ج ۵ ص ۱۶۲ تا ص ۱۶۵۔

علامہ حنیف گنگوہی کا تجزیہ:

علامہ محمد حنیف گنگوہی فاضل دیوبند نے امام شافعیؒ کی اختیار کردہ روایات کا تجزیہ اپنی مایہ ناز کتاب "المعنایہ شرح ہدایہ" میں پیش کیا ہے جسے محض مسلکی تائید کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

احرام کی حالت میں مرد اور عورت کو نکاح کرنا جائز ہے صحابہ کرام میں حضرت

---

[1] سنن دارمی ج ۱ ص ۳۹۷، ترمذی ج ۱ ص ۱۰۳ ابواب الحج

[2] ترمذی ج ۱ ص ۱۰۳ ابواب الحج

[3] موطا امام مالک کتاب الحج باب نکاح المحرم، نصب الرایہ ج ۳ ص ۱۷۳

ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ، انس بن مالکؓ اور جمہور تابعین ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، عطاء بن ابی رباح، حکم بن عتیبہ، حماد بن ابی سلیمان، عکرمہ، مسروق اور احناف بھی جواز کے قائل ہیں۔ بلکہ کہتے ہیں: قاسم اور معاذ بن جبلؓ بھی جواز کے قائل تھے البتہ صحبت کرنا جائز نہیں جب تک احرام سے حلال نہ ہو جائے۔

لیکن سعید بن المسیب، سالم، سلیمان بن یسار، لیث، اوزاعی، اسحاق، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک حالت احرام میں نکاح جائز نہیں۔ اگر نکاح کر لیا تو باطل ہو جائے گا، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بھی اس کے قائل ہیں۔

امام شافعی کی دلیل حدیث عثمانؓ ہے جس کی تخریج امام بخاری کے علاوہ اصحاب خمسہ نے کی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ینکح المحرم ولا ینکح

"احرام کی حالت میں نہ نکاح کرے اور نہ نکاح کرائے۔"

امام مسلم، امام ابوداؤد اور ابن حبان نے اس روایت کے ساتھ "ولا یخطب" بھی روایت کیا ہے ہماری (احناف) کی دلیل حدیث ابن عباسؓ ہے جس کی تخریج ائمہ ستہ نے کی ہے۔

تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میمونۃ وھو محرم

بخاری شریف کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے:

وبنی بھا وھو حلال، وماتت بسرف

"اور حلال ہونے کے بعد ان سے عروسی ادا کی اور سیدہ میمونہؓ کا انتقال بھی سرف میں ہوا تھا۔"

نیز دارقطنی بطریق ضعیف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوج میمونۃ وھو محرم

اسی طرح بزار نے مسند میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے:

انه علیه السلام تزوج وهو محرم، واحتجم وهو محرم

"رسول اللہ ﷺ نے احرام کی حالت میں نکاح کیا اور سینگی لگوائی۔"

علامہ سہیلی روض الانف میں فرماتے ہیں: اس سے حضرت عائشہؓ کی مراد نکاح میمونہؓ ہے لیکن آپ نے نام ذکر نہیں کیا۔

سوال:

امام ابوداود نے بالاسناد ذکر کیا ہے:

عن سعید بن المسیب قال: وهم ابن عباس فی تزویج میمونة وهو محرم

"سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ وہم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ میمونہؓ سے احرام کی حالت میں نکاح کیا تھا۔"

جواب:

قاضی شوکانی کہتے ہیں کہ اگر اس قول کی اسناد صحیح ثابت ہوتیں تب بھی یہ معتبر نہیں تھا کیونکہ "ترجمان القرآن" (یعنی ابن عباسؓ جنہیں ترجمان القرآن کہا جاتا ہے) کے بارے میں یہ عظیم جسارت ہے حالانکہ اس روایت کی اسناد میں ایک راوی مجہول بھی ہے جس کی وجہ سے یہ روایت ہی ناقابل اعتبار ہے۔

دوسرا سعید تابعی کا قول امام ابوحنیفہؒ پر کیسے حجت ہو سکتا ہے جب کہ وہ تابعین کے متعلق کہتے ہیں:

هم رجال ونحن رجال

تیسرا یہ کہ اس میں حضرت ابن عباسؓ منفرد نہیں بلکہ سیدہ عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ بھی ان کے ساتھ ہیں تو کیا یہ سب حضرات وہم کا شکار ہیں؟

سوال:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی طبرانی کی روایت ہے:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوج میمونة وهو حلال

جواب:

خود حافظ طبرانی نے حضرت ابن عباس سے پندرہ طرق کے ساتھ، اور ابن سعد نے طبقات میں سو طرق کے ساتھ روایت کیا ہے کہ آپ محرم تھے۔

امام شافعی کی جانب سے حدیث ابن عباسؓ کے معارضہ میں مسلم، ابوداؤد اور ترمذی و ابن ماجہ کی روایت یزید بن الاصم پیش کی جاتی ہے۔

قال: حدثتني ميمونة بنت الحارث ان رسول الله ﷺ تزوجها وهو حلال قال: وكانت خالتي وخالة ابن عباس

نیز امام ترمذی نے جامع میں امام احمد نے مسند میں اور ابن حبان نے صحیح میں حضرت ابورافعؓ سے روایت کیا ہے۔

انه عليه السلام تزوج ميمونة وهو حلال' وبنى عليها وهو حلال' وكنت انا الرسول بينهما

"رسول اللہ ﷺ نے سیدہ میمونہؓ سے حلال ہونے کی حالت میں نکاح اور رسوم عروسی بھی حلال ہونے کی حالت میں انجام دی اور میں ان دونوں کے درمیان میں قاصد تھا۔"

جواب:

یہ ہے کہ یزید بن اصم کی روایت اس درجہ کی نہیں ہے جو ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا روایت کو معلل ہے کیونکہ ابن عباسؓ کی روایت ائمہ ستہ کی متفق علیہ روایت ہے بخلاف روایت یزید بن الاصم کے کہ اسے نہ امام بخاری نے روایت کیا اور نہ ہی امام نسائی نے پھر حفظ و اتقان میں یزید بن الاصم حضرت ابن عباسؓ کے برابر نہیں ہو سکتے اسی لئے حضرت عمرو بن دینار نے ابن شہاب زہری سے مخاطبہ میں کہا تھا:

وما يدرى ابن الاصم' اعرابى بوال على عقبيه' اتجعله مثل ابن عباس؟

امام زہری اس کا جواب نہ دے سکے اور خاموش رہے نیز حضرت ابن عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو حضرات حضور انور ﷺ کے نکاح بحالت احرام روایت کرنے والے ہیں وہ اعلم ہیں اثبت ہیں افقہ ہیں تمام الضبط ہیں صاحب امانت ہیں جیسے سعید بن جبیر عطاء طاؤس مجاہد عکرمہ جابر بن زید فھولاء کلھم ائمۃ الفقہاء یحتج بروایاتھم وارائھم پھران سے جوراوی ہیں ان کا بھی یہی حال ہے جیسے عمرو بن دینار ایوب سختیانی عبداللہ بن ابی نجیح فانھم ایضا ائمۃ یقتدی بروایاتھم۔

بخلاف ان حضرات کے جو حلال ہونے کی حالت میں نکاح کا ہونا نقل کرتے ہیں کہ وہ اس درجہ کے نہیں ہیں جیسے میمون بن مہران اور حبیب بن شہید وغیرہم فانھم لا یلحقون الذین ذکرنا ھم۔

رہی حدیث ابو رافع سو اس کی اسناد میں مطر وراق پایا جاتا ہے جو خود شوافع کے نزدیک قابل احتجاج نہیں امام نسائی فرماتے ہیں: "مطر لیس بالقوی" امام احمد فرماتے ہیں: "کان فی حفظہ سوء" یحیٰی بن سعید نے بھی اسے ضعیف کہا ہے ابن سعد کہتے ہیں: "کان فیہ ضعف فی الحدیث"

آجری نے ابو داود سے نقل کیا ہے "لیس ھو عندی بحجۃ" ابن حبان نے اگرچہ اسے ثقات میں ذکر کیا ہے تاہم یہ بھی کہا ہے "ربما اخطاء" ساجی نے بھی صدوق کے بعد "یھم" کہا ہے۔

اسی لئے امام ترمذی نے حدیث ابو رافع کی تحسین کی ہے اور یہ بھی کہا ہے:

لا نعلم احدا استندہ غیر حماد بن زید عن مطر الوراق

امام بیہقی پر تعجب ہے کہ ان تمام باتوں سے واقف ہونے کے باوجود حدیث سے سکوت کرتے ہیں اور کہتے ہیں: "مطر بن طھمان الوراق قد احتج بہ مسلم بن الحجاج" حالانکہ امام مسلم نے اسے صرف متابعات میں ذکر کیا ہے نہ کہ اصول میں۔[1]

---

[1] عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۱۹۴ تا ص ۱۹۵

سن ۱۰ ہجری میں سرور دو عالم ﷺ نے سفر آخرت فرمایا اس طرح ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صرف تین سال کی قلیل مدت آپ کی خدمت میں رہیں، سیدہ میمونہؓ سے آپ کا آخری نکاح تھا اور سیدہ آخری ام المومنین تھیں۔

فضل وکمال:

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تفقہ فی الدین اور مسائل کا ادراک ان کی علمی حیثیت کو اجاگر کرتا ہے سیدہ سے ۴۶ یا ۷۶ احادیث مروی ہیں' ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حسب ذیل حضرات روایت کرتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن شداد بن الہادؓ سیدنا عبدالرحمٰن بن السائب اور سیدنا یزید بن اصم (یہ سب سیدہ کے بھانجے تھے) عبیداللہ الخولانی (سیدہ کے ربیب تھے) ندبہ (باندی تھیں) عطاء بن یسار' سلیمان بن یسار' ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس' کریب' عبیدہ بن سباق' عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ اور عالیہ بنت سبیع وغیرہم[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن بہنیں یہ ہیں' ام المومنین سیدہ میمونہؓ سیدہ ام الفضل زوجہ سیدنا عباسؓ سلمیٰ زوجہ سیدنا حمزہ اور اسماء بنت عمیس[2]

ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ کے پاس اس حال میں آئے کہ بال بکھرے ہوئے تھے' سیدہؓ نے دیکھ کر فرمایا: بیٹا! تمہاری یہ پراگندہ حالت کیوں ہے؟ بھانجے نے جواب دیا کہ ام عمارہ یعنی میری بیوی نسوانی امراض میں مبتلا ہے وہی بال سنوارتی اور کنگھی کرتی تھیں۔ فرمایا: بہت خوب! رسول اللہ ﷺ تو ہماری گود میں سر مبارک رکھ کر لیٹتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے اور ہم اسی حالت میں ہوتی تھیں اسی طرح ہم چٹائی اٹھا کر مسجد میں رکھ دیتی تھیں' بیٹا! کیا ہاتھ میں بھی

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۳۹ + العبر ج ا ص ۹

[2] طبرانی کبیر ج ۲۳ ص ۱۴ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۶۵ حدیث ۱۵۳۳۲ مستدرک حاکم ج ۴ ص ۳۲

مرض ہوتا ہے۔[1]

احکام نبوی کی تعمیل ہر وقت پیش نظر رہتی تھی ایک مرتبہ سیدہ کی کنیز "ندبیہ" حضرت ابن عباسؓ کے گھر گئی دیکھا کہ میاں بیوی کے بستر دور دور بچھے ہیں خیال ہوا شاید کچھ رنجش ہو گئی ہے لیکن معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ بیوی کے ماہواری کے ایام میں اپنا بستر ان سے علیحدہ کر دیتے ہیں اور اتنا پرہیز کہ ان کے پاس لیٹتے بھی نہیں تھے۔

جب ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنی باندی کو کہا انہیں جا کر کہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے سے اعراض نہیں کرنا چاہئے آپ تو اس حالت میں بستروں پر ہمارے ساتھ لیٹتے تھے۔[2]

ایک عورت نے بیماری میں منت مانی کہ شفایاب ہونے پر بیت المقدس جا کر نماز پڑھے گی۔ کچھ دنوں بعد صحت یاب ہو گئی اور اپنی منت پوری کرنے کی غرض سے بیت المقدس جانے کی تیاری شروع کر دی جب رخصت ہوتے وقت سلام کرنے سیدہ میمونہؓ کے پاس آئیں تو سیدہ نے فرمایا تم یہیں مسجد نبوی شریف میں نماز پڑھ لو کیونکہ اس مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مساجد کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے سوائے مسجد الحرام کے۔[3]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے محاسن کے پیش فرماتی تھیں:

انها كانت من اتقانا لله واوصلنا للرحم[4]

"میمونہؓ ہم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔"

---

1. مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۳۱
2. مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۳۲
3. مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۳۳
4. مستدرک حاکم ج ۴ ص ۳۲ طبقات ابن سعد ج ۸۔ الاصابہ ج ۸ ص ۳۱۴

سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کبھی کبھار قرض لے لیتی تھیں' مگر فوراً ادا کر دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ زیادہ رقم قرض لی تو کسی نے پوچھا آپ اس کو کیسے ادا کریں گی؟ جواب میں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: کہ جو شخص ادا کرنے کی نیت سے قرض لیتا ہے اللہ جل شانہ اس کا قرض خود ادا کر دیتا ہے۔[۱]

ایک مرتبہ سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک لونڈی آزاد کی اور رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی خبر نہ ہوئی جب آپ کی باری کے دن رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے تو انھوں نے لونڈی آزاد کرنے کا ذکر کیا' آپ نے ارشاد فرمایا: میمونہ اگر تم لونڈی اپنے ماموں کو دے دیتی تو زیادہ اجر ملتا۔[۲] یعنی صلہ رحمی کا بھی اجر ملتا۔

سانحۂ ارتحال:

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح جس مقام "سرف" پر ہوا تھا اسی مقام پر آپ کا انتقال بھی ہوا' سیدہ حج کے لئے مکہ مکرمہ گئی ہوئی تھیں وہاں طبیعت علیل ہوئی تو فرمایا: مجھے یہاں سے لے چلو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ میری موت مکہ میں واقع نہیں ہوگی اور وہاں کوئی ان کا قریبی نہ تھا۔ چنانچہ جب سرف کے مقام پر اس درخت کے پاس پہنچے جہاں رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ شب زفاف بسر فرمائی تھی ان کا انتقال ہو گیا اور اسی جگہ ان کی تدفین ہوئی۔[۳]

سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سن وفات میں کئی اقوال پائے جاتے ہیں' مگر راجح ۵۱ھ ہی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں حضرت ابن عباس' یزید بن الاصم اور عبیداللہ بن شداد نے اتارا' یہ تینوں سیدہ کے بھانجے تھے۔[۴] وصال کے وقت سیدہ کی عمر ۸۰ یا ۸۱ سال تھی اور یہ یزید بن معاویہ کا دور خلافت تھا۔[۵]

---

۱ مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۳۲
۲ مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۳۲
۳ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۹ حدیث نمبر ۱۵۳۴۲
۴ الاستیعاب ج ۴ ص ۴۰۸ مع الاصابہ
۵ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۳۶

ام المومنین سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

سن ۷ ہجری میں صلح حدیبیہ سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ نے بذریعہ خطوط اطراف و اکناف کے بادشاہوں اور حکمرانوں کو دین اسلام کی دعوت دی ان میں سے ایک خط اسکندریہ کے رومی بادشاہ کے نام لکھا جسے عرب ''مقوقس'' کے نام سے یاد کرتے تھے۔

حضور اکرم ﷺ کے معروف اور معتمد خاص صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا نامہ مبارک لے کر مقوقس کے پاس گئے اس نے اسلام تو قبول نہ کیا لیکن سفیر رسول حضرت حاطب سے بڑی عزت و احترام سے پیش آیا اور جب وہ اسکندریہ سے رخصت ہونے لگے تو حضور اکرم ﷺ کے والا نامہ کے جواب میں اپنا ایک خط حاطبؓ کے سپرد کیا جس کا مضمون اس طرح تھا:

''محمد بن عبداللہ کے نام مقوقس رئیس قبط کی طرف سے۔

سلام علیک کے بعد واضح ہو میں نے آپ کا گرامی نامہ پڑھا اس کے مضمون اور مفہوم سے آگاہ ہوا مجھے یہ تو معلوم تھا ایک نبی آنے والا ہے لیکن میرے گمان میں وہ ملک شام میں ظاہر ہوں گے میں نے آپ کے سفیر کی عزت و تکریم کی ہے اور دو لڑکیاں آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں جن کی اپنی قوم میں بہت تکریم کی جاتی ہے اور میں آپ کے لئے کپڑے اور سواری کے لئے ایک خچر بھیجتا ہوں۔'' والسلام علیک

مقوقس شاہ سکندریہ نے جو لڑکیاں حضور انور ﷺ کی خدمت میں بھیجی تھیں ان میں سے ایک کا نام ماریہ تھا اور دوسری ان کی بہن سیرین تھی۔ بادشاہ نے ایک ہزار
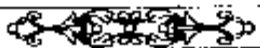
مثقال سونا سفید کپڑے کے بیس تھان' ایک خچر دلدل نامی اور ایک گدھا ارسال کیا تھا۔
ماریہ نہایت حسین وجمیل اور سرخ وسفید رنگ کی تھیں' مصر سے واپسی پر راستے میں حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تبلیغ سے دونوں مشرف باسلام ہو گئیں مدینہ پہنچنے پر حضرت حاطبؓ نے انہیں حضور انور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے حضرت سیرین رضی اللہ عنہا کو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیا اور سیدہ ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے نکاح میں لے لیا۔
حضور انور ﷺ نے سیدہ ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عالیہ کے علاقے میں ٹھہرایا جسے اس زمانے میں "مشربہ ام ابراہیم" کہا جاتا تھا۔[1]

تاریخ کا تسلسل:

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے ایک زمانہ میں حضور انور ﷺ کے جدامجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ایک بیوی سیدہ ہاجرہ' مصر کے شاہی خاندان کی فرد تھیں' اس قدیم تاریخی تعلق کی تجدید اور استحکام کے لئے مقوقس نے اپنے شاہی خاندان کی دو دوشیزائیں ماریہ قبطیہ اور سیرین قبطیہ کو اسی طرح آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیں' جس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں اس دور کے شاہ مصر نے ہاجرہ پیش کی تھی۔[2]

اولاد:

سن ۸ ہجری میں سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے سید عالم ﷺ کے صاحبزادے سیدنا ابراہیم پیدا ہوئے جو کم وبیش اٹھارہ ماہ زندہ رہ کر انتقال کر گئے۔
حضرت ابورافع نے جب ابراہیمؓ کی ولادت کی خوشخبری حضور انور ﷺ کو سنائی تو آپ اس قدر خوش ہوئے کہ حضرت ابورافع کو ایک غلام انعام میں دے دیا۔[3]
ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیمؓ کی ولادت پر حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور انور ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا:

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۵۵ ذکر ماریہ ام ابراہیم
۲۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۵۶ ۳۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۵۶

السلام علیک یا ابا ابراھیم

اس سے آپ نے اطمینان و مسرت کا اظہار فرمایا۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے ساتویں دن عقیقہ کیا سر کے بال اترائے گئے اور ان کے برابر چاندی خیرات کی بال زمین میں دفن کئے گئے عرب کے دستور کے مطابق دایہ ام بردہ بنت المنذر انصاری دودھ پلانے کے لیے مقرر کی گئیں اور معاوضہ میں کھجور کے چند درخت دیئے۔[2]

ابراہیم نے ام بردہ کے ہاں انتقال کیا جب حضور انور ﷺ کو خبر ہوئی تو عبد الرحمن بن عوف کے ساتھ تشریف لائے نزع کی حالت تھی گود میں اٹھایا آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:

"ابراہیم ہم تیری جدائی سے غمگین ہیں آنکھ روتی ہے اور دل غمزدہ ہے لیکن ہم اللہ کی رضا کے خلاف کوئی بات زبان سے نہیں کہیں گے۔"

عرب کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑی شخصیت مر جاتی ہے تو چاند میں گہن لگ جاتا ہے اتفاق سے حضرت ابراہیم جس روز فوت ہوئے سورج میں گہن لگ گیا تھا لوگوں کا خیال تھا کہ ان کی موت کا اثر ہے رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا:

"چاند سورج اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں کسی کی موت سے ان کو گہن نہیں لگتا"

ابوداود اور بیہقی کی روایت کے موافق حضرت ابراہیم نے دو مہینے دس دن کی عمر پائی ذوالحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے تھے اس روایت کی بنا پر ۹ھ میں انتقال ہوا واقدی کے نزدیک ماہ ربیع الاول ۱۰ھ میں وفات ہوئی اس لحاظ سے تقریباً چندرہ مہینے زندہ رہے بعض روایات میں سولہ مہینے آٹھ دن کی عمر پائی بعض لوگوں نے مدت حیات ایک برس دس ماہ چھ دن لکھی ہے لیکن صحاح میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ابراہیم ۱۷ یا ۱۸ مہینے تک زندہ رہے۔[3]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۵۴ [2] سیرت النبی ج ۲ ص ۲۵۹

[3] سیرت النبی ج ۲ ص ۲۵۹

مراجع ومصادر

الف

نمبر	اسماء کتب	اسماء مصنفین	المتوفی	مطبوعہ	سن طباعت
۱	اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ	کتب خانہ مجیدیہ ملتان	
۲	اوجز المسالک	شیخ الحدیث محمد زکریا مہاجر مدنی	۱۴۰۲ھ	مکتبہ امدادیہ ملتان	
	ابوداؤد	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵ھ	کتب خانہ نور محمد کراچی	۱۳۶۹ھ
۳	الاستیعاب	علامہ ابن عبد البر القرطبی	۴۶۳ھ	احیاء التراث العربی بیروت	۱۳۲۸ھ
۴	الاصابہ فی تمییز الصحابہ	علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ	احیاء التراث العربی لبنان	
۵	اسد الغابہ	علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم	۶۳۰ھ	احیاء التراث العربی لبنان	
۶		بن محمد المعروف بابن اثیر			
۷	احکام القرآن جصاص	علامہ ابوبکر احمد بن علی الجصاص	۳۷۰ھ	اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد	۱۹۹۹ء
۸	اخبار مکہ	امام ابو الولید الازرقی	۲۲۳ھ	مکتبہ خیاط بیروت	
۹	ازالۃ الخفاء	امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی	۱۱۷۶ھ	نور محمد کارخانہ کتب کراچی	
۱۰	احسن الفتاوی	مفتی رشید احمد لدھیانوی		ایچ ایم سعید کراچی	
۱۱	امداد الفتاوی	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی	۱۳۶۲ھ ۱۹۴۳ء	مکتبہ دار العلوم کراچی	
۱۲	آپ کے مسائل اور ان کا حل	علامہ محمد یوسف لدھیانوی	۱۴۲۱ھ	مکتبہ بینات کراچی	۱۹۹۵ء
۱۳	اخلاق النبی	حافظ ابو الشیخ اصفہانی		دار التصنیف جوبلی ٹاؤن کراچی	۱۴۱۰ھ
۱۴	الادب المفرد	امام محمد بن اسماعیل البخاری	۲۵۶ھ	مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل	

نمبر	کتاب	مصنف	وفات	ناشر	سن اشاعت
۱۵	ازواج نبیؐ	امام محمد بن یوسف الصالحی	۹۴۲ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت	۱۴۳۳ھ
۱۶	ازواج مطہرات	ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری		دار الاشاعت لاہور	۱۹۹۸ء
۱۷	امہات المؤمنین	مولانا عاشق الٰہی بلند شہری		عمر پبلی کیشنز لاہور	۲۰۰۳ء
۱۸	امہات المؤمنین	حکیم محمود احمد ظفر		تخلیقات لاہور	۲۰۰۰ء
۱۹	اصول کافی	ابی جعفر محمد بن یعقوب الکلینی		مکتبۃ الاسلامیہ تہران	۱۳۸۸ھ
۲۰	اوزان شرعیہ	مفتی محمد شفیع	۱۳۹۶ھ	دار الاشاعت کراچی	

ب

نمبر	کتاب	مصنف	وفات	ناشر	سن اشاعت
۲۱	بخاری شریف	امام محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶ھ	کتب خانہ رشیدیہ دہلی	۱۳۵۵ھ
۲۲	بذل المجہود	مولانا خلیل احمد سہارنپوری	۱۳۴۶ھ	مکتبہ قاسمیہ ملتان	
۲۳	بحر الرائق	علامہ ابن نجیم الشیخ زین الدین	۹۷۰ھ	ایچ ایم سعید کراچی	
۲۴	البدایہ والنہایہ	علامہ عماد الدین ابن کثیر	۷۷۴ھ	مکتبہ قدوسیہ لاہور	۱۴۰۴ھ

ت

نمبر	کتاب	مصنف	وفات	ناشر	سن اشاعت
۲۵	تفسیر قرطبی	امام محمد بن احمد القرطبی	۶۷۱ھ	دار الکتب مصر	۱۳۵۸ھ
۲۶	تفسیر کشاف	امام محمود بن عمر زمخشری	۵۳۸ھ	شرکۃ مکتبہ مصر	۱۳۶۷ھ
۲۷	تفسیر نسفی	امام عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی	۷۱۰ھ	دار الکتاب العربی لبنان	
۲۸	تفسیر بغوی	امام ابی محمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶ھ	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان	
۲۹	تفسیر بحر المحیط	امام محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان	۷۵۴ھ	دار احیاء التراث العربی لبنان	۱۹۹۰ء
۳۰	تفسیر خازن	علامہ علی بن محمد بن ابراہیم الخازن	۷۲۵ھ	حافظ کتب خانہ کوئٹہ	
۳۱	تفسیر روح المعانی	امام سید محمود آلوسی	۱۲۷۰ھ	مکتبہ امدادیہ ملتان	۱۳۹۵ھ

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات	ناشر	سن اشاعت
۳۲	تفسیر ابن کثیر	امام ابوالفداء اسماعیل بن کثیر	۷۷۴ھ	سہیل اکیڈمی لاہور	۱۳۹۳ھ
۳۳	تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵ھ	دار الاشاعت کراچی	۱۳۹۵ھ
۳۴	تفسیر حقانی	مولانا عبدالحق حقانی	۱۹۰۰ء	دار الاشاعت دہلی	۱۳۷۵ھ
۳۵	تفسیر بیان القرآن	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی	۱۳۶۲ھ	تاج کمپنی کراچی	
۳۶	تفسیر معارف القرآن	مفتی محمد شفیع	۱۳۹۶ھ	دار العلوم کراچی	
۳۷	تفسیر معارف القرآن	شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی	۱۳۹۴ھ	دار الاشاعت کراچی	
۳۸	تفسیر جواہر القرآن	شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان	۱۹۸۰ء	کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی	
۳۹	تفسیر عثمانی	علامہ شبیر احمد عثمانی	۱۹۴۹ء	کراچی	
۴۰	ترمذی شریف	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی	۲۷۹ھ	کتب خانہ مجیدیہ ملتان	
۴۱	تشریحات البخاری	مولانا محمد عبدالقادر رحمانی		موسسۃ التاریخ العربی	
۴۲	الترغیب والترہیب	امام عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶ھ	اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور	
	تہذیب التہذیب	حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ	بیروت	۱۳۲۵ھ
۴۳	تذکرۃ الحفاظ اردو	محمد بن احمد بن عثمان الذہبی	۷۴۸ھ	ادارہ ملتان	
۴۴	تبیین الحقائق	امام عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳ھ	ایچ ایم سعید کراچی	
۴۵	تحفہ اثنا عشریہ اردو	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ	نفیس اکیڈمی کراچی	
۴۶	تاریخ طبری اردو	علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری	۳۱۰ھ	بیروت	
۴۷	تاریخ کامل ابن اثیر	علامہ علی ابن ابی الکرم محمد بن محمد ابن الاثیر	۶۳۰ھ		
۴۸	تحفہ امینی	مولانا محمد حنیف عبدالمجید		بیت العلم کراچی	

ج

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات	ناشر	سن اشاعت
۴۹	جمہرۃ الانساب				

نمبر	کتاب	مصنف	وفات	ناشر	سن اشاعت
۵۰	جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین	علامہ احمد خلیل جمعہ، مترجم مولانا شاہ محمد محمود		دار الاشاعت کراچی	۱۹۹۹ء

ح

نمبر	کتاب	مصنف	وفات	ناشر	سن اشاعت
۵۱	حلیۃ الاولیاء	علامہ ابی نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی	۴۳۰ھ	دار الکتب العربی بیروت	
۵۲	حیاۃ الصحابہ	علامہ محمد یوسف			
۵۳	حیاۃ القلوب	علامہ محمد باقر مجلسی		امامیہ کتب خانہ لاہور	

د

نمبر	کتاب	مصنف	وفات	ناشر	سن اشاعت
۵۴	دارمی	امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی	۲۵۵ھ		
۵۵	دار قطنی	امام علی بن عمر الدار قطنی	۳۸۵ھ	دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور	
۵۶	در مختار	محمد بن علاء الدین حصکفی	۱۰۸۸ھ	مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ	

ر، ز

نمبر	کتاب	مصنف	وفات	ناشر	سن اشاعت
۵۷	الروض الانف	علامہ عبد الرحمن بن عبد اللہ السہیلی	۵۸۱ھ	مکتبہ فاروقیہ ملتان	۱۳۹۷ھ
۵۸	رد المحتار	علامہ ابن عابدین شامی	۱۲۵۲ھ	مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ	
۵۹	رحمۃ للعالمین	قاضی سلیمان منصور پوری		الفیصل لاہور	۱۹۹۱ء
۶۰	زرقانی شرح مواہب	علامہ محمد بن عبد الباقی	۱۱۲۲ھ	مصر	۱۳۲۷ھ
۶۱	زاد المعاد (اردو)	علامہ ابن قیم	۷۵۱ھ	نفیس اکیڈمی کراچی	۱۹۹۰ء

س

نمبر	کتاب	مصنف	وفات	ناشر	سن اشاعت
۶۲	سنن کبری للبیہقی	امام ابی بکر احمد بن الحسین ابن علی البیہقی	۴۵۸ھ	حیدرآباد دکن	۱۳۵۴ھ

۶۳	سیرت ابن ہشام	امام عبدالملک بن محمد بن ہشام	۲۱۳ھ	مقبول اکیڈمی لاہور	۱۹۷۵ء
۶۴	سیرت النبویہ	علامہ عماد الدین ابن کثیر	۷۷۴ھ	احیاء التراث العربی بیروت	
۶۵	سیرت حلبیہ اردو	علامہ علی بن برہان الدین حلبی		دارالاشاعت کراچی	۱۹۹۹ء
۶۶	السمط الثمین	امام محب الدین احمد بن عبداللہ الطبری	۶۹۴ھ	مطبعۃ الترقی حلب	
۶۷	سیر اعلام النبلاء	علامہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی	۷۴۸ھ	بیروت	
۶۸	سیرت النبی	علامہ شبلی نعمانی	۱۳۳۲ھ	دارالاشاعت کراچی	۱۹۸۳ء
۶۹	سیرت عائشہ	علامہ سید سلیمان ندوی	۱۳۷۳ھ	شوکت بک ڈپو گجرات	
۷۰	سیرت المصطفیٰ	علامہ محمد ادریس کاندھلوی	۱۳۹۴ھ	مکتبہ عثمانیہ لاہور	۱۹۸۵ء

ش

۷۱	شرح مہذب	امام ابن زکریا محی الدین بن شرف النووی	۶۷۶ھ	دمشق	
۷۱	شفاء قاضی عیاض	القاضی ابو الفضل عیاض بن موسیٰ	۵۴۴ھ	عبدالتواب اکیڈمی ملتان	
۷۲	شرح الشفاء القاری	ملا علی بن سلطان محمد القاری		عباس احمد الباز مکہ مکرمہ	
۷۳	شرح [illegible]	امام محمد بن اسماعیل المعروف بالامیر	۱۱۸۲ھ	[illegible]	
۷۴	شمائل ترمذی	امام ابو عیسیٰ ترمذی			
۷۵	شرح السنہ	امام محی الدین ابی محمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶ھ	بیروت	

ص - ط

۷۶	صفۃ الصفوۃ	-		[illegible]	

۷۷	طبرانی کبیر	امام ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰ھ	مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ	
۷۸	طبقات ابن سعد	امام محمد بن سعد بن منیع الزہری	۲۳۰ھ	دار احیاء التراث العربی لبنان	۱۴۱۷ھ

ع ۔ غ

۷۹	عمدۃ القاری	موفق بدرالدین ابی محمد محمود بن العینی	۸۵۵ھ	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ	
۸۰	غنیۃ الصحابہ				

ف ۔ ق ۔ ک

۸۱	فتح الباری	امام ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ	مصر	
۸۲	فتح الملہم	علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ	مکتبہ حجاز کراچی	
۸۳	فتاویٰ تاتارخانیہ	علامہ عالم بن العلاء	۷۸۶ھ	ادارۃ القرآن کراچی	۱۴۱۱ھ
۸۴	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی	۱۳۴۷ھ	دارالعلوم دیوبند	۱۹۷۷ء
۸۵	فتاویٰ رحیمیہ	مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری		مکتبہ رحمانیہ لاہور	
۸۶	فتوح البلدان	امام ابو [illegible]	۲۷۰ھ	احیاء التراث العربی بیروت	۱۳۹۹ھ
۸۷	القاموس الوحید	مولانا وحید الزمان قاسمی	۱۴۱۵ھ	ادارہ اسلامیات کراچی	۱۴۲۲ھ
۸۸	کنز العمال	علامہ علی المتقی بن حسام الدین الہندی	۹۷۵ھ	مطبوعات التراث الاسلامی حلب	۱۳۹۱ھ
۸۹	کتاب الام	امام محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع	۲۰۴ھ	مصر	
۹۰	کتاب الخراج				
۹۱	کفایت المفتی	مفتی اعظم محمد کفایت اللہ	۱۳۷۲ھ	مکتبہ امدادیہ ملتان	
۹۲	کتاب مقدس (انجیل)				

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات	ناشر	سن طباعت
۹۳	کتاب الخصال	علامہ ابی جعفر محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ القمی	۳۸۱ھ	انتشارات جہان تہران	

ل-م-ن

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات	ناشر	سن طباعت
۹۴	لسان العرب	امام جمال الدین محمد بن مکرم	۷۱۱ھ	قم ایران	۱۴۰۵ھ
۹۵	مسلم شریف	امام ابی الحسین مسلم بن الحجاج	۲۶۱ھ	نور محمد کراچی	۱۳۷۵ھ
۹۶	مسند امام احمد	امام احمد بن حنبل	۲۴۱ھ	دار الفکر بیروت	
۹۷	موطا امام مالک	امام مالک	۱۷۹ھ		
۹۸	مصنف ابن ابی شیبہ	امام عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ	۲۳۵ھ	مکتبہ امدادیہ ملتان	
۹۹	مستدرک حاکم	امام محمد بن عبد اللہ بن محمد بن حمدویہ الحاکم	۴۰۵ھ	دار الفکر لبنان	
۱۰۰	مغنی ابن قدامہ	امام عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ	۶۲۰ھ	مصر قاہرہ	۱۳۱۳ھ
۱۰۱	مرقاۃ المفاتیح	امام علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴ھ	مکتبہ امدادیہ ملتان	
۱۰۲	معارف ابن قتیبہ	امام ابن قتیبہ ابی محمد عبد اللہ بن مسلم	۲۷۶ھ	کارخانہ تجارت کتب کراچی	۱۳۹۶ھ
۱۰۳	مواہب لدنیہ	علامہ عبد الحکیم الحکوری	۱۲۷۷ھ	مطبعہ المجتبائیہ ملتان	
۱۰۴	معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی		مکتبہ رشیدیہ ساہیوال	
۱۰۵	المحلی	علامہ ابو محمد علی بن احمد بن سعید ابن حزم	۴۵۶ھ	دار احیاء التراث العربی لبنان	
۱۰۶	المبسوط سرخسی	علامہ شمس الدین سرخسی	۴۹۰ھ	دار الفکر لبنان	۱۴۰۹ھ
۱۰۷	مفردات القرآن اردو	امام راغب اصفہانی	۵۰۲ھ	شیخ شمس الحق لاہور	
۱۰۸	مجموعہ تفاسیر لکھنوی	امام اہلسنت مفتی محمد عبد الشکور لکھنوی	۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء	الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ کراچی	-

۱۰۹	سنن نسائی شریف	امام احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳ھ	کراچی	
۱۱۰	نیل الاوطار	علامہ قاضی محمد بن علی بن محمد الشوکانی	۱۲۵۵ھ	بیروت	۱۹۷۳ء
۱۱۱	نصب الرایہ	علامہ عبداللہ بن یوسف الزیلعی	۷۶۲ھ	دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور	۱۳۵۷ھ
۱۱۲	نقوش رسول نمبر	محمد طفیل		ادارہ فروغ اردو لاہور	